

جدید فقہی تحقیقات

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بیسویں فقہی سمینار منعقدہ

مؤرخہ ۵ تا ۷ مارچ ۲۰۱۱ء کورامپور یوپی میں پیش

کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات و مناقشات کا مجموعہ]

ایفا پبلی کیشنز - نئی دہلی

آملہ صفوں بہن، ناشر محفوظ

نام کتاب	:	آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام
صفحات	:	۶۸۳
قیمت	:	۳۳۰ روپے
سن طباعت	:	فروری ۲۰۱۲ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱- ایف بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 011 - 26981327

مجلس اولیٰ

- ۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی
- ۲- مولانا محمد ہر بان الدین سنبھلی
- ۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
- ۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
- ۵- مولانا عتیق احمد بستوی
- ۶- مفتی محمد عبید اللہ سعیدی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۷
باب اول: تمہیدی امور		
۱۴۸-۹		
۱۱	سوالنامہ	
۱۵	اکیڈمی کا فیصلہ	
۱۸	تلیخیص مقالات	مولانا صفدر زبیر ندوی
۹۵	عرض مسئلہ (سوال ۱-۵)	۱- مفتی راشد حسین ندوی
۱۰۸	عرض مسئلہ (سوال ۶-۱۰)	۲- مفتی ظہیر احمد کانپوری
۱۱۸	عرض مسئلہ (سوال ۱۱-۱۶)	۳- مولانا خورشید انور اعظمی
باب دوم: تفصیلی مقالات		
۲۰۸-۱۲۹		
۱۳۱	آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی مسائل	مولانا محمد حذیفہ داہودی
۲۰۷	آبی وسائل-مسائل اور حل	مولانا خورشید انور اعظمی
۲۳۸	آبی وسائل سے متعلق مختلف مسائل	مفتی راشد حسین ندوی
۲۶۸	آبی وسائل اور ان کے شرعی احکام	مولانا روح الامین
۳۰۱	آبی وسائل-شریعت کی روشنی میں	مفتی عبدالرحیم کشمیری
۳۳۰	آبی وسائل اور شرعی احکام	مولانا رحمت اللہ ندوی
۳۸۹	آبی وسائل-شرعی نقطہ نظر سے	مولانا محمد طاہر جہاں ندوی

۴۱۵	مفتی ثناء بدلی قاسمی	آبی وسائل اور ان کا شرعی حل
۴۳۸	مولانا امیر احسن ایوبی ندوی	آبی وسائل-شریعت کی نظر میں
۴۸۲	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی	آبی وسائل و ذرائع - فقہی نقطہ نظر سے
۵۳۹	مولانا توقیر بدیع قاسمی	آبی وسائل-شرعی تناظر میں
۵۶۴	مفتی تنظیم عالم قاسمی	آبی وسائل سے متعلق شرعی احکام
۵۸۸	مفتی سید باقر ارشد قاسمی	آبی وسائل سے متعلق شرعی ہدایات

باب سوم: مختصر مقالات ۶۰۹-۶۵۴

۶۱۱	مولانا عبدالجلیل قاسمی	آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی مسائل
۶۱۸	مفتی عبداللہ کاوی والا	آبی وسائل سے متعلق شرعی احکام
۶۲۸	حافظ شیخ کلیم اللہ عمری	آبی وسائل اور شرعی نقطہ نظر
۶۴۳	مولانا ابوسفیان مفتاحی	آبی وسائل سے متعلق شرعی مسائل
۶۵۰	مولانا شیر علی کھرنانی	آبی وسائل سے متعلق مختلف مسائل
۶۵۶	مفتی ظہیر احمد کانپوری	آبی وسائل-فقہی تناظر میں

باب چہارم: مناقشہ ۶۶۷-۶۸۴

پیش لفظ

انسان کی زندگی کے لئے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے اور بہت وافر مقدار میں مطلوب ہے، وہ ہے ہوا اور پانی، بمقابلہ دوسرے سیاروں کے کرہ ارض کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آکسیجن اتنی بے پناہ رکھی گئی ہے کہ ہر جگہ اور ہر جاندار کے لئے موجود ہے اور اس کی صفائی اور آمد کا مسلسل انتظام ہے، یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات خود انسان اپنے عمل سے اس قدر ترقی عظیمہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے؛ چنانچہ مغرب نے ایسے ہتھیار تیار کر لئے ہیں کہ جب کسی علاقے میں اس کا استعمال ہو تو وہ کچھ وقفہ کے لئے آکسیجن کو ختم کر دے، --- ہوا کے بعد دوسری سب سے بڑی ضرورت پانی ہے، پانی بیٹھا ہو یا کھارا، دونوں انسان کے لئے ایک ضرورت ہے، بیٹھے پانی سے ہماری پیاس دور ہوتی ہے، پھل، پھول، ترکاریاں اور اجناس ان سب کی پیداوار پانی پر موقوف ہے، یہاں تک کہ جن جانوروں سے ہم کھی غذا حاصل کرتے ہیں، وہ بھی نہ پانی کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ پانی کے بغیر انہیں غذا فراہم ہو سکتی ہے، سمندر میں موجزن کھارا پانی ہماری خشکی کی آلودگیوں کو جذب کرتا ہے، یہ بھاپ اڑا اڑا کر بادلوں کے وجود میں آنے کا سبب بنتا ہے اور یہی بھاپ پھر فضاؤں میں چھن کر بیٹھے پانی کی شکل میں زمین پر برستا ہے، غرض کہ دنیا میں زندگی کے جو آثار موجود ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے تخلیقی نظام کے لحاظ سے پانی ہی کے ربین منت ہیں: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (النبا: ۳۰)۔

بڑھتی ہوئی آبادی اور صنعتوں کے لئے پانی کی کثیر مقدار مطلوب ہے، ان اسباب

کی وجہ سے عالمی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر بھی پانی کا مسئلہ نہایت اہمیت اختیار کرنا جا رہا ہے اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ اب آئندہ جنگیں شاید پانی کے مسئلہ پر ہوں گی، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آبی وسائل کے استعمال میں بڑی زیادتی سے کام لیا جا رہا ہے، اس پس منظر میں پانی سے متعلق مختلف اہم سوالات اٹھ رہے ہیں، بحیثیت مسلمان ہمارا فریضہ ہے کہ ہم شریعت اسلامی کی روشنی میں ان موضوعات پر غور کریں اور اس کی آفاقی تعلیمات کو دنیا تک پہنچائیں، اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے بیسویں سمینار منعقدہ رام پور میں ایک عنوان ”آبی وسائل اور ان سے متعلق احکام“ کا رکھا تھا، نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ عالمی سطح پر بھی غالباً اس موضوع پر یہ پہلا سمینار تھا، جس میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کی گئی۔

حالاں کہ یہ ایک حد تک نامانوس موضوع تھا؛ لیکن مقام مسرت ہے کہ ارباب فقہ و افتاء کی ایک بڑی تعداد نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور بعض اہل علم نے مسئلہ کی مختلف جہتوں پر سہل اور چٹم کشا تحریریں لکھیں، سمینار میں مقالات کی تلخیص تقسیم کی گئی، عارضین نے مختلف پہلوؤں پر اپنے اپنے عرض پیش کئے، مناقشہ کے لئے بھرپور وقت دیا گیا، تجویز کمیٹی نے غور و فکر کے بعد تجویز مرتب کی، محبت عزیز مولانا صفدر زبیر ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو مرتب کیا ہے، اور اب یہ علمی سوغات قارئین کی خدمت میں پیش ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں اور بانی اکیڈمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے لئے اکیڈمی کی ان علمی کاوشوں کو صدقہ جاریہ بنا دیں۔ واللہ هو المستعان

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی، لٹڈیا)

۱۳ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
۱۰ دسمبر ۲۰۱۱ء

جدید فقیہی تحقیقات

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام

انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک پانی ہے، پانی اگر ٹٹھا ہو تو ہماری پیاس بجھانے، کھانا پکانے اور کپڑے وغیرہ دھونے کے کام میں آتا ہے، اور پانی اگر کھارا ہو جیسے سمندر کا پانی، تو اس کی افادیت بھی کچھ کم نہیں؛ کیونکہ قدرت کی جانب سے اس میں آلودگی کو جذب کرنے اور آلائشوں کو تحلیل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھی گئی ہے۔

جوں جوں تمدنی اور صنعتی ترقی ہوتی جاتی ہے اور انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، پانی کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے، اور اس کی کمی پوری دنیا کے لئے فکر مندی کا باعث ہے، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ مستقبل میں پانی کے لئے جنگیں ہوں گی، بلکہ ابھی سے دریاؤں اور سمندروں میں اپنے اپنے حقوق کے سلسلے میں مختلف ملکوں بلکہ ایک ملک کی مختلف ریاستوں کے درمیان کشمکش جاری ہے، پانی کے بے جا استعمال کی وجہ سے آبی آلودگی کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا ہے، اور اب اس کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کے سلسلے میں کوششیں کی جا رہی ہیں، اس پس منظر میں درج ذیل سوالات پر تفصیلی اور مدلل جواب مطلوب ہیں:

- ۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام کیا ہیں؟
- ۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا اور اس فضول خرچی کا شرعی حکم کیا ہے؟
- ۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں کیا احکام دیے گئے ہیں، اور یہ احکام وجوب کے درجہ میں ہیں یا صرف اخلاقی نوعیت کے حامل ہیں؟

- ۴- آج کل گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے، کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو اور آلودگی دور ہو جاتی ہے، کیا اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک سمجھا جائے گا؟
- ۵- پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، کیا اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے؟
- ۶- انسان کی مملوک زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ اس کی ملکیت ہے یا حکومت کی؟ مثلاً اگر حکومت مملوک زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے؛ تاکہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے تو کیا حکومت کو اسلامی نقطہ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش ہے اور کیا اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی؟
- ۷- بعض ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سے جہاں ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے، وہیں زیر زمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، اگر حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظتِ آب کے لئے مخصوص کر دیں تو کیا حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی، نیز پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے یا افراد کو بھی اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے؟
- ۸- بعض جگہ ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے آبادیوں کو وہاں سے منتقل کرنا پڑتا ہے، نہ صرف زرعی علاقے بلکہ آبادیاں بھی آبی ذخیرہ کا حصہ بن جاتی ہیں، لہذا شرعی نقطہ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا اور متبادل زمین فراہم کرنا کیا جائز ہوگا؟

- ۹- بعض علاقوں میں تباہ کن سیلاب آتا ہے اور ایک بستی غرق ہونے کے قریب ہوتی ہے، ایسی صورت میں لوگ پانی کے روکنے کے لئے تعمیر کئے گئے باندھ کوکاٹ دیتے ہیں، اس کے نتیجے میں سیلاب کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے، اب اس بستی کو تو وقتی طور پر مصیبت سے نجات مل جاتی ہے؛ لیکن اگلی بستی کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر آگے کی آبادی نسبتاً نشیبی علاقے میں واقع ہو تو وہاں زیادہ نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا پہلی بستی والوں کے لئے باندھ کوکاٹ دینے اور پانی کو آگے بڑھا دینا جائز ہوگا؟
- ۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے افراد و اشخاص کو کس حد تک استفادہ کی اجازت ہے؟
- ۱۱- اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضروریات کے لئے کس حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے؟
- ۱۲- کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟
- ۱۳- جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہو جاتا ہے، ان میں کیا اس کے لئے اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے؟..... واضح ہو کہ موجودہ دور میں پانی کی خرید و فروخت ایک اہم ذریعہ معاش اور ایک نفع بخش تجارت بن چکی ہے۔
- ۱۴- شہروں میں آبادی کے پھیلاؤ کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے نشیبی علاقوں (جو تالاب کی صورت میں تھے) میں لوگ پلاننگ کر کے انہیں فروخت کر رہے ہیں اور یہاں آبادیاں بسائی جا رہی ہیں، اس سے ایک طرف یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے، دوسری طرف بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہو جاتی ہے اور یہ حیثیت مجموعی

پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے، تو کیا تالاب میں آب دیاں بسانا درست ہے؟ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو اور ممانعت نہ ہو، دونوں صورتوں کے کیا احکام ہوں گے؟

۱۵- حکومت کے پروگرام میں داخل ہے کہ عوام تک پینے اور استعمال کے لئے پانی پہنچایا جائے، ترقی یافتہ ملکوں میں دیہاتوں میں بھی اس کا نظام موجود ہے، تو کیا آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے؟ اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ہو تو کیا حکومت کے لئے پانی کا عوض لیما درست ہوگا، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی کے روک لینے کا حق حاصل ہوگا؟

۱۶- یہی صورتحال استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کا بھی ہے، جس کے لئے حکومت نے ڈریج کا نظام بنایا ہے، اس سے نہ صرف افراد و اشخاص کے مفادات متعلق ہیں؛ بلکہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت بھی متعلق ہے؛ اس لئے کیا یہ شرعی نقطہ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہوگی، اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا؟

☆☆☆

اکیڈمی کا فیصلہ

آبی وسائل اور ان کے شرعی احکام

پانی اللہ تعالیٰ کی بڑی اہم نعمت ہے، یہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بہت سے احکام دیئے، لہذا اس کی قدر کی جائے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے پانی میں اسراف کی ممانعت کر دی گئی، اور اس کو آلودہ کرنے سے سختی سے منع کر دیا گیا ہے، اور چونکہ سبھی کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس میں کسی کی اجارہ داری تسلیم نہیں کی گئی، نہ ہی ایسی ذخیرہ اندوزی کرنے کی اجازت دی گئی جو کسی کی حق تلفی کا سبب بنے۔

۱- جن امور میں پانی استعمال کرنے کی اجازت ہے ان میں بلا ضرورت یا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا اسراف ہے۔

۲- موقوفہ پانی میں اسراف کرنا حرام ہوگا اور اگر مملوکہ و مباح پانی ہے تو اس میں مکروہ ہوگا۔

۳- شریعت نے پانی کو صرف پاک رکھنے ہی کے احکام نہیں دیئے ہیں بلکہ پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے بھی شریعت نے متعدد احکام دیئے ہیں؛ لہذا یہ بھی ضروری ہے۔

۴- پانی کی قلت کے پیش نظر اگر حکومتیں مفاہم عامہ کی خاطر پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں تو یہ درست ہے اور اس پر عمل ضروری ہے بشرطیکہ یہ پابندی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کو پورا کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

۵- مملوکہ زمین کے نیچے پانی مباح الاصل ہے کسی کی ملک نہیں، بوقت ضرورت مصلحت عامہ کے پیش نظر حکومت بورنگ کرانے سے روک سکتی ہے۔

- ۶- پانی کی حفاظت اور اس کا ذخیرہ کرنا اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے تاہم فرد پر بھی اس کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے کہ زیر زمین پانی کی مناسب سطح باقی رکھنے کے لئے مناسب تدبیر اختیار کریں اور تعاون کریں۔
- ۷- بوقت ضرورت مفاد عامہ کے پیش نظر ڈیم تعمیر کرنے کے لئے آبادی منتقل کی جاسکتی ہے بشرطیکہ فوری ایسا عادلانہ معاوضہ ادا کیا جائے جو لوگوں کے لئے تلافی مافات اور باز آباد کاری کے لئے کافی ہو سکے۔
- ۸- یہ ضروری ہے کہ سیلاب کے موقع سے بالائی اور نشیبی دونوں آبادیوں کے تحفظ کا خیال رکھا جائے اور حتی الامکان وہ صورت اختیار کی جائے جس میں کم سے کم نقصان ہو۔
- ۹- اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنا بغیر دوسروں کو ضرر پہنچانے درست ہے۔
- ۱۰- نہروں سے استفادہ بقدر ضرورت جائز ہے بشرطیکہ اس سے نہروں اور دوسرے لوگوں کو نقصان نہ ہو۔
- ۱۱- وہ تمام صورتیں جن میں پانی کو کسی چھوٹے بڑے برتن یا چیز میں بالقصد محفوظ کر لیا جائے، ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، البتہ پانی کو مملوک بنانے کے لئے ایسی شکل اختیار نہ کی جائے جس سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو۔
- ۱۲- پانی پر ملکیت حاصل ہونے والی تمام شکلوں میں پانی کی تجارت جائز ہے جبکہ مفاد عامہ متاثر نہ ہو، لہذا عوامی نلوں اور پانی کے ذخائر سے اپنے حق سے زیادہ لے کر اور دوسروں کو ان کے حق سے محروم کر کے اس پانی کو کفر و خست کرنا جائز نہیں ہے۔
- ۱۳- نشیبی علاقوں میں پلاننگ کر کے انہیں فروخت کرنا اور آبادیاں بسانا جب کہ ضرر عام لاحق ہو، درست نہیں ہے؛ خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو۔
- ۱۴- ہر شہری کو پانی کی فراہمی حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے، وہ اس پر مناسب

معاوضہ بھی لے سکتی ہے، اور معاوضہ پر قدرت رکھنے والوں سے اجرت نہ ادا کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حق رکھتی ہے۔

۱۵- پانی کی نکاسی کا نظام بنانا اور شہریوں کی صحت کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور عوام کا فریضہ ہے کہ وہ حکومت کے ایسے نظام کو امین کا ناظر رکھیں۔

☆☆☆

تلخیص مقالات:

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام

مولانا صفدر زبیر ندوی

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا بیسواں فقہی سمینار ریاست اتر پردیش کے شہر رامپور میں مورخہ ۵-۷ مارچ ۲۰۱۱ء کو منعقد ہونے جا رہا ہے۔ اکیڈمی نے اس سمینار میں بحث کے لئے چار اہم موضوعات کا انتخاب کیا جن میں سے ایک اہم موضوع ”آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام“ بھی ہے۔ اس موضوع پر اکیڈمی کو ۲۷ مقالے موصول ہوئے جن کی تلخیص آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ جن حضرات کے مقالے آئے ان کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

[مولانا شیر علی صاحب، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، حافظ شیخ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مفتی محمد حذیفہ داہودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا عطاء اللہ قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مفتی رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا توقیر بدر القاسمی، مولانا سید عبدالرحیم حسنی کشمیری، شیخ ایم اے عبدالقادر]۔

بعض مقالہ نگاروں نے تمہید کے طور پر اپنے مقالات کے شروع میں پانی کے اہم ترین نعمت ہونے، ہر جاندار کی زندگی میں اس کی اہمیت، انسان کی بنیادی ضرورت، اس کے

استعمال سے متعلق اسلامی تعلیمات و ہدایات اور ان سے متعلق آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جو بہت ہی معلوماتی اور مفید بھی ہیں، لیکن تلخیص طویل نہ ہو جائے اس خوف سے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اصل بحث اور سوالوں کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۱- پانی کے استعمال سے متعلق عمومی احکام:

سوال: ۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام کیا ہیں؟
پانی سے متعلق شریعت کے عمومی احکام بیان کرتے ہوئے اکثر مقالہ نگار حضرات نے پانی کی صلاحیت تطہیر کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے، مثلاً وضو، غسل، نجاست کو دور کرنا، اور اسے انسان کی ایک بنیادی اور اہم ترین ضرورت قرار دیتے ہوئے کھانے پینے اور روزہ مرہ کی دیگر ضروریات میں اس کے استعمال کا ذکر کیا ہے [دیکھئے مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ]۔

۱- ”وینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ ویذہب عنکم رجز الشیطان“ (انفال: ۱۱)۔

۲- ”هو الذی أنزل من السماء ماء لکم منه شراب ومنہ شجر فیہ تسمون“ (انعام: ۱۰)۔

۳- ”وٹیابک فطہر و الرجز فاجر“ (المدثر: ۳-۵)۔

۴- ”هو الطہور ماء ۵“ (مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ، باب احکام المیاء ۵۱)۔

مولانا امیر احسن ایوبی ندوی وغیرہ نے اس کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے قرآنی آیات کی روشنی میں پانی کے استعمال سے متعلق درج عمومی احکام گنوائے ہیں:

۱- پانی انسان کے کھانے پینے میں استعمال ہوتا ہے۔

- ۲- پانی سے انسان طہارت و صفائی کا بھی کام لے سکتا ہے۔
 ۳- پانی سے کھیتوں اور باغوں وغیرہ کی سیرجائی کر سکتا ہے۔
 ۴- اپنے جانوروں کو بھی پلائے گا۔
 ۵- پانی کے استعمال میں اسراف و فضول خرچی سے بچے گا۔
 ۶- پانی کو آلودہ ہونے سے بچائے گا۔
 ۷- پانی کو لوگوں کے ضرر اور ایذا کا سبب نہیں بنائے گا۔
 ۸- اعزاز کے ذریعہ پانی پر اس کی ملکیت تسلیم کی جائے گی۔
 ۹- جن صورتوں میں بھی لوگوں کو حق و حنفہ حاصل ہو پانی کے استعمال پر پابندی نہیں لگائے گا۔

جبکہ مفتی تنظیم عالم قاسمی نے ایک قدم آگے بڑھ کر بجلی کی توانائی، فیکٹریوں اور بڑی بڑی صنعتوں کے حرکت میں رہنے کو اسی پانی کا رہن منتظر اردیا ہے۔

پانی کی اقسام:

بعض حضرات نے اس ضمن میں پانی کی اقسام اور اس کی تفصیلات بیان کی ہیں، مفتی سید باقر ارشد قاسمی نے اس کی چھ قسمیں کی ہیں:

۱- آسمان کا پانی یعنی برسات کا پانی

۲- سمندر کا پانی

۳- نہر اور نالوں کا پانی

۴- کنویں کا پانی

۵- چشمے کا پانی

۶- برف کا پانی

جبکہ مفتی ظہیر احمد کانپوری نے مطلق پانی کی چار قسمیں کی ہیں، برسات اور برف کے پانی کو چھوڑتے ہوئے انہوں نے برتنوں میں جمع پانی کا ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس کسی نے پانی اپنے برتن میں جمع کر لیا تو وہ پانی صاحب برتن کی ملک ہو جائے گا، اور وہ اس پانی کو شرعاً فروخت بھی کر سکتا ہے (بحوالہ فقہ الاسلامی وادلتہ ۳۶۶۱/۶، بدائع الصنائع ۱۸۸۸/۶، تبیین الحقائق ۳۹۶/۶، ۳۱۱/۵)۔

شرعی حکم:

اسی طرح بعض حضرات نے پانی کی طہارت و نجاست کے اعتبار سے قسمیں کی ہیں، جیسا کہ مفتی سید باقر ارشد قاسمی اس کی تین قسمیں کرتے ہیں، طہور، طاہر، اور غیر طہور متنجس، جبکہ مولانا رحمت اللہ ندوی نے اس کی پانچ قسمیں کرتے ہوئے اس میں ماء طاہر مطہر مکروہ اور ماء مشکوک کا اضافہ کیا ہے۔ موصوف نے لکھا ہے کہ ماء طاہر مطہر مکروہ وہ پانی ہے جس سے ایسا جانور پی لے جو عام طور پر نجاست سے دور نہیں رہتا اس سے نہیں بچتا ہے، حنفیہ کے نزدیک ماء مطلق کی موجودگی میں اس سے وضو کرنا مکروہ ہے، اور اکثر شافعیہ کے نزدیک یہ وہ پانی ہے جو سونے چاندی کے علاوہ دیگر معدنی برتنوں میں رکھ کر دھوپ کے اندر گرم ہو گیا ہو، اس کی کراہیت کی علت یہ ہے کہ اس سے برص کی بیماری ہوتی ہے، اسی طرح انہوں نے ماء مشکوک کے بارے میں حنفیہ کا رجحان یہ لکھا ہے کہ ماء قلیل سے جب کوئی گدھلیا خچر پی لے تو وہ ماء مشکوک ہے، لہذا قطعی طور پر اس کی طہارت و نجاست کی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، یعنی وہ نہ کسی طاہر کو ناپاک کرے گا اور نہ کسی نجس کو پاک کرے گا۔

اور مولانا سید عبدالرحیم حسنی نے اس مسئلہ سے متعلق کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (۲۹۱-۳۰) سے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے اور اخیر میں یہ لکھا ہے کہ احناف کے یہاں سورج کی تپش سے گرم شدہ پانی سے بھی وضو غسل کرنا مکروہ ہے جبکہ یہ پانی سونے و چاندی کے

برتن کے علاوہ کسی برتن میں رکھا ہو، یا ایسے ہی شرابی شخص کا جھوٹا پانی بھی مکروہ ہے جب کہ شراب سے ملا ہو العاب وہن اس شرابی کے جھوٹے پانی سے مل جائے، نیز چیل، کوئے اور آوارہ پھرنے والے مرغ وغیرہ اور بلی کا جھوٹا پانی بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ جانور عموماً نجاست سے کم ہی پرہیز کرتے ہیں (کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ ۱/۳۰۱)۔

جبکہ مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اور مولانا عامر ظفر ایوبی وغیرہ نے پانی کے استعمال کے تعلق سے جو احکام مرتب ہوتے ہیں ان کی تقسیم کو اپنے مقالہ میں ملحوظ رکھا ہے:

- ۱- فرض و واجب: اقامت نماز کے لئے وضو۔
- ۲- سنت: جمعہ، عیدین، عرفہ اور احرام کا غسل۔
- ۳- مستحب: وضو پر وضو کرنا۔
- ۴- مباح: ہر قسم کی ضروریات کے لئے پانی کی مناسب مقدار کا استعمال کرنا۔
- ۵- مکروہ تنزیہی: اپنے مملوکہ پانی یا دریا وغیرہ کے پانی میں اسراف کرنا۔
- ۶- مکروہ تحریمی: وقف کئے ہوئے پانی میں حاجت شرعیہ سے زیادہ پانی کا استعمال کرنا۔

مولانا عامر ظفر ایوبی نے وضو پر وضو کرنے کے مستحب ہونے کی یہ دلیل دی ہے:

”عن غطفیف قال: كنت عند ابن عمر فلما نؤدى بالظھر توضأ فصلی فلما نؤدی بالعصر توضأ فقلت له، فقال: كان رسول الله ﷺ يقول: من توضأ علی طھر كتب له عشر حسنات“ (ابوداؤد)۔

جبکہ مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے اس میں ایک قسم حرام کا اضافہ کیا ہے، اور اس کے تحت چند چیزوں کا ذکر کیا ہے، مثلاً:

- ۱- پانی مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا۔
- ۲- پیاس سے کسی کے بلاک ہونے کا اندیشہ ہو اور وضو یا غسل کر کے پانی کو ختم

کر دیا جائے۔

۳- وضو یا غسل کرنے سے ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو۔

۴- اور پانی اتنا ٹھنڈا یا گرم ہو کہ اس کے استعمال سے نقصان کا خطرہ ہو۔

۲- پانی میں فضول خرچی کی صورتیں اور ان کا شرعی حکم:

سوال: ۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا اور اس فضول خرچی کا شرعی حکم کیا ہے؟

اس سول کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ پانی کے استعمال کی ضرورت جہاں بھی ہو یا جتنی مقدار میں ہو، اس سے زائد کا استعمال کرنا فضول خرچی اور اسراف میں داخل ہوگا، جو کہ بعض اوقات حرام اور بعض اوقات مکروہ ہوگا۔

اسراف کی تعریف:

بعض حضرات نے اسراف کی پہلے تعریف بیان کی ہے، مثلاً:

۱- "الاسراف فی اللغة: مجاوزة القصد، أما فی الاصطلاح الشرعی:

وهو مجاوزة الحد" (.....)۔

"السرف الذی نہی اللہ عنہ فهو ما أنفق فی غیر طاعة اللہ قليلا کان

أو كثيرا" (سوسوعہ ۱/۱۷۶)۔

۲- "الإسراف صرف الشئ فیما ینبغی زائدا علی ما ینبغی"

(رد المحتار ۱۰/۳۹۳، کتاب التعریفات ۲۶، قواعد الفقہ ۱/۱۷۷)۔

۳- "إن الإسراف هو الاستعمال فوق الحاجة الشرعية وإن کان شط

نہر" (مکر، نیز جامعہ الطحاوی علی مرآة القلاح ص ۵۳)۔

"الإسراف تعدی الحد، فنہام عن تعدی الحلال إلی الحرام، وقیل

الآن یزیدوا علی قدر الحاجة“ (أحكام القرآن لابن العربي ۱۹۰/۳)۔

۵- مولانا عبد الماجد دریا بادی لکھتے ہیں کہ اسراف نام ہے صرف بے اندازہ یا صرف بے محل کا (تفسیر ماجدی ۱۵۰/۲) [مقالہ: مولانا رحمت اللہ ندوی]۔

۶- ”الإسراف هو الزيادة في الانفاق في موقعة“ (جلالین ۲۳۲/۱، حاشیہ نمبر ۱۱)۔

۷- حضرت تھانوی فرماتے ہیں: اسراف مقدار سے ماواقف ہونے کا نام ہے، یعنی آدمی کو یہی نہ معلوم ہو کہ کتنا خرچ کرنا ہے، اور کتنا نہیں (بیان القرآن ۸۳/۱) [مقالہ: مولانا عطاء اللہ قاسمی]۔

۸- مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے معارف القرآن (۴۷۰/۵) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک اسراف و تہذیر دونوں ہم معنی لفظ ہیں، یعنی کسی معصیت میں یا بے موقع و محل خرچ کرنے کو تہذیر و اسراف کہا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ کسی گناہ میں یا بالکل بے موقع و بے محل خرچ کرنے کو تہذیر کہتے ہیں، اور جہاں خرچ کرنے کا جائز موقع ہو مگر ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے تو اس کو اسراف کہتے ہیں، اسی لئے تہذیر بہ نسبت اسراف کے اشد ہے، یہی رائے مفتی عبداللہ کاوی والا کی بھی ہے۔

۹- تقریباً اسی معنی میں مولانا محمد عثمان بستوی نے ائیسیر المیر (۵۸/۵) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تہذیر کے معنی یہ ہیں کہ مال جو جائز خواہشوں کی تکمیل کے لئے انسان کو دیا گیا ہے اسے ناجائز خواہشوں اور غیر قانونی اعمال و انفعال پر خرچ کرنا ہے، اور اسراف مال کو جائز کاموں میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا یعنی اعتدال سے ہٹ جانا ہے، آیت ہے: ”والذین إذا أنفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواماً“ (الفرقان: ۶۷)۔

پانی میں اسراف کی صورتیں:

اس سلسلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ جن جگہوں میں یا جن صورتوں میں پانی کا استعمال ہوتا ہے مثلاً وضو، غسل، استنجاء، کپڑا دھونا اور کھانے پینے وغیرہ میں

معلوم و مناسب و مسنون مقدار سے زیادہ استعمال کرنا اسراف میں داخل ہوگا، ان حضرات نے عام طور پر غسل باصاع، وضو بالممد اور صرف فی الوضوء والی احادیث کو متدل کے طور پر پیش کیا ہے۔

دلائل:

۱- ”کلوا واشربوا ولا تسرفوا“ (الانعام، ۱۳۱) [مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی]۔

۲- ”إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين“ (بنی اسرائیل، ۲۷) [مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی]۔

۳- ”عن جابر أن النبي ﷺ كان يتوضأ بالممد ويغتسل بالصاع“ (بخاری، ۳۰۳، مسلم، ۲۵۸/۱)۔

۴- ”عن ابن جبیر قال سمعت أنسا يقول: كان النبي ﷺ يغسل أو كان يغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد ويتوضأ بالممد“ (بخاری، ۲۳/۱)۔

۵- ”عن سفينة أن النبي ﷺ كان يتوضأ بالممد ويغتسل بالصاع“ (ترمذی، ۱۸/۱)۔

۶- ”عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن رسول الله ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال: ما هذا السرف؟ فقال: أفي الوضوء سرف؟ فقال: نعم، وإن كنت على نهر جار“ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۷۰۶۵، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۲۵)۔

۷- ”ومنه (الاسراف) الزيادة على الثلاث أى فى الغسلات مع اعتقاد أن ذلك هو السنة، لما قدمناه من أن الصحيح أن النهى محمول على ذلك فإذا لم يعتقد ذلك، وقصد الطمأنينة عند الشك أو قصد الوضوء على الوضوء بعد الفراغ منه فلا كراهة.....“ (رد المحتار علی الدر المختار، ۲۵۹/۱) [مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا امیر احسن ایوبی ندوی]۔

وضو میں اسراف:

۱- ”أما الزيادة على الثلاث الموعبة فمكروه عند الجمهور..... لأنها من السرف في الماء“ (الموسم الفقہیہ ۱۷۸/۳-۱۷۹)۔

۲- حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: ”لا آمن إذا زاد في الوضوء على الثلاث أن يأتهم“ (تخت الاعوذی للمبارکھوری ۱۳۱/۱)۔

غسل میں اسراف:

۱- ”من سنن الغسل التلث، بأن يفيض الماء على كل يده ثلاثا مستوعبا، والزائد على ذلك يعتبر إسرافا مكروها“ (الموسم الفقہیہ ۱۸۰/۳)۔

کھانے پینے میں اسراف:

۱- ”قال رسول الله ﷺ: إن من الإسراف أن تأكل كل ما اشتهيت“ (تجوید معارف القرآن ۵۳۶/۳)۔

۲- ”ومن الاسراف في الأكل، الأكل فوق الشبع، وكل ذلك محظور“ (احکام القرآن للطبری ۱۳۸/۳)۔

۳- وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنا مکروہ تحریمی ہے، حدیث میں ہے: ”إن شرار أمتي الذين يسرفون في فضل الماء..... وفي الدر: ويكره الإسراف تحريما ولو بماء النهر أو المملوك“ (ظلمواي علی مراآی الفلاح ۲۵/۳)۔

۴- ”قد أجمعت الأمة على كراهة الإسراف في الطهور وضوءاً كان أو غسلًا أو طهارة عن النجاسات، وإن كان على شط نهر جار“ (بذل الجہود ۶۱/۱)۔

۵- ”وما زاد على الشبع فهو مكروه أو ممنوع على الخلاف بين

الفقہاء“ (الموسمۃ القہریہ ۱۸۵۳-۱۸۶۱)۔

۶- اور مولانا شیر علی کجراتی نے لکھا ہے کہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے ”المعایہ“ میں وضو میں اسراف کو حرام قرار دیا ہے (المعایہ ۱۸۳)۔

صاع اور مد کی تفصیل:

اس ضمن میں مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا محمد حذیفہ داہودی وغیرہ نے الاوزان لجمودہ کے حوالہ سے صاع اور مد کی تفصیل لکھی ہے کہ:

مد و وطل کا ہوتا ہے، اور ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے جس کی مقدار کے سلسلے میں خاصا اختلاف ہے، البتہ علماء ہند کے نزدیک ایک صاع ۱۳۹ء ۳۳ گرام کا، اور لیٹر کے اعتبار سے ایک صاع ۱۳۷ء ۱۲ لیٹر کا ہوتا ہے، اور چونکہ ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں، لہذا اگر ام کے اعتبار سے ایک مد ۳۲۰ء ۷۸ گرام کا، اور لیٹر کے حساب سے ۱۰۳۱ء کا ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ ایک صاع چار لیٹر سے کچھ زیادہ اور ایک مد ایک لیٹر سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔

مفتی عبداللہ کاوی والا نے تحتہ الألعی کے حوالہ سے نبی اکرم ﷺ کے غسل کے پانی کی مقدار کا وزن ۳۷ کیلو ۱۵۰ گرام اور وضو کے پانی کی مقدار کا وزن ۷۹۰ گرام لکھا ہے (تحتہ الألعی ۱/۲۸۷)۔

لیکن مولانا سید عبدالرحیم حسنی کشمیری نے بدائع الصنائع (۱/۱۴۴) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ غسل میں صاع اور وضو میں مد کی مقدار کا جو ذکر ہے وہ حتمی و لازمی نہیں ہے کہ اس مقدار سے کمی یا اس پر زیادتی ناجائز ہے، اس لئے کہ پانی کے استعمال سے متعلق ادنیٰ کفایتی مقدار کا بیان بھی حدیث میں مذکور ہے کہ ”أن رسول اللہ ﷺ كان يتوضأ بشلشي ماء“ (ابوداؤد حدیث نمبر ۹۳، سنن ابی داؤد ۱/۵۸)۔

اس حدیث کے تعلق سے مولانا کلیم اللہ عمری نے ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”قال الشافعی وأحمد وإسحاق ليس معنى هذا الحملث على التوقيت أنه لا يجوز

اکثر منه ولا أقل منه وهو قدر ما يكفي“ (ترمذی: ۵۶۵)۔

اسی طرح یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ﷺ سے ایک فرق (یعنی ایک بڑا برتن کہ جس میں تقریباً ۹ سیر پانی سما جاتا ہے) پانی سے بھی غسل کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے (بخاری: ۲۵۰، مسلم: ۳۱۹، ابوداؤد: ۲۳۸، نسائی: ۱۲۷)۔

جبکہ مولانا عامر ظفر ایوبی کا کہنا ہے کہ حدیث میں وضو اور غسل کے لئے جو مقدار درج ہے وہ مسنون ہے، واجب نہیں، جیسا کہ بدائع میں ہے:

”ثم هذا الذى ذكره محمد من الصاع والمد فى الغسل والوضوء ليس بتقدير لازم بحيث لا يجوز النقصان عنه أو الزيادة عليه بل هو مقدار أدنى الكفاية عادة حتى لو أن من أسبغ الوضوء بلمون ذلك أجزأه وإن لم يكفه زاد عليه لأن طباع الناس وأحوالهم تختلف“ (بدائع الصنائع ۳/۱۳۳-۱۳۵)۔

اسراف کی مختلف صورتیں:

بعض حضرات مثلاً مولانا قاضی عبدالجلیل تاسمی اور مفتی عبداللہ کاوی والا وغیرہ نے پانی میں اسراف کی درج ذیل صورتیں لکھی ہیں:

- ۱- وضو میں دھوئے جانے والے اعضاء کو تین بار سے زائد دھونا۔
- ۲- غسل واجب میں بدن کو تین بار سے زائد دھونا۔
- ۳- دو رجدید میں پانی کی ٹنکی کے بھر جانے کے بعد بھی موٹر کو چالو رکھنا۔
- ۴- نل کو کھلا ہوا چھوڑ کر وضو یا غسل کرنا۔
- ۵- بیت الخلاء کی صفائی کے لئے فلش کو دبا ہوا چھوڑ دینا۔
- ۶- غسل خانہ میں باتھ ٹب میں پانی بھر کر غسل کرنا بھی فضول خرچی ہے۔
- ۷- جانوروں کے نہلانے میں زیادہ پانی کا استعمال کرنا۔
- ۸- کپڑا اور برتن وغیرہ دھونے میں ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال کرنا۔

۹- کھیت یا باغ میں سیخانی کرتے وقت ضرورت سے زائد پانی کا استعمال کرنا۔

۱۰- بلا فصل وضو کی تجدید کرنا۔

۱۱- چوراہوں پر لگے ہوئے نواروں سے من وجہ پانی کا اسراف ہوتا ہے۔

۱۲- سوئمنگ پول میں غسل کرنا بھی اسراف ہے، نیز یہ طریقہ انعماس فی الماء کی

ممانعت کو بھی شامل ہے۔

اسراف کا شرعی حکم:

☆ مولانا محمد عثمان بستوی وغیرہ نے اس کی تفصیل کی ہے کہ اسراف کے کراہت کے

ساتھ جواز اور عدم جواز کا مدار پانی کی ضرورت، اجازت، ملکیت، لباحث وغیرہ پر ہے:

۱- اگر پانی اپنا مملوک ہے اور پانی کی فراوانی بھی ہے تو ضرورت سے زائد خرچ کرنا

کراہت سے خالی نہیں۔

۲- پانی مملوک ہو، لیکن پانی قلیل ہو اور اسراف کی وجہ سے خود اپنی یا دوسرے لوگوں کی

حق تلفی ہوتی ہو تو ایسی صورت میں اسراف شرعاً جائز نہیں۔

۳- پانی اگر دوسرے کی ملکیت ہو اور اس نے کسی خاص ضرورت میں استعمال کی

اجازت دی ہے تو اس ضرورت سے زائد استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

۴- پانی اگر واقف کی طرف سے وضو یا غسل یا پینے کے لئے وقف ہو تو ان ہی امور

میں صرف بقدر ضرورت استعمال جائز ہے، دوسرے امور میں یا ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا

جائز نہیں ہے۔

☆ مولانا روح الامین کی رائے یہ ہے کہ جو پانی بالکل ضائع ہو جائے اور استعمال

کے قابل نہ رہے تو ایسا اسراف مکروہ تحریمی ہے، اور اگر ضائع نہ ہو بلکہ نہر کے کنارے پر استعمال

کیا ہو پانی پھر بہہ کر نہر میں جا رہا ہو تو ایسا اسراف مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ سمجھا جائے گا، جیسا

کہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

”ویؤیدہ ما قدمہ الشارح عن الجواهر من أن الإسراف فی الماء الجاری جائز لأنه غیر مضيع، وقد مننا أن الجائز قد یطلق علی ما لا یمتنع شرعاً فی شمل المکروه تنزیها“ (رد المحتار ۲۵۹/۱)۔

☆ مولانا محمد شاہ جہاں ندوی نے وضو اور غسل میں اسراف سے متعلق کئی صورتیں ذکر کی ہیں، مثلاً:

۱- تین مرتبہ اعضاء وضو کو دھونا سنت نہ جانتے ہوئے چوتھی یا پانچویں مرتبہ دھونا اسراف اور مکروہ تحریمی ہے [مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، بحوالہ رد المحتار ۲۵۸/۱]۔

۲- اعضاء وضو دھوتے وقت مسجد کے حوض یا ٹنکی کی ٹونٹی یا نلکیاں کھولے رکھنا، جس سے بے مقصد پانی کا ضیاع ہو، حرام ہے۔

۳- غسل میں پورے بدن پر کامل تین بار سے زیادہ بے مقصد پانی ڈالنا مکروہ تحریمی ہے، اور تقریباً یہی رائے شیخ ایم اے عبدالقادر کی بھی ہے۔

☆ مولانا سید عبدالرحیم حسنی لکھتے ہیں کہ جس طرح وضو کے پانی میں اسراف کرنا مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح ضرورت سے کم پانی خرچ کرنا بھی مکروہ تنزیہی ہے، اور یہاں صورت میں ہے جبکہ پانی اپنی ملکیت ہو، لیکن اگر یہ پانی وقف ہو تو ایسے پانی میں اسراف کرنا بہر صورت حرام ہے، اور یہی رائے مولانا راشد حسین ندوی کی بھی ہے۔

☆ جبکہ مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی اور مفتی تنظیم عالم قاسمی وغیرہ کا کہنا ہے کہ پانی میں اسراف اور فضول خرچی اگر اپنی ملکیت میں ہو تو مکروہ تحریمی ہے، اور وقف شدہ میں اسراف حرام ہے، دلیل یہی ہے:

”ویکرہ الإسراف فیہ تحریمًا لو بماء النهر أو المملوک له أما الموقوف علی من یتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام“ (حاشیہ الطحاوی علی المرآة ۸۰)۔

☆ مولانا خورشید انور اعظمی نے بھی علامہ بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری (۳/۲)

کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس سے پانی کے استعمال میں فضول خرچی کی کراہیت معلوم ہوتی ہے، اور بڈل اچھو (۱/۲۴۷) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علماء کرام نے پانی کے اسراف کی کراہیت پر امت کا اجماع نقل کیا ہے [نیز مقالہ: مولانا نعیم اختر تاقی]۔

☆ مولانا محمد مصطفیٰ تاقی کے نزدیک پانی کے استعمال میں اسراف کرنا اور اسے ضائع

کرنا حرام ہے۔

☆ مولانا عطاء اللہ تاقی کا کہنا ہے کہ آیت کریمہ ”کلوا واشربوا ولا

تسرفوا“ میں نہی کا صیغہ ”لا تسرفوا“ استعمال کیا گیا ہے جو فعل حسی پر ’نہی‘ ہے اسی لئے اسراف حرام ہے۔

☆ اور مولانا محمد شامی نے اسراف کے حرام ہونے کے تعلق سے دو صورتیں کی

ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ تمام وہ صورتیں جن میں پانی کو بے ضرورت اور بے مقصد یونہی ضائع کیا جائے وہ حرام ہیں، اور کسی چیز کی ضرورت سے زیادہ بے وجہ پانی خرچ کرنا اسراف اور مکروہ تحریمی ہے۔

☆ مفتی عبداللہ کاوی والانے پانی کے استعمال میں اسراف کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

☆ جبکہ مفتی شاہد علی تاقی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی نے اسے مکروہ تنزیہی کہا ہے۔

”اتفق أصحابنا وغيرهم على ذم الإسراف في الماء في الوضوء

والغسل، قال البخاری في صحيحه: كره أهل العلم الإسراف فيه والمشهور

أنه مكروه كراهة تنزیه، قال البغوی والمتولی حرام“ (المجموع شرح المہذب ۲/۱۵۲)۔

”ترك التقتير والإسراف من المنذوبات، وذكر الحلواني أنه سنة،

وعليه مشى قاضي خان، ولا يلزم كونه زانما على المأمور به وغير طاعة أن

يكون حراما، نعم، إذا اعتقد سنيته يكون قد تعدى وظلم لا اعتقاده ماليس بقربة

قربة فلذا حمل علماءنا النهي على ذلك فحينئذ يكون منهيا عنه ويكون تركه

سنة مؤكدة“ (رد المحتار ۱/۲۶۸)۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت کا حکم:

سوال: ۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں کیا احکام دیے گئے ہیں، اور یہ احکام وجوب کے درجہ میں ہیں یا صرف اخلاقی نوعیت کے حامل ہیں؟

اس پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ پانی کو آلودہ کرنا حرام اور ناجائز ہے، عام طور سے ان حضرات نے یکساں دلائل پیش کئے ہیں، چند اہم دلائل ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

دلائل:

- ۱- "قال رسول الله ﷺ: لا يبولن أحدكم في الماء المائم الذي لا يجرى ثم يغتسل فيه" (بخاری، باب البول في الماء الدائم، حدیث نمبر: ۲۳۹)۔
- ۲- "قال رسول الله ﷺ: لا تبل في الماء المائم الذي لا يجرى ثم تغتسل منه" (صحیح مسلم، باب من البول في الماء الدائم)۔
- ۳- "عن أبي هريرة أن النبي ﷺ قال: إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده في الإناء، حتى يغسلها ثلاثا، فإنه لا يدرى أين باتت يده" (رواه مسلم ۱۳۶۱، حدیث نمبر: ۲۷۸)۔
- ۴- "غطوا الإناء وأوكوا السقاء، فإن في السنة ليلة ينزل فيها وباء، لا يمر بإناء ليس عليه غطاء، أو سقاء ليس عليه وكاء، إلا نزل فيه من ذلك الوباء" (مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۱۳، مشدداً، حدیث نمبر: ۱۹۸۲۹)۔
- ۵- "عن جابر أن رسول الله ﷺ نهى أن يبال في الماء الراكد" (رواه مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۱) کو فی روایة: "نهى أن يبال في الماء الجاري" (رواه الطبرانی، مجمع الروايات ۸۲)۔
- ۶- "عن معاذ بن جبل مرفوعاً: اتقوا الملاعن الثلاث: البراز في"

- الموارد، وقارعة الطريق والظل، وفي رواية وأفئيتهم“ (ابوداؤد ابن ماجہ)۔
- ۷- ”أما قوله صلى الله عليه وسلم ”الذى يتخلى فى طريق الناس“ فمعناه أن يتغوط فى موضع يمر به الناس ”وما نهى عنه فى الظل والطريق“ لما فيه من إيذاء المسلمين بتنجيس من يمر به ونتاجه واستفذاره“ (شرح مسلم ۱/۱۳۳)۔
- ۸- ”فحينئذ إذا ذكروا مكروها بلا بد من النظر فى دليله، فإن كان نهيا ظنيا يحكم بكراهة التحريم، إلا مصارف للنهى عن التحريم إلى الندب، فإن لم يكن الدليل نهياً بل كان مفيداً للترك الغير الجازم فهى تنزيهية“ (رد المحتار ۱/۹۷)۔
- ۹- ”كره بول وغائط فى ماء ولو جاريا فى الأصح، وفى البحر: أنها فى الراكد تحريميته وفى الجارى تنزيهيته، وفى الرد: نهى أن يبال فى الماء الراكد ونهى أن يبال فى الماء الجارى، والمعنى فيه أنه يقدره، وربما أدى إلى تنجيسه“ (رد المحتار ۱/۵۵۵)۔
- ۱۰- ”البول فى الماء الجارى مكروه كما فى الخلاصة، ويكره البول فى الماء الراكد وهو المختار“ (نواوي ہندیہ ۱/۲۵)۔
- ۱۱- ”قال الكاسانى: أما تنجيس الطاهر فحرام، فكان هنا (لا يبولن أحدكم الخ) نهيا عن تنجيس الماء الطاهر“ (بواع ۱/۲۰۹)۔
- ۱۲- ”وإن أراد أن يحفر بشر بالوعة يمنع أيضا لسراية النجاسة إلى البشر“ (شرح وقایہ ۱/۸۱)۔
- ۱۳- ”ويكره تحريما البول والغائط فى ماء ولوجاريا، وعلى طرف نهر و حوض وبئر و عين ماء“ (مفتی محمد امجد علی ۱/۶۳)۔
- مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں بعض حضرات نے پانی کو آلودہ کرنے پر اس طرح کے

الفاظ کے ذریعہ حکم لگائے ہیں:

- مفتی ظہیر احمد کانپوری لکھتے ہیں کہ پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا کبھی تو فرض عین ہے اور کبھی فرض کفایہ، اپنے ضروری استعمال کے لئے پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا فرض عین کے درجہ میں ہے، اور اپنی ضرورت سے زائد پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا فرض کفایہ ہے، موصوف نے پانی کو آلودہ ہونے سے بچانے کو حفظ نفس اور حفظ دین میں سے قرار دیا ہے۔
- پانی کو جان بوجھ کر آلودہ کرنا قابل تعزیر بھی ہو سکتا ہے [مولانا صباح الدین ملک تاقی]۔
- بول (پیشاب) کا لفظ تمام نجاستوں اور گندگیوں کے لئے بطور مثال استعمال ہوا ہے، ورنہ ہر طرح کی نجاست اور گندگی پانی میں گرانا حرام ہے [مولانا عطاء اللہ تاقی]۔
- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے جو احکامات وارد ہیں ان کا حکم تنزیہی ہے [شیخ کلیم اللہ عمری]۔
- ان جگہوں پر آلودگی پھیلانے کا شرعی حکم کراہت تحریمی یا کم از کم کراہت تنزیہی کا ہونا چاہئے [مولانا راشد حسین ندوی]۔
- پانی کو آلودہ کرنا ممنوع و مکروہ ہے اگرچہ پاک ہو، اور حاکم کو چاہئے کہ یہ آلودگی دوسروں کے لئے نقصان کا باعث ہو تو لوگوں کو پانی کو آلودہ کرنے سے منع کرے [شیخ ایم اے عبدالقادر]۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے تفصیلی احکام:

- ☆ بعض مقالہ نگاروں نے مختلف حالات میں احکام کی درجہ بندی کی ہے، چنانچہ مولانا ہد ار حسن ایوبی ندوی نے درج ذیل احکام شمار کرائے ہیں:
- ۱- پانی پیتے وقت برتن میں سانس نہ لینا۔
- ۲- پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھولینا۔

یہ احکام اخلاقی نوعیت کے ہیں۔

- ”عن أبي سعيد الخدري أن النبي ﷺ نهى عن النفخ في الشراب“ (ترمذی)، فتح الملہم میں ہے: ”وهذا النهي للتأديب لإرادة المبالغة في النظافة إذ قد يخرج مع النفس بصاق أو مخاط أو بخار أو ردى فيكسبه رائحة كريهة فيتقذر بها جو أو غيره كما في الفتح“ (فتح الملہم شرح صحیح مسلم ۱/۵۲۵)، علامہ عینی نے بھی اسے نبی برائے ادب قرار دیا ہے (عمدة القاری شرح صحیح البخاری ۲/۳۱۹)۔
- حدیث: ”إذا استيقظ أحدكم من نومه الخ“ کے ذیل میں صاحب اعلاء السنن نے لکھا ہے: ”يدل على أن النهي للتنزيه“ (اعلاء السنن ۲/۳۵۵)، اسی طرح علامہ عینی نے حضرت عثمان کی روایت: ”دعا ياناء فأفرغ على كفيه ثلاث مراراً فغسلهما ثم أدخل يمينه في الإناء“ کے ذیل میں لکھا ہے: ”فيه غسل اليدين قبل إدخالهما في الإناء ولولم يكن عقيب النوم ولهننا مستحب بلا خلاف“ (عمدة القاری ۲/۳۳۲)۔

لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ ہاتھوں پر نجاست نہ لگی ہوئی ہو۔

۳- پانی میں پیشاب نہ کرنا۔

۴- ندی مالوں میں غلاظت اور کوڑا نہ ڈالنا۔

۵- کارخانوں اور فیکٹریوں کا گندہ پانی ندی مالوں میں نہ لے جانا۔

یہ احکام وجوہی درجہ کے ہیں۔

- حدیث: ”لا يبولن أحدكم في الماء الدائم الذي لا يجرى ثم يغتسل فيه“ (بخاری) کے ذیل میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ”قال القرطبي: يمكن حملة على التحريم مطلقاً، على قاعدة سد الذريعة لأنه يفضي إلى تنجيس الماء“ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱/۳۳۸)۔

- اور اس حدیث کی شرح میں علامہ یعنی فرماتے ہیں: ”والتغوط فيه كالبول فيه وأقبح“، مزید آگے فرماتے ہیں: ”السابع: المذكور فيه الغسل من الجنابة، فيلحق به الاغتسال من الحيض والنفاس وكذلك يلحق به اغتسال الجمعة والاعتسال من الميت عند من يوجبها“ (عمدة القاری ۲/۶۷۰)۔
اس سے معلوم ہوا کہ عامۃ الناس کے ضرر کو دیکھتے ہوئے پانی میں غلاظت کا ڈالنا کم سے کم مکروہ تحریمی تو ہے۔

”قال رسول الله ﷺ: اتقوا اللاعنين، قالوا: وما اللاعنان يا رسول الله! قال: الذي يتخلى في طريق الناس وظلمهم“ (ابوداؤد حدیث نمبر: ۲۵)۔

حضرت معاذ بن جبل کی روایت میں ”الملاعن الثلاثة“ کا لفظ ہے، اور اس میں ”البراز في الموارد“ کا اضافہ ہے (ابوداؤد حدیث نمبر: ۲۶)۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے ”عون المعبود“ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: ”والحدیث يدل على تحريم التخلي في طرق الناس أو ظلمهم، لما فيه من إيذاء المسلمين بتنجيس من يمر به واستقذاره— المراد بالموارد المجاري والطرق إلى الماء“ (عون المعبود شرح ابوداؤد ۱/۲۳)۔

☆ مولانا محمد شاجہاں ندوی نے ”لا يبولن أحدكم في الماء.....“ کے تحت احکام کے درجہ کی تقسیم اس طرح کی ہے:

۱- اگر پانی تھوڑا ہے، یعنی وہ درود سے کم اور ٹھہرا ہوا ہے، تو اس میں پیشاب کرنا حرام ہے۔

۲- اگر پانی زیادہ ہے یعنی وہ درود یا اس سے زیادہ ہے اور ٹھہرا ہوا ہے، تو اس میں پیشاب کرنا بھی حرام ہے۔

۳- اگر بہتا ہو پانی تھوڑا ہے تو اس میں بھی پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

- ۴- دریا وغیرہ میں پیشاب کرنا مکروہ تفریحی ہے۔
 ۵- سمندر میں پیشاب کرنا خلاف اولیٰ ہے۔
 ۶- ضرورتاً سمندر میں سفر کے دوران پیشاب کرنے کی گنجائش ہے۔
 ۷- کنواں، حوض، نہر، مالہ کے قریب پیشاب یا پاخانہ کرنا کہ اس کے اندر جرثیم کے سرایت کرنے کا گمان غالب ہو، مکروہ تحریمی ہے۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داہودی، مولانا روح الامین، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی وغیرہ نے مندرجہ ذیل احکامات و تعلیمات کا ذکر کیا ہے:

- ۱- ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت
 ۲- بہتے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت
 ۳- نہر کے کنارے رفع حاجت کی ممانعت
 ۴- حالت جنابت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت
 ۵- غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت
 ۶- پانی کو آلودہ کرنے والی دیگر چیزوں مثلاً تھوکے، کھٹکھارنے اور ناک کی ریش وغیرہ کو پانی میں ڈالنے کی ممانعت۔

۷- نیند سے بیداری کے وقت ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈالنے کی ممانعت۔

۸- پانی کے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے کی ممانعت

۹- پانی کے برتنوں کو ڈھانکنے کا حکم

۱۰- مشکیزہ یا چھاگل وغیرہ سے منہ لگا کر پینے کی ممانعت

اس کی چند دلیلیں درج ذیل ہیں:

۱- ”خمر و الانیۃ و اوکو الاسقیۃ“ (بخاری و مسلم)۔

۲- ”نہی النبی ﷺ أن یشرب من فی السقاء“ (بخاری ۵۶۳۸۵)۔

- ۳- "عن جابر عن رسول الله ﷺ أنه قال: غطوا الإناء، فإن لم يجد أحدكم إلا أن يعرض على إنائه عوداً أو يذكر اسم الله فليفعل" (مسلم ۱۷۰/۲)۔
- ۴- "لا يغتسل أحدكم في الماء الدائم وهو جنب" (مسلم ۱۳۸)۔
- ۵- "قال رسول الله ﷺ: لا يبولن أحدكم في مستحمه ثم يغتسل فيه قال احمد: ثم يتوضأ فيه، فإن عامة الوسواس منه" (ابوداؤد ۱۳)۔
- ۶- "نهى رسول الله ﷺ أن يتنفس في الإناء أو ينفخ فيه" (ابوداؤد ۱۷۶/۲)۔
- ۷- "نهى رسول الله ﷺ أن يتخلى الرجل تحت شجرة مثمرة ونهى أن يتخلى على ضفة نهر جار" (رواه الطبرانی في الاوسط، رقم ۲۳۹۲)۔
- ۸- "أما البول في الماء الراكد فقد نقل عن ابي الليث انه ليس بحرام إجماعاً بل مكروه ونقل غيره أنه حرام ويحمل على كراهة التحريم، لأن غاية ما يفيد الحديث كراهة التحريم" (البحر الرائق ۱۵۹)۔
- ۹- "اختلفوا في كراهة البول في الماء الجاري والأصح هو الكراهة" (ايضا ۱۵۹)۔
- ۱۰- "ومن منهيته (أي الوضوء) التوضأ..... في موضع نجس، لأن لماء الوضوء حرمة..... وإلقاء النخامة والاستخاط في الماء" (درمع الردا ۲۶۰)۔
- ☆ مولانا محمد شاہ جہاں ندوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ طبی اعتبار سے پانی میں پیشاب کرنے سے "بلہازیہ" (Bilharzia) نامی مرض کے جرثومے پانی میں پھیل جاتے ہیں، اور خاص طور سے ٹھہرے ہوئے پانی میں، پھر وہ اپنی تکوینی مراحل طے کر کے دم دار جرثومہ کی شکل میں پانی میں تیرنے لگتے ہیں، پھر جب اسے کوئی جسم مل جاتا ہے تو وہ اس کے اندر گھس جاتے ہیں، اور سوزش جگر وغیرہ مختلف بیماریوں کا سبب بن جاتے ہیں (ڈاکٹر عبدالعزیز فرانسس لا سلام والوقایہ من الامراض ص ۸۵، ڈاکٹر محمد علی البانہ بکہناک طب نبوی ص ۲۸۹) [نیز مقالہ: مولانا سید عبدالرحیم حسینی]۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کا حکم و جوہی ہے یا اخلاقی:

عام طور سے مقالہ نگار حضرات نے پانی کو آلودگی سے بچانے سے متعلق اسلامی احکام کو صرف اخلاقی نہیں بلکہ و جوہی قرار دیا ہے، درج ذیل حضرات نے اسے و جوہی کے درجہ میں رکھا ہے:

[مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد حذیفہ داہودی، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا شیر علی کجراتی، مولانا توقیر بدر قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ]۔

بعض حضرات نے حالات کے اعتبار سے مختلف احکام میں و جوہی اور اخلاقی کے درمیان تقسیم کیا ہے، مثلاً:

☆ مفتی شاہد علی قاسمی کا خیال ہے کہ اگر کوئی اپنے مملوک پانی کو آلودہ کرے اس شرط کے ساتھ کہ اس سے ضرر عام متعلق نہ ہو تو پھر یہ ممانعت اخلاقی حد تک ہوگی، اور اگر ندی، تالاب اور عام مباحات والے پانی کو آلودہ کرے جس سے عام لوگوں کو ضرر فاحش لاحق ہو تو پھر یہ ممانعت و جوہی کے درجہ میں ہوگی۔

☆ مفتی تنظیم عالم قاسمی لکھتے ہیں کہ و جوہی و عدم و جوہی کا مدار پانی آلودہ ہونے کے ظن غالب ہونے اور نہ ہونے پر ہے، جہاں پانی آلودہ ہونے کا ظن غالب ہو وہاں بچنا واجب ہوگا، اور ظن غالب نہ ہونے کی صورت میں اجتناب اخلاقی عمل شمار ہوگا۔

☆ مولانا سید عبد الرحیم حسنی کشمیری نے پانی میں قضاء حاجت کے تعلق سے مختلف مسالک میں جو حکم بیان کیا گیا ہے اسے الفقہ علی المذہب الاربعہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، عبارت درج ذیل ہے:

(۱) الحنفیة قالوا: یحرم قضاء الحاجة فی الماء القلیل الراكد حرامۃ شدیدة، فإن كان كثيراً کره البول فیہ تحریماً، بمعنی أن الحرمة تكون أخف

لكثرتة، فإذا كان الماء جارياً فإن البول فيه يكره تنزيهاً، إلا إذا كان مملوكاً للغير ولم يأذن بالبول فيه، فإنه يحرم البول فيه وإن كان كثيراً ومثله الموقوف“ -
 (٢) ”المالكية قالوا: يحرم قضاء الحاجة في الماء الراكد إذا كان قليلاً، أما إذا كان مستبحراً كالماء الموجود في البحيرات التي في الحدائق الكبيرة، والأحواض الواسعة، فإن البول فيه لا يحرم إلا إذا كان مملوكاً للغير ولم يأذن باستعماله، أو أذن باستعماله، ولم يأذن بالبول فيه، وإلا كان البول فيه حراماً، فإن كان جارياً، فإن البول فيه يجوز، إلا إذا كان مملوكاً للغير، ولم يأذن فيه، أو كان موقوفاً“ -

(٣) ”الحنابلة قالوا: يحرم التغوط في الماء لراكد والجارى، سواء كان قليلاً، أو كثيراً، إلا ماء البحر، فإنه لا يحرم فيه ذلك، لما قد تقتضيه ضرورة الأسفار، فضلاً عن اتساعه وعدم ظهور شئ من ذلك فيه، أما البول فإنه يكره في الماء الراكد، ولا يحرم، كما يكره البول في الماء الجارى الكثير، ولا يكره في الماء الجارى القليل، ومحل هنا كله إذا لم يكن الماء موقوفاً، أو مملوكاً للغير ولم يأذن في استعماله إذناً عاماً وإلا حرم قضاء الحاجة فيه مطلقاً“ -

(٤) ”الشافعية قالوا: لا يحرم قضاء الحاجة في الماء قليلاً كان، أو كثيراً، ولكن يكره فقط إلا إذا كان الماء مملوكاً للغير ولم يأذن في استعماله أو كان مسيلاً ولم يستبحر فإنه يحرم في هاتين الحالتين إلا أنهم فرقوا في الكراهة بين الليل والنهار، فقالوا: يكره قضاء الحاجة نهاراً في الماء القليل، لا فرق بين أن يكون راكداً أو جارياً، أما في الليل فقالوا: يكره البول في الماء، سواء كان قليلاً، أو كثيراً“ (كتاب المغتسل من الأثرين للإمام ابن حجر ٨٤٠) -

۴- گندے پانی کو کیمیاوی عمل سے قابل استعمال بنانا:

سوال: ۴- آج کل گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے، کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو اور آلودگی دور ہو جاتی ہے، کیا اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک سمجھا جائے گا؟

استحالة کی تعریف:

۱- استحالة کا لغوی معنی ہے، کسی چیز کا سیدھا ہونے کے بعد ٹیڑھا ہو جانا، ”حال الشئ واستحال: أي تغير عن الاستقراء إلى العوج“ (لسان العرب ۳/۲۷۴)۔
اور اصطلاح میں استحالة کے معنی ہیں: ”انقلاب حقيقة إلى حقيقة أخرى“ (رد المحتار ۱/۵۱۹) [مقالہ: مولانا محمد شاہ جہاں ندوی]۔

۲- ”الاستحالة تطهر الأعيان النجسة كالميتة إذا صارت ملحاً والعدرة تراباً أو رماداً“ (مرآة الفلاح ص ۸۶) [مقالہ: مولانا محمد حذیفہ داہودی]۔
☆ اکثر مقالہ نگار نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ کیمیاوی عمل کے ذریعہ آلودہ پانی کی آلودگی کو اگر مکمل طور سے زائل کر دیا جائے تو وہ پانی پاک ہو جائے گا، جبکہ پانی کے تینوں اوصاف رنگ، ہمزہ اور بو تینوں ختم ہو جائیں۔

دلائل:

۱- ”الماء طهور لا ينجسه شيء إلا ما غير لونه أو طعمه أو ريحه“ (ابن ماجہ شرح صحابی ۱/۴۱۹)۔

۲- ”هذا الماء والطعام كان طيباً لقيام الصفة الموجبة لطيبه فإذا زالت

تلك الصفة وخلفتها صفة الخبث عاد خبيثا، فإذا زالت صفة الخبث عاد إلى ما كان عليه، وهذا كالحصير الطيب إذا تخمر صار خبيثا فإذا عاد إلى ما كان عليه عاد طيبا، الماء الكثير إذا تغير بالنجاسة صار خبيثا فإذا زال التغير عاد طيبا“ (اعلام المؤمنین ۱/ ۳۹۲)۔

۳- ”أما غسل النجاسة الحقيقية وهي ما إذا غسلت النجاسة الحقيقية ثلاث مرات فالمياه الثلاث نجسة (إلى) وهل يجوز الانتفاع بالغسالة فيما سوى الشرب والتطهير (إلى) لأنه لما لم يتغير..... إن النجس لم يغلب على الظاهر، والانتفاع بما ليس بنجس العين مباح في الجملة“ (بدائع المنافع ۱/ ۲۰۶، البندرية ۱/ ۱۹)۔

۴- ”إذا كان الماء المتنجس كثيراً وزالت أوصاف النجاسة عنه لونا وطعما وريحا صار طهوراً فلا ينجس ما أصابه من ثوب أو مكان أو بدن وإن لم تزل منه أوصاف النجاسة بل بقى بعضها تنجس ما يصيبه من ثوب أو بدن أو مكان“ (تأوی الجیزۃ الدائمۃ، فتویٰ ۳۰۲۳)۔

۵- ”إن التطهير يكون بأربعة: الغسل، والدلك، والجفاف، والمسح في الصيقل..... والسابع انقلاب العين“ (البحر الرائق ۱/ ۳۹۳)۔

۶- امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”وأما إذا تغير (الماء) بالنجاسة، فإنما حرم استعماله لأن جرم النجاسة باق، ففي استعماله استعمالها، بخلاف ما إذا استحالت النجاسة فإن الماء طهور و ليس هناك نجاسة قائمة“ (تأویٰ ابن تیمیہ ۳۱/ ۳۳)۔

۷- امام ابن قیم فرماتے ہیں: ”الماء الكثير إذا تغير بالنجاسة صار خبيثا، فإذا زال التغير صار طيبا..... إن يسير النجاسة إذا استحالت في الماء ولم يظهر لها فيه لون ولا ریح ولا طعم فهي من الطيبات لا من الخبائث“ (اعلام المؤمنین عن رب العالمین ۱۱/ ۳)۔

۸- وہ مزید فرماتے ہیں: ”إن الطيب إذا استحال خبيثا صار نجسا كالماء والطعام إذا استحال بولا وعلرة، فكيف أثرت الاستحالة في انقلاب الطيب خبيثا ولم تؤثر في انقلاب الخبيث طيبا، والله يخرج الطيب من الخبيث والخبيث من الطيب“ (اعلام المؤمنین ۱۳/۲)۔

۹- بیئہ کبار العلماء تجاز کے تیرہویں فقہی سمینار منعقدہ طائف میں اس کے جواز کا فیصلہ

کیا گیا ہے:

”بناء على ما ذكره أهل العلم من ان الماء الكثير المتغير بنجاسة يظهر اذا زال تغيره بنفسه، أو بإضافة ماء طهور إليه، أو زال تغيره بطول مكث، أو تأثير الشمس ومرور الرياح عليه، أو نحو ذلك، لزوال الحكم بزوال علته - وحيث إن المياه المتنجسة يمكن التخلص من نجاستها بعمدة وسائل، وحيث ان تنقيتها وتخليصها مما طرأ عليها من النجاسات، بواسطة الطرق الفنية الحديثة لأعمال التقنية يعتبر من أحسن وسائل الترشيح والتطهير حيث يبذل الكثير من الأسباب المادية لتخليص هذه المياه من النجاسات، كما يشهد بذلك ويقرره الخبراء المتخصصون بذلك ممن لا يتطرق الشك إليهم في علمهم وخبرتهم وتجاربهم - لذلك فان المجلس يرى طهارتها بعد تنقيتها التنقية الكاملة، بحيث تعود إلى خلقتها الاولى، لا يرى فيها تغير بنجاسة من طعم ولا لون ولا ربح، ويجوز استعمالها في إزالة الأحماد والأخبث، وتحصل الطهارة بها منها، كما يجوز شربها إلا إذا كانت هناك أضرار صحية تنشأ عن استعمالها، فيمتنع ذلك، محافظة على النفس، وتفاديا للضرر، لا لنجاستها“۔

”والمجلس إذ يقرر ذلك يستحسن الاستغناء عنها في استعمالها

للشرب متی وجد إلى ذلك سبيلا، احتياطا للصحة، واتقاء للضرر، وتنزها عما تستقذره النفوس وتنفر منه الطباع“ [مقالہ: مولانا صباح الدین ملک تاسمی]۔

لیکن بعض حضرات کی رائے میں کچھ تفصیل ہے، مثلاً:

☆ مولانا راشد حسین ندوی کہتے ہیں کہ عین نجاست کے اندر طہارت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ہے، مثلاً شراب، پیشاب یا خون وغیرہ کے پاک کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ انقلاب ماہیت ہو جائے اور شراب سرکہ اور خون مشک بن جائے، شامی میں ہے:

”وكذا يطهر محل نجاسته، أما عينها، فلا تقبل الطهارة“ (قوله أما عينها) ولا يرد طهارة الخمر بانقلابها خلا، والدم بصيرورته مسكا، لأن عين الشئى حقيقته، وحقيقة الخمر والدم ذهبت، وخلفتها أخرى، وإنما يرد ذلك لو قلنا ببقاء حقيقة الخمر والدم مع الحكم بطهارتها“ (ثانی ۱/ ۲۴۰ باب الانجاس طلبة فیض القرآن دیوبند)۔ اور یہی رائے مولانا محمد حنیفہ داہودی اور مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا رحمت اللہ ندوی کی بھی ہے۔

مولانا رحمت اللہ ندوی مزید کہتے ہیں: البتہ کسی علاقے اور جگہ میں گندے مالوں کا متبادل نہ ہو اور مسلمان اضطرار کی حالت کو پہنچ جائیں تو پھر جواز کی صورت میں کوئی کلام نہ ہوگا۔

☆ مولانا محمد حنیفہ داہودی کا کہنا ہے اور تقریباً یہی رائے مولانا محمد مصطفیٰ تاسمی کی بھی ہے، کہ فلٹر کرنے کی صورت میں تجزیہ و تخریج ہوتا ہے نہ کہ قلب ماہیت، اور پیشاب وغیرہ جو کہ مجموعہ اجزاء نجس العین ہیں، لہذا وہ فلٹر کرنے سے پاک نہیں ہوں گے، البتہ غیر نجس العین اشیاء تجزیہ و ازالہ کی وجہ سے پاک ہو جائیں گی بشرطیکہ ما پاک ہونے کی بنیاد مکمل طور سے ختم ہو جائے۔

☆ مولانا سید عبدالرحیم حسنی نے پانی کی نجاست کی یہ تین علتیں بتائی ہیں:

اول: مزہ، رنگ اور بو والی نجس فضلات۔

دوم: متعدی امراض کے فضلات اور دواؤں و جرّاثیم کی کثافت۔

سوم: گندگی اور خباثت جو مالے کے پانی میں اپنی اصل کے اعتبار سے ہوتے ہیں اور اس میں پیدا ہو جانے والے کیڑوں اور حشرات کی وجہ سے ہوتی ہے جو طبعاً اور شرعاً گندے ہوتے ہیں، ایسے پانی کی صفائی کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان علل اور اسباب کا ازالہ کس حد تک ہو جاتا ہے؟ اس لئے کہ اس پانی کا نجاست سے اس طرح تبدیل ہو جانا کہ اس کا رنگ مزہ اور بو بدل جائے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں تمام علتیں اور نقصان وہ جرّاثیم بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں صاحب بدائع کی یہ تحریر بہت جامع ہے:

”إن النجاسة إذا تغيرت بمضى الزمان وتبدلت أو صافها تصير شيئاً آخر، عند محمد فيكون طاهراً، وعند أبي يوسف لا يصير شيئاً آخر فيكون نجساً، وعلى هذا الأصل مسائل بينهما منها: الكلب إذا وقع في الملاحاة والجمد والعدرة إذا أحرقت بالنار وصارت رماداً، وطين بالوعة إذا جف وذهب أثره، والنجاسة إذا دفنت في الأرض وذهب أثرها بمرور الزمان وجه قول أبي يوسف: إن أجزاء النجاسة قائمة فلا تثبت الطهارة مع بقاء العين النجسة، والقياس في الخمر إذا تخلل أن لا يطهر لكن عرفناه نصاً بخلاف القياس، بخلاف جلد الميتة، فإن عين الجلد طاهرة، وإن من نجس ما عليه من الرطوبات وإنها تزول بالدباغ، وجه قول محمد: إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أو صافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة، فتعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر إذا تخللت“ (بدائع المنافع، ۱/۲۳۳)۔

☆ مولانا امیر احسن ندوی اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ کیمیا کے بعض ماہرین سے اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے پانی صفائی کے مراکز کے بارے میں بتایا کہ وہاں بھی پانی کو مخصوص درجہ حرارت میں جوش دیا جاتا ہے، اور اس کو مختلف مراحل سے گزار کر آخر میں فلٹر کیا جاتا ہے اس طرح اس کی آلائش اور بو اور ذائقہ تبدیل ہو جاتا ہے، اگر اس طرح نہ ہو سکے تو پانی کی صفائی کو مکمل نہیں سمجھا جاتا ہے۔

پانی کی صفائی کا مذکورہ طریقہ آج کی پیداوار نہیں ہے، ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے کام آسان اور اچھے انداز میں ہونے لگا ہے، پانی کی صفائی کا یہ نظریہ آج سے بہت پہلے چوتھی صدی ہجری کے ایک مسلمان سائنس دان محمد بن احمد المیمی نے پیش کیا تھا، اور آلودہ پانی کی صفائی کا اپنے وقت کے لحاظ سے بہترین حل اپنی کتاب ”مادة البقاء“ میں پیش کیا تھا، موجودہ سائنس نے اس کو عملاً ثابت کیا ہے، اور اس کی تائید کی ہے۔

ڈاکٹر خالد عرب اپنی کتاب ”کیف واجهت الحضارة الإسلامية مشكلة المياه“ میں ”مادة البقاء“ کا اقتباس ”مشكلة تلوث المياه“ کے عنوان سے پیش کیا ہے جو ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے:

”ليس إصلاح الماء الفاسد ممكنا بغير طبخه بالنار، إذ النار بحرّها تحلل ما فيه من الغلظ وتزيل عنه ما مزجه من فساد الهواء المشابك له، بما يتصاعد بحرّها من بخاره المصفى لجوهره المميّط عنه الغلظ المميّز عنه الكدر، أو يمزجه عنه عند شربه بالشراب العتيق الريحاني، وذلك عند تعذر إصلاحه بالطبخ لمن كان مسافرا على طريق أو مجتازا ببعض المواضع الفاسدة المياه“۔

”وسبيله أن يلميم طبخه إلى أن يذهب منه الربع ثم يبرد في آنية من جديد الخزف المتخلل الأجزاء الدائم الرشح إن كان الوقت قيظا - أو في

آنیة من الرجاء“ (کیف واجتہد لفصارة الاسلامیة مشکلة المیاہ ۵/۳۵)۔

مذکورہ عبارت کے نتیجے میں دو باتیں تو بالکل واضح ہیں: ۱- پانی کو خوب جوش دینا،
۲- پانی کو فلٹر کرنا (ان دونوں عملوں کے ذریعہ پانی کی صفائی اچھی طرح ہو جاتی ہے)۔
ڈاکٹر خالد عرب محمد بن احمد تمیمی مقدسی کی آراء کا تجزیہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”تستنتج مما سبق، أن التمیسی، قبل ألف عام قد أتت فی مجال تلوث
المیاء ومعالجتها بأراء تعد سبقا حضار یا فی ذلك الوقت، وقد أثبت العلم
الحيث صحة الكثير منها“ (کیف واجتہد لفصارة الاسلامیة مشکلة المیاہ ص ۷۳ ڈاکٹر خالد عرب)۔
پوری بحث کا حاصل یہی ہے کہ ماہ کثیر اگر گندہ اور آلودہ ہو اور کیمیائی تعامل کے ذریعہ
اس کی آلائش الگ کر دی جائے اور بو اور ذائقہ اصلی حالت میں آجائیں تو پانی پاک ہونا
چاہئے۔

☆ مولانا روح الامین صاحب نے ناپاک چیز کو پاک کرنے کی دو شکلیں مسلک حنفیہ
میں یہ ذکر کی ہیں:

پہلی شکل: حنفیہ کے یہاں ناپاک پانی کے پاک ہونے کی ایک ہی شکل ملتی ہے، وہ یہ
کہ پانی جاری ہو جائے، یعنی ایک جانب سے پانی داخل ہو اور دوسری جانب سے خارج ہو تو وہ
پانی پاک ہو جائے گا، کیونکہ جاری ہونے کی صورت میں شکر پیدا ہو گیا کہ نجاست بھی اسی کے
ساتھ نکل چکی ہو، لہذا اب نجاست کا بقاء مشکوک ہو گیا اور شکر کی بناء پر پانی کے ناپاک ہونے
کا یقین نہ رہا، اس لئے اسے پاک سمجھا جائے گا۔

”ثم المختار طهارة المنتجس بمجرد جريانه أي بأن يدخل من جانب
ويخرج من آخر حال دخوله وإن قل الخارج“ (درمغ الثانی ۵/۳۳)۔

”فی البدائع: ومنها تطهير الحوض الصغير إذا تنجس..... قال الفقيه
أبو جعفر الهمدواني إذا دخل فيه الماء وخرج بعضه يحكم بطهارته بعد ألا

تستبين فيه النجاسة، لأنه صار ماء جاريا ولم يستيقن ببقاء النجس فيه وبه أخذ
الفقيه أبو الليث“ (بدايع المنافع ۱/ ۲۳۷، مطبع بيروت)۔

حنفیہ کے یہاں ناپاک شئی کی تطہیر کا ایک عام ضابطہ استحالہ اور تبدیلی ماہیت بھی ہے،
یعنی جب شئی کی اپنی حقیقت اور ماہیت ختم ہو جائے تو شئی کا سابق حکم باقی نہیں رہتا، چنانچہ جب
کٹانمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے اور گوہر آگ میں جل کر رکھ ہو جائے تو شرعاً وہ پاک
سمجھا جاتا ہے، یہ امام محمد کا مذہب ہے اور حنفیہ کے یہاں یہی مفتی بقول ہے، صاحب بدائع اس
کی علت یوں بیان کرتے ہیں:

”وجه قول محمد أن النجاسة لما استحالت وتبدلت أو صافها
ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة، فتتعدم بانعدام
الوصف، وصارت كالخمر إذا تخللت“ (بدايع المنافع ۱/ ۲۳۲)۔

مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا رحمت اللہ ندوی اور مولانا محمد عثمان بستوی وغیرہ نے پانی
کے فلٹر کئے جانے پر مفصل بحث کی ہے، مزید معلومات کے لئے ان کے مقالے دیکھے جائیں۔

بعض دوسری آراء:

- مولانا خورشید انور اعظمی کی رائے ہے کہ جہاں پانی کی قلت ہو اور بغیر اس عمل کے
صاف ستھرا پانی میسر نہ ہو تو وہاں کے لوگوں کے لئے کیمیاوی عمل کے ذریعہ سے صاف کیا ہوا پانی
پاک مانا جائے، تاکہ لوگ حرج و تنگی میں نہ پڑ جائیں، اس لئے کہ ”المشقة تجلب التيسير“
اور ”إذا ضاق الأمر اتسع“ سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

- مولانا سید عبدالرحیم کشمیری نے شدید ضرورت اور حالت اضطرار میں اس کے
استعمال کرنے اور پینے کی اجازت دی ہے۔

- مولانا شیر علی کہتے ہیں کہ پانی کو پاک کرنے کے لئے کیمیاوی اجزاء کا بھی پاک
ہونا ضروری ہے، اور پھر یہ کہ اگر تھوڑے پانی کو کیمیاوی اجزاء ملا کر پاک کیا جاتا ہے تو وہ پانی

پاک نہیں ہوگا، اور اگر ماء کثیر ہے تو وہ نجاست بہہ جائے گی اور پانی پاک ہو جائے گا، بہر حال سیان پایا جانا چاہئے۔

- مفتی تنظیم عالم قاسمی وغیرہ کی رائے ہے کہ دنیا کی آبادی صرف ایک حصہ پر ہے اور ۳ حصے میں پانی ہی پانی ہے، گندے اور آلودہ پانی کو فلٹر کے ذریعہ صاف کرنے کے بجائے سمندر، دریا اور دیگر جگہوں کے کھارے پانی کو ٹیٹھا بنا کر عام کیا جائے..... اس سے قدرتی پانی کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوگا اور نہ گندے پانی کو فلٹر کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

نجس پانی کا حکم مذاہب فقہ کی روشنی میں:

مولانا سید عبدالرحیم حسنی نے اس کی تفصیل اس طرح کی ہے:

۱- حضرات حنفیہ نے فرمایا کہ نجس چیزیں یا تو سیال و بننے والی ہوں گی جیسے پانی، اور اس جیسی سیال چیزیں خون بھی اسی میں شامل ہے، یا پھر جامد و ٹھوس ہوں گی جیسے خنزیر، مردار اور نجس کوہر، پس جہاں تک (ان دو قسموں میں سے) پانی اور اس جیسی سیال چیزوں کا تعلق ہے تو ان کا استعمال کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا حرام ہے مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں:

الف- اس نجس پانی سے مٹی کا گارا بنانا اور اسی طرح اس پانی سے چونا، گچ اور سیمنٹ وغیرہ ملا کر استعمال کرنا۔

ب- اس نجس پانی سے جانوروں کو سیراب کرنا اور انہیں پانی پلانا لیکن یہ دونوں صورتیں اس شرط کے ساتھ جائز ہیں کہ نجاست کی وجہ سے اس نجس پانی کا رنگ، بو اور مزہ تبدیل نہ ہو۔

۲- حضرات مالکیہ کے یہاں نجس پانی کو کھانے پینے وغیرہ میں استعمال کرنا تو ناجائز ہے لیکن اس کے علاوہ صورتوں میں نجس پانی استعمال کیا جاسکتا ہے (مثلاً گارا بنانا، جانوروں کو پانی پلانا وغیرہ) البتہ مساجد کی تعمیر میں یہ پانی استعمال نہیں ہو سکتا۔

۳- حضرات شافعیہ فرماتے ہیں کہ پانی اور اس جیسی سیال نجس چیزوں سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں:

الف- اس نجس پانی وغیرہ سے آگ بجھانا جیسے چولہوں میں جلنے والی آگ وغیرہ۔

ب- جانوروں اور کھیتوں کو نجس پانی سے سیراب کرنا۔

۴- حضرات حنابلہ فرماتے ہیں کہ نجس پانی کا استعمال جائز نہیں ہے مگر مٹی کا گارا بنانے اور چونے وغیرہ میں ملانے کے لئے نجس پانی کا استعمال جائز ہے، بشرطیکہ مسجد شریف یا نماز کے لئے عارضی جگہ (صفہ وغیرہ) اس گارے وچونے وغیرہ سے نہ بنائی جائے جس میں نماز پڑھی جائے (کتاب اللہ علیٰ اہل البیت والاربعۃ ۱/۲۳۲-۲۳۳)۔

بہر حال مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہے:

”ایک چیز ہے کسی شے کی ماہیت اور حقیقت کو تبدیل کر دینا اور دوسری اس کا تجزیہ کر گزرا (Decompose) اگر کسی چیز کی حقیقت ہی یکسر بدل دی جائے تو اس کے احکام بھی بدل جائیں گے اور اگر محض اس کے بعض اجزاء کسی طرح الگ کر لیے جائیں تو اس کی وجہ سے اس کے احکام نہیں بدلیں گے، مثلاً پانچ خانہ جلا کر راکھ بنا دیا جائے تب وہ راکھ ناپاک شمار نہ ہوگی، شراب میں نمک ڈال کر سرکہ بنا دیا جائے تو اس کی حرمت اور ناپاکی ختم ہو جائے گی لیکن اگر کسی طرح سائنٹفک طریقے پر اس کے بعض اجزاء نکال لیے جائیں جس سے بو ختم ہو جائے گی تو اس کے باوجود وہ ناپاک رہے گا۔

پیشاب فلٹر (Filter) کرنے کی وجہ سے غالباً اپنی حقیقت نہیں کھوتا بلکہ محض اس کے بدبودار اجزاء نکال لیے جاتے ہیں اس لئے وہ ناپاک ہی رہے گا اس کا پینا یا وضو وغسل وغیرہ کے لئے اس کا استعمال جائز نہ ہوگا اور وہ جسم کے جس حصہ کو لگ جائے گا اسے ناپاک سمجھا جائے گا“ (جدید فقہی مسائل، ۱۰۸) [مقالہ: مولانا سید عبدالرحیم حسنی کشمیری]۔

۵- حکومت کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانا:

سوال: ۵- پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، کیا اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے؟

اکثر مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ پانی کی قلت کے پیش نظر حکومت پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگا سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مفاد عامہ یا مصلحت عامہ کو ملحوظ رکھا گیا ہو، اور یہ پابندی کسی غیر مساویانہ سلوک کی بنیاد پر نہ ہو [مقالہ: قاضی عبدالخلیل قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی]۔

دلائل:

۱- ”یا ایہا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم“ (سورہ نساء: ۵۹)۔

۲- غزوہ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ نے حکم دیا: ”إنکم ستأتون غداً إن شاء اللہ عین تبوک وإنکم لن تاتوها حتی یضحی النہار، فمن جاءها منکم فلا یمس من مائها شیئاً حتی آتی“ (مسلم: ۵۹۰۶) [مقالہ: مولانا روح الامین]۔

۳- ”الناس شركاء فی الثلاث: الماء والکأ والنار“ (ابوداؤد: ۳۳۷۷) [مقالہ: مولانا عطاء اللہ قاسمی، قاضی عبدالخلیل قاسمی]۔

۴- ”تصرف الامام علی الرعاية منوط بالمصلحة“ (الاشباہ: ۱۳۳) [مقالہ: قاضی عبدالخلیل قاسمی، مولانا توقیر بدر القاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۵- ”فی الأشباہ إذا كان فعل الإمام مبنياً علی المصلحة فیما يتعلق بالأمور العامة لم ینفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ینفذ“، قال

المصنف فی شرح الكنز ناقلاً عن أئمتنا إطاعة الإمام في غير المعصية واجبة“
(الاشاہ والنظار مع شرحہ الحموی ۱/ ۲۱۳) [مقالہ: مولانا روح الامین]۔

۶- ضابطہ: ”إذا اجتمعت البليتان فاختر أهونهما“ کے مطابق مفاد عامہ مفاد
شخصیہ پر مقدم ہوگا [مقالہ: مفتی شیری علی]۔

۷- ”فكان كل أحد بسبيل من الانتفاع لكن بشرط عدم الضرر بالنهر
كالا ننتفاع بطريق العامة، وإن أضر بالنهر فلكل واحد من المسلمين منعه، لما
بيننا أنه حق لعامة المسلمين وإباحة التصرف في حقهم مشروطة بانتفاع الضرر
كالتصرف في الطريق الأعمم“ (بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۹)۔

بعض حضرات نے اس پابندی کو مشروط کیا ہے:

☆ مولانا روح الامین صاحب کا کہنا ہے کہ حکومت کی یہ پابندی شریعت کے کسی حکم
کے متناقض نہ ہو، مصلحت عام پر مبنی ہو، اور مستقل قانون کے طور پر نہ ہو بلکہ عارضی طور پر ہو،
کیونکہ جس چیز کو شرع نے حلال و مباح قرار دیا ہو اسے مستقل طور پر ممنوع یا حرام قرار دینے کا حق
کسی کو حاصل نہیں۔

☆ مولانا ابرار حسن ندوی کی رائے ہے کہ حکومت جس مصلحت کے پیش نظر پابندی
لگاری ہے وہ مصلحت یقینی ہو محض ظنی نہ ہو، اسی کے ساتھ وہ مصلحت کلی ہو جزئی نہ ہو۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داہودی نے پانی کے بعض استعمالات پر حکومت کی پابندی کی
درستگی کو ان امور پر موقوف کیا ہے کہ:

الف- وقوع پانی کی قلت ہو جس سے عام ضرر لازم آ رہا ہو اور اس پابندی سے پانی
کی قلت کی تکلیف کم یا ختم ہوتی ہو۔

ب- اس استعمال کا تعلق انسان کی اپنی واقعی ضرورت سے نہ ہو، ضرورت سے زائد ہو۔

ج- اس استعمال کا تعلق کسی شرعی عمل سے نہ ہو۔

☆ اس سلسلہ میں مفتی تنظیم عالم قاسمی نے یہ تجویز دی ہے کہ حکومت کو چاہئے کہ پانی کی قلت کے اندیشے کو دور کرنے کے لئے کوئی بیج کاراستہ نکالے یعنی نہ تو ایسی پابندی لگائے جس سے لوگ اپنی روزمرہ زندگی گزارنے میں تنگی میں پڑ جائیں جیسے کھانے پینے، نہانے دھونے، کھیت و باغات کی سیرابی اور دیگر ضروریات زندگی میں ان پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی ہے، ورنہ مستقبل میں ضرر کے اندیشے سے فی الحال ضرر لاحق ہوگا، اور ضرر کے ذریعہ ضرر دور نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ مشہور قاعدہ ہے: ”الضرر لا یزال بالضرر“۔

۱- ”ولیس للإمام أن یخرج شیئا من ید أحد إلا بحق ثابت معروف“

(الاشیاء والنظار، ۱۸۹/۱۸۹)۔

۲- ”ولیس للحاکم منع أحد من الانتفاع بکل الوجوه إذ لم یضر

الفعل بالنهر أو بالغیر أو بالجماعة كما هو الحکم المقرر بالانتفاع فی الطریق أو المرافق العامة“ (فتاویٰ اسلامیہ وادلاء، ۵/۵۹۷)۔

۲- مملوکہ زمین میں پانی کی ملکیت کا مسئلہ:

سوال: ۲- انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ اس کی ملکیت ہے یا حکومت کی؟ مثلاً اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے؛ تاکہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے تو کیا حکومت کو اسلامی نقطہ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش ہے اور کیا اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی؟

پہلی رائے:

بعض مقالہ نگاروں کا اس سلسلہ میں کہنا ہے کہ کسی کی مملوکہ زمین میں موجود پانی اسی کی ملکیت ہے، حکومت کی نہیں، اگر حکومت اس کو اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ وغیرہ کرنے سے منع

کرتی ہے تو شرعاً اس کی تعمیل اس پر ضروری نہیں ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

[مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا سید عبدالرحیم حسنی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی راشد حسین ندوی]۔

دلائل:

- ۱- ”وَأورثكم أرضهم وديارهم وأموالهم وأرضا لم تطوؤوها، وكان الله على كل شيء قديراً“ (سورہ احزاب: ۲۷) [مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی]۔
- ۲- ”وله أن من أجزاء الأرض مركب فيها ولا مؤنة في سائر الأجزاء فكنا في هذا الجزء“ (ہدایہ: ۲۰۰/۱) [مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔
- ۳- ”اعلم أن الماء أربعة أنواع..... والثالث ما دخل في المقاسم أي المجارى المملوكة لجماعة مخصوصة وفيه حق الشفة، والرابع المحرز في الأواني ينقطع حق غيره عنه وتمامه في الهداية وحاصله..... وفي الثالث حق الشفة فقط ولا حق في الرابع لأحمد“ (رد المحتار: ۳۱۱/۵)۔
- ۴- ”ولو كان البئر أو العين أو الحوض أو النهر في ملك رجل له أن يمنع من يريد الشفة من الدخول في ملكه“ (ہدایہ: ۳۸۶/۳)۔

دوسری رائے:

لیکن مفتی راشد حسین ندوی، مولانا شیر علی کجراتی، اور مولانا ابوسفیان مفتاحی وغیرہ کا کہنا ہے کہ انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ اس کی اپنی ملکیت ہے، لیکن اگر بورنگ کرانے سے پانی کی سطح نیچے چلی جائے اس سے ضرر عام لاحق ہو تو حکومت اس سے منع کر سکتی ہے اور اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ”القاعدة الخامسة: الضرر يزال، أصلها قوله عليه السلام: لا

ضرر ولا ضرار أخرجه مالك في الموطأ، ويبتنى على هذه القاعدة كثير من أبواب الفقه، فمن ذلك، الرد بالعيب وجميع أنواع الخيارات والحجر بسائر أنواعه على المفتي به والشفة فإنها للشريك لدفع ضرر القسمة وللجار لدفع ضرر الجار الخ“ (الاشباه والنظائر لابن نجيم، ۱۳۹)۔

(۲) ”يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام..... وعنها وجوب نقض حائط مملوك مال إلى طريق العامة على مالکها دفعاً للضرر العام الخ“ (ایضاً ۱۳۲-۱۳۳)۔

(۳) ”إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما“ (ایضاً ۱۳۵)۔

(۴) ”ماء الأودية العظام للناس فيه حق الشفة على الإطلاق وحق سقى الأراضي بأن أحيا أرضاً ميتة وكرى منه نهراً ليسقيها إن كان لا يضر بالعامة، وإن كان يضر بالعامة فليس له ذلك، لأن دفع الضرر عنهم واجب“ (بداية الساری ۲۸۳)۔

تیسری رائے:

مولانا خورشید احمد اعظمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، اور مولانا محمد حذیفہ داہودی لکھتے ہیں کہ زیر زمین پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے، نہ صاحب زمین کی ملک ہے اور نہ حکومت کی، بلکہ اس پانی میں تمام لوگ شریک ہیں، یعنی یہ پانی مباح الاصل ہے۔

ان حضرات نے دلیل کے طور پر یہ عبارتیں پیش کی ہیں:

۱- ”الناس شركاء في ثلاثة: في الكأ والماء والنار وثمانه حرام“ (ابن

۲- "ثلاث لا یمنعن: الماء والکأ والنار" (ابن ماجہ ۲۳۷۳)۔

۳- "الماء الذی یكون فی الحیاض والآبار والعیون لیس بمملوک لصاحبه بل هو مباح فی نفسه سواء کان فی أرض مباحة أو مملوكة" (بدائع الصنائع ۲۷۴/۵)۔

۴- "الماء تحت الأرض لا یملک" (الدر المختار مع رد المحتار ۹/۱۰، سہوہ السنن ۲/۱۵۳)۔

۵- "الماء الجاری تحت الأرض لیس بملک لأحد ولہذا لو حفر أحد فی ملکہ واستخرج الماء الذی تحت الأرض ثم جاء آخر وحفر أيضاً فی ملک نفسه الذی هو فوق الملک الأول فتحول الماء من ملک الأول إلى ملک الثانی لا شیء للأول علی الثانی، لأنه غیر متعدد لكون الماء تحت الأرض لا یملک فلا مخاصمة کمن بنی حانوتاً بجانب حانوت غیرہ فکسدت الحانوت الأولى بسببہ فإنه لا شیء علیہ" (شرح الجملہ ۱/۶۷۶، ۱۰/۲۶۵، ۱۰/۳۳۱)۔

لیکن مولانا عطاء اللہ تاقی لکھتے ہیں کہ پانی کی انفرادی ملکیت کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ آدمی اپنے طور پر برتنوں میں پانی کو محفوظ کر لے تو وہ اس کا مالک ہوگا وہ اسے بیچ بھی سکتا ہے۔

"الماء الذی فی الظروف والأوانی فهو مملوک لصاحبه، لا حق لأحد فیہ" (بدائع الصنائع ۲۷۴/۵)۔

☆ مولانا محمد عثمان بستوی صاحب نے استحقاق و ملکیت کے اعتبار سے پانی کی چار قسمیں کی ہیں:

۱- ماء حزر یعنی وہ پانی جو برتن یا حوض وغیرہ بنا کر اس میں محفوظ کر لیا گیا ہو۔

۲- وہ پانی جو شخصی زمین کے تالاب، کنویں اور چشمے سے نکلتا ہو۔

۳- ان نہروں کا پانی جس کو کچھ لوگوں نے مل کر اپنی زمین میں بنایا ہو۔
 ۴- سمندر، قدرتی ندیوں اور جھیل وغیرہ کا پانی (بواع المصانع ۵/ ۲۷۳)۔
 اور پھر موصوف نے ملکیت و عدم ملکیت کے اعتبار سے پانی کی تین قسمیں کی ہیں:
 (۱) مملوک بالاتفاق، (۲) غیر مملوک بالاتفاق، (۳) مختلف فیہ (جس کی ملکیت و عدم ملکیت میں علماء کا اختلاف ہے) (اعلاء السنن ۱۳/ ۱۵۷، نیل الاوطار ۵/ ۳۰۶)۔
 اور پھر ان سب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا کہ ماخر مملوک ہیں اور اس کی بیع بالاتفاق جائز ہے (دیکھئے الموسوعۃ الفقہیہ ۳۷/ ۲۵، شرح الجبلہ ۱۰/ ۲۷، فقہ الاسلامی وادانہ ۵/ ۶۰۳، تکملة فیح الہام ۱/ ۵۲۱، اعلاء السنن ۱۳/ ۱۵۷)۔
 سمندروں، قدرتی ندیوں کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہیں اور یہ بالاتفاق مباح ہیں، ان سے ہر شخص کو نفع اٹھانے کا حق ہے (دیکھئے الموسوعۃ الفقہیہ ۳۷/ ۲۵، فقہ الاسلامی وادانہ ۵/ ۶۰۳، الدر المختار مع الرد ۱۰/ ۱۳)۔

شخصی یا عوامی زمین میں بنائے گئے کنویں، تالاب، چشمے، نہر وغیرہ کے پانی کی ملکیت میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک وہ مملوک نہیں، ابدتہ شوافع کے ایک قول اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت اور مالکیہ کی رائے کے مطابق ان کا پانی مملوک ہے، لیکن اکثر شوافع احناف کی طرح عدم ملکیت کے قائل ہیں (دیکھئے اعلاء السنن ۱۳/ ۱۵۸، تکملة فیح الہام ۱/ ۵۲۳، الموسوعۃ الفقہیہ ۳۷/ ۲۵)۔
 اسی طرح کی تفصیلات شیخ ایم اے عبد القادر صاحب نے بھی ذکر کی ہیں اور پانی کی ملکیت و عدم ملکیت سے متعلق اوپر مذکورہ اقسام میں سے صرف تین قسموں پر روشنی ڈالی ہے (دیکھئے فقہ الاسلامی ۵/ ۶۳، ۵۹۷، شرح المہذب ۱۵/ ۲۳۶، ۲۳۹، ۲۴۲، فیح العلام ۵/ ۵۹۳، مغنی المحتاج ۲/ ۵۰۷)۔

مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے اور حکم کی تعمیل کا مسئلہ:

☆ مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا امیر حسن ندوی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، قاضی عبد

الجلیل تاسمی، مولانا محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم تاسمی اور مولانا عامر ظفر ایوبی کی رائے ہے کہ اگر کسی کے بورنگ کرانے سے پانی کی سطح نیچی ہو جانے کا اندیشہ ہو جس کے باعث ضرر عام لازم آجائے تو حکومت بورنگ کرانے پر پابندی لگا سکتی ہے۔

۱- ”أعطت الشريعة الإسلامية ولي الأمر حق وضع قيود على الملك، ومن ذلك... الأول... تقييد الملك الخاص للمصلحة العامة“
(الموسوعة الفقهية ۳۹/۳۳۳)۔

۲- ”دفع الضرر العام واجب“ (فہمہ الاسلامی وادلتہ ۵۱/۴)۔

۳- ”يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام“ (درر الحکام شرح مجلہ الاحکام ۳۶/۱۲)۔

☆ مولانا محمد شاہ جہاں ندوی کا یہ بھی کہنا ہے کہ چونکہ سلطان کو ولایت عامہ حاصل ہے اس لئے وہ ضرر عام کو دور کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔

- ”أن له ولاية عامة يصح أمره لرفع الضرر العام“ (رد المحتار ۲۸۹/۹)۔

- ”فولي الأمر من حقه أن يقيد بعض المباحات إذا كان في ذلك مصلحة راجحة“ (فتاویٰ حاکمہ ۱۵۹۳/۱)۔

۴- ”فمن أراد أن يحفر في حريمها منع منه لئلا يؤدي إلى تفويت حقه والإخلال به قال العيني لأنه ربما يذهب ماء البئر الأول أن ينقص فقي الأول فوات حقه وفي الثاني الإخلال بحقه وكلاهما لا يجوز لأن به ضرراً به“ (بداية حاشیہ ۳۸۱)۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کہتے ہیں کہ حکومت کسی کو اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے اسی وقت منع کر سکتی ہے جب کہ اس کا متبادل فراہم کرے، متبادل فراہم کرنے کے بعد حکومت اگر ضرر عام سے تحفظ، اور اجتماعی مصلحت کے حصول کے لئے پابندی عائد کرتی ہے تو شرعاً اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

☆ حکم کی تعمیل کے تعلق سے مفتی شاہد علی قاسمی کا کہنا ہے اگر حکم شریعت کے دائرہ میں ہو تو تعمیل واجب ہوگی، اگر شرعی دائرہ میں نہ ہو تو حکومت کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہوگی، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

”عن عمر عن النبی ﷺ قال: السمع والطاعة حق ما لم یؤمر بمعصیة فإذا أمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة“ (بخاری: ۲۹۵۵)۔

☆ مفتی عبد اللہ کاوی والا نے اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کے تعلق سے دو صورتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور اس میں ضرر عام ہو تو حکومت کے پابندی والے حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ بورنگ کرانے سے پانی کی سطح تو نیچے چلی جاتی ہو لیکن اس سے ضرر عام نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری نہ ہوگی۔

حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہے:

مولانا محمد حذیفہ داہودی لکھتے ہیں کہ زیر زمین پانی سے ہر ایک کو استفادہ کا پورا حق حاصل ہے، لیکن مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے حکومت کا منع کرنا درست نہیں ہے، بالخصوص جبکہ انسان کی اپنی ضرورت اس سے متعلق ہو تو ممانعت کا کوئی جواز نہیں، اور اس امتناعی حکم کی تعمیل شرعاً واجب نہیں ہے۔

۷۔ پانی کی ذخیرہ اندوزی اور اس کی حفاظت کا مسئلہ:

سوال: ۷۔ بعض ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سے جہاں ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے، وہیں زیر زمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، اگر حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان

کے ایک حصہ کو حفاظتِ آب کے لئے مخصوص کر دیں تو کیا حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی، نیز پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے یا افراد کو بھی اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے؟

اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن خاص حالات میں عوام پر یہ ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے اور حکومت کو اس طرح کا حکم دینے کا حق ہے، اس کی تعمیل واجب ہوگی۔ [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی وغیرہ]۔

دلائل:

۱- ”ولو احتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال، لأن منفعتها لعامة المسلمين، فكانت مؤنتها من بيت المال لما قلنا“ (بداية المنافع ۵/۲۸۰، درر النقا ۱۰/۳۳۹) [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ واحوی]۔

۲- ”فالأولى كرىه على السلطان من بيت مال المسلمين لأنه منفعة الكرى لهم، فتكون مؤنته عليهم..... فإن لم يكن في بيت المال شئ فالإمام يجبر الناس على كرىه إحياء لمصلحة العامة، إذ هم لا يقيمونها بأنفسهم“ (بداية كتاب الشرب) [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد شہا جہاں ندوی]۔

۳- ”إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأموال العامة لم ينفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ (قال الحموي) قوله: فإن خالفه لم ينفذ، قال المصنف في شرح الكنز ناقلاً عن أئمتنا: إطاعة الإمام في غير المعصية واجبة، فلو أمر الإمام بصوم يوم وجب“ (الاشباه والنظائر مع شرحه الحموي ۱۸۹۰)

[مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا توقیر بدر القاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی]۔

۴- ”وَأَمَّا الَّذِي يَكُونُ كَرِيهًا وَإِصْلَاحُهُ عَلَى أَهْلِ النَّهْرِ فَإِنَّ امْتَنَعُوا أَجْبَرَهُمُ الْإِمَامُ عَلَى ذَلِكَ... فَإِذَا امْتَنَعُوا أَجْبَرَهُمْ لِأَنَّ فِسَادَ ذَلِكَ يَرْجِعُ إِلَى الْعَامَّةِ وَفِيهِ تَقْلِيلُ الْمَاءِ عَلَى أَهْلِ الشُّفَّةِ“ (نوائی ہندیہ ۵/۲۷۳) [مقالہ: مفتی سید باقر ارشد قاسمی]۔

۵- ”فی العام: لو امتنع عنه كلهم أو بعضهم يجبرون عليه، وفي الخاص: لو امتنع الكل لا يجبرون إلا عند بعض المتأخرين، ولو امتنع البعض أجبر على الصحيح كما في الخزانة“ (رد المحتار ۱۰/۱۷۰) [مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی]۔

لیکن بعض حضرات نے شرائط کے ساتھ عام آدمی کو مکلف بنانے کی بات کہی ہے، مثلاً:

☆ مفتی شاہد علی قاسمی کا کہنا ہے کہ افراد و اشخاص کو اصلاً اس کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا، البتہ دو صورتیں اگر پائی جائیں تو مکلف بنایا جاسکتا ہے: ایک صورت یہ ہے کہ حکومت کے پاس اتنا بجٹ نہ ہو کہ وہ تمام شہری کی ضروریات کے بقدر پانی کا ذخیرہ کر سکے، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر جگہ بہ جگہ پانی کا ذخیرہ کیا جائے تو زیر زمین سطح آب میں اضافہ ہوتا ہو اور اس کے نتیجے میں مستقبل میں پانی کے قحط کا سامنا نہ ہو تو ایسی صورت میں افراد و اشخاص کو اس کا مکلف بنایا جاسکتا ہے۔

”فإن لم يكن فيه) أي في بيت المال (شيئ) يكفيه.... (فعلى العامة) كرهه، يجبرهم الإمام على ذلك لأن في تركه ضرراً وقلما ينفق العامة على المصالح باختيارهم، إلا أن الإمام يخرج له من يطيقه ويجعل مؤنته على المياسير الذين لا يطيقون بأنفسهم كما في تجهيز الجيوش“ (مختصر الوقتیہ ۲/۲۰۳)۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داہودی دوسری صورتیں بیان کرتے ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ کسی کی ملکیت میں تصرف کرنے کی ضرورت مجبوری ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ حکومت کے اس کام میں رعایا کا واقعی نفع ہو، وہ کام مضریا بے فائدہ نہ ہو، تو حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے، اور اس کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی۔

حفاظت آب کے حکم کی تعمیل واجب نہیں:

☆ مفتی عبداللہ کاوی والا کہتے ہیں کہ اگر حکومت لوگوں کے لئے یہ لازم کرے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کر دیں تو حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق نہیں ہے، اور اس کی تعمیل شرعاً واجب بھی نہیں ہوگی، کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں حرج لازم آئے گا، خصوصاً غریب طبقہ کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔

☆ مفتی تنظیم عالم قاسمی کی رائے یہ ہے کہ پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے متعلق کی جاسکتی ہے، مگر اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنے والے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہے۔

☆ مولانا روح الامین کا کہنا ہے کہ یہ حکم علی العموم نافذ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ہر صاحب مکان اس کا متحمل نہیں ہو سکتا، ورنہ علی العموم یہ حکم ظلم پر مبنی ہونے کی وجہ سے واجب التعمیل نہ ہوگا۔

☆ مولانا امجد الحسن ندوی کا خیال ہے کہ پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے، اس کے لئے عام لوگوں کو جبری مکلف بنانا درست نہ ہوگا، البتہ اس کے لئے ترغیب و تحریض کی جاسکتی ہے، اور اس صورت میں اس حکم کی تعمیل واجب نہ ہوگی، اخلاقی طور پر اس کی تعمیل کرنا مناسب ہوگا۔

”وعلی السلطان کراء هذا النهر الأعظم إن احتاج إلى الكراء لأن ذلك من حاجة عامة المسلمين ومال بیت المال معد لذلك فإنه مال

المسلمین أعد للصرف إلى مصالحهم“ (مجموع السرخسی ۱۶۸/۲۳)۔

”کری نہر غیر المملوک وإصلاحه علی بیت المال، فإن لم یکن

فی بیت المال سعة یجبر الناس علی کریمه“ (مجلۃ الاحکام العدلیہ ۷۰۵)۔

۸- ڈیم کی تعمیر کی صورت میں آبادیوں کی منتقلی:

سوال: ۸- بعض جگہ ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے آبادیوں کو وہاں سے منتقل کرنا پڑتا ہے، نہ صرف زرعی علاقے بلکہ آبادیاں بھی آبی ذخیرہ کا حصہ بن جاتی ہیں، لہذا شرعی نقطہ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا اور متبادل زمین فراہم کرنا کیا جائز ہوگا؟

اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ ڈیم تعمیر کرنے میں اگر اجتماعی مصلحت و منفعت ہے تو اس کے لئے آبادی کو وہاں سے منتقل کرنا درست ہے، بالخصوص جبکہ آبادی والوں کو متبادل زمین اور معاوضہ فراہم کیا جائے تاکہ ان کا بھی کوئی حرج و ضرر نہ ہو، اس کی تائید میں درج ذیل دلائل دیئے گئے ہیں:

۱- مجلۃ الاحکام میں ہے: ”یؤخذ لمدی الحاجة ملک ای أحد بقیمته بأمر السلطان ویلحق بالطریق ولكن لا یؤخذ ملکہ من یدہ ما لم یؤد له الثمن“، اس کی شرح میں ہے: ”یستملک ملک ای أحد بقیمته الحقیقیة للمنافع العمومیة كالطریق والمسجد ومسیل الماء، ولو لم یرض صاحبه بیعه فلذلک یؤخذ لمدی الحاجة، ای إذا كان الطریق ضیقاً ومست الحاجة إلى توسیعه - ملک ای أحد بقیمته بأمر السلطان ولو لم یرض صاحبه ویلحق بالطریق ولكن

لا يجوز أخذ ملك أحد بدون رضائه ما لم يثبت لزومه للمنافع العامة“ (دررلکام شرح مجلہ الاحکام ۱۰/۲۳۵) [مولانا محمد حنیف دہلوی]۔

۴- ”يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام“ (دررلکام، دفعہ ۲۶) [مقالہ: مولانا محمد شاہ جہاں ندوی]۔

۳- حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں حرم کی توسیع کی تو آس پاس کے مکانات و جگہیں خرید کر انہیں حرم میں شامل کر لیں۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے ۲۶ھ میں حرم کی توسیع کے ارادے سے آس پاس کی زمینیں خرید کیں اور جو اپنی زمینیں یا مکانات دینے کے لئے رضامند نہیں تھے، ان کے مکانات جبراً منہدم کرادیئے اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کر دی۔ اسی طرح مسجد نبوی کی توسیع کے وقت بھی یہی مسئلہ پیش آیا تھا، مگر اکابر صحابہ کی کوششوں سے لوگ اپنی زمینیں دینے پر راضی ہو گئے (عثمان ذوالنورین: مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ۱۳۲، بحوالہ کالم ۳/۸۷) [مقالہ: مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی وغیرہ]۔

۴- ”السبب الشرعی ما جعله الشرع سبباً للملك وجواز التصرف كالبيع والهبة والإرث والوصیة، وفي شرح السير (۲/۲۷۴): قال رسول الله ﷺ: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيبة نفس منه، نعم مواضع الضرورة مستثناة، وفيه (۲/۲۳۵): ولإمام أن يأخذ مال الغير عند الضرورة بشرط الضمان“ (قواعد الفقہ: مفتی عمیم الاحسان، ۱۱۰) [مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی]۔

۵- اصول ہے: ”الغرم بالغنم“ اور ”الخروج بالضمان“ (قواعد الفقہ، ۸۰، ۹۳) [مقالہ: مولانا توقیر بدر القاسمی]۔

۶- ”قالوا: وللسلطان أن يجعل ملك الرجل طريقاً عند الحاجة“ (قواعد الفقہ، ۱۳۳) [مقالہ: مولانا روح الامین]۔

۷- ”تؤخذ أرض ودار وحنوت بجانب مسجد ضاق على الناس

بالقيمة كرها (قوله بالقيمة كرها) لما روى عن الصحابة لما ضاق المسجد الحرام أحملوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة“ (الدر المختار مع الشارح ۶/۵۷۶) [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا روح الامین]۔

۸- ”الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف“ (مجموع الفتاوى وادبہ ۵/۵۹۵)

[مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۹- ”تصرف الإمام على الرعاية منوط بالمصلحة“ (الاشباه والنظائر ۱۳۳)

[مقالہ: قاضی عبدالجلیل قاسمی]۔

۱۰- ”عن عقبه بن عامر قال: قلت: يا رسول الله! إنا نمرّ بقوم فلاهم

يضيفونا ولا هم يؤدون مالنا عليهم من الحق ولا نحن نأخذ منهم، فقال رسول الله ﷺ: إن أبوا إلا أن تأخذوا كرها فخذوا“ (ترمذی ۲۳۳۳) [مقالہ: مولانا محمد عثمان بستوی]۔

۱۱- ”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بلا إذنه... أما إذا

وجد ضرورة فيجوز لكل إنسان التصرف في ملك الغير بدون إذنه“ (شرح الجملہ ۸۱/۱) [مقالہ: مولانا محمد عثمان بستوی]۔

۱۲- مولانا امیر احسن ندوی نے اس تعلق سے عصر حاضر کے علماء کی آراء نقل کی ہیں، وہ

ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

ڈاکٹر محمد سلام مدکور (رئیس قسم اشریعیہ فی کلیتہ الحقوق جامعہ قاہرہ) تحریر فرماتے ہیں:

”ثمّة حالات تتدخل فيها الدولة لصالح الملكية العامة، وهي:

نزع الملكية الخاصة أرضاً زراعية أو عادية أو مسكناً للمنفعة العامة

كتوسعة الطريق أو بناء مرفق ضروري يتحدد بها المكان أو تغلب المصلحة

في بنائه في هذا المكان“ (موسوعة الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/۱۹۳)۔

ڈاکٹر عبد الحلیم عولیس فرماتے ہیں: ”من حق الدولة أن تستولى على المال الخاص وتحوّله للملكية العامة إذا اقتضت مصلحة الأمة ذلك“ (حولد سابق)۔
 ڈاکٹر عبد اللہ عبد الحسن اترکی اور ڈاکٹر عرف الکفر اوی (محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض) کا بھی یہی نظر یہ ہے۔ ڈاکٹر عبد اللہ عبد الحسن اترکی فرماتے ہیں: ”وللدولة أن تتدخل لتزيل الملكية الخاصة عن أصحابها في بعض المواطن التي تقتضى ذلك كتوسعة الشوارع وإقامة المنشآت العامة أو إزالة الملكية الخاصة للأغراض الأمنية أو العسكرية أو لشق المصارف والترع وما إليها“ (۲۰۰۳ء)۔
 الاسلائی المعاصر ۱۸۱/۳۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

”والقاعدة في الملكيات العامة أو ضماناتها هي ملاحظة المصلحة الخاصة للدولة بحق ثابت شرعي معروف وبشمن عادل ومن حاكم عادل أيضاً فإن توفرت الشرعية وعموم المصلحة والعدالة كانت لهذه الملكيات مقبولة وإلا اعتبرت غصباً وحراماً“ (۲۰۰۳ء) الاسلائی المعاصر ۱۹۲/۳۔

ڈاکٹر عرف الکفر اوی رقم طراز ہیں:

”فالملكية الفردية مصنونة في الإسلام، فليس لولي الأمر أن يمسها عن طريق نزعها أو تحديدها أو تأميمها إلا تطبيقاً لنص شرعي أو نزولاً على حكم الضرورة لمصالح جماعة المسلمين، ويشترط علماء الشريعة في المصلحة شروطاً تكفل عدم اتخاذها من جانب الحاكم ستاراً يخفي ما يسيطر عليه من أهواء شخصية- ومن تلك الشروط:

۱- أن تكون المصلحة يقينية لا وهمية أو ظنية تجلب نفعاً أو تجنب

ضرراً أو تدفع حرجاً۔

۲- أن تكون المصلحة عامة أو كلية أي لا تكون مصلحة أقلية“

(موسوع الفقہ الاسلامی لعاصر ۳۳/ ۱۹۳)

ڈاکٹر عبد الحلیم عولیس نے حاکم اور مصلحت کے تعلق سے دو اور شرائط کا اضافہ کیا ہے:

- ۱- حاکم اپنے اس تصرف میں مذہبی عصبیت کا شکار نہ ہو۔ یا کسی ایسے نظر سے متاثر نہ ہو جو اسلام کے عادلانہ متوازن نظام اقتصادیات سے متصادم ہو، یا کسی خاص طبقہ کے لئے اس کے دل میں کینہ نہ ہو، جن کو وہ اپنے تصرف کے ذریعہ پریشان یا ذلیل کرنا چاہتا ہو۔
- ۲- تصرف کے لئے شرط یہ ہے کہ عدل کا اثبات، دفع ظلم اور عامۃ الناس کو بنیادی ضروریات مہیا کرانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

۱۳- مفتی سید عبدالرحیم حسنی نے اس ضمن میں انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے چوتھے

اجلاس کا یہ فیصلہ ذکر کیا ہے:

- اول: انفرادی ملکیت کی رعایت اور کسی بھی زیادتی سے اس کا تحفظ ضروری ہے، انفرادی ملکیت کے دائرہ میں تنگی پیدا کرنا یا اسے ختم کرنا جائز نہیں ہے، مالک کو اپنی املاک پر اختیار حاصل ہے، اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اسے ہر طرح کے تصرف اور انتفاع کا حق ہے۔
- دوم: مفاد عامہ کی خاطر عوامی اراضی کا حصول صرف درج ذیل شرعی شرائط و ضوابط کی رعایت کرتے ہوئے ہی ہو سکتا ہے:

۱- املاک کا فوری اور ایسا عادلانہ معاوضہ دیا جائے جس کی تعیین ماہرین و واقف کار کریں اور جو اس کی بازاری قیمت سے کم نہ ہو۔

۲- سربراہ یا اس کے نائب ہی کو املاک کے حصول کا اختیار ہوگا۔

۳- یہ حصول کسی ایسے مفاد عام کے لئے ہو جو اجتماعی حاجت کے درجہ میں ہو، کہ یہ بھی ضرورت کے حکم میں ہوتی ہے، جیسے مساجد، راستے اور پل وغیرہ۔

۴- مالک سے حاصل کی جانے والی املاک کو عمومی یا خصوصی سرمایہ کاری میں نہ لگایا

جائے اور یہ کہ اسے وقت سے پہلے حاصل نہ کیا جائے۔

۵- اگر حاصل شدہ املاک کو مذکورہ مفاد عام میں حاصل کرنے کی رائے باقی نہ رہے تو اصل مالک یا اس کے ورثاء ہی مناسب معاوضہ پر اس کو واپس لینے کے زیادہ حقدار ہوں گے۔
☆ مولانا روح الامین صاحب اجتماعی حاجت کو ضرورت کے قائم مقام مانتے ہوئے ڈیم کی تعمیر کے لئے جبراً املاک کے حصول کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ املاک کا معاوضہ بازاری قیمت کے مطابق دیا جائے۔

”الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة الخاصة في حق آحاد الناس“

(مسوود القواعد الفہمیہ ۵/۶۷)۔

۹- سیلاب سے بچنے کے لئے باندھ کو کاٹنے یا نہ کاٹنے کا حکم:

سوال: ۹- بعض علاقوں میں تباہ کن سیلاب آتا ہے اور ایک بستی غرق ہونے کے قریب ہوتی ہے، ایسی صورت میں لوگ پانی کے روکنے کے لئے تعمیر کئے گئے باندھ کو کاٹ دیتے ہیں، اس کے نتیجے میں سیلاب کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے، اب اس بستی کو تو وقتی طور پر مصیبت سے نجات مل جاتی ہے؛ لیکن اگلی بستی کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر آگے کی آبادی نسبتاً نشیبی علاقے میں واقع ہو تو وہاں زیادہ نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا پھلی بستی والوں کے لئے باندھ کو کاٹ دینے اور پانی کو آگے بڑھا دینا جائز ہوگا؟

اکثر مقالہ نگاروں کا رجحان یہ ہے کہ اگر نشیبی علاقوں کی آبادی کے ڈوب جانے یا ان کے جان و مال کو خطرہ لاحق ہو تو اپنے کو ضرر سے بچانے کے لئے دوسرے کو ضرر میں مبتلا کرنا درست نہ ہوگا [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، تاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی

عبداللہ کاوی والا، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا توقیر بدر قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا سید عبدالرحیم حسنی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد حفیظ داحودی، مولانا محمد عثمان بستوی]۔

دلائل:

۱- ”الضرر لا يزال بالضرر أو بمثله“ (موسوعہ القواعد الفقہیہ ۱/۲۵۷) [مفتی راشد حسین ندوی، مولانا روح الامین، مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا امیر ار حسن ایوبی]۔

۲- ”خرب رجل ضفة نهر، والماء في ذلك الوقت منقطع، ثم وصل الماء فوصل من موضع لتخريب في أرض رجل فاضر بالأرض أو أفسد زرعاً في الأرض قال: ينظر: إن جرى الماء بنفسه يضمن المخرب إذا كان النهر للعامه لأنه مسبب متعمد“ (فتاویٰ ہندیہ کتاب اشرب الباب الثالث فیما یجوز لسان الخ ۵/۳۰۰)۔

۳- ”فی فتاویٰ ابي الليث: نهر عظیم لأهل قرية، يشعب منه نهران، وعلى كل واحد من النهرين طاحونة، فخربت إحدى الطاحونة، فأراد صاحبها أن يرسل الماء كله في النهر الآخر الذي عليه الطاحونة الأخرى حتى يعمر طاحونته، وذلك يضر بالطاحونة الأخرى لم يكن له ذلك، لأنه يريد دفع الضرر عن نفسه بالإضرار بغيره“ (ایضاً)۔

۴- ”إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر“ (الاشباه والنظائر) [مفتی عبداللہ کاوی والا]۔

۵- ”وإن أكره على قتل غيره بقتل لم يرخص ولم يسعه أن يقدم عليه، ويصبر حتى يقتل، فإن قتله كان آثماً“ (فتاویٰ ہندیہ ۵/۳۹) [مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی]۔

۶- ”ولہم نصب الأرحیة والدوالی إن کان لا یضر بالعامۃ، وإن کان یضر بالعامۃ فلیس لہ ذلک، لأن دفع الضرر عنہم واجب، وذلک بأن یمیل الماء إلى ہذا الجانب إذا انکسرت ضفتہ فتغرق القرى والأراضی“ (فتاویٰ ہندیہ ۳۹۱/۵) [مقالہ: مولانا محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا محمد حذیفہ داہودی]۔

مفتی باقر ارشد تاقی کا کہنا ہے کہ اگر پہلی بستی والے کے باندھ کاٹ دینے کی وجہ سے دوسری بستی والوں کا نقصان ہوتا ہے تو پہلی بستی والوں پر ضمان واجب ہوگا، اور دلیل میں فتاویٰ ہندیہ کی یہ عبارت پیش کی ہے:

۱- ”رجل سقى أرضه فتعدى الماء إلى أرض جارہ أن أجرى الماء إجراء لا یستقر فی أرضه بل یستقر فی أرض جارہ یضمن.... وإن كانت أرضه فی صعدة وأرض جارہ فی هبطة ویعلم أنه لو سقى أرضه یتعدى إلى أرض جارہ یضمن....“ (فتاویٰ ہندیہ ۳۸۲/۵)۔

۲- ”وعلى هذا قالوا: إذا فتح رأس نهره فسال من النهر شیئاً إلى أرض جارہ فغرقت ینظر إن کان فتح من الماء مقدار ما یفتح من الماء فی مثل ذلک النهر فی العرف والعادة لا یضمن وإن فتح مقدار ما لا یفتح مثله فی ذلک النهر ضمن کذا فی محیط السرخسی“ (فتاویٰ ہندیہ ۳۸۳/۵)۔

باندھ کاٹ دینا جائز ہے:

☆ مولانا خورشید انور اعظمی کی رائے یہ ہے کہ سیلاب کی شدت سے اگر پہلی بستی کے غرق ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت حال میں پہلی بستی والوں کے لئے جائز ہوگا کہ دفع مضرت کے لئے باندھ کاٹ کر پانی آگے بڑھادیں اور اپنے کو مصیبت سے بچالیں، دلیل کے طور پر یہ عبارتیں پیش کی ہیں:

(۱) ”إن الظلم لا أسوة فیہ ولا یلزم أحداً أن یولج نفسه فی ظلم مخافة

آن یوضع الظلم علی غیرہ واللہ تعالیٰ یقول: ”إنما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الأرض بغير الحق“، ورأیت فی بعض المنقولات نحو هذا عن یحییٰ بن عمر أنه لا بأس أن یطرحه عن نفسه مع العلم بأنه یطرحه علی غیرہ إذا کان المطروح جوراً بیناً“ (المواقفات ۳۵۱/۲)۔

(۲) ”وذكر عبد الغنی فی الموائف والمختلف عن حماد بن أبی ایوب قال قلت لحماد بن أبی سلیمان: إنی أتکلم فترفع عنی النوبة فإذا رفعت عنی وضعت علی غیری، فقال: إنما علیک أن أتکلم فی نفسك فإذا رفعت عنک فلا تبالی علی من وضعت“ (المواقفات ۳۵۲/۲)۔

(۳) اسی طرح امام عز الدین بن عبدالسلام ”قواعد الاحکام“ میں لکھتے ہیں:

”وإذا اجتمعت مصالح ومفاسد فإن أمکن تحصیل المصالح ودرء المفاسد فعلنا ذلك امتثالاً لأمر الله تعالیٰ: ”فاتقوا الله ما استطعتم“ (التقوا: ۱۶) وإن تعذر الدرء والتحصیل فإن كانت المفاسدة أعظم من المصلحة درأنا المفاسدة ولا نبالی لفوات المصلحة قال تعالیٰ: ”یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما إثم کبیر ومنافع للناس وإثمہما أكبر من نفعہما“ (البقرہ: ۲۱۹) حر مہما لأن مفاسدہما أكبر من منفعتهما“ (المجمع عدد ۱۹۱۹، شوال ۱۳۳۱ھ)۔

(۴) ”إن إضرار الغير فی المسائل المتقدمة والأصول المقررة ليس بمقصود فی الإذن وإنما الإذن لمجرد جلب الجالب ودفع المانع وكونه يلزم عنه إضرار أمر خارج عن مقتضى الإذن“ (المواقفات ۳۵۲)۔

☆ مفتی شیری صاحب کا کہنا ہے کہ بہتی والے باندھ توڑ سکتے ہیں کیونکہ ان کے لئے اپنی بہتی کو بچانا لازمی ہے، اور جو خبیث میں ہیں وہ خود دوسری جگہ منتقل ہو جائیں یا حکومت ان کو دوسری جگہ منتقل کر دے۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کی رائے ہے کہ ایسی صورت میں باندھ کاٹ دینا اس وقت جائز ہوگا جب کہ ضرر عام نہ پایا جائے، اور اگر اگلی آبادی کم ہے تو ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو کوہرہ کیا جائے گا، یا اگلی آبادی ایسے نشیبی علاقہ میں ہے جہاں عام طور پر بتاعی اور غرقابی کا اندیشہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں باندھ کاٹا جاسکتا ہے، کیونکہ ایسی نشیبی جگہ میں آبادی اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

☆ مفتی راشد حسین ندوی اس کی اجازت اس شرط پر دیتے ہیں کہ اگر باندھ کاٹنے پر تو معمولی نقصان کا خطرہ ہو اور نہ کاٹنے پر زیادہ نقصان کا خطرہ ہو تو رپورٹ کی روشنی میں حکومتی سطح پر باندھ کے کاٹ دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ اہون اہلیتین ہے [نیز مقالہ: مفتی شاہد علی قاسمی]۔

”إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما“
(الاشباہ والنظائر لابن نجيم ۵/۱۳۰)۔

☆ جبکہ مولانا روح الامین صاحب نے اس مسئلہ میں یہ تفصیل کی ہے:
الف- باندھ کاٹنے کے نتیجے میں بتلا بستی کا تحفظ ہے، اور کسی بستی کا کوئی جانی و مالی خطرہ لاحق نہیں تو الضرر يزال کے تحت باندھ کاٹنا جائز ہے۔
ب- اگر اگلی بستی کے ڈوبنے کا خطرہ یقینی نہیں بلکہ موہوم ہے، اور بتلا بستی کا تحفظ یقینی ہو تو بھی باندھ کاٹنا جائز ہے۔

ج- اگر اگلی بستی کے نقصان کا ظن غالب ہے، لیکن نقصان کا تخمینہ نسبتاً کم ہے تو بھی باندھ کاٹنا جائز ہونا چاہئے، کیونکہ الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف۔

۱۰- عام آبی وسائل سے استفادہ کی حد:

سوال: ۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے افراد و اشخاص کو کس حد تک استفادہ کی اجازت ہے؟

تمام مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے انسان اپنی تمام ضروریات کی تکمیل کر سکتا ہے، ان میں کسی خاص شخص کو ملکیت حاصل نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ مفاد عام کے خلاف نہ ہو [مفتی راشد حسین ندوی]، اسراف و اضرار سے بچا جائے [مولانا ابرار حسن ندوی]، اور اس کے فعل سے کسی کے حق کی تفویض اور نقصان نہ ہو [مولانا محمد عثمان بستوی]۔

دلائل:

۱- ”المسلمون (وفی بعض الروایات) الناس شركاء فی ثلاث: فی الماء والكلأ والنار“ (ابوداؤد: ۳۴۷۷) [مقالہ: مولانا ابرار حسن ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ تاسمی، مفتی باقر ارشد تاسمی]۔

۲- ”اعلم أن الماء أربعة أنواع: الأول: ماء البحار، ولكل أحد فيها حق الشفة وسقى الأراضى، فلا يمنع من الانتفاع على أى وجه شاء، والثانى: ماء الأودية العظام كسيحون، وللناس فيه حق الشفة مطلقاً وحق سقى الأراضى إن لم يضر بالعمامة، والثالث: ما دخل فى المقاسم أى المجارى المملوكة لجماعة مخصوصة وفيه حق الشفة، والرابع: المحرز فى الأوانى ينقطع حق غيره عنه وتمامه فى الهلالية، وحاصله أن لكل أحد فى الأوليين حق الشفة والسقى لأرضه وفى الثالث حق الشفة فقط ولا حق فى الرابع لأحد“ (رد المحتار ۵/۳۱۱، نیز ہدایہ ۴/۳۸۷) [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد حنیف داہودى، مولانا روح الامین]۔

۳- ”الثانى ماء الأودية العظام، كسيحون وسيحون ودجلة والفرات والنيل، للناس فيها حق الشفة على الإطلاق وحق سقى الأرض بأن أحيا واحد أرضاً ميتة وكرى منها نهراً يسقيها إن كان لا يضر بالعمامة ولا يكون النهر فى

ملك أحد ولهم نصب الأرحية والموالي إن كان لا يضر بالعامه وإن كان يضر بالعامه فليس له ذلك، لأن دفع الضرر عنهم واجب، وذلك بأن يميل الماء إلى هذا الجانب إذا انكسرت ضفته فتغرق القرى والأراضى وكذا شق الساقية والمدالية“ (فتاوى ہندیہ ۵/ ۳۹۰، نیز الموسوعۃ الفقہیہ ۲۶/ ۱۳۹، بدائع الصنائع ۶/ ۱۹۳)۔

[مقالہ: مولانا محمد حذیفہ داحودی، مفتی باقر ارشد تاقی، تاقی محمد کمال تاقی، مفتی شاہد

علی تاقی]۔

۴- ”الأنهار العظام كالدجلة والفرات غير مملوكة ولكل أن يسقى أرضه ويتوضأ به ويشربه وينصب الرحي عليه ويكرى منها نهراً إلى أرضه إن لم يضر بالعامه“ (کنز الدقائق ۳۵۵) [مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی]۔

۵- ”ماء الأنهار العامة: وهو الذى يجرى فى مجار العامة غير مملوكة لأحد، وإنما هى للجماعة، مثل النيل ودجلة والفرات ونحوها من الأنهار العظيمة وحكمه (نهاية المحتاج) أنه لا ملك لأحد فى هذه الأنهار، لا فى الماء ولا فى المجرى، بل هو حق للجماعة كلها، فلكل واحد حق الانتفاع بها، بالشفة (سقى نفسه ودوابه) والشرب (سقى زرعه وأشجاره) وشق الجداول منها، ونصب الآلات عليها لجر الماء لأرضه، ونحوها من وسائل الانتفاع بالماء، وليس للحاكم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه، إذا لم يضر الفعل بالنهر أو بالغير أو بالجماعة، كما هو الحكم المقرر بالانتفاع فى الطرق أو المرافق العامة، فإذا أضر، فلكل واحد من المسلمين منعه أو الحد من تصرفه لإزالة الضرر، لأنه حق لعامة المسلمين، وإباحة التصرف فى حقهم مشروطة بانتفاء الضرر، كالانتفاع بالمرافق العامة، ”إذ لا ضرر ولا ضرار“، والدليل على كون هذه الأنهار غير مملوكة لأحد، وإنما الحق فيها مشاع

لجميع: قوله عليه السلام: الناس شركاء في ثلاث: في الماء والكلا والنار، وفي رواية "والملاح" وشركة الناس فيها شركة اباحه، لا شركة ملك، لعدم إحرازها، منهم سواء فالانتفاع بها ومنها الماء العام، فيثبت لهم حق الشرب" (فتاوى الاسلامي وادبيات ۱/ ۳۶۶-۳۶۷) [مقاله: مولانا سيد عبدالرحيم حسني، مفتي تنظيم عالم قاسمي]۔

۶- "والمياه المباحة من الأودية كالنيل والفرات والعيون في الجبال ونحوها يستوى الناس فيها لخبر الناس شركاء في ثلاث: الماء والكلا والنار" (نہایتہ المباحات ۳۵۲/۵) [مقاله: ڈاکٹر بہاء الدین ندوی]۔

☆ مولانا روح الامین صاحب نے اس کی تقسیم اس طرح کی ہے:

الف- سمندر کے پانی سے ہر شخص کو پانی لینے، جانور کو پلانے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہے، بلکہ ہر طرح کے انتفاع کی اجازت ہے۔

ب- دریاؤں اور بڑی نہروں و چشموں کے پانی سے پانی لینے اور جانوروں کو پلانے کا حق حاصل ہے، البتہ کھیتوں کو سیراب کرنے کی وجہ سے عام لوگوں کو ضرر لاحق ہو تو اس کی گنجائش نہیں ہے۔

ج- عوامی کنویں اور چشمے وغیرہ جو مخصوص جماعت کی ملک ہوں تو عرف کے مطابق اس سے اپنی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، جانوروں کو بھی پلایا جاسکتا ہے، البتہ بلا اجازت کھیت و باغ سیراب نہیں کیا جاسکتا۔

سرکاری تالاب بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ وہ مخصوص علاقے کے لئے ہوتے ہیں، مزید یہ ہے کہ سرکاری ضابطہ کے مطابق ہی اس سے استفادہ کی اجازت ہوگی۔

جس پانی میں حق شفعہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ پینے، کھانا پکانے، وضو، غسل، کپڑے دھونے وغیرہ کے لئے پانی کا استعمال کیا جاسکتا ہے، ایسے ہی جانوروں کی ضروریات کے لئے بھی لے سکتے ہیں۔

”فی الدر: والشفة شرب بنی آدم والبهائم، (قال الشامی) هذا أصله والمراد استعمال بنی آدم لدفع العطش أو للطبخ أو الوضوء أو الغسل أو غسل الثياب ونحوها كما فی المبسوط، والمراد فی حق البهائم الاستعمال للعطش ونحوه مما يناسبها“ (درمخ الثانی ۱۰/۱۳)۔

اور تقریباً یہی تقسیم مفتی شاہد علی تاسمی نے بھی پیش کی ہے۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی اس کے درمیان تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بڑی ندیوں اور دریاؤں کے پانی سے تمام لوگوں کو ہر طرح کے استفادہ کا حق ہے، تمام لوگ اس سے ”خفہ“ یعنی ہر انسانی و حیوانی و زراعتی ضرورت میں اس کے پانی کا استعمال کر سکتے ہیں، اسی طرح عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے بھی ہر آدمی کو ”خفہ“ یعنی انسانی و حیوانی ضرورت کے لئے پانی لینے کا حق حاصل ہے، البتہ کھیتوں اور باغات کو سیراب کرنے کی وجہ سے عام لوگوں کو دشواری پیش آتی ہو تو اس کی گنجائش نہیں۔

☆ مولانا محمد مصطفیٰ تاسمی وغیرہ کا کہنا ہے کہ پانی اگر اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد بچ رہے اور زائد ہو تو اسے دوسروں کی ضرورت کے لئے چھوڑ دے۔

”وإذا كان لرجل نهر أو بئر أو قناة فليس له أن يمنع شيئاً من الشفة والشفة الشرب لبني آدم والبهائم“ (ہدایہ ۲/۳۶۸)۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کہتے ہیں کہ پانی اگر کسی کی ملکیت ہو تو فضول خرچی سے بچتے ہوئے استفادہ کرے، اور اگر مشترک ہے تو اس سے استفادہ عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کے ذریعہ ہوگا۔

☆ حافظ کلیم اللہ عمری لکھتے ہیں کہ وہ آبی وسائل و ذرائع جنہیں حکومت نے کسی کو ٹینڈر دے دیا ہو وہ وسائل و ذرائع مخصوص ہوں گے، ان سے عام استفادہ کی گنجائش نہ ہوگی۔

☆ مولانا شاہجہاں ندوی کی رائے ہے کہ اگر عوامی کنویں، غیر مملوکہ چشمے اور سرکاری

تالاب سے سینچائی کرنے کی صورت میں پینے کا پانی ختم ہو جائے گا تو پھر سینچنے کا حق نہیں ہے۔
☆ مفتی باقر ارشد قاسمی اور مولانا عامر ظفر ایوبی کا کہنا ہے کہ سرکاری تالاب حکومت کی ملکیت ہے لہذا حکومت کی اجازت کے بغیر اس سے استفادہ درست نہیں ہے۔

۱۱- گزرنے والی نہر سے استفادہ کی حد:

سوال: ۱۱- اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضروریات کے لئے کس حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے؟
مقالہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ کھیتوں کے سامنے سے گزرنے والی نہر سے قرب والا قرب کی بنیاد پر بقدر ضرورت استفادہ کرنا درست ہے، خود بھی پی سکتے ہیں، جانوروں کو بھی پلا سکتے ہیں، اور کھیتیاں بھی سیراب کر سکتے ہیں۔ ان حضرات نے مندرجہ ذیل عبارتوں کو اپنا متدل بنایا ہے:

دلائل:

۱- ”عن عبد اللہ بن الزبیر أنه حملته أن رجلاً من الأنصار خاصم الزبیر عند النبی ﷺ في شراج الحرة التي يسقون بها النخل فقال الأنصاري: سرح الماء يمرّ، فأبى عليه فاختصما عند النبی ﷺ، فقال رسول اللہ ﷺ للزبیر: اسق يا زبیر ثم أرسل الماء إلى جارك، فغضب الأنصاري فقال: إنه كان ابن عمّك، فتلون وجه رسول اللہ ﷺ ثم قال: اسق يا زبیر ثم احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر“ (بخاری ۱/ ۳۱۷) [مقالہ: مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی شیر علی کجراتی، مولانا عامر ظفر ایوبی]-

۲- ”أن النبی ﷺ قضی فی شرب النخل من السیل: أن الأعلى

یشرب قبل الأسفل ویتروک الماء إلى الكعبین ثم یرسل الماء إلى الأسفل الذی یلیه و كذلك حتی تنقضى الحوائط أو یغنى الماء“ (ابن ماجہ مشرحة) [مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۳- ”وینتفع الناس بماء الأمطار أو السیول أو النهر الصغیر الذی یزدحم الناس فیہ بأن یبدأ بالأعلى فیسقى أرضه حتى یصلی إلى الكعب (النهایه) ثم یرسله إلى من یلیه فیسقى و یحبس الماء حتى یصل إلى کعبه ثم یرسله إلى من یلیه فیفعل كذلك“ (مجموع الاسلاوی وادبیہ ۵/۵۹۹) [مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

۴- ”فإن أراد قوم سقى أرضیهم منها فضاقت الماء سقى الأعلى فالأعلى وحبس كل واحد الماء حتى یبلغ الكعبین“ (تختہ الخراج) [ڈاکٹر بہاء الدین ندوی]۔

۵- ”قال أبو عبید: كان بالمدينة وادیان سیلان بماء المطر فیتنافس الناس فیہ فقضى رسول اللہ ﷺ للأعلى فالأعلى“ (فتح الباری ۵/۲۵) [مقالہ: مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی]۔

۶- ”عن عبد اللہ بن أبی بکر أنه بلغه أن رسول اللہ ﷺ قال فی مسیل مہروز ومانینیب: یمسک حتی الكعبین ثم یرسل الأعلى علی الأسفل“ (مؤلفا نام مالکہ ۳۱۱) [مقالہ: مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی]۔

۷- علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

”إن ماء الأودية التي لا تستنبط بعمل فیما مباح، ومن سبق إليه فهو أحق به، وفيه أن أهل الشرب الأعلى یقدم علی من هو أسفل منه و یحبس الأول الماء حتی یبلغ إلى جدار حائطه، ثم یرسل الماء إلى ما هو أسفل منه فیسقى كذلك و یحبس الماء كذلك، ثم یرسله إلى من هو أسفل منه وهكذا، وفي حدیث الباب احبس الماء حتی یرجع إلى الجبل و فی حمیث عبد اللہ بن

عمرو الذی أخرجه أبو داؤد وابن ماجه من رواية عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن رسول الله ﷺ قضى في سبيل المهرورز أن يمسك حتى يبلغ الكعبين ثم يرسل الأعلى إلى الأسفل.... وقال الرافعي: لا مخالفة بين التقديرين لأن الماء إذا بلغ الكعب بلغ أصل الجدار.... وقال أبو الحسن الماوردي ليس التقدير بالبلوغ إلى الكعبين على عموم الأزمان والبلدان لأنه يلدور بالحاجة، والحاجة تختلف باختلاف الأرض وباختلاف ما فيها من زرع وشجر وبوقت الزراعة ووقت السقي، الخ“ (عمدة القاري ۱۲/۲۸۵، مکتبہ عباس باز) [مولانا روح الامين]-

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی نے نہروں کے اعتبار سے اس کے مختلف احکام تفصیل

سے بیان کئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

الف- کھیتوں اور علاقوں سے گزرنے والی نہر اگر عام ہے، مخصوص لوگوں کی نہیں ہے اور نہ ہی اسے سرکار نے کسی خاص مقصد کے لئے جاری کی ہے تو اس نہر سے کھیتوں اور علاقے والوں کے لئے انسانی و حیوانی ہر ضرورت کے لئے پانی لیا جائز ہے، اسی طرح اپنے کھیتوں اور باغات کو اس پانی سے سیراب کرنا بھی جائز ہے، مگر اس طرح کہ دوسروں کو نقصان اور دشواری نہ ہو، ورنہ زمین کی سیرابی کا حق حاصل نہیں ہے (دررالحکا مشرح مجلۃ الاحکام ۱۰/۲۶۶)۔

ب- اگر وہ نہر دوسرے مخصوص لوگوں کی ہے، عام نہیں ہے، تو ان کھیتوں اور علاقے والوں کو اس نہر سے انسانی ضرورت کے لئے پانی لیا ہر حال میں جائز ہے، اور اپنے حیوانات کو بھی اس سے پلا سکتے ہیں بشرطیکہ حیوانات کی کثرت کی وجہ سے نہر کو کسی طرح کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، البتہ نہر والوں کی اجازت کے بغیر اپنے کھیتوں اور باغات کو سیراب نہیں کر سکتے (فتاویٰ ہندیہ ۵/۳۹۱، وکذافی دررالحکا مشرح مجلۃ الاحکام ۱۰/۲۸۵-۲۸۸، الدر المختار مع الرد ۱۰/۱۳)۔

ج- اگر وہ نہر حکومت کی طرف سے ”حفہ“ یعنی انسانی و حیوانی ضرورت مثلاً پینا، پکانا،

وضو و غسل، کپڑے دھونا، جانوروں کو پلانا وغیرہ کے لئے جاری کی گئی ہے تو کھیتوں اور علاقے والوں کے لئے انسانی و حیوانی ہر ضرورت کے لئے اس سے استفادہ کرنا ہر حال میں جائز ہے، لیکن کھیتوں اور باغات کی سیرابی اس سے جائز نہیں، ہاں! البتہ اگر پانی میں اس کی گنجائش ہو اور لوگوں کو کوئی حرج و ضرر نہ ہو تو پھر زمین و باغ کو سیراب کرنا بھی درست ہے، بشرطیکہ حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت نہ ہو (فتاویٰ ہندیہ ۳۹۱/۵، درالمنکاح شرح مجلۃ الاحکام ۱۰/۲۷۹)۔

د- اور اگر وہ نہر حکومت کی طرف سے کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے جاری کی گئی ہے، تو کھیتوں اور علاقے والوں کے لئے ”حفتہ“ یعنی انسانی و حیوانی ہر ضرورت کے ساتھ ساتھ اپنے کھیت اور باغات کو سیراب کرنے کا بھی پورا حق حاصل ہوگا۔ حکومت انسانی و حیوانی ضرورت پوری کرنے سے تو کسی کو نہیں روک سکتی، البتہ اگر کسی وجہ سے کبھی کچھ لوگوں کو کھیت و باغات کی سیرابی سے روکنا چاہے تو حکومت کو اس کا حق حاصل ہے، کیونکہ ایسی نہر مملوک کنویں کی طرح ہے، اور مملوک کنویں کا یہی حکم ہے (مکملۃ فتح الہیہ ۱/۲۹۲، کتاب الخراج ۹۵)۔

کھیتوں کو سیراب کرنے کی حد اور ترتیب:

☆ قاضی عبدالجلیل قاسمی نے یہ قید لگائی ہے کہ نہر کے پانی کو روکے بغیر اپنے کھیت میں اتنا پانی روکنے کا حق ہوگا جتنا کھیتی کے لئے ضروری ہو، اور بقول مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نہر کے پانی کو باندھ کر روک لیا اور آگے نہ جانے دینا شرعاً اخلاقاً یہ ایک مذموم فعل سمجھا جائے گا۔

☆ مولانا عامر ظفر ایوبی کہتے ہیں کہ اگر کھیت سیراب کرنے کے بعد کوئی منڈیروں تک پانی روک لیتا ہے تو کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کی رائے ہے کہ زمین کی مساحت کے لحاظ سے استفادہ کا حق ہوگا، اور نہر کے بالائی حصہ سے اس کی شروعات ہوگی۔

☆ مفتی تنظیم عالم قاسمی کا کہنا ہے کہ اگر نہر میں پانی بند ہونے کا اندیشہ ہو یا پانی کم آ رہا ہو تو کھیت کے مالک کو چاہئے کہ بھرے بغیر صرف سیراب کر کے پانی آگے کے لئے چھوڑ دے۔

☆ مفتی راشد حسین ندوی مفتی شاہد علی قاسمی کی رائے ہے کہ حکومتی نہروں سے آبپاشی اور استفادہ کی صورت میں محکمہ زراعت کے اصول و ضوابط کی پابندی ضروری ہے [نیز مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی]۔

☆ مولانا روح الامین اور مولانا محمد حنیفہ داہودی کہتے ہیں کہ:

فقہاء نے احادیث کی روشنی میں یہ متعین کیا ہے کہ کھیت کی منڈیوں تک پانی بھر سکتے ہیں، جس کو حدیث میں ”حتی یرجع الی الجملہ“ یا ”حتی یرجع الی الجملہ“ سے تعبیر کیا گیا ہے، البتہ علامہ ابو الحسن ماوردی فرماتے ہیں کہ یہ تحدید ہر زمانہ اور ہر علاقے کے اعتبار سے عام نہیں ہے، بلکہ حاجت پر دائر ہے، اور حاجت زمین، اس کی لگی کھیتی، یا درخت اور کھیتی کی سیرابی کے وقت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔

لہذا ضرورت کے بقدر اسراف اور دوسرے کی حق تلفی ضرر سے اجتناب کرتے ہوئے اس قسم کی نہروں سے استفادہ کیا جائے گا۔

”لیس التقدير بالبلوغ إلى الكعبين على عموم الأزمان والبلدان، لأنه يلدور بالحاجة والحاجة تختلف باختلاف الأرض وباختلاف ما فيها من زرع وشجر وبوقت الزراعة ووقت السقي“ (عمدة القاری ۱۲/۲۰۳، نیز دیکھئے: مکتبۃ نخلہم ۳/۵۰۵، رد المحتار ۱۰/۱۲، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰)۔

☆ مولانا محمد حنیفہ داہودی لکھتے ہیں:

ترتیب کے سلسلہ میں اصل مدار عرف ہے، اگر عرف یہ ہو کہ سینچائی دہانے سے اور بالائی حصہ سے شروع کی جائے تو ایسا کیا جائے، پھر آخر اور زیریں حصہ والا سینچائی کرے گا، اور اگر آخر اور نیچے سے سینچائی کا معمول ہو تو ایسا کیا جائے، اور اگر یہ معمول ہو کہ ایک مرتبہ دہانے سے سینچائی شروع کرتے ہیں اور دوسری مرتبہ آخر سے، تو ایسا کیا جائے، اس طرح ہر شخص اپنے کھیت کا تقاضا پورا کر کے اگلے کو نمبر دے گا۔

ہاں! اگر کوئی عرف نہ ہو پہلے سے کوئی ترتیب نہ ہو تو پھر آپس کی رضامندی سے ترتیب بنائی جاسکتی ہے، چاہے یہ ترتیب بنائیں کہ پہلے دہانے والا پھر بعد والا، یا اس کے برعکس، اور چاہے یہ ترتیب بنائیں کہ ایک دن یہ سینچائی کرے اور دوسرے دن دوسرا، لیکن اگر اختلاف ہو جائے اور کوئی بات طے نہ ہو پائے تو پھر یہی ترتیب ہوگی کہ پہلے دہانے والا اور اوپر والا سینچائی کرے گا، اس کا حق ہوگا، پھر اس کے بعد والا اور نیچے والا سینچائی کرے گا (فیض الباری شرح صحیح البخاری ۳/۵۶۲، عمدۃ القاری شرح البخاری ۱۲/۲۰۳، فتح الباری ۵/۳۸، فقہ الاسلامی وادلہ ۵/۵۹۹)۔

۱۲- پانی پر ملکیت کی صورتیں:

سوال: ۱۲- کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟
جن صورتوں میں احراز پایا جائے گا ان میں پانی پر ملکیت ثابت ہو جائے گی، احراز یہ ہے کہ پانی کو کسی جگہ یا کسی چیز میں محفوظ کر لیا جائے، یا یہ کہ اس پر قبضہ کر لے تو ملکیت حاصل ہو جائے گی، اس پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے۔

۱- ”قال النبی ﷺ: یرحم اللہ ام إسماعیل لو ترکت زمزم أو قال: لو لم نعرف من الماء لکان عیناً معیناً وأقبل جرهم فقالوا: أتأذنین أن ننزل عندک؟ قالت: نعم، ولا حق لکم فی الماء، قالوا: نعم“ (بخاری ۳۱۹/۱)۔

۲- ”قال الخطابی: فیہ أن من أنبط ماء فی فلاة من الأرض ملکہ ولا یشاركه فیہ غیره إلا برضاه، إلا أنه لا یمنع فضله إذا استغنی عنه، وإنما شرطت ہاجر علیہم أن لا یتملکوه“ (عمدۃ القاری ۸۱/۸، فتح الباری ۵/۵۳)۔

۳- ”عن السمر بن مضر قال: أتیت النبی ﷺ فبایعته فقال: من سبق إلی ماء لم یسبقه إلیہ مسلم فهو له قال: فخرج الناس یتعادون یخاطون“ (ابوداؤد ۴۱۳۷)۔

۴- ”الماء فی الأصل خلق مباحاً لقول النبی ﷺ: ”الناس شرکاء فی

الثلاث: الماء والكلأ والنار، والشركة العامة تقتضى الإباحة إلا أنه إذا جعل في إناء وأحرزه به فقد استولى عليه وهو غير مملوك لأحد فيصير مملوكاً للمتولى كما في سائر المباحات الغير المملوكة“ (بدائع المنابع ۵/۲۷۵)۔

۵- ”لو أحرزه في جرة أو حب أو حوض مسجد من نحاس أو صفر أو جص وانقطع جريان الماء فإنه يملكه“ (رد المحتار ۱۰/۱۳)۔

۶- ”وكل من أحرز شيئاً مباحاً كان مالكا له مستقلاً فلو تناول الماء من نهر بيده أو بوعاء كالعلبة فإنه يملكه بإحرازه وحفظه في ذلك الوعاء وليس لغيره أن ينتفع به وإذا أخذه آخر بدون إذنه واستهلكه كان ضامناً“ (شرح لکھنؤ ۱/۶۸۰)۔

☆ بعض مقالہ نگاروں نے پانی کے احراز کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں جو مندرجہ

ذیل ہیں:

- الف- برتنوں اور ٹنکیوں میں پانی بھریا جائے۔
- ب- تالاب، حوض یا گڑھوں میں محفوظ کر لیا جائے۔
- ج- بارش کا پانی حاصل کرنے کے لئے برتن رکھا جائے اور وہ بارش سے بھر جائے۔
- د- بورنگ کرائی جائے یا پانی کھینچنے کی مشین لگائی جائے تو اس کا پانی بھی مملوک ہوگا۔
- ہ- مخصوص مشترک نہر کا وہ پانی جو مقام میں داخل ہو گیا ہو۔
- و- کنواں کھود کر نکالا گیا پانی بھی مملوک ہوگا، خواہ چٹیل میدان میں ہو۔
- ز- اپنے گھریا مملوک زمین میں سرکار سے پانی کا کنکشن لینے سے ملکیت ثابت ہو جائے گی۔

ح- خرید لینے پر پانی میں ملکیت ثابت ہوگی۔

ط- کمپنیاں جو پانی سپلائی کا پلانٹ لگاتی ہیں تو اس کا پانی کمپنی کی ملکیت سمجھی جائے گی۔
دیل کے لئے دیکھئے:

الموسوعة الفقهية ۳۷۶/۲۵، ۱۲۹/۲۶، شرح الجملہ ۲۷۶/۱۰، الفقه الاسلامی
 واولیہ ۶۰۳/۵، ۳۶۶۱/۶، تکملة فتح المباحم ۵۲۱/۱، اعلاء السنن ۱۳/۱۵۷، فتاوی
 ہندیہ ۳۹۱/۵، محیط برہانی ۶۹/۱۹، شامی ۲۵۸/۷، ۱۲/۱۰، کتاب الخراج ۹۵،
 الميسوط ۱۵۸/۲۳، الہدایہ ۲۶۹/۷، بدائع الصنائع ۲۷۴/۵، اشرح الکبیر ۸۱/۱۱، البیان فی
 مذہب الإمام الشافعی ۲/۵۰۳۔

[مقالہ: مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا محمد حذیفہ داہودی، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا
 محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی ظہیر احمد
 کانپوری]۔

۱۳- پانی کی تجارت کا مسئلہ:

سوال: ۱۳- جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہو جاتا ہے،
 ان میں کیا اس کے لئے اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے؟.....
 واضح ہو کہ موجودہ دور میں پانی کی خرید و فروخت ایک اہم ذریعہ
 معاش اور ایک نفع بخش تجارت بن چکی ہے۔

بعض مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ پانی کے استیلاء، قبضہ اور احراز میں آجانے کے
 بعد انسان اس کا مالک ہو جاتا ہے، لہذا اس کے لئے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا اور اس کو بیچنا جائز
 ہے۔ یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

[مفتی شیر علی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا،
 قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا توقیر بدر قاسمی، مولانا
 ابوسفیان مفتاحی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد
 حذیفہ داہودی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری]۔

دلائل:

- ۱- ”وله بیعہ لآئہ ملکہ بالاحراز، فصار کالصید والحشیش“ (تاوی ہندیہ ۳۹۱/۵) [مقالہ: مولانا محمد شاہ جہاں ندوی، قاضی محمد کامل تاسمی]۔
- ۲- رسول اکرم ﷺ کی ترغیب پر حضرت عثمانؓ نے ہر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا (نیل الاوطار ۱۳۶/۵) [مقالہ: مفتی تنظیم عالم تاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ تاسمی]۔
- ۳- ”أما الأول فهو ماء مملوك لصاحبه لا حق لأحد فيه، لأن الماء فإن كان مباحاً في الأصل لكن المباح يملك بالاستيلاء إذا لم يكن مملوكاً لغيره كما إذا استولى على الحطب والحشيش والصيد فيجوز بيعه كما يجوز بيع هذه الأشياء، وكذا السقانون يبيعون المياه المحروزة في الظروف، جرت العادة في الأمصار وفي سائر الأعصار من غير نكير“ (بائع المنافع ۱۸۸/۶) [مقالہ: قاضی محمد کامل تاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی]۔
- ۴- ”أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الماء إلا ما حمل منه“ (اعلاء السنن ۱۶۶/۱۳) [مفتی تنظیم عالم تاسمی]۔
- ۵- مولانا ظفر احمد عثمانی نے مولانا اشرف علی تھانوی کے حوالہ سے پانی کی بیع کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ ”وعلى ذلك مضت العادة في الأمصار ببيع الماء في الروايا والحطب والكلأ من غير نكير قلت وهما مما يؤيد ما رواه أبو بكر عن المشيخة فإن عمل الأمة من غير نكير يتنزل منزلة الإجماع“ (اعلاء السنن ۱۶۶/۱۳) [مقالہ: مفتی تنظیم عالم تاسمی]۔
- ۶- ”لا ينتفع به إلا بإذن صاحبه لملكه بإحرازه فله بيعه ملتقى“ (رد المحتار ۳۱۳/۵) [مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی]۔

۷- ”أما من حاز في قربته أو إنائه فذلك غير المذكور في الحديث وهو بمنزلة سائر المباحات إذا حازها إلى ملكه ثم أراد بيعها كالحطب والكأ والملح قد قال النبي ﷺ لأن يأخذ أحدكم حبلاً فيأخذ حزمة من حطب فيبيع فيكف الله بها وجهه خير له من أن يسأل الناس أعطى أو منع“ (رواه البخاري زاد المعاد لابن القيم ۲، ۵۹، ۳، المغني لابن قدامة ۱۳، ۶، ۶) [مقالہ: مولانا روح الامین، مولانا خورشید انور اعظمی]۔

۸- ”عن عائشة قالت: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الماء، قال أبو يوسف: تفسير هذا عندنا -والله أعلم- إنه نهى عن بيعه قبل أن يحرز“ (كتاب الخراج ۱۰، ۵، ۷) [مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی]۔

بعض دوسری آراء:

☆ نہر، تالاب، کنویں وغیرہ میں صرف احراز ہونا ہے ملکیت نہیں، اس لئے کہ اس میں حق شفعہ باقی رہتا ہے، لہذا اس کی شفعہ صحیح نہ ہوگی [مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا امیر احسن ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی سید باقر ارشد تاقی، مولانا سید عبدالرحیم حسنی]۔

☆ مفتی تنظیم عالم تاقی کہتے ہیں کہ کنویں کے پانی کی شفعہ احناف کے نزدیک احراز سے قبل درست نہیں، لیکن اگر پہلے کسی برتن میں جمع کر لیا جائے تو مقدار کے تعین کے بعد اس کی شفعہ درست ہوگی [مقالہ: مولانا عامر ظفر ایوبی]۔

☆ مولانا روح الامین صاحب کا خیال ہے کہ جن احادیث میں پانی کی خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے ان سے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی تجارت پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

☆ مفتی ظہیر احمد کانپوری کا کہنا ہے کہ اگر پانی کو بڑے پیمانے پر فروخت کرنے سے کسی جگہ پانی میں قلت پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہو، یا لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں یہ

تجارت دشواری پیدا کرنے کا سبب بنے تو حکومت کو اس پر پابندی لگانے کا حق ہوگا۔
 ☆ مفتی شاہد علی قاسمی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ پانی کے بیچنے کی جو ممانعت ہے
 وہ تزیینی ہے، "قال الخطابی: والنہی عند الجمهور للتنزیہ" (فتح المبارک ۳۹/۵)۔
 دلیل کے لئے دیکھئے:

المبسوط ۲۳/۱۵۸، مجلۃ انجوت الفقیہ (سعودی عرب) ۸۶/۱، شرح المجلد ۶۶۹،
 اعلاء السنن ۱۳/۱۶۸، فتاویٰ ہندیہ ۵/۴۷۸، فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۶۔
 ☆ مولانا صباح الدین ملک قاسمی نے اس تعلق سے دو تجویزیں دی ہیں:
 اول: حکومت کی ذمہ داری ہے کہ تجارت کے بجائے پانی کے فطری انتظام کو بحال
 رکھے اور اس انتظام میں خلل ڈالنے والے اسباب پر نظر رکھے اور ان کا تدارک کرے۔
 دوم: اگر فطری انتظام کافی نہ ہو اور مدنیات کے تقاضوں کے تحت پانی کی سپلائی کا انتظام
 اختیار کرنا پڑے تو اس صورت میں حکومت اس کے اخراجات ایک فلاحی ریاست کے طور پر خود
 برداشت کرے، یہ ممکن نہ ہو تو پانی پر واجبی اجرت یا عوض متعین کرے۔

۱۴- نشیبی علاقوں میں آبادیوں کے بسانے کا مسئلہ:

سوال: ۱۴- شہروں میں آبادی کے پھیلاؤ کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت
 سے نشیبی علاقوں میں (جو تالاب کی صورت میں تھے) لوگ پلانٹنگ
 کر کے انہیں فروخت کر رہے ہیں اور یہاں آبادیاں بسائی جا رہی ہیں،
 اس سے ایک طرف یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے، دوسری طرف
 بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہو جاتی ہے اور بہ حیثیت
 مجموعی پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی
 کو نقصان پہنچتا ہے، تو کیا تالاب میں آبادیاں بسانا درست ہے؟

حکومت کی طرف سے ممانعت ہو اور ممانعت نہ ہو، دونوں صورتوں کے کیا احکام ہوں گے؟

نشیبی علاقوں یعنی تالابوں میں پلاننگ کر کے انہیں فروخت کرنا اور ان زمینوں میں آبادیاں بسانا ضرر عام لاحق ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے، خواہ حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت ہو یا نہ ہو، ”لا ضرر ولا ضرار“ (ابن ماجہ)۔ یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

[مولانا سید عبدالرحیم حسنی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی شیر علی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا محمد حنیفہ داہودی]۔

دلائل:

۱- ”لا يجوز أيضا (الإحياء) محل عمل عنه ماء الفرات ونحوه كدجلة والشط وغيرها، وإذا احتتمل عود الماء إليه، لحاجة العامة إلى كونه نهراً، وإن لم يحتتمل عود الماء إلى مكانه جاز إحيائه لكونه ملحقا بالموات“ (مجلد الاحكام ۶۸۸)۔

۲- ”إذا نضب الماء عن جزيرة في دجلة..... فليس لأحد أن يحدث فيها شيئاً لا بنائاً ولا زرعاً لأن مثل هذه الجزيرة إذا حصنت وزرعت كان ضرراً على أهل المنازل والمدور“ (مطبوع الخراج ۹۹)۔

مشروط اجازت:

☆ مفتی ظہیر احمد کانپوری یہ کہتے ہیں کہ اگر پانی سے زیادہ رہائش کی دقت ہو اور پانی وافر مقدار میں موجود ہو تو تالابوں میں آبادی بسانے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اور ایسی صورت میں حکومت کی ممانعت کو نظر انداز کرنے کی گنجائش ہوگی۔

☆ مولانا محمد حذیفہ داحودی کی رائے یہ ہے کہ اگر آبادی بسانے کا انتظام اس طرح کیا جائے کہ اطراف والوں کو کوئی نقصان نہ ہو، پانی کا راستہ اس طرح نکالا جائے کہ آبادی میں نہ پھیلے تو پھر تالاب کی جگہ آبادی بسانا درست ہے۔

☆ مولانا خورشید انور اعظمی کی ایک رائے یہ ہے کہ اگر حکومت دیکھتی ہے کہ تالاب پائے میں کوئی ضرر نہیں ہے تو اس کی اجازت دے سکتی ہے، اور اگر ضرر ہو تو تالاب کی وہ زمین حکومت بھی کسی کو الاٹ نہیں کر سکتی۔

آبادیاں بسانے کا جواز:

بعض مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ انسان کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق حاصل ہے اور نشیبی علاقوں میں پلاننگ کر کے آبادیاں بسانا شرعاً درست ہے، اگر حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت نہ ہو، اور دوسروں کو اس سے ضرر لاحق نہ ہو، اس رائے کے قائلین ہیں:

[مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی عبدالخلیل قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی تنظیم عالم

قاسمی، مولانا روح الامین]۔

دلائل:

۱- ”لا یمنع الشخص من تصرفه فی ملکہ إلا إذا كان الضرر بجارہ

ضرراً بیناً فیمنع من ذلك، وعلیہ الفتوی“ (توزیر الابصار مع الدر المختار ۸/۱۵۲)۔

۲- ”کل یتصرف فی ملکہ کیفما شاء، لکن إذا تعلق حق الغیر بہ فیمنع

المالک من تصرفه علی وجه الاستقلال“ (مجلة الاحکام، ۱۱۹۲، درر النکاح ۳/۲۱۰)۔

۳- ”تصرف الإنسان فی خالص حقه إنما یصح إذا لم یتضرر بہ سواء

وفی لفظ تصرف المالک فی ملکہ لا یتقید بشرط السلامة“ (موسوعة القواعد

الفقهیہ ۳/۳۰۹، بحوالہ البوسوط)۔

لیکن مولانا شاہجہاں ندوی کا کہنا ہے کہ اس پر مرتب ہونے والے ضرر کا اعتبار نہیں ہے، البتہ حکومت اجتماعی ضرر کے مد نظر آبادی بسانے سے منع کر سکتی ہے، اس لئے کہ اسے ولایت عامہ حاصل ہے، اور تقریباً یہی رائے [مفتی راشد حسین ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا روح الامین، مولانا محمد عثمان بستوی] کی بھی ہے۔

”إن المبین یخالفون القانون الذی یحفظ الحقوق ویقر العمل ویقیم میزانه هؤلاء یعتبرون شرعاً مخالفین للذین نفسہ لأن الذین یأمر بطاعة مثل هذه القوانين التنظيمية ما دامت بالمعروف وفي غیر معصية“ (نہاوی صحیحہ، ۱/۵۷۷) [مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی]۔

”والحنفية والشافعية يرون أن الفعل مشروع في أصله، واحتمال الضرر لا يصلح دليلاً على الضرر المتوقع فلا يمنع حق لمجرد احتمال الضرر“ (فتاویٰ اسلامی وادبیہ، ۵/۵۲۲) [مقالہ: مولانا روح الامین]۔

☆ مفتی شاہد علی قاسمی نے اس مسئلہ کا خلاصہ کرتے ہوئے یہ شکلیں بیان کی ہیں:

الف- نشیبی علاقوں کی پلانٹنگ کی وجہ سے پانی کی سطح نیچے نہ جاتی ہو تو پھر ماکان اراضی اپنی نشیبی زمین پر پلانٹنگ کر سکتے ہیں۔

ب- جن علاقوں میں پانی کا مسئلہ بہت سنگین ہو کہ پلانٹنگ کرنے سے سطح آب میں کمی آسکتی ہو اور اس کی وجہ سے ضرر فاحش لاحق ہو، اور حکومت نے بھی نشیبی علاقوں کی زمین کی پلانٹنگ کرنے کی ممانعت کر دی ہو تو ماکان اراضی پر لازم ہوگا کہ وہ پلانٹنگ نہ کریں، اور اس قانون کی خلاف ورزی جائز نہ ہوگی۔

ج- اگر نشیبی علاقوں میں پلانٹنگ کی وجہ سے سطح آب میں کمی تو ہو لیکن ضرر عام لاحق نہ ہو، یعنی پانی لانے کا مناسب انتظام ہو جو عام لوگوں کے لئے کافی ہو تو پھر نشیبی علاقوں میں پلانٹنگ درست ہوگی۔

۱۵- آب رسانی کا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے:

سوال: ۱۵ - حکومت کے پروگرام میں داخل ہے کہ عوام تک پینے اور استعمال کے لئے پانی پہنچایا جائے، ترقی یافتہ ملکوں میں دیہاتوں میں بھی اس کا نظام موجود ہے، تو کیا آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے؟ اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ہو تو کیا حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا درست ہوگا، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی کے روک لینے کا حق حاصل ہوگا؟

اس سوال کے تحت تمام مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ حکومت سے اس کا مطالبہ کرے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پانی کا عوض یا اس کی اجرت لینا درست ہے یا نہیں، اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ پانی کی سپلائی کے انتظامات میں اخراجات ہوتے ہیں لہذا حکومت کے لئے اس کی اجرت لینا شرعاً درست ہے، اور عدم ادائیگی اجرت کی بنا پر حکومت پانی روک لینے کی مجاز ہوگی۔ یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

[قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا روح الامین، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا سید عبدالرحیم حسنی، حافظ کلیم اللہ عمری]۔

دلائل:

۱- ”ولو احتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال، لأن منفعتها لعامة المسلمين، فكانت مؤنتها من بيت المال، لقوله

علیہ السلام: الخراج بالضمان، وكذا لو خيف منه الغرق فعلى السلطان
إصلاح مسناته من بيت المال“ (بدائع الصنائع ۵/۲۸۰)۔

۲- ”النهر العظيم الذى لم يدخل فى المقاسم كالفرات ودجلة
وجيحون وسيحون والنيل، إذا احتاج إلى الكرى وإصلاح شطه يكون على
السلطان من بيت المال“ (نہوی ہندیہ ۵/۳۸۱)۔

۳- ”إن إدارة المرافق العامة فى الإسلام كالمساجد والممارس
والمساقى والجسور والبريد والدفاع والعشور والري وتوريد المياه ونحوها
تلتقى مع الطريقة المتبعة الآن، وهى طريقة الاستغلال المباشر ومقتضاها أن
تقوم الدولة نفسها..... بإدارة المرافق العامة مستعينة بأموالها وموظفيها
ومستخدمة فى ذلك وسائل القانون العام“ (فقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۶۳۷)۔

پانی روک لینے یا نہ روکنے کا مسئلہ:

☆ اگر ایسا غریب اور قلاش ہو کہ معاوضہ ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو ایسی صورت میں
حکومت کے لئے اس کو بلا معاوضہ پانی فراہم کرنا ضروری ہوگا، اگر پانی کی حصولیابی کا کوئی دوسرا
راستہ نہ ہو، اور حکومت کا پانی کو روک دینا درست نہ ہوگا۔

[مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا امجد الحسن ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری]۔

☆ مولانا حذیفہ داہودی کہتے ہیں کہ حکومت سرکاری خزانہ سے یہ کام مفت کرے،
اس کی کوئی قیمت و اجرت نہ لے، سرکاری خزانہ میں اس کی گنجائش ہوتے ہوئے نہ تو آب رسانی
کی اجرت لیما درست ہے اور نہ ہی اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حکومت کو
حق ہے۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کی رائے یہ ہے کہ اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں
اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل نہ ہوگا، بلکہ اس کے بجائے کوئی دوسری

سزایا مناسب تنبیہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

☆ مفتی راشد حسین ندوی کی ایک رائے یہ ہے کہ جن علاقوں میں پرانے نظام کے تحت پانی کا بندوبست خود کرتے ہیں وہاں پانی کی فراہمی حکومت کے واجبات میں سے نہیں ہے۔

☆ مولانا عامر ظفر ایوبی کہتے ہیں کہ آب رسانی حکومت کے واجبات میں سے نہیں ہے، صرف پانی کے ذرائع کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے، لہذا عوام اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

۱۶- ڈرینج کا نظام بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے:

سوال: ۱۶ - یہی صورتحال استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کا بھی ہے، جس کے لئے حکومت نے ڈرینج کا نظام بنایا ہے، اس سے نہ صرف افراد و اشخاص کے مفادات متعلق ہیں؛ بلکہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت بھی متعلق ہے؛ اس لئے کیا یہ شرعی نقطہ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہوگی، اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاروں کی رائے یکساں ہے کہ استعمال شدہ پانی کی نکاسی کے لئے ڈرینج کا نظام بنانا کہ شہریوں کی صحت محفوظ رہے، شرعاً حکومت کی ذمہ داری ہے اور شہریوں کو اس کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا۔

دلائل:

۱- ”ونلاحظ بأن إصلاح الأنهار والمساقی والمصارف العامة على الخزينة العامة (أى بيت المال) أو وزارة المالية، لأن منفعتها للناس فكانت مؤونتها من بيت المال“ (بداية المنافع ۶/۱۹۲)۔

۲- ”فكل ما يرى ولى الأمر فعله أقرب إلى الصلاح للرعية وأبعد عن

الفساد فله أن يفعله بل قد يجب عليه“ (تأوی سنا سرہ ۱۵/۵۸۳)۔

۳- ”حق المسيل هو تصريف الماء الزائد عن الحاجة أو غير الصالح إلى المصارف والمجارى العامة بواسطة مجرى سطحى أو أنبوب مستور سواء من أرض أو دار أو مصنع وتجب نفقات إصلاح المسيل على المنتفع به إذا كان فى ملكه أو فى ملك غيره، فإن كان فى أرض عامة فنفقة الإصلاح على بيت المال“ (فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۶۰۶)۔

بعض دیگر آراء:

☆ ڈرنج نظام کے لئے اگر حکومت کو خرچہ کی ضرورت پڑے تو عوام کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس خرچہ کو برداشت کریں، ”لأن الحق لهم والمنفعة تعود إليهم، ولأن الغنم بالغرم“ [مولانا سید عبدالرحیم حسنی، مفتی سید باقر ارشد تاقی، مفتی ظہیر احمد کانپوری]۔

☆ اس کا صرفہ شہریوں پر عائد کیا جائے گا [مفتی عبداللہ کاوی والا]۔

☆ اخلاقی طور پر ہر شخص مکلف ہے کہ مستعمل پانی کی نکاسی کا ایسا انتظام کرے کہ پڑوسی، محلہ اور آبادی کی نضا آلودہ نہ ہو [مولانا روح الامین]۔

☆ ☆ ☆

عرض مسئلہ:

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام سوال نمبر: ۱ تا ۵

مفتی راشد حسین ندوی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی کے بیسویں سمینار کا ایک اہم موضوع ”آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام“ ہے، اس موضوع سے متعلق سوالنامہ میں کل ۱۶ سوال ہیں، اکیڈمی نے سوال ۱ تا ۵ پر آنے والے جوابات کی تلخیص اور عرض مسئلہ کی ذمہ داری راقم پر ڈالی ہے، اس موضوع پر اکیڈمی کوکل ۲۱ مقالات موصول ہوئے ہیں، ۵ تک کی تلخیص ذیل میں درج کی جاتی ہے:

اس موضوع کا پہلا سوال یہ ہے کہ ”پانی سے متعلق شریعت کے عمومی احکام کیا ہیں؟“

پہلا حکم:

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے پانی کی صفت تطہیر کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ اس سے کوئی نجاست مل جائے، اس کے لئے فاضل مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل دلائل ذکر کئے ہیں:

۱- اکثر مقالہ نگاروں نے یہ آیات درج کی ہیں:

الف: ”وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا“ (الفرقان آیت: ۴۸)۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بھر نی، یو پی۔

ب: ”وینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ“ (انفال: ۶۱)۔

۲- یا ایہا الذین آمنوا إذا قمتم إلی الصلاة فاغسلوا الایة

۳- ”ولاتقربوہن حتی یطہرن“ (مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۴- ”ان الماء طہور لا ینجسہ شیء“ (حافظ کلیم اللہ عمری)۔

۵- ”أجمع العلماء علی أنه جمیع أنواع المیاء مطہرة لغيرها“

(بدیۃ الجہد) (حافظ کلیم اللہ)۔

دوسرا حکم:

اکثر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ پانی میں اسراف ممنوع ہے، اور اس کے دلائل

مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ”کلوا واشربوا ولا تسرفوا“ (مراۃ: ۳۱)۔

۲- ”إنه سیکون فی ہذہ الأمة قوم یعتدون فی الطہور والدعاء“

۳- ”إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ بالممد ویغتسل بالصاع إلی

خمسة أمداد“ (بخاری)۔ (ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ

واحوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۴- ”إن المبذورین كانوا إخوان الشیاطین“ (مولانا محمد عثمان بستوی،

مولانا روح الامین ہانسوٹ، مفتی صباح الدین ملک قاسمی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید

انور اعظمی)۔

۵- ”ما ہذا السرف یا سعد!“ (مولانا ابراہیم حسین ایوبی ندوی، مولانا عطاء اللہ

قاسمی، مقالہ نگار جامعہ عربیہ)۔

۶- ”هذا من النعیم الذی تسئلون عنہ“ (مفتی عبداللہ کادی والا)۔

تیسرا حکم:

مقالہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ پانی کو آلودہ کرنا منع ہے، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ”لایبولن أحدکم فی الماء الدائم الذی لایجرى ثم یغتسل فیہ“
(مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا روح الامین ہانسوٹ، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید انور
اعظمی، راشد حسین ندوی)۔

۲- ”لایغتسل أحدکم فی الماء الدائم وهو جنب“ (مولانا ابوسفیان
مفتاحی، مولانا حذیفہ داہودی، مولانا امیر احسن ایوبی ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی تنظیم عالم
قاسمی، راشد حسین ندوی)۔

۳- ”إذا استیقظ أحدکم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الإناء“ (الحديث)
(مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد حذیفہ داہودی، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

چوتھا حکم:

پانی پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، نیز پانی کی ایسی ذخیرہ اندوزی بھی درست نہیں
ہے جو کسی کی حق تلفی کا سبب بنے:

۱- ”المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلاء والنار“ (الحديث)۔

۲- ”ان الماء إلى الکعبین لایحبس الأعلى علی الأسفل“ (الحديث)۔ (مولانا
روح الامین صاحب، مولانا شیر علی صاحب، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مقالہ نگار جامعہ سعیدیہ عربیہ)۔

جبکہ مفتی سید باقر ارشد قاسمی صاحب نے اس سوال کے تحت شرب کے لغوی اور شرعی
معنی نقل کرنے کے بعد اس کے متعلق احکام ذکر کئے ہیں، پھر ماء مطلق کے متعلق تفصیل سے
بحث کے بعد نجاست و طہارت کے اعتبار سے پانی کی قسمیں تحریر فرمائی ہیں، موصوف سے ملتی

جلتی تفصیل مفتی ظہیر احمد کانپوری، اور خاص تفصیلی بحث مفتی رحمت اللہ ندوی صاحب نے کی ہے۔

دوسرا سوال: یہ تھا کہ پانی میں فضول خرچی کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا، اور اس فضول خرچی کا شرعی حکم کیا ہے؟

اس سوال کے پہلے جزء کا جواب دیتے ہوئے مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اسراف کی ایک صورت یہ ہے کہ جن چیزوں میں پانی صرف کرنے کی اجازت ہے اس میں ضرورت یا مقررہ حد سے زیادہ صرف کرے، مثلاً اعضاء وضو کو تین بار سے زیادہ دھوئے، دوسری شکل یہ ہے کہ پانی بلاوجہ بہائے جس کی بہت سی شکلیں ہو سکتی ہیں مثلاً: بلا ضرورت ٹوٹی کھولے رکھے، یا استنجا خانہ اور وضو خانہ میں بیجا اسراف کرے اس کیلئے مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل نصوص نقل کئے ہیں:

۱- ”إن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ بسعد وهو يتوضأ فقال: ”ما هذا السرف“ (الحدیث) (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی صباح الدین ملک قاسمی، مولانا شیر علی صاحب، مولانا ظہیر احمد کانپوری، مولانا سید باقر ارشد قاسمی بنگلوری، مفتی کمال قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا حذیفہ داہودی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا کلیم اللہ عمری، راشد حسین ندوی)۔

۲- قوله تعالى ”وكلوا واشربوا ولا تسرفوا“ وقوله تعالى: ”ولا تطيعوا أمر المسرفين“ وقوله تعالى: ”وإن المسرفين هم أصحاب النار“ (مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی عثمان صاحب بستوی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی محمد حذیفہ داہودی، مولانا کلیم اللہ عمری، مفتی عبداللہ کاوی والا)۔

۳- ”إن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتوضأ بالمد ويغتسل

بالصاع“ (مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا محمد حذیفہ داحودی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا کلیم اللہ عمری)۔

۴- ”فمن زاد علی ہذا أو نقص فقد تعدی وظلم“ (اللہ ربک) (مولانا حذیفہ داحودی، حافظ کلیم اللہ عمری، راشد حسین ندوی)۔

۵- ”لاتسرف، لاتسرف“ (اللہ ربک) (مولانا روح الامین، مولانا حذیفہ داحودی، حافظ کلیم اللہ عمری)۔

۶- ”إنه سيكون في هذه الأمة قوم يعتدون في الطهور والدعاء“ (مولانا محمد حذیفہ داحودی)۔

جہاں تک اس سوال کے دوسرے جزء یعنی اسراف کے شرعی حکم کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں مقالہ نگاروں نے تین آراء ظاہر کی ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ مندرجہ بالا دلائل کے پیش نظر اسراف مکروہ یا ناجائز ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا حذیفہ داحودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی صباح الدین ملک، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی۔

دوسری یہ ہے کہ فضول خرچی مطلقاً حرام ہے، اس لئے کہ ”ولاتسرفوا“ میں فعل حسی پر نہی ہے، یہ رائے مولانا عطاء اللہ قاسمی صاحب کی ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ اسراف اگر مباح یا مملوکہ پانی میں کیا جائے تو مکروہ ہوگا اور اگر موقوفہ پانی میں کیا جائے تو حرام ہوگا، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مولانا محمد کامل قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا روح الامین، مولانا شیر علی صاحب،

ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، راشد حسین ندوی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ۔

ان حضرات نے اس طرح کی فقہی عبارتوں سے استدلال کیا ہے: "الإسراف ومنه الزيادة على الثلاث فيه تحريما لوبماء النهر والمملوك له، أما الموقوف على من يتطهر ومنه ماء المدارس فحرام" (الدر المختار، کتاب الطہارۃ)۔ (ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا کامل قاسمی، مولانا حذیفہ داہودی، راشد حسین ندوی وغیرہم)۔

پھر بعض حضرات نے علامہ شامی کی بحث کے حوالہ سے راجح قول کے مطابق اس مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد لیا ہے جبکہ کچھ نے مطلقاً مکروہ لکھا ہے۔

تیسرا سوال: یہ ہے کہ پانی کو آلودگی سے بچانے کیلئے شریعت میں کیا احکام دیئے گئے ہیں، اور یہ احکام وجوب کے درجہ میں ہیں یا صرف اخلاقی نوعیت کے حامل ہیں؟

سوال کے جزء اول کا جواب دیتے ہوئے فاضل مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل احکام کا ذکر کیا ہے:

۱- سوکرائے تو تین بار ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إذا استيقظ أحدكم من نومه فليغسل يده ثلاثا قبل أن يدخلها الإناء" (حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا حذیفہ داہودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا امیر احسن ایوبی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین ہانسوٹ، مولانا شیر علی صاحب، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۲- ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے: "لا يبولن أحدكم في الماء المائم" (الحدیث) (مولانا کلیم اللہ عمری، راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ داہودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا امیر احسن ایوبی ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، قاضی کامل قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین ہانسوٹ، مولانا شیر علی صاحب، مفتی صباح الدین ملک قاسمی، مفتی

شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ)۔

۳- بپتے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا بھی منع ہے: ”نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الماء الجاری“ (المذہب) (مولانا محمد حذیفہ داہودی، مفتی محمد عثمان، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۴- کھانے پینے کی اشیاء کو ڈھانپ کر رکھنا چاہئے اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”وَأَوْكُوا الْأَسْقِيَةَ وَخَمَرُوا الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ“ (مولانا کلیم اللہ عمری، راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ داہودی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا روح الامین، مولانا شیر علی صاحب، مولانا شاہ جہاں ندوی)۔

۵- پانی کی گزرگاہوں میں بول و براز ممنوع ہے: ”اتقوا الملاعن الثلاث: البراز فی الموارد“ (المذہب) (راشد حسین ندوی، مفتی محمد عثمان، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۶- حالت جنابت میں بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنا ممنوع ہے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”لا یغتسل أحدکم فی الماء الدائم وهو جنب“ (مولانا حذیفہ داہودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۷- غسل خانہ میں پیشاب کرنا ممنوع ہے: ”لا یبولن أحدکم فی مستحمہ“ (المذہب) (مولانا حذیفہ داہودی)۔

۸- پانی کو ناک تھوک وغیرہ سے آلودہ کرنا ممنوع ہے، شامی میں ہے: ”وإلقاء النخامة والامتخاط فی الماء“ (مولانا روح الامین صاحب، مولانا حذیفہ داہودی صاحب، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ)۔

۹- مولانا ابرار حسن ایوبی نے لکھا ہے کہ کارخانوں اور فیکٹریوں کا پانی ندیوں اور

تالابوں میں لے جانا حرام ہے، دلیل وہ احادیث ہیں جن میں لبراز فی الموارد کا ذکر ہے، کئی شرح نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۰- مولانا روح الامین صاحب ہانسوٹ نے مشکیزہ وغیرہ سے منہ لگا کر پانی پینے کو بھی اس میں شامل کیا ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”نہی أن يشرب من فی السقاء“ اور حافظ ابن حجر نے اس کی ایک وجہ تلویت ماء بھی لکھی ہے۔

دوسرے جزء (یعنی یہ احکام وجوبی ہیں یا اخلاقی) کے جواب میں کچھ مقالہ نگاروں نے ان کے احکام کو مطلقاً وجوبی قرار دیا ہے یا اس کی خلاف ورزی کو حرام قرار دیا ہے، ان حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں:

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا نعیم اختر تاقی، مولانا عطاء اللہ تاقی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی سید باقر ارشد تاقی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا شیر علی صاحب، مفتی صباح الدین ملک، مولانا خورشید انور اعظمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ۔

جبکہ کچھ حضرات نے ان احکام میں تفصیل کی ہے اور بعض کو وجوبی جبکہ بعض کو اخلاقی اور تنزیہی قرار دیا ہے، مثلاً تھوڑے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب سے ممانعت کا حکم وجوبی ہے جبکہ ماء کثیر میں یہ عمل کیا جائے تو مکروہ تنزیہی ہوگا، ان حضرات نے کتب فقہ سے تفصیل بھی نقل کی ہیں ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ داہودی، مولانا ابرار حسن ایوبی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین، مفتی تنظیم عالم تاقی۔

چوتھا سوال: یہ تھا کہ گندے اور آلودہ پانی کو کیمیاوی طریقہ سے قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے، کیا اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک سمجھا جائے گا؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ پانی شرعاً پاک مانا

جائے گا، یہ حضرات مندرجہ ذیل ہیں:

حافظ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا سید باقر ارشد قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا روح الامین صاحب، مفتی صباح الدین ملک، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ، مفتی شاہ جہاں ندوی۔

البتہ ان میں سے بعض حضرات نے صراحت کی ہے کہ پانی پاک اسی وقت ہوگا جب اس کی آلودگی حقیقت میں دور ہو جائے، رنگ، بو، مزہ میں تبدیلی ہو جائے، ورنہ صرف آلودگی مستور ہوجانے سے پانی پاک نہیں ہوگا (ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا شاہ جہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مقالہ نگار جامعہ سعدیہ عربیہ وغیرہم)۔

ان حضرات نے مندرجہ ذیل نصوص سے استدلال کیا ہے:

۱- ”إذا كان الماء المتنجس كثيراً، وزالت أوصاف النجاسة عنه لونا وطعماً وريحاً صار طهوراً الخ“ (فتاویٰ اللجنة الدائمة فتاویٰ ۳۰۲۳)۔ (حافظ کلیم اللہ عمری صاحب، مفتی صباح الدین ملک صاحب)۔

۲- ”فإن زال تغيره بنفسه أو بماء أو بمجاور وقع فيه طهر لزوال سبب التنجس“ (تختہ المحتاج ۱/۸۷)۔ (ڈاکٹر بہاء الدین صاحب)۔

۳- اس میں انقلاب ماہیت ہو چکا ہے لہذا پاک ہو جائے گا (مولانا عبداللہ کاوی والا، مولانا روح الامین صاحب، مفتی صباح الدین ملک صاحب، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری)۔

۴- ”فبعد ما تغير أحد هذه الأوصاف وحكم بنجاسته لا يحكم بطهارته ما لم يزل ذلك التغير بأن يرد عليه ماء طاهر حتى يزول ذلك“

التغییر“ (فتاویٰ رضانیہ)۔ (مولانا سید باقر ارشد بنگلوری)۔

۵- حدیث شریف میں فرمایا گیا ”إلا ما غیر لونه أو طعمه أو ریحہ“ تو یہ نلت ختم ہو جائے تو پانی پاک ہوگا، (مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۶- فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے ص ۷۱ میں اس پانی کو پاک قرار دیا گیا ہے (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا سید باقر ارشد قاسمی وغیرہ)۔

جبکہ کچھ حضرات کی رائے ہے کہ کیمیاوی عمل سے جاری اور کثیر پانی پاک ہو جائے گا، اس لئے کہ اس میں ناپاکی کا سبب تغیر ہوتا ہے، تغیر دور ہو گیا تو پانی پاک ہو جائے گا لیکن قلیل راکد پاک نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں ناپاکی کا سبب اختلاط ہوتا ہے اور کیمیاوی عمل سے اختلاط ختم نہیں کیا جاسکتا الا یہ کہ اس کو جاری پانی میں ڈال کر بہتا کر دیا جائے یا یہ کہ کثیر جاری پانی میں ڈالنے کے بعد کیمیاوی عمل کیا جائے، مولانا حذیفہ واحوی صاحب نے بہت سی فقہی کتابوں اور فقہ اکیڈمی مکہ کے فیصلوں کی روشنی میں مدلل اس پر بحث کی ہے مندرجہ ذیل حضرات کی بھی رائے یہی ہے:

مولانا شیر علی صاحب، راشد حسین ندوی، مولانا امیر احسن ایوبی ندوی۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مولانا امیر احسن ایوبی صاحب نے علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم کی عبارات

پیش کی ہیں نیز اس قاعدہ فقہیہ کو اپنا مستدل بنایا ہے ”الحکم إذا ثبت بعلة زال بزوالها“۔

۲- راقم راشد حسین نے لکھا ہے کہ اس عمل سے استحالہ نہیں ہوتا ہے صرف تجزیہ اور

تخریج ہوتا ہے، لہذا قلیل راکد پاک نہیں ہوگا۔

۳- مولانا شیر علی صاحب نے اس عبارت سے استدلال کیا ہے: ”حوض صغیر

تنجس ماء ۵ فدخل الماء الطاهر فيه من جانب وسال ماء الحوض من جانب

آخر (الی) یحکم بطہارة الحوض“ (ہندیہ)۔

جبکہ مولانا محمد عثمان صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ امام محمد کے مسلک کے مطابق یہ پانی پاک نہیں ہوگا، البتہ امر ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک پاک ہو جائیگا، فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے، لیکن ضرورت کے وقت امام ابو یوسف کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، ان کا مستدل مجموعہ رسائل لکھنوی ص ۵۱ کی ایک عبارت ہے۔

اور مولانا رحمت اللہ ندوی صاحب نے فقہ اکیڈمی مکہ کے فیصلے نیز مولانا نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے فتاویٰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پانی کے اجزاء پاک اجزاء پر غالب ہوں اور دوسرا متبادل نہ ہو تو پانی پاک سمجھا جائے گا ورنہ نہیں۔

مولانا خورشید انور اعظمی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جہاں پانی کی قلت ہو وہاں کیلئے یہ پانی پاک ہوگا، ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ”المشقة تجلب التیسیر، إذا ضاق الأمر اتسع“۔

۲- علامہ شامی فرماتے ہیں: ”قد اعتید فی بلادنا إلقاء زبل المواب فی مجاری الماء (الی) وفی ذلک حرج عظیم إذا قلنا بالنجاسة والحرج مدفوع بالنص“ (رد المحتار ۱/۳۳۶)۔

اکیڈمی کا پانچواں سوال یہ تھا کہ پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، کیا اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے؟

اس کا جواب بعض مقالہ نگاروں نے نہیں دیا ہے، بقیہ مقالہ نگاروں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ ضرورت سے زیادہ پانی کے استعمال پر پابندی لگانا شرعاً درست ہے، اور لوگوں پر ان

احکامات پر عمل کرنا شرعاً واجب ہے، البتہ کئی مقالہ نگاروں نے تصریح کی ہے کہ یہ اجازت تبھی ہوگی جب واقعی پانی کی قلت ہو، بعض مقالہ نگاروں نے کچھ اور شرائط کا ذکر کیا ہے، مثلاً مولانا حذیفہ واحودی صاحب نے دو مزید شرطیں لگائی ہیں:

۱- پانی کے استعمال کا تعلق انسان کی اپنی واقعی ضرورت سے نہ ہو۔

۲- اس کا تعلق کسی شرعی عمل سے نہ ہو۔

کئی مقالہ نگاروں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ پابندی کسی شرعی عمل سے متصادم نہ ہو (مولانا روح الامین صاحب ہانسوٹ، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی)۔

جبکہ مفتی صباح الدین ملک صاحب نے یہ شرط لگائی ہے کہ یہ پابندی غیر مساوی سلوک پر مبنی نہ ہو۔ مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل نصوص کو اپنا مستدل بنایا ہے:

۱- ”یا ایہا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم“ (راشد حسین ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی)۔

۲- ”لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“ (اللہ ربک) (مولانا کلیم اللہ عمری)۔

۳- مسلم شریف میں ہے: ”إنکم ستأتون غملاً إن شاء اللہ عین تبوک (الی) فمن جاء منکم فلا یمس من ماء ہا شیناً حتی آتی“۔

اس حدیث سے علامہ باجی نے یہ استدلال کیا ہے کہ مصلحت کے تحت امام گھاس اور پانی جیسی مشترک چیزوں کے استعمال پر پابندی لگائی جا سکتی ہے (مولانا روح الامین صاحب ہانسوٹ)۔

۴- ”طاعة الإمام فی غیر المعصیة واجبة“ (رد المحتار، کتاب القضاء) (مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

۵- مولانا خورشید انور اعظمی صاحب نے اس کا قیاس اس بات سے کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ضرورتاً بھاؤ مقرر کر دیا تھا اور فقہاء نے خاص مواقع پر تسعیر کی، نیز ہیضہ کی

وباء ہو تو خربوزہ کی فروخت پر پابندی لگانے کی اجازت دی ہے۔

- ۶- ”وان أضرباً لنهر فلکل واحد من المسلمین منعه“ (بداغ وکذا فی الہندیہ وغیرہا من الکتب) (راشد حسین ندوی، مولانا سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی ظہیر احمد کانپوری)۔
- ۷- اس میں مصالحہ عامہ کی رعایت ہے (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی وغیرہ)۔
- ۸- ”لا یمنع أحد من التصرف فی ملکہ مالہ یکن فیہ ضرر فاحش للغير“ (درر الحکام ۱۰/۲۲۰) (مولانا حذیفہ داہودی)۔
- ۹- ”إذا اجتمعت البلیتان فاختر أھونھما“ (مولانا شیر علی صاحب کجراتی)۔
- ۱۰- ”إذا کان فعل الإمام مبیناً علی المصلحة فیما یتعلق بالأمور العامة لم ینفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقہ“ (شاہ) (مولانا روح الاثنین صاحب ہانسوٹ)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام سوال نمبر: ۶ تا ۱۰

مفتی ظہیر احمد کانپوری ☆

احقر کے پاس اس موضوع پر کل ۲۰ مقالات موصول ہوئے، میرے پاس عرض مسئلہ کے لئے سوال نمبر ۶ تا ۱۰ ہیں۔

سوال ۶ کے شق اول زیر زمین پانی کی ملکیت کے تعلق سے ۱۸ حضرات نے اپنی آراء تحریر کی ہیں: اس میں دو آراء ہیں:

۱- انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ مالک زمین کی ملک ہے:

اس رائے کے قائلین درج ذیل حضرات ہیں:

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی شیر علی، مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا عثمان بستوی، مفتی رحمت اللہ ندوی، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی۔

اولہ:

☆ ”کل يتصرف في ملكه كيفما شاء أي أنه يتصرف كما يريد“

باختیارہ لا يجوز منعه من التصرف من قبل أى أحد“ (شرح مجلۃ الاحکام ۱۱/۲۱۰)۔
 ☆ ”وكان البئر أو العين أو الحوض أو النهر فى ملك رجل له أن
 يمنع من يريد الشفة من الدخول فى ملكه إذا كان يجد ماء آخر بقرب من هذا
 الماء“ (ہدایہ ۳/۲۸۶)۔

☆ ”وله من أجزاء الأرض مركب عينها ولا مؤونة فى سائر الاجزاء
 فكما فى هذا الجزء“ (ہدایہ ۱/۲۰۰)۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی صاحب نے مملوک زمین میں معدن پر بھی پانی کو قیاس کیا ہے۔
 دوسری رائے: زیر زمین مملوک میں پانی کسی کی ملک نہیں۔
 اس رائے کے قائلین درج ذیل ہیں: مفتی محمد حذیفہ، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا امیر
 حسین ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا ارواح الاین، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید
 انور اعظمی اور احقر مفتی ظہیر احمد کانپوری۔

ادلہ:

☆ ”الماء تحت الأرض لا يملك“ (درمخ الرد ۱۰/۹۰ وکذا فی الرد ۱۰/۷۷، المیاہ
 الجاریہ تحت)۔

☆ ”المیاء الجاریة تحت الأرض لیست بملک أحد“ (درمخ مشرح مجلۃ
 الاحکام ۱۰/۲۶۵)۔

☆ ”الماء تحت الأرض غیر مملوک لاحد“ (بسوط السنن ص ۲۳/۱۵۳،
 اناس شرکاء فی الماء والکاف والنار الخیر)۔

☆ ”الماء الجاری تحت الأرض لیس بملک أحد“ (مجلۃ الاحکام العدلیہ مع

شمارہ ۱/۶۷۶)۔

سوال نمبر ۶ کی شق ۲ حکومت مملوک زمین میں بورنگ کرانے سے روک سکتی ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں کل تین آراء ہیں:

۱- اکثر مقالہ نگار حضرات بلکہ تقریباً سبھی مقالہ نگار حضرات کے یہاں حکومت بورنگ کرانے سے مفاد عامہ کی خاطر منع کر سکتی ہے، اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی۔
تاکل حضرات: شیخ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مفتی عبداللہ کاوی، مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی باقر ارشد بنگلوری، مولانا روح الامین، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی اور احقر مفتی ظہیر احمد کاپوری۔

اولہ:

☆ ”لا ضرر ولا ضرار“ (ابن ماجہ ۲۳۳) ”یتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام“ (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۱۳۳-۱۳۴)۔

☆ ”الانتفاع بالمباح انما يجوز اذا لم يضر بأحد“ (رد المحتار ۵/۲۸۲)
”يجوز لكل واحد الانتفاع بالمباح لكنه بشرط ان لا يضر بالعامه فان اضر فللكل واحد مسلما كان أو ذميا منعه“ (مجلد الاحکام العربیہ ص ۶۸۱ مادہ ۱۳۵۳)۔

☆ ”يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم“ (سورہ نساء)۔

☆ ”لا يمنع أحد من التصرف في ملكه ما لم يضر فيه ضرر فاحش

للغیر“ (مادہ ۱۱۷)۔

☆ ”فمن أراد أن يحفر في حريمها منع منه لئلا يؤدي إلى تفويت حقه
والإخلال به“ (الہدایہ ۲۸۱)۔

☆ ”لا يمنع الشخص في تصرفه في ملكه الا اذا كان بجاره ضرراً
بیننا“ (رد المحتار ۲/۵۹۵ وکذا فی المغنی ۷/۵۲)۔

دوسری رائے: حکومت اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے نہیں روک سکتی اور نہ
شرعاً اس کی تعمیل واجب ہوگی۔

اس رائے کے قائل تہا مفتی محمد عذیفہ صاحب ہیں۔

دلیل:

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام کی یہ عبارت: ”لو حفر أحد بنرا في ملكه وأخرج
ماءها ثم حفر آخر بنرا في ملكه في قرب تلك البئر فجذبت ماء البئر الاولى
فليس لصاحب البئر الاولى منعه لأن ذلك الشخص لا يعتبر متعمداً لتصرفه
في ملكه كما ان المياہ تحت الأرض ليست بملك أحد“ (۲۶۵/۱۰)۔

۳- تیسری رائے: مفتی محمد رحمت اللہ ندوی کی ہے کہ حکومت اگر اس کا متبادل فراہم
کرے تو بورنگ کرانے سے منع کر سکتی ہے، ورنہ نہیں۔

سوال ۷: اس مسئلہ میں اصلاً دورائے ہیں:

الف- حکومت اپنے مکان کے کسی حصے کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنے کا حکم
دے سکتی ہے، اور اس کی اطاعت لازم ہوگی۔

اس نظر یہ کے حاملین کا کہنا ہے کہ اصلاً تو آب رسانی اور حفاظت آب کی ذمہ داری تو

حکومت کی ہے مگر وہ مخصوص احوال میں اشخاص کو بھی قرار دے سکتی ہے، اور اشخاص بھی ثانوی درجہ میں ذمہ دار ہیں۔

تاکلمین: حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی راشد حسین ندوی، ڈاکٹر بہاء الدین، مفتی محمد حذیفہ، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی رحمت اللہ ندوی، مفتی روح الامین، مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، اور احقر مفتی ظہیر احمد کانپوری۔

اولہ:

ان حضرات کے اولہ درج ذیل ہیں:

☆ ”إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأموال العامة لم ينفذ حكمه شرعاً إلا إذا وافقه..... إطاعة الامام في غير المعصية واجبة“ (الاشاہ والنظار لابن کثیر ص ۱۸)۔

”وإن لم يكن سعة في بيت المال وامتنع الناس عن تطهيره بطيب أنفسهم فيجبر الناس على تطهيره..... فلولى الأمر الناظر على منافع ومصالح العامة أن يجبرهم على ذلك“ (درر الحکام ۱/۳۳۹)۔

”وعلى السلطان كراء هذا النهر الأعظم ان احتاج إلى الكراء لأن ذلك من حاجة عامة المسلمين ومال بيت المال معد لذلك فانه مال المسلمين أعد للصرف إلى مصالحهم“ (بسوط السرخسی ۲۳/۱۶۸)۔

”كرى النهر غير المملوك وإصلاحه على بيت المال فان لم يكن في بيت المال سعة يجبر الناس على كريبه“ (مجلد الاحکام العلویہ ص ۷۰۵)۔

”ولو احتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال لأن منفعتها لعامة المسلمين فكانت مؤنتها من بيت المال“
(بدائع ۲۸۰/۵)

ب- حفاظت آب کی خاطر حکومت نے اور اشخاص کو اپنے مکان کے کسی مخصوص حصے کو خاص کرنے کا حکم نہیں دے سکتی اور نہ شرعاً اس کی تعمیل واجب ہوگی۔

تاکلمین: مفتی عبداللہ کاوی، مفتی شیر علی، مولانا ابرار حسین، مفتی تنظیم عالم قاسمی۔

اولہ: ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس طرح کا حکم دینے میں عوام کو دشواری ہوگی، مفتی شیر علی صاحب کا کہنا ہے کہ پینے کا پانی تک تو مشکل سے ملتا ہے آپ گھر میں حوض بنانے کا حکم دے رہے ہیں، مفتی تنظیم عالم قاسمی اور مولانا ابرار حسن صاحب کا کہنا ہے کہ اس طرح کا جبری حکم حکومت نہیں دے سکتی، البتہ تحریض کے طور پر کہہ سکتی ہے، اور تعاون کرنے کی درخواست کر سکتی ہے۔

سوال نمبر ۸: اس مسئلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرت کے نزدیک ڈیم وغیرہ کی تعمیر کرنے کے لئے آبادی کو انتقال مکانی کے لئے چند شرائط کے ساتھ مجبور کیا جاسکتا ہے، حاجت شدیدہ اور مناسب معاوضہ کی شرائط کے ساتھ امام وقت اور حکومت اس طرح کا حکم دے سکتی ہے، جبکہ مفتی سید باقر ارشد بنگلوری کے نزدیک عوام کی رضامندی کے بغیر منتقل نہیں کیا جاسکتا ہے، رضامندی بھی مناسب معاوضہ کے ساتھ شرط ہے۔

اولہ: جو حضرات انتقال مکانی کے حکم کو جائز مقرر اور دیتے ہیں ان کے درج ذیل دلائل ہیں:

”توخذ أرض ودار وحنوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة

کرہا.....لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكرة من أصحابها بالقيمة“
(کتاب الوفاء ۲۲۱/۳)

”إذله التصرف في حق الكافة فيما فيه نظر للمسلمين فإذا رأى فيه ذلك مصلحة لهم كان له أن يفعله من غير أن يلحق ضرراً بأحد“
(ثاوی ۱۰/۲۷۲)۔

”يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام“ (شرح القواعد ص ۱۹۷)۔

”دفع الضرر العام واجب باثبات الضرر الخاص“ (القواعد الفقہیہ ص ۳۸۵)۔

”اشتری دوراً وهدمها ووسع بها المسجد“ (اعلاء السنن ۱۳/۲۰۳، ۲۰۶)۔

”إن للإمام ولاية عامة وله ان يتصرف في مصالح المسلمين“

”الضرر الاشد يزال بالضرر الأخف“ (رد المحتار ۶/۲۹۸)۔

اور جو حضرات بالجبر انتقال مکانی کے حکم کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کی اصلاً دلیل یہ

آیت کریمہ ہے:

”يا ايها الذين آمنوا لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل إلا ان تكون

تجارة عن تراض منكم“۔

سوال نمبر ۹: اس مسئلہ میں مقالہ نگار حضرات کی تین آراء ہیں:

الف۔ ایسی صورت میں ڈیم کو کاٹ دینا یا توڑ دینا جائز نہیں، کہ خود کو بچانے کے لئے

دوسروں کو ڈبو دینا درست نہیں۔

تاکلمین: اس رائے کے حاملین یہ حضرات ہیں: مولانا اوسفیان مفتاحی، مفتی سید باقر

ارشاد، مفتی محمد حذیفہ، مولانا عبداللہ کاوی، مولانا محمد شاجہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی۔

اولہ:

”لا ضرر ولا ضرار“، ”لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب

لنفسه“، ”الضرر لا يزال بالضرر“، ”رجل سقى أرضه فتعدى الماء إلى أرض

جارہ..... إن كانت أرضه في صعلة وأرض جارہ في هبطة ويعلم أنه لو سقى أرضه يتعدى إلى أرض جارہ يضمن“۔

”إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر“
(الہندیہ ۵/۸۲-۸۳)۔

”علی کل واحد من النهرین طاحونة.....وذلك یضر بالطاحونة الأخری لم یکن له ذلك، لأنه یرید دفع الضرر عن نفسه بالإضرار بغيره“ (مبیہ برہانی ۱۹/۷۷)۔

”لأن هذا دفع الهلاك عن نفسه یا هلاك غيره لا بقصد إهلاكه وهذا لا یجوز“ (بواع المصالح ۵/۲۷۳)۔

ب۔ جس صورت میں کم سے کم نقصان ہو اس کو اختیار کیا جائے، محض اپنے کو بچانے کے لئے دوسروں کو غرق کر دینا علی الاطلاق درست نہیں، یہ رائے پہلی رائے کے قریب قریب ہے۔

تاکلمین: حافظ کلیم اللہ، مفتی رحمت اللہ ندوی، مفتی روح الامین، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا امیر حسین ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی، ڈاکٹر بہاء الدین اور افتقر مفتی ظہیر احمد کانپوری۔

ادلہ: ”إذا تعارضت مفسلتان روی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما“،
”الضرر لا یزال بمثله ولا بأكثر منه بالأولی إذا یشترب بأن یزال الضرر بلا إضرار بالغير إن امکن والافباخف منه“ (درر المصالح شرح المجتہد ۵/۲۵)۔

”الیقین مقدم علی الظن والظن مقدم علی الشک“۔

بہر حال ان دونوں رایوں میں محض خود کو بچانے کے لئے ڈیم کو کاٹ یا توڑ دینا قطعاً درست نہیں۔

ج۔ خود کو بچانے کے لئے بھی ڈیم کو توڑ دینا درست ہے چاہے دوسروں کو ضرر ہی لاحق کیوں نہ ہو، کیونکہ اس میں مقصود خود کو بچانا ہے نہ کہ دوسروں کو غرق کرنے کا قصد۔
تاکلمین: مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی شیر علی، مولانا صباح الدین ملک قاسمی۔

اولہ: ”إن الظلم لا أسوة فيه ولا يلزم أحدا أن يولج نفسه في ظلم مخافة أن يوضع الظلم على غيره، والله تعالى يقول: إنما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبغون في الأرض فسادا بغير الحق، ورأيت في بعض المنقولات نحو هذا عن يحيى بن عمر: أنه لا بأس أن يطرحة عن نفسه مع العلم بأنه يطرحة على غيره إذا كان المظروح جورا بينا“ (الموافقات ۳/۳۵۱)۔

”وذكر عبد الغنى في المؤتلف والمختلف عن حماد بن أبي ايوب قال قلت لحماد بن ابي سليمان اني اتكلم فترفع عن النوبة فاذا رفعت عني وضعت على غيري فقال: إنما عليك أن تكلم في نفسك فاذا رفعت عنك فلا تبالي على من وضعت“ (الموافقات ۳/۳۵۲)۔

سوال نمبر: ۱۰- اس مسئلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات متفق ہیں کہ ہندی، دریا، عوامی کنواں اور سرکاری تالاب اور چشمے وغیرہ سے استفادہ اپنی تمام جائز ضرورتوں کے بقدر پورا کرنے کے لئے کھانے، پینے، کپڑے دھونے، اور اپنے جانوروں کو پلانے اور اپنے کھیتوں کو سیراب کرنے میں کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اسراف نہ کیا جائے اور دوسروں کو ضرر لاحق نہ ہو، یا نہر وغیرہ کو ضرر لاحق نہ ہو۔ البتہ مفتی شیر علی صاحب نہر نکالنے کے لئے حکومت کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں، اسی طرح مولانا محمد نعیم اختر قاسمی بھی مقدار استفادہ کو حکومت کی صوابدید پر موقوف قرار دیتے ہیں۔

أولاً:

”الثاني ماء الأودية العظام.....للناس فيها حق الشفة على الاطلاق
وحق سقى الأرض..... إن كان لا يضر بالعامه.....وإن كان يضر بالعامه فليس له
ذلك“ (الهندية ٥/٣٩٠-٣٩١).

”ان لم يضر بالعامه) فإن اضر بأن يفيض الماء ويفسد حقوق الناس
أو ينقطع الماء عن النهر الأعظم أو يمنع جريان السفن.....فلكل واحد مسلما
كان أو ذميا أو مكاتبا منعه“ (٣١١/٥).

”لا سقى دوابه إن خيف تخريب النهر لكثرتها ولا سقى أرضه وشجره
وزرعه ونصب دولاب ونحوها من نهر غيره وقناته وبشره إلا بآذنه“
(رد المحتار ١٠/١٣).

”وإن أراد رجل أن يكرى نهرا في أرضه من هنا النهر الأعظم فان في
ذلك ضرر في النهر الأعظم لم يكن له ذلك ولم يترك يكره وإن لم يكن
فيه ضرر ترك يكره“ (كتاب الخراج ص ١٠٥).

☆☆☆

عرض مسئلہ

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام سوال نمبر: ۱۱ تا ۱۶

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

ہندوستان کے تاریخی شہر رامپور کے قدیم علمی و دینی ادارہ جامع العلوم میں منعقد ہونے والے اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کے بیسویں فقہی سمینار میں مجھ کو ”آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام“ کے سوال نمبر ۱۱ تا ۱۶ کے تعلق سے عرض مسئلہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، اس موضوع پر اکیس مقالات موصول ہوئے، ماشاء اللہ بیشتر مقالات اپنی عمدگی، جامعیت اور احاطہ موضوع کے اعتبار سے قابل قدر اور لائق ستائش ہیں، جن سے مقالہ نگار حضرات کی محنت و عرق ریزی اور مکمل احساس ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے، مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں:

حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی راشد حسین ندوی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مفتی محمد حذیفہ داہودی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی ظہیر احمد، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا روح الامین، مولانا شیر علی، مولانا صباح

الدین ملک تاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا تنظیم عالم تاسمی، مولانا عامر ظفر ایوبی، راقم سطور خورشید انور اعظمی۔

(۱) سوال ۱۱: اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضروریات کے لئے کس حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے؟

اس سوال کے جواب میں مفتی راشد حسین ندوی کی رائے ہے کہ حکومت کے نہروں کے بارے میں بنائے گئے قوانین و ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے ان نہروں سے استفادہ کی اجازت ہوگی، مولانا نعیم اختر تاسمی کا بھی یہی خیال ہے انہوں نے اسے مصالح مرسلہ میں شمار کیا ہے۔ ڈاکٹر بہاء الدین ندوی نے کہا: عام ندی، تالاب وغیرہ کے پانی کے استعمال کرنے کے معاملے میں سب لوگوں کا حق برابر ہے، اگر سب لوگوں کے استعمال سے بعض کو ضرر پہنچتا ہے تو یکے بعد دیگرے استعمال کرتے آنا ہے، آپ نے تحت احتجاج کی عبارت: فإن أراد قوم سقى أرضهم منها فضايق الماء سقى الأعلى فالأعلى وحبس كل واحد الماء حتى يبلغ الكعبين سے استدلال کیا ہے، تاضی محمد کامل تاسمی نے فتاویٰ عالمگیری کی عبارت: مايجرى على نهر خاص لقربة فلغيرهم فيه شركة في الشفة وهو الشرب وسقى الدواب (۳۹۱/۵)۔ اور بدائع ۱۸۹/۶ کی اسی جیسی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے کہا: یہ نہر جس بستی یا قوم کے لئے خاص کی گئی ہے، ان کے لئے اس کے پانی کو اپنے جملہ مصارف میں استعمال کرنا جائز ہے، مفتی باقر ارشد تاسمی نے بھی فتاویٰ عالمگیری کی مذکورہ عبارت کے پیش نظر اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا: ایسی نہر جو مختلف علاقوں اور لوگوں کے کھیتوں پر سے گزرتی ہے، اس پر ان سب لوگوں کا حق ہے جن کے کھیتوں پر سے وہ نہر گزرتی ہے، مولانا عطاء اللہ تاسمی کا خیال ہے کہ اگر نہر میں پانی زیادہ ہے تو ہر شخص کو بلا روک ٹوک استفادہ کا حق ہوگا لیکن

اگر کم ہے تو روک کر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے الاحکام السلطانیہ کی عبارت: والضرب الثاني ان يستقل ماء هذا النهر ولا يعلو للشرب إلا بحبسہ فدلأول من أهل النهر أن يتدئ بحبسہ لیسقى ارضه حتى تكتفى منه وترتوى ثم يحبسہ من يليه حتى يكون آخرهم ارضا آخرهم حبسا“ (ص ۱۸۰)۔ مولانا عامر ظفر ایوبی نے ”یازبیر اسق ثم احبس الماء“ والی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا: کھیت کے سامنے سے گزرنے والی نہر سے اپنی کھیت بھر پور سیراب کر سکتا ہے، البتہ اگر پانی کم ہو تو دوسروں کے لئے چھوڑ دینا مستحب ہے، نیز دیگر ضروریات کے لئے پانی لے سکتا ہے، بشرطیکہ ضرر عام لاحق نہ ہو، مولانا رحمت اللہ ندوی نے کہا: مختلف لوگوں کو اپنے کھیت اور زمین کی مساحت کے لحاظ سے استفادہ کا حق ہوگا، اور نہر کے بالائی حصہ سے شروعات ہوگی، یا عرف عام کا لحاظ کیا جائے گا، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی کا خیال ہے کہ اگر نہر غیر مملوک یعنی عام ہو تو اسراف و اضرار سے بچتے ہوئے اپنی تمام ضروریات کی تکمیل اس سے کر سکتا ہے، اور اگر مملوک ہو اور اس میں بہت سے لوگ شریک ہوں تو شرکاء کو بقدر ارضی پانی سے استفادہ کا حق حاصل ہوگا آپ نے المغنی کی عبارت: وإن كان حق الشرب من نهر أو جملول واحد ثانيا لآناس كثيرين كان عليهم توزيع الماء بينهم توزيعا عادلا بنسبة مقدار ما يملك كل منهم“ (۵۳۳/۵)۔ اور اسی سے ملتی جلتی مبسوط (۱۶۵/۲۳) کی عبارت سے استدلال کیا ہے۔ مفتی محمد حذیفہ و احودی نے نہر عام اور نہر خاص سے استفادے کی حد بتاتے ہوئے مزید کہا کہ اگر مخصوص ہے تو علاقہ والوں کیلئے انسانی ضرورت کے لئے پانی لینا بہر حال جائز ہے، اپنے حیوانات کو بھی اس شرط کے ساتھ پانی پلا سکتے ہیں کہ نہر کو نقصان نہ پہنچے، البتہ کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے نہر والوں کی اجازت شرط ہے، اور اگر نہر حکومت کی طرف سے انسانی و حیوانی ضرورت کے لئے جاری کی گئی ہو تو انسانی و حیوانی ضرورت کے لئے اس سے استفادہ بہر حال جائز ہے

لیکن کھیتوں اور باغات کی سیرابی کی اجازت پانی میں گنجائش ہونے کی صورت میں ہوگی، اور اگر نہر کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے جاری کی گئی ہو تو اہل علاقہ کو انسانی و حیوانی ضرورت کے ساتھ اپنے کھیت و باغات کو بھی سیراب کرنے کا حق حاصل ہوگا، آپ نے اس سلسلے میں درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۲۶۶-۲۷۹-۲۸۵-۲۸۸، ہندیہ ۳۹۱/۵، در مختار ۱۰/۱۳-۱۴ اور تاملہ فتح المہم ۱/۳۹۱ سے استدلال کیا ہے۔ بقیہ مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ کھیتوں کے سامنے سے گزرنے والی نہروں سے استفادہ بقدر ضرورت جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں اسراف اور دوسرے کی حق تلفی و ضرر نہ ہو اور نہ نہر کو نقصان پہنچے، مولانا محمد عثمان بستوی نے کہا: ٹخنے کی حد تک پانی لینا ہر شخص کا حق ہے اس سے زائد لینے میں دوسرے کی حق تلفی ہے، لہذا جائز نہیں ہے۔ حافظ کلیم اللہ عمری نے الأقرب فالأقرب اور مفتی تنظیم عالم قاسمی نے ارشاد نبوی: ”اسق أرضک إلی أن یبلغ الجذر“ کے تحت اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا: نہر سے قریب لوگ اس پانی کے اولین حقدار ہوں گے۔

(۲) سول ۱۲: کن صورتوں میں نرا کو پانی پر ملکیت حاصل ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی نے اپنے برتن یا کسی چھوٹی بڑی چیز میں پانی کو بالقصد محفوظ کر لیا، تو وہ پانی اس کی ملکیت میں ہو جائے گا اور دوسرے کا حق اس سے منقطع ہو جائے گا۔ آپ حضرات نے فقہاء کرام مندرجہ ذیل عبارتوں سے استدلال کیا ہے:

- لوأحوز فی جره أو حب أو حوض مسجد من نحاس أو صفر
أو حص وانقطع جریان الماء فانه یملکہ (رد المحتار ۱۳)۔

- أما إذا احوز الماء فی حب أو جرة أو قربة فهو مملوک (سہوط

- الماء الذى فى الظروف والأوانى فهو مملوك لصاحبه ولاحق لأحمد فيه“ (بدائع ۵/۲۷۳)۔

- كل من احرز شيئا مباحا كان مالكا له مستقلا فلو تناول الماء من نهر بيده أو بوعاء كالعلبة فانه يملكه باحرازه وحفظه فى ذلك الوعاء، وليس لغيره أن ينتفع به وإذا أدخله آخر بلون إذنه واستهلكه كان ضامنا (شرح الجملہ ۱/۶۸۰)۔

البتہ مولانا روح الامین، مولانا صباح الدین ملک تاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی اور مولانا ابوسفیان مفتاحی نے مزید یہ بھی کہا کہ اگر کسی نے مملوک زمین میں کنواں کھود لیا ٹیوب ویل لگایا تب بھی پانی پر ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اس وجہ سے کہ اس میں آدمی کی محنت و عمل شامل ہے۔ جبکہ بقیہ مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ اس صورت میں پانی پر ملکیت ثابت نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ اس میں احراز نہیں پایا جا رہا ہے۔ اور احراز کے بغیر مباح پر ملکیت ثابت نہیں ہو سکتی، علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں بصراحت تحریر فرمایا ہے: لأن الأنهار والآبار والحياض لم توضع للاحراز والمباح لا يملك إلا بالاحراز“ (البحر الرائق ۹/۳۹۳)۔

(۳) سوال ۱۳: جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہو جاتا ہے، ان میں کیا اس کے لئے اپنے مملوک پانی کی تجارت کرنا جائز ہے؟ واضح ہو کہ موجودہ دور میں پانی کی خرید و فروخت ایک اہم ذریعہ معاش اور ایک نفع بخش تجارت بن چکی ہے۔

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ اپنے مملوک پانی کی تجارت کرنا جائز ہے، اور جن احادیث میں پانی کی ممانعت وارد ہے وہ قبل از احراز کی صورت پر محمول ہیں۔ آپ حضرات نے فقہاء کرام کی مندرجہ ذیل اور اس جیسی دیگر عبارتوں سے استدلال کیا ہے:

- لا بأس ببيع الماء إذا كان في الأوعية هنا ماء قد أحرز فإذا أحرزه في وعائه فلا بأس ببيعه (كتاب الخراج ۹۵۳)۔
- أما إذا أحرز الماء في حب أو جرة أو قربة فهو مملوك له حتى يجوز بيعه وليس لأحد أن يأخذ شيئاً منه إلا برضاه (الموطأ ۲۳۳/۱۵۸)۔
- أما ما يحوزه من الماء في إنائه أو يأخذه من الكلاء في حبله أو يحوزه في رحله أو يأخذه من المعادن فإنه يملكه بذلك وله بيعه بلا خلاف بين أهل العلم“ (المغنی ۱۳۵/۶)۔
- وله بيعه لأنه ملكه بالإحراز فصار كالصيد والحشيش“ (تاوی ماٹگری ۳۹۱/۵)۔

البتہ مولانا روح الامین نے پانی کی تجارت کو ناپسندیدہ عمل بتایا ہے، اس وجہ سے کہ احادیث میں پانی پلانے کے فضائل وارد ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام احمد نے فرمایا: لا یعجنی ببيع الماء البتة (المغنی ۱۳۵/۶)۔ اسی طرح مولانا محمد عثمان بستوی نے بھی بلا ضرورت پانی کی خرید و فروخت سے احتیاط کو افضل و بہتر کہا ہے۔ مفتی ظہیر احمد نے کہا: اگر پانی کو بڑے پیمانے پر فروخت کرنے سے کسی جگہ پانی میں قلت پیدا ہو جانے کا قوی امکان یا غالب گمان ہو یا لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں یہ تجارت دشواری پیدا کرے تو پھر حکومت کو اس پر پابندی لگانے کا حق ہوگا۔

(۴) سوال ۱۴: شہروں میں آبادی کے پھیلاؤ کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے نشیبی علاقوں (جو تالاب کی صورت میں تھے) میں لوگ پلانگ کر کے انہیں فروخت کر رہے ہیں، اور یہاں آبادیاں بسائی جا رہی ہیں، اس سے ایک طرف یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے، دوسری طرف بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہو جاتی ہے، اور بحیثیت مجموعی پانی کی سطح

نیچے چلی جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے۔ تو کیا تالاب میں آبادیاں بسانا درست ہے؟ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو اور ممانعت نہ ہو، دونوں صورتوں کے کیا احکام ہوں گے؟

اس سوال کے جواب میں مولانا نعیم اختر قاسمی نے کہا کہ یہ اور اس جیسے مسائل کو مصالحِ مرسلہ کے تحت لا کر حکومت وقت کی صوابدید پر چھوڑا جاسکتا ہے۔ مفتی ظہیر احمد نے کہا: اگر تالابوں میں آبادیاں بسانا پانی کی قلت کا سبب بن جائے اور اس جگہ پانی کی ضرورت بھی ہو تو پھر ایسا کرنا شرعاً درست نہ ہوگا، اس لئے کہ تالابوں کو پانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہی بنایا جاتا ہے، البتہ اگر کسی جگہ رہنے کی تنگی ہے اور پانی کی قلت نہیں ہے تو اس جگہ اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ مولانا صباح الدین ملک قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا شاہجہاں ندوی اور مولانا تنظیم عالم قاسمی کا خیال ہے کہ ایسی جگہ پر آبادی بسانا درست ہے، البتہ اگر حکومت مصالحِ عامہ کے سبب منع کر دے تو ایسی جگہ پر آبادیاں بسانا درست نہ ہوگا۔ آپ حضرات نے یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام، لا ضرر ولا ضرار، الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف سے استدلال کیا ہے۔ مولانا راشد حسین ندوی کی رائے ہے کہ اگر مملوکہ زمین ہو تو وہاں آبادیاں بسائی جاسکتی ہیں، البتہ حکومت مفاد عامہ کے پیش نظر منع کر سکتی ہے، عوام کو اس کی پابندی کرنی چاہیے۔ مفتی محمد حذیفہ داہودی نے بھی در احکام کی عبارت لا یمنع احد من التصرف فی ملکہ مالہ یکن فیہ ضرر فاحش للغير (۲۲۰/۱) کی روشنی میں یہی بات کہی ہے لیکن کتاب الخراج کی عبارت: کل نہر له منفعۃ اکثر فلا ینبغی للامام ان یهدمہ ولا یتعرض له (۹۳) کے پیش نظر یہ بھی واضح کیا ہے کہ اگر وہاں آبادی بسانے میں لوگوں کی ضرورت متاثر ہو رہی ہو تو حکومت اس پر پابندی لگا دے، اس کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی۔ مولانا محمد عثمان بستوی نے کہا: اگر وہ جگہ کسی کی ملکیت نہ ہو تو اس سے بہتی والوں کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے اس کی آبادکاری جائز نہیں ہے، لأن الانتفاع بالمباح إنما یجوز

إذا لم يضر بأحد فان أضر بأن يفيض الماء ويفسد حقوق الناس (فلايجوز)
 (الدرر المختار) اور اگر ذاتی ملکیت ہو تو اس کی بیع جائز ہے، حکومت کے منع کر دینے کے بعد وہاں
 آبادی بسانا جائز نہیں۔ مولانا روح الامین کی بھی تقریباً یہی رائے ہے، مولانا عبداللہ کاوی والا،
 مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عامر ظفر ایوبی، حافظ کلیم اللہ عمری کا خیال
 ہے کہ تالاب میں آبادیاں بسانا درست نہیں ہے۔ خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو۔
 آپ حضرات نے يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام، الضرر الأشد
 يزال بالضرر الأخف، اور شرح أجلہ کی عبارت: الأراضى القريبة من العمران
 تترك للاهالى مرعى وبيدرا ومحتطبا ويقال الأراضى المتروكة (۶۸۸) وغیرہ
 سے استدلال کیا ہے۔ راقم سطور کی ناقص رائے بھی یہی ہے، اس وجہ سے کہ آبادی سے قریب کی
 اس طرح کی جگہوں سے عوامی منفعتمند وابستہ ہوتی ہیں، اور ان کے ختم کر دینے سے ضرر عام لاحق
 ہوتا ہے، اس لئے انہیں باقی رکھا جائے گا، کتاب الخراج میں ہے: وإذا نضب الماء عن
 جزيرة في دجلة والفرات وكان بحذاء منزل رجل وفنائه فأراد أن يصيرها في
 فنائه ويزيدها فيه فليس له ذلك ولا يترك ذلك (۱۰۰) البتہ اگر حکومت دیکھتی ہے
 کہ تالاب پائے میں کوئی ضرر نہیں ہے تو اس کی اجازت دے سکتی ہے۔

(۵) سوال ۱۵: حکومت کے پروگرام میں داخل ہے کہ عوام تک پینے اور استعمال
 کے لئے پانی پہنچایا جائے، ترقی یافتہ ملکوں میں دیہاتوں میں بھی اس کا نظام موجود ہے، تو کیا
 آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ
 کرے؟ اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ہو تو کیا حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا درست
 ہوگا اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی روک لینے کا حق
 حاصل ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مولانا صباح الدین ملک قاسمی اور مولانا عامر ظفر ایوبی نے

کہا کہ آب رسائی کا انتظام تو نہیں لیکن عوام تک پانی کی دستیابی کو یقینی بنانا اور بقول مولانا عامر ظفر اس کے ذرائع کی حفاظت کرنا حکومت کے واجبات میں سے ہے جبکہ دیگر تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ عوام تک پانی کا پہنچانا حکومت کے واجبات میں سے ہے، اور ہر شہری کو اس کے مطالبے کا حق ہے، آپ حضرات کے پیش نظر مندرجہ ذیل عبارتیں ہیں:

- أن يباشر بنفسه مشاركة الأمور وتصفح الأحوال لينهض بسياسة الأمة وحراسة المصلحة (الفقه الاسلامي وادلتها ۶/۲۰۱)۔

- وعلى الإمام كرى هذا النهج الأعظم الذى لعامة المسلمين إن احتاج الى كرى وعليه أن يصلح مسناته إن خيف منه (كتاب الخراج ۱۰۵)۔

- كرى نهر غير مملوك من بيت المال لأن ذلك لمصلحة عامة وبيت المال معد لها (البحر الرائق ۹/۳۹۳)۔

پانی کی سپلائی پر معاوضہ کے تعلق سے مفتی محمد حذیفہ و اچودی کا خیال ہے کہ حکومت خزانے میں گنجائش ہونے کی صورت میں نہ اجرت لے سکتی ہے نہ پانی روک سکتی ہے، بصورت دیگر حسب ضرورت اس کی اجرت لی جاسکتی ہے اور اجرت کی عدم ادائیگی پر پانی روکا جاسکتا ہے۔ بقیہ حضرات نے پانی کے اجاز، گھر گھر پہنچانے کے عمل، نیز ”الغنم بالغرم“ اور ”إن التكاليف والخسارة التى تحصل من الشئ تكون على من يستفيد منه شرعا (المدخل الفقهی عام ۳/۱۰۳۵) کی بنا پر معاوضہ لینے کو درست قرار دیا ہے، معاوضہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں پانی کی سپلائی کے روکنے کے تعلق سے مولانا رحمت اللہ ندوی کا خیال ہے کہ حکومت کو پانی روکنے کا حق نہ ہوگا بلکہ اس کے بجائے دوسری سزا یا مناسب تنبیہ کرنی چاہئے، جبکہ دیگر تمام حضرات نے عدم معاوضہ کی صورت میں بالاتفاق کہا ہے کہ حکومت پانی کی سپلائی روک سکتی ہے، جیسا کہ رد المحتار کی عبارت: إن للبائع حبس المبيع حتى يستوفى كل الثمن.....

جاز له الحبس إن بقى منه درهم (۹۳/۷) سے استدلال کیا ہے؛ البتہ مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری اور مولانا محمد عثمان بستوی نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ غریب و نادار کا پانی نہیں روکا جائے گا، بلکہ بلا معاوضہ ان تک پانی کا پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”أنا ولی من لا ولی له“۔

(۶) سوال (۱۶): یہی صورت حال استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا بھی ہے، جس کے لئے حکومت نے ڈریج کا نظام بنایا ہے اس سے نہ صرف افراد و اشخاص کے مفادات متعلق ہیں، بلکہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت بھی متعلق ہے، اس لئے کیا یہ شرعی نقطہ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہوگی اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ پانی کی نکاسی کا نظام بنانا اور شہریوں کی صحت کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور ہر شہری کا حق ہے، اس وجہ سے کہ مصالح عامہ کا قائم کرنا حکومت کے فرائض میں سے ہے، فتاویٰ معاصرہ میں ہے: فکل من یروی ولی الأمر فعلة أقرب إلى الصلاح للرعیة وأبعد من الفساد فله أن یفعله بل قد یجب علیه (۵۸۳/۱)، گندے اور استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا مسئلہ بھی مصالح عامہ کی قبیل سے ہے، اس لئے اس کے انتظام کی ذمہ داری بھی بزمہ حکومت ہوگی۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: حق المسیل هو تصریف الماء الزائد عن الحاجة أو غیر الصالح إلى المصارف والمجاری العامة بواسطة مجرى سطحی أو أنبوب مستور سواء من أرض أو دار أو مصنع والمسیل قد یكون مملوکا للمنتفع به أو لصاحب الأرض التي یمر فیها وقد یكون فی مرفق عام وتجب نفقات إصلاح المسیل علی المنتفع به إذا كان فی ملكه أو فی ملك

غیرہ، فإن كان في أرض عامة فنفقة الإصلاح على بيت المال (۶۰۷-۶۰۷)۔
پھر اگر پانی نہ نکلنے سے گندگی اور عفونت پیدا ہونے لگے اور صحت عامہ متاثر ہونے کا
خطرہ لاحق ہونے لگے تو حکومت کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے۔ ہر دور میں حکومتوں نے رعایا
کی مشکلات کو دور کرنے کا اہتمام کیا ہے، البتہ عوام کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ حکومت کے اس
طرح کے نظام میں معاون ثابت ہوں۔

ہذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب۔

☆☆☆

جدید فقیہی تحقیقات

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی مسائل

مولانا محمد حذیفہ داحودی ✽

۱- پانی اور اس کے استعمال سے متعلق اسلامی تعلیمات و ہدایات:

خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں دنیا میں جن نعمتوں سے نوازا ہے وہ بے شمار ہیں، ان میں ایک اہم ترین نعمت پانی ہے، پانی اہم ترین نعمت بھی ہے اور مفید ترین ضرورت بھی، قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں اس حقیقت کو نہایت ہی واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ کارگہ عالم میں ہر ذرہ پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

”وجعلنا من الماء کل شیء حی، أفلا یؤمنون“ (الانبیاء: ۳۰)

(کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے، پس کیا وہ یقین نہیں رکھتے؟)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”کل شیء خلق الله عزوجل من الماء“ (مسند احمد ۲/۳۲۳، رقم ۸۰۹۶)

(کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے)۔

ہر ایک کی خلقت، نشوونما اور عروج و ارتقاء میں پانی کا بڑا حصہ ہے، انسانی زندگی میں ہر کام اور ہر لحظہ اس کی تلاش و جستجو ہے، ہر ایک کی زندگی کا بقا بھی پانی ہی پر منحصر ہے، کوئی بھی

مخلوق خواہ حیوانات کی قبیل سے ہو یا نباتات و جمادات کی قبیل سے پانی کی ضرورت سے بے نیاز نہیں، ایک مقام پر ہے:

”وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ“ (النور: ۳۵)۔

(کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چلنے والے جانور کو پانی سے پیدا کیا)۔ نباتات کا تو وجود ہی پانی پر موقوف ہے کہ اسی سے زمین سے کوئلیں نکلتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ سایہ دار درختوں اور لہلہاتے ہوئے سرسبز پودوں کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔

ارشاد ہے:

”وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ“ (القمان: ۱۰)۔

نیز ارشاد ہے:

”وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَاجًا، لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا، وَجَنَاتٍ

أَلْفَافًا“ (التہا: ۱۳-۱۶)۔

(کہ ہم نے پانی بھرے بادلوں سے بکثرت پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ نلہ، سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں)۔

جو جمادات ہیں وہ بھی پانی سے مستغنی نہیں، چاہے زمین ہو یا پتھر سب کو پانی کی ضرورت ہے، اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ جب زمین مردہ ہو جاتی ہے تو آسمان سے بارش آب حیات بن کر زمین سے ہم آغوش ہوتی ہے اور اس طرح اس کے لئے زندگی کا ایک نیا سر و سامان مہیا کرتی ہے۔

ارشاد باری ہے:

”وَاللّٰهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا“ (الزلزل: ۶۵)۔

ایک مقام پر ہے:

”والذی نزل من السماء ماء بقدر فأنشرونا به بلدة ميتا، كذلك تخرجون“ (الزخرفہ: ۱۱)۔
نیز ارشاد ہے:

”وأنزلنا من السماء ماء طهورا لنحیی به بلدة ميتا ونسقیه مما خلقنا أنعاما و أناسی کثیرا“ (الفرقان: ۲۸-۲۹)۔

(کہ ہم نے آسمان سے پاک صاف کرنے والا پانی برسایا تاکہ ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین میں جان ڈالیں اور ہم اپنی مخلوق میں سے بہت سے انسان و حیوان کو سیراب کریں)۔
غرضیکہ پانی اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی قیمتی اور عظیم نعمت ہے کہ جہاں کائنات کی ہر چیز کا وجود اس پر موقوف ہے وہیں ہر چیز کو اپنی بقا کے لئے اس کی شدید ضرورت ہے، پانی کی اسی اہمیت و ضرورت اور افادیت و منفعت کی بنا پر شریعت اسلامیہ نے اس کے متعلق متعدد احکام دیئے ہیں، جن پر عمل پیرا ہونے سے اس عظیم نعمت کی صحیح قدر دانی بھی ہوتی ہے اور ناقدری کی بنا پر پیش آنے والی دشواریوں اور نقصانات سے حفاظت بھی۔ مثلاً یہ کہ اس کے استعمال میں فضول خرچی سے بچا جائے، بلا ضرورت اور بے فائدہ اسکو ضائع نہ کیا جائے، گندہ اور آلودہ ہونے سے اس کی حفاظت کی جائے، اس میں پیٹاب، پاخانہ نہ کیا جائے، وغیرہ وغیرہ

۲- پانی کے استعمال میں فضول خرچی کا حکم:

اسلام نے جس طرح دیگر اشیاء و امور میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتے ہوئے اسراف اور فضول خرچی سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے اسی طرح پانی کے حق میں بھی بے جا اور ضرورت سے زائد استعمال اور اسراف و تبذیر سے منع کیا ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ”کلوا واشربوا ولا تسرفوا، إنه لا یحب المسرفین“ (الاعراف: ۳۱)۔

(کہ کھانا اور پیو اور حد سے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے)۔ ایک موقع پر تہذیر یعنی فضول خرچی سے روکتے ہوئے اسے شیطانی عمل قرار دیا ہے، ارشاد ہے: ”لا تبتلو تبتذیراً، إن المبتذرين كانوا إخوان الشياطين“ (الاسراء: ۲۶-۲۷)۔ (کہ بے موقع مت خرچ کرنا، بے شک بے موقع خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں)۔ ان آیات کی وجہ سے ہر چیز میں اسراف اور تہذیر دونوں شرعاً ممنوع و ناپسندیدہ ہیں۔ محل میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے، اور بے محل خرچ کرنا تہذیر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تہذیر ناحق امور میں خرچ کرنے کا نام ہے، ابن کثیر نے آیت مذکورہ کے تحت لکھا ہے: ”قال ابن مسعود: التبتذير الإنفاق في غير حق“ (۳۷۳)۔

نماز جو اسلام میں افضل ترین عادت تصور کی جاتی ہے اور ایمان کا دوسرا سب سے بڑا رکن ہے، اس کی ادائیگی کے لئے طہارت اور وضو لازمی امر ہے، لیکن حصول طہارت کے وقت پانی کے استعمال میں اسراف اور ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، اور اس میں زیادہ سے زیادہ استعمال کی حد مقرر کی گئی ہے، چنانچہ روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو وضو کا طریقہ بتایا اور ہر عضو کو تین بار دھونے کو کہا، پھر آخر میں آپ نے فرمایا: ”فمن زاد على هذا أو نقص فقد أساء وظلم“ (ابوداؤد کتاب الطہارۃ، باب الوضوء: ۱۳۵)۔ (کہ جس نے مذکورہ تعداد میں اضافہ کیا یا کمی کی اس نے برا کیا اور ظلم کیا)۔ محدثین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بہت سی توجیہات کی ہیں، جن میں سے ایک توجیہ یہ ہے کہ جس نے تین مرتبہ سے زیادہ اپنے اعضاء دھوئے اس نے چونکہ بے ضرورت اور بلا فائدہ پانی استعمال کر کے اسے ضائع اور تلف کیا اس لئے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، صاحب بذل الجہود اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وظلم ای علی نفسه

بمخالفة النبي ﷺ أو لأنه أتعب نفسه فيما زاد على الثلاثة من غير حصول ثواب له أو لأنه أتلف الماء بلا فائدة“ (بذل المجهود ۱۸)۔

ایک روایت میں ہے: ”إنه سيكون في هذه الأمة قوم يعتلمون في الطهور والدعاء“ (ابوداؤد عن عبد الله بن المنهال: کتاب الطهارة، باب الإسراف في الوضوء ۱/۲۳، رقم: ۹۶)۔

صاحب بذل رقم طراز ہیں: ”يعتلمون يتجاوزون عن الحد الشرعي في الطهور بالضم ويفتح وقد أجمعت الأمة على كراهة الإسراف في الطهور وضوءً كان أو غسلًا أو طهارة عن النجاسات وإن كان على شط نهر جار“ (۶۱/۱)۔

معروف روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا، اس وقت حضرت سعد وضو کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ما هنا السرف؟“ (کہ یہ اسراف کیسا ہے؟) تو حضرت سعد نے پوچھا: ”أفي الوضوء إسراف؟“ (کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہو سکتا ہے؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”نعم! وإن كنت على نهر جار“ (جی ہاں! وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے، چاہے تم بہتی نہر پر ہی کیوں نہ وضو کر رہے ہو) (ابن ماجہ عن عبد الله بن عمرو، کتاب الطهارة، باب ما جاء في القصد في الوضوء“ (ص ۳۳، رقم: ۲۲۵، مسند احمد ۲/۲۲۱)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”لاتسرف لاتسرف“ (کہ اسراف بالکل مت کرو) (ابن ماجہ عن عبد الله بن عمرو، کتاب الطهارة، باب ما جاء في القصد في الوضوء، ص ۳۳، رقم: ۲۲۲)۔

پانی کے استعمال میں نبی اکرم ﷺ کی احتیاط:

خود رسول اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ وضو اور غسل میں ضرورت سے زیادہ پانی استعمال نہیں فرماتے تھے، غسل ایک صاع پانی سے کرتے اور اس کے چوتھائی یعنی ایک مد سے وضو فرماتے تھے، لیٹر کے حساب سے ایک صاع ”۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳“ (چار لیٹر، ایک سو ستائیس ملی

لیٹر اور تیس میکرو لیٹر) اور مد ”۸۲۵ء ۰۳۱ء ۱“ (ایک لیٹر، اکتیس ملی لیٹر اور آٹھ سو پچیس میکرو لیٹر) ہوتا ہے، اور کلوگرام کے اعتبار سے ایک صاع ”۱۳۹۲۸۰ء ۳“ (تین کلو، ایک سو انچاس گرام اور دو سو اسی ملی گرام) اور ایک مد ”۳۲۰ء ۷۸۷“ (سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام) ہوتا ہے (دیکھئے: الاوزان المحمودة ص ۲۳) ”عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی ﷺ أنه کان يتوضأ بالممد ويغتسل بالصاع“ (مجمع الرواكة: کتاب الطہارة، باب ما یغسل من الماء للوضوء والغسل ۱/۱، ۳۰۱، ۳۰۲، ۱۱۰۱)۔ بلکہ ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ نے نہر کے پاس برتن میں پانی لے کر وضو فرمایا اور پھر جو پانی بچا وہ نہر میں ڈال دیا، عن ابی الدرداء أن النبی ﷺ توضأ من إناء علی نہر، فلما فرغ أفرغ فضله فی نہر، رواه الطبرانی فی الکبیر وفيه أبو بکر بن مریم اختلط وترك حدیثه لاختلاطه (مجمع الرواكة، کتاب الطہارة، باب ما یغسل من فضل من وضوء ۱/۳۰۲، ۳۰۳، ۱۱۰۸)۔

مذکورہ بالا ارشادات و توضیحات سے واضح ہو رہا ہے کہ پانی کے استعمال میں فضول خرچی اور ضرورت سے زیادہ اور بے جا استعمال از روئے شریعت ناپسندیدہ اور مکروہ و ممنوع ہے، اور اسراف و تہذیر میں داخل ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، صاحب بذل کی صراحت گزر چکی: ”قد أجمعت الأمة علی کراهة الإسراف فی الطهور وضوء کان أو غسلا أو طهارة عن النجاسات وإن کان علی شط نہر جار“ (۶۱/۱)۔ ایک مقام پر ہے: ”لا خلاف فی کراهة الزیادة علی الثلاث، قال ابن المبارک: لا آمن إذا زاد فی الوضوء علی الثلاث أن یأثم، وقال أحمد وإسحق: لا یزید علی الثلاث إلا رجل مبتلی“ (۸۱/۱)۔ در مختار میں ہے: ”ومکروہة الاسراف ومنه الزیادة علی الثلاث فیہ تحریم ما لو بماء نہر والمملوک له، أما الموقوف علی من یتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام“ (۲۵۸/۱، مطبوعہ زکریا دیوبند)۔

ظاہر ہے کہ ضرورت سے زیادہ اور بلا فائدہ پانی کے استعمال کی ہر صورت فضول خرچی

کے اس حکم شرعی کے تحت داخل ہے اور اس پر فضول خرچی کا اطلاق ہوگا۔ ابن نجیم نے لکھا ہے: ”الإسراف هو الاستعمال فوق الحاجة الشرعية وإن كان شط نهر“ (البحر الرائق ۵۷۱)۔ مثلاً یہ کہ وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کیا جائے اور اعشاء وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے تو یہ اسراف ہے اور ممنوع ہے، وقد ذكر المحقق أن الزيادة على ثلاث مكروهة وهي من الإسراف وهذا إذا كان ماء نهر أو مملو كما له فإن كان ماء موقوفاً على من يتطهر أو يتوضأ الوضوء الشرعي“ (البحر الرائق ۵۷۱ مطبوعہ دیوبند)۔ فقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: ”ويكره للمتوضئ الإسراف في صب الماء بأن يستعمل منه فوق الحاجة الشرعية أو ما يزيد عن الكفاية وهذا إذا كان الماء مباحاً أو مملو كما للمتوضئ فإن كان موقوفاً على الوضوء منه كالماء المعد للوضوء في المساجد فالإسراف فيه حرام..... ومن الإسراف الزيادة على الثلاث في الغسلات وعلى المرة الواحدة في المسح عند الجمهور غير الشافعية“ (۲۶۱/۱)۔

اسی طرح ایک وضو کے بعد دوسرا وضو کرنا بغیر اس کے کہ پہلے وضو سے کوئی عبادت کی جائے، یہ بھی اسراف اور مکروہ ہے، الوضوء على الوضوء مكروه وإن تبدل المجلس ما لم يؤد به صلاة أو نحوها“ (الفتاویٰ اسلامی وادلتہ ۲۱۲/۱)، مراقی الفلاح میں ہے: ”وهي كالوضوء في مجلس آخر على الوضوء فإن كان في مجلس واحد كره، في الطحطاوي: (قوله: وإن كان في مجلس واحد) أي ولم يؤد بالأول عبادة شرع لتطهير لها وإلا فلا يكره، (قوله: كره) أي ولو نوى القربة ويكون إسرافاً والإسراف حرام ول على شط نهر، قاله السيد ومفاده أن الكراهة تحريمية“ (ص ۱۳)۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے متعلق اسلامی تعلیمات و ہدایات:

پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ پانی حق تعالیٰ شانہ کی قائل قدر اور بے مثال نعمت ہے،

نظام کائنات میں اسے کافی مضبوط حیثیت حاصل ہے اور تمام مخلوق کی ضرورتیں بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی سے متعلق ہیں، اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جس چیز کی جتنی ضرورت اور جتنی اہمیت ہوتی ہے اتنی ہی اس کی حفاظت ضروری اور اہم ہوتی ہے، اور پانی بھی چونکہ اپنی افادیت اور انسانی و حیوانی ضرورتوں کے لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اس لئے اسلام نے جہاں پانی کو ضیاع سے بچانے کی خاطر اس کے صحیح استعمال کی اور فضول خرچی سے امتراز کی تعلیم و تاکید فرمائی ہے وہیں گندگی و آلودگی سے اس کی حفاظت اور ناقابل استعمال بننے سے اس کو بچانے کے لئے بھی متعدد احکام دیئے ہیں، اور پانی کو گندہ اور ناپاک کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، اس سلسلہ کی چند تعلیمات و احکامات مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت:

نبی اکرم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ اس سے پانی گندہ اور ناپاک ہو جاتا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ”عن رسول اللہ ﷺ أنه نهى أن يبال في الماء الراكد“ (مسلم: کتاب الطہارۃ، باب ائس عن البول فی الماء الراكد، ۱۳۸/۱ رقم: ۹۳) ایک روایت میں ہے: ”لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم ثم یغتسل منه“ (ایضاً عن البہریرۃ رقم: ۹۵) ایک اور روایت میں ہے: ”لا تبیل فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل منه“ (ایضاً عن البہریرۃ رقم: ۹۶)۔

فقہاء نے بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب، پاخانہ کرنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، ابن نجیم رقم طراز ہیں: ”أما البول فی الماء الراكد فقد نقل الشیخ جلال الدین الخبازی فی حاشیة الہدایة عن أبی اللیث أنه لیس بحرام إجماعاً بل مکروہ ونقل غیره أنه حرام ویحمل علی کراهة التحريم لأن غاية ما یفیده الحلیث

كراهة التحريم فينبغي على هذا أن يكون البول في الماء الجاري مكروها
كراهة تنزيه فرقا بينه وبين البول في الماء الراكد“ (المحرمات، ۱۵۹/۱)۔
ظاہر ہے کہ کنواں، تالاب اور جھیل جیسے ٹھہرے پانی میں حاجت کی جائے گی تو جرثیم
کے کیڑے سے تمام پانی آلودہ اور خطرناک امراض سے پر ہو جائے گا، پھر کوئی ذی روح اسے
پینے گا تو متعدد قسم کی بیماریاں جنم لیں گی۔

(ب) بہتے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت

اسی طرح آپ ﷺ نے بہتے پانی میں بھی پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے، حضرت
جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ أن يبالي في الماء الجاري“
(رواہ الطبرانی فی الاوسط برقم: ۱۷۹۹) ورجاله ثقات (مجمع الزوائد: کتاب الطہارۃ،
باب السنن عن النبی فیہ، ۲۷۹/۱، ۲۷۹/۲، ۲۷۹/۳، ۲۷۹/۴)۔

فقہاء نے بھی اس کی کراہت کی تصریح کی ہے، ابن نجیم نے لکھا ہے: ”اختلفوا فی
كراهة البول في الماء الجاري والأصح هو الكراهة“ (المحرمات، ۱۵۹/۱)۔ ہندیہ میں
ہے: ”البول في الماء الجاري مكروه كذا في الخلاصة ويكره البول في الماء
الراكد هو المختار كذا في التاتار خانية“ (ہندیہ، ۲۵۱/۱)۔

جاری پانی میں رفع حاجت کے نقصانات نسبتاً زیادہ ہیں، اس لئے کہ یہ پانی قریب قریب
گزرتا ہے، انسان اور جانور اس سے نفع اٹھاتے ہیں، اگر فضلے کی وجہ سے آلودہ ہو گیا تو پھر
امراض پھیلنے ہی جائیں گے۔

(ج) نہر کے کنارے رفع حاجت کی ممانعت:

حضور اکرم ﷺ نے نہر کے کنارے رفع حاجت سے بھی منع فرمایا ہے، حضرت عبد

اللہ بن عمر فرماتے ہیں: ”نہی رسول اللہ ﷺ أن يتخلى الرجل تحت شجرة مشمرة ونهى أن يتخلى على ضفة نهر جار“ رواه الطبرانی في الأوسط (ترم: ۳۹۳۲) وفي الكبير الشطر الاخير وفيه فرات بن السائب وهو متروك الحديث“ (مجمع الروايات: كتاب الطهارة، باب ما نهي عن التخلي فيه، ۲۷۹/۱، ترم: ۱۰۰۰ء)۔

(و) حالت جنابت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت:

آپ ﷺ نے جنابت کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ باہر رہتے ہوئے پانی لے کر غسل کرے، ارشاد ہے: ”لا يغتسل أحدكم في الماء الدائم وهو جنب فقال: كيف يفعل يا أبا هريرة؟ قال: يتناولہ تناولا“ (مسلم عن أبي هريرة كتاب الطهارة، باب ما نهي عن الاغتسال في الماء الراكد، ۸۳۱/۱، ترم: ۹۷)۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”قال العلماء من أصحابنا وغيرهم: يكره الاغتسال في الماء الراكد قليلا كان أو كثيراً“ (شرح مسلم للنووي ۱/۱۳۸)۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کرنے سے بھی پانی آلودہ اور گندہ ہو سکتا ہے، اس لئے منع فرمایا گیا۔

(ح) غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت:

رسول اکرم ﷺ نے غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، حدیث شریف میں ہے: ”عن عبد الله بن المغفل قال: قال رسول الله: لا يبولن أحدكم في مستحمة ثم يغتسل فيه قال أحمد بن محمد بن يونس: قال أبو داود: (ابوداؤد: كتاب الطهارة، باب في البول في المستحمة، ۱۳/۱، ترم: ۲۷)۔

فقہاء نے بھی اسے مکروہ لکھا ہے: ابن نجیم لکھتے ہیں: ”ويكره أن يبول في

موضع ویتوضاً أو يغتسل فيه للنهي كما في السراج الوهاج“ (جز ۱/۲۲۲)) (وکنذا فی الہندیہ ۱/۵۰)۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کرنے میں جیسے وساوس کی وجہ سے پانی کا استعمال زیادہ ہوگا، ایسے ہی پانی بھی آلودہ اور ناپاک ہوگا، اس لئے آپ نے منع فرمایا ہے۔

(و) پانی کو آلودہ کرنے والی دیگر چیزوں کو پانی میں ڈالنے کی ممانعت:

فقہاء کرام نے بول و براز کی طرح دیگر بہت سی اشیاء جن سے پانی اگر چہ ناپاک نہیں ہوتا مگر گندہ اور آلودہ ضرور ہو سکتا ہے ایسی چیزوں کو بھی پانی میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے جیسے تھوک، ریٹھ وغیرہ، درمختار میں ہے: ”ومن منہیانہ (أى الوضوء) التوضاً.... فی موضع نجس، لأن لماء الوضوء حرمة..... وإلقاء النخامة والامتخاط فی الماء“ (درمخ الردا ۱/۲۶۰)۔

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں بھی پانی کو آلودہ کرنے والی ہیں، اس لئے منع کیا گیا ہے۔

(ز) نیند سے بیداری کے وقت ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ ڈالنے کی ممانعت:

ناپاکی اور آلودگی سے پانی کے تحفظ کو اسلام بہت اہم اور نازک مسئلہ تصور کرتا ہے، چنانچہ جہاں بھی انسانوں کی تھوڑی سی بے احتیاطی اور بد تدبیری سے پانی کے ذرہ برابر فساد اور بگاڑ کا اندیشہ ہے وہاں اسلام نے انتہائی احتیاط اور حسن تدبیر کا حکم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ سوکر اٹھنے والوں کو آپ ﷺ نے بغیر ہاتھ دھوئے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده في الإناء حتى يغسلها ثلاثاً فإنه لا يدري أين باتت يده“ (مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الطہارۃ، باب کراہۃ غمس التوضی وغیرہ..... ۱/۱۳۱ برقم: ۸۷)۔

فقہاء نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے، علامہ شامی بحر کے حوالہ سے لکھتے ہیں: وفي البحر قالوا: يكره إدخال اليد في الإناء قبل الغسل للحمليث وهي كراهة تنزيه، لأن النهي فيه مصروف عن التحريم بقوله "فإنه لا يدري أين باتت يده" (ردحار ۲۳۱/۱)، فتح الملبم میں حدیث مذکور کے ذیل میں لکھا ہے: "النهي محمول على التنزيه بدليل العلة" (۳۳۹/۱)۔

(ح) پانی کے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے کی ممانعت:

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے پانی کے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے سے بھی منع کیا ہے، حدیث میں ہے: "نهي رسول الله ﷺ أن يتنفس في الإناء أو ينفخ فيه" (ابوداؤد عن ابن عباس: كتاب الاثرية، باب في النسخ في الشراب ۱۷۶/۲، رقم: ۳۷۲۷)۔ محدثین ممانعت کی وجہ بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ پانی یا کسی بھی قسم کا مشروب پیتے وقت برتن میں سانس لینے سے ممکن ہے کہ کوئی گندگی پانی میں گر جائے اور پانی آلودہ ہو کر متغیر ہو جائے، جس سے طبیعت سلیمہ تنفر محسوس کرے، بذل المجمود میں ہے: "قال الخطابي قد يحتمل أن يكون النهي عن ذلك من أجل ما يخاف أن يبرز من ريقه ورطوبة فمه فيقع في الماء وقد يكون النكهة من بعض من يشرب متغيرة فتعلق الرائحة بالماء برقته ولطفه" (۳۳۶/۳)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بیداری کے وقت ہاتھ دھونے کے حکم اور فتح فی الشراب کی ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قوله ﷺ: فإنه لا يدري أين باتت يده، أقول: معناه أن بعد العهد بالتطهر والغفلة عنهما مليا مظنة لوصول النجاسة والأوساخ إليهما مما يكون إدخال الماء معه تنجيسا له أو تكديرا أو شناعة وهو علة النهي عن النفخ في الشراب" (حجۃ اللہ المبارک مع رحمۃ اللہ ولو بعد ۱۷۷/۳، وکذا فی ۳۸۸/۵)۔

(ط) پانی کے برتنوں کو ڈھانکنے کا حکم

جب انسان سونا چاہتا ہے اس وقت کے لئے آپ ﷺ نے جہاں اور بہت سے احکام دیئے ہیں وہیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ سونے سے پہلے برتن ڈھانک دیئے جائیں، روایت میں ہے: عن جابر عن رسول الله ﷺ أنه قال: غطوا الإناء وأوكوا السقاء وأغلقوا الباب وأطفئوا السراج فإن الشيطان لا يحل سقاء ولا يفتح بابا ولا يكشف إناء فإن لم يجد أحدكم إلا أن يعرض على إنائه عودا أو يذكر اسم الله فليفعل فإن الفويسقة تضرم على أهل البيت بيتهم“ (مسلم: کتاب الاثرية، باب تخيير الامم بوقت طيبه..... ۱۵۰/۲، رقم ۱۔)

ظاہر ہے کہ پانی کے برتن کو ڈھانکنے کے حکم کی وجہ یہ ہے کہ پانی گندگی اور آلودگی سے محفوظ رہے، اس میں کوئی ایسی چیز نہ گر جائے جو اسے ناقابل استعمال بنا دے، پانی کو آلودگی سے بچانے کی یہ احتیاط جو حضور ﷺ نے برتی ہے قابل غور بھی ہے اور قابل عبرت بھی۔ امام نووی آپ ﷺ کی ان تعلیمات کے فوائد ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”الفائدة الثالثة صيانته من النجاسات والمستقذرات“ (شرح مسلم للنووي ۱۵۰/۲)۔

یہ ہے اسلامی تعلیمات و احکام کے چند نمونے جو پانی کو آلودگی اور گندگی سے بچانے سے تعلق رکھتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان تعلیمات کے موقع پر صیغہ امر و نہی کا استعمال، فقہاء کرام کا انہیں مکروہ قرار دینا، بلکہ بعض کے لئے کراہت تحریمی کی صراحت یہ سب امور اس بات کی واضح علامت و دلالت ہے کہ یہ تعلیمات صرف اخلاقی ہی نہیں ہیں، بلکہ ان پر عمل کرنا از روئے شریعت ضروری ہے اور بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

۴- گندے اور آلودہ پانی کو کیمیاوی طریقہ سے پاک اور قابل استعمال بنانا:

اس مسئلہ کے حل کے لئے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ یہاں ہر دو چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم

جد اگانہ ہے، ایک: استحالہ، دوسری: تجزیہ و ازالہ۔

استحالہ کا حکم:

استحالہ کا مطلب ہے کسی شے کی ماہیت و حقیقت کا بدل جانا، جس کو انقلاب حقیقت یا انقلاب عین بھی کہا جاتا ہے، استحالہ مطہرات یعنی ان ذرائع میں سے ہے جن سے ناپاک چیز پاک ہو جاتی ہے، شے کی حقیقت و ماہیت جب بدل جاتی ہے تو احکام بھی بدل جاتے ہیں، لہذا استحالہ کی وجہ سے ناپاک چیز پاک ہو جائے گی، چاہے وہ ناپاک چیز نجس العین ہو یعنی بذات خود ناپاک ہو یا غیر نجس العین ہو یعنی منجس ہو، کسی ناپاک کی کے اختلاط کی وجہ سے وہ ناپاک ہوئی ہو، دونوں کا حکم یکساں ہوگا۔ جیسے کہ پاخانہ کو جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو وہ راکھ ناپاک شمار نہ ہوگی، شراب سرکہ بن جائے تو اسکی حرمت و نجاست ختم ہو جائے گی، گدھلایا خنزیر وغیرہ نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے تو وہ پاک ہوگا، شراب پانی میں گر جائے، پھر وہ سب سرکہ بن جائے تو وہ پاک کہلائے گا۔

علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح میں رقمطراز ہیں:

”الاستحالة تطهر الاعیان النجسة كالميتة إذا صارت ملحاً والعذرة
تواباً أو رماداً“ (ص ۸۶)۔

شامی میں ہے: ”لو صب ماء في خمر أو بالعكس ثم صار خلا طهر في
الصحيح“ (۱/ ۵۱۸، وکذا فی البندیہ ۱/ ۵۳)۔
علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

”النجاسة لما استحالت وتبدلت أو صافها ومعانيها خرجت عن كونها
نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة فتعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر إذا
تخللت“ (بدرائع ۱/ ۲۳۳، دیوبند)۔

ابن نجیم کا بیان ہے:

”التطهير يكون بأربعة أمور والسابع انقلاب العين فان كان في الخمر فلا خلاف في الطهارة وإن كان في غيره كالخنزير والميتة تقع في المملحة فتصير ملحاً يؤكل والسارقين والعذرة تحترق فتصير رماداً تطهر عند محمد خلافاً لأبي يوسف وضم إلى محمد أبا حنيفة في المحيط وكثير من المشايخ اختاروا قول محمد وفي الخلاصة وعليه الفتوى وفي فتح القدير انه المختار لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة وتنتفى الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل فإن الملح غير العظم واللحم إذا صار ملحاً ترتب حكم الملح ونظيره في الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهي نجسة وتصير مضغة فتطهر والعصير طاهر فيصير خمراً فينجس ويصير خلافاً فيطهر فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليها“ (البحر الرائق ۱/ ۳۹۳، وكذا في الكبير، ص ۱۶۵)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلوں میں ہے:

”شریعت میں جن اشیاء کو حرام یا ناپاک قرار دیا گیا ہے ان کی حرمت و نجاست اس شئی کی ذات سے متعلق ہے، اگر کسی انسانی فعل، کیمیائی یا غیر کیمیائی تدبیر یا کسی انسانی فعل کے بغیر طبعی یا ماحولیاتی اثر کے تحت اس شئی کی اصل حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوگئی تو اس شئی کا سابق حکم باقی نہیں رہے گا، اس میں نجس العین اور غیر نجس العین کا کوئی فرق نہیں۔ تبدیلی ماہیت سے مراد یہ ہے کہ اس شئی کے وہ خصوصی اوصاف بدل جائیں جن سے اس شئی کی شناخت متعلق ہے، دوسرے غیر مؤثر اوصاف جو اس شئی کی حقیقت میں داخل نہیں، کا اس شئی میں باقی رہ جانا تبدیلی ماہیت میں مانع نہیں، اور اگر حلال و پاک اشیاء میں حرام و ناپاک شئی کا صرف اختلاط ہو، اصل

حقیقت تبدیل نہ ہو تو وہ حرام اور ناپاک ہی باقی رہے گی“ (نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے)۔

تجزیہ و ازالہ کا حکم

تجزیہ کا مطلب ہے کسی شے کے بعض اجزاء کو دوسرے بعض اجزاء سے علیحدہ کر دینا، جس کو تحلیل یا ازالہ (نجاست کو ہٹا دینا، ختم کر دینا) بھی کہا جاتا ہے، اس میں شے کی حقیقت و ماہیت نہیں بدلتی، نلی حالہ باقی رہتی ہے، بلکہ صرف بعض اجزاء جو نجس ہوتے ہیں وہ علیحدہ اور زائل ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے نجاست کے اثرات اور بدبو باقی نہیں رہتی، پھر جن نجس چیزوں میں یہ عمل کیا جائے وہ دو قسم کی ہو سکتی ہیں، (۱) نجس العین (۲) غیر نجس العین (متنجس)، دونوں کا حکم جداگانہ ہے۔

نجس العین اشیاء میں تجزیہ و ازالہ کا حکم

تجزیہ و ازالہ ایسی چیز میں کیا جائے جو نجس العین ہے تو اس صورت میں اس عمل کی وجہ سے شے کا حکم نہ بدلے گا، وہ چیز پاک نہ ہوگی، نلی حالہ ناپاک رہے گی، کیوں کہ اس صورت میں نہ تو حقیقت و ماہیت بدلی ہے اور نہ ہی تمام ناپاک اجزاء زائل اور ختم ہوئے ہیں، بعض اجزاء علیحدہ کر دینے کے بعد جو اجزاء باقی ہیں وہ بھی نجاست ہی کے اجزاء ہیں، صرف بدبو ختم ہوئی ہے، اس لئے حکم میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی، ناپاک چیز ناپاک ہی باقی رہے گی۔

اس کی واضح مثال خنزیر کا چمڑا ہے کہ اگر دباخت کے ذریعہ اس سے ساری رطوبات زائل اور علیحدہ کر دی گئیں تب بھی وہ چمڑا پاک نہ ہوگا، ناپاک ہی باقی رہے گا، کیوں کہ وہ نجس العین ہے جس کی وجہ سے اس کے تمام اجزاء ناپاک ہیں، اس لئے بعض اجزاء زائل ہونے کے بعد جو اجزاء یعنی رطوبات کے بغیر باقی رہے وہ بھی نجاست ہی ہیں، لہذا وہ چمڑا پاک نہ کہلائے گا؟ جبکہ یہی چمڑا بلکہ پورا خنزیر اگر نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے تو پھر وہ پاک کہلائے گا۔

”الحمار أو الخنزير إذا وقع في المملحة فصار ملحا أو بشر بالوعدة إذا صار طينا يطهر عندهما خلافا لأبي يوسف“ (فتاویٰ ہندیہ ۱/۵۳)، کیوں کہ اس صورت میں حقیقت ہی بدل گئی ہے۔

خنزیر کے چمڑے کی دباغت سے متعلق علامہ کاسانی لکھتے ہیں: ”والصحيح أن جلد الخنزير لا يطهر بالدباغ لأن نجاسته ليست لما فيه من الدم والرطوبة بل هو نجس العين فكان وجود الدباغ في حقه والعدم بمنزلة واحملة“ (۲۵۱/۱)۔

در مختار میں ہے: ”كل إهاب دبع وهو يحتملها طهر خلا جلد خنزير فلا يطهر“۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: (قولہ: فلا يطهر) أي لأنه نجس العين بمعنى أن ذاته بجميع أجزائه نجاسة حيا وميتا، فليست نجاسته لما فيه من الدم كنجاسة غيره من الحيوانات فلذا لم يقبل الطهارة في ظاهر الرواية عن أصحابنا“ (درمخ الرد ۱/۳۵۵-۳۵۷)۔

اس کی دوسری مثال پیشاب ہے کہ اگر اس کو فلٹر کر دیا جائے جس کی وجہ سے اس کی بدبو ختم ہو جائے تو وہ پاک نہ ہوگا، ناپاک ہی رہے گا؛ کیوں کہ فلٹر کرنے کی وجہ سے بعض اجزاء زائل ہونے کے بعد جو اجزاء باقی ہیں وہ بھی پیشاب ہی کے اجزاء ہیں، پیشاب نجس العین یعنی کججمع اجزاء نجس ہے۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”اس کشید کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ پیشاب کے اندر سے اس کے متعفن اور مضرت رساں اجزاء کو نکال دیا گیا اور باقی جو اجزاء بچے وہ اسی پیشاب کے اجزاء ہیں اور پیشاب کججمع اجزاء نجس العین اور نجس بہ نجاست غلیظہ ہے، اس لئے یہ باقی ماندہ اجزاء بھی نجس العین اور نجس بہ نجاست غلیظہ ہی رہیں گے، اس میں تقلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی، اس کو قلب ماہیت نہیں

کہہ سکتے، بلکہ یہ تجزیہ و تخریج ہو نہ کہ قلب ماہیت، قلب ماہیت تو یہ ہے کہ سابق حقیقت معدوم ہو کر نئی حقیقت و نئی ماہیت بن جائے، نہ پہلی حقیقت و ماہیت باقی رہے، نہ اس کا نام باقی رہے، نہ اس کی صورت و کیفیت باقی رہے، نہ اس کے خواص و آثار و امتیازات باقی رہیں، بلکہ سب چیزیں نئی ہو جائیں، نام بھی دوسرا، صورت بھی دوسری، آثار و خواص بھی دوسرے، اثرات و علامات اور امتیازات بھی دوسرے پیدا ہو جائیں، جیسے: شراب سے سرکہ بنالیا جائے“ (منتخب نظام الفتاویٰ ۲۶/۱)۔

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”پیشاب شوریت وغیر شوریت مجتمع اجزاء نجس لعینہ اور غیر مباح الاکل و اشرب ہوتا ہے، اس لئے شوریت نکال دینے کے بعد بھی بقیہ اجزاء پاک و نجس ہی باقی رہیں گے اور ان کا استعمال ناجائز ہی رہے گا، ہاں! اگر پیشاب نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے اور غیر متمیز ہو جائے تو ”الخلط استہلاک“ کے مطابق اس پر پیشاب کا حکم باقی نہ رہے گا۔ (۲۵/۱)۔

حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”پیشاب فلتر کرنے کی وجہ سے غالباً اپنی حقیقت نہیں کھوتا، بلکہ محض اس کے بدبودار اجزاء نکال لئے جاتے ہیں، اس لئے وہ ناپاک ہی رہیں گے، ان کا پینا یا وضو و غسل وغیرہ کے لئے ان کا استعمال جائز نہ ہوگا اور وہ جسم کے جس حصے کو لگ جائے گا اسے ناپاک سمجھا جائے گا“ (جدید فقہی مسائل ۱۰۸-۱۰۹)۔

غیر نجس لعین (متنجس) اشیاء میں تجزیہ و ازالہ کا حکم:

اور اگر تجزیہ و ازالہ ایسی چیز میں کیا جائے جو نجس لعین نہیں ہے، بلکہ متنجس ہے، یعنی اس کی ذات اور تمام اجزاء تو نجس نہیں ہے، اصل شئی پاک ہے مگر کسی ناپاکی کے اختلاط و امتزاج کی وجہ سے وہ ناپاک ہوئی ہے تو اس صورت میں جس بنیاد پر وہ چیز ناپاک کہلائی تھی اس بنیاد کو مکمل طور پر ختم کر دینے سے وہ ناپاک چیز پاک ہو جائے گی، وجہ ظاہر ہے کہ اس شئی کی ذات

تو پاک تھی، ناپاک نہ تھی، اس کے تمام اجزاء ناپاک ہوں ایسا نہیں تھا، البتہ بعض اجزاء نجاست لگنے کی وجہ سے وہ چیز ناپاک کہلائی تھی، لہذا اگر ان ناپاک اجزاء کو علیحدہ اور زائل کر دیا جائے تو ناپاک ہونے کی بنیاد ختم ہو جائے گی، اور جو اجزاء باقی رہیں وہ نجاست کے نہیں ہیں، پس وہ چیز پاک کہلائے گی۔

اس کی بے شمار مثالیں کتب فقہ میں موجود ہیں، چند یہ ہیں:

(الف) خنزیر کے علاوہ مردار جانور کا چمڑا ناپاک ہے، کیوں کہ اس کے ساتھ خون اور ناپاک رطوبت لگی ہوتی ہے، پس اگر دباغت کے ذریعہ خون اور رطوبت کو زائل اور ختم کر دیا جائے جس کی وجہ سے وہ ناپاک تھا تو چمڑا پاک ہو جائے گا، کیوں کہ جس بنیاد پر وہ ناپاک تھا اس کو ختم کر دیا گیا۔

علامہ کاسانی رقمطراز ہیں:

”نجاسة الميتات ليست لأعيانها بل لما فيها من الدماء السائلة والرطوبات النجسة“ (۲۰۰/۱)۔

ایک موقع پر لکھتے ہیں:

”لأن نجاسة الميتات لما فيها من الرطوبات والدماء السائلة وإنها تزول بالدباغ فتطهر كالشوب النجس إذا غسل“ (بدائع ۳۱۱/۱)۔

وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

”لأن الدبغ يزيل سبب نجاسة الميتات وهو الرطوبات والدماء السائلة فصار الدبغ كالشوب النجس إذا غسل“ (الفتح الاسلامی وادلائہ ۱۰۱/۱)۔

(ب) جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا جائے تو چمڑا پاک ہوتا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ خون اور رطوبت جو نجس اجزاء ہیں وہ ذبح شرعی کی وجہ سے زائل ہو جاتے ہیں، اس

طرح ناپاک ہونے کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے تو چھڑا پاک کہلاتا ہے۔
بدائع میں ہے:

”الدكاة تشارك الدباغ في إزالة الدماء السائلة والرطوبات النجسة
فتشاركه في إفادة الطهارة“ (۲۳۵/۱) (وکنذانی فقه الاسلامی وادلائہ ۱/۱۰۳)۔
(ج) بکری کا سر خون آلود تھا، اسے آگ میں ڈال دیا گیا، جس سے خون جل کر اس
کا اثر ختم ہو گیا تو وہ سر پاک ہو جائے گا کیوں کہ جس خون کی بنیاد پر وہ نجس تھا وہ خون ختم ہو گیا۔
بکیری میں ہے:

”إذا تلطخ السكين ونحوه بالدم أو تلطخ رأس الشاة مثلاً به ثم أدخل
ذلك المتلطخ النار فاحترق الدم وزال أثره طهر الرأس والسكين ونحوهما
بالنار لحصول المقصود“ (بکیری ص ۱۵۵، وکنذانی الہندیہ ۱/۲۳)۔

خلاصہ تمہید:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ استحالہ کی وجہ سے ہر قسم کی ناپاک چیز پاک ہو جاتی ہے، چاہے وہ
نجس العین ہو جیسے: خنزیر، پاخانہ، شراب وغیرہ، یا غیر نجس العین ہو، جیسے وہ پانی جس میں کچھ
شراب گرا، پھر وہ سب سرک بن گیا، یا گدھا نمک کی کان میں گر کر نمک بن گیا تو پاک ہوگا۔
جبکہ تجزیہ و ازالہ کی وجہ سے نجس العین اشیاء پاک نہ ہوگی، جیسے خنزیر کا چھڑا و بافت
کی وجہ سے اور پیٹاب فلٹز کرنے کی وجہ سے پاک نہ ہوں گے، البتہ غیر نجس العین اشیاء تجزیہ و
ازالہ کی وجہ سے پاک ہو جائے گی بشرطیکہ ناپاک ہونے کی بنیاد مکمل طور پر ختم ہو جائے۔

کیمیائی عمل سے ناپاک پانی کو پاک کرنے کے متعلق تفصیلی حکم:

اس تفصیل و تمہید کی روشنی میں اب غور طلب بات یہ ہے کہ ناپاک پانی کو کیمیائی عمل

سے قابل استعمال اور صاف بنایا جائے تو مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت میں اس کا شمار ہوگا؟ اور اس کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ اورنی تامل سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ اس کی میاوی عمل کو استعمال نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ اس سے پانی کی حقیقت و ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، البتہ اسے تجزیہ و ازالہ کہا جاسکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ناپاک پانی غیر نجس اہین اشیاء میں سے ہے، غیر نجس اہین اشیاء میں تجزیہ و ازالہ کا حکم تمہید میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اگر ناپاک ہونے کی بنیاد کو مکمل طور پر زائل اور ختم کر دیا جائے تو غیر نجس اہین اشیاء تجزیہ و ازالہ کی وجہ سے پاک ہو جاتی ہیں۔ لہذا محتاج تحقیق بات یہ رہی کہ پانی کے ناپاک ہونے کی بنیاد کیا ہے؟ اور یہ کہ کی میاوی عمل سے وہ بنیاد زائل اور ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پانی پاک ہو جائے گا ورنہ نہیں ہوگا۔

چنانچہ اس سلسلہ میں رقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ جاری و کثیر پانی اور قلیل راکد پانی دونوں کے نجس ہونے کی بنیاد میں فرق ہونے کی وجہ سے دونوں کے حکم میں بھی فرق ہوگا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

جاری و کثیر ناپاک پانی کو کی میاوی عمل سے پاک کرنے کا حکم:

یہ بات تو کتب فقہ میں مصرح ہے کہ جاری پانی کے ناپاک ہونے کی بنیاد اور وجہ نجاست کا صرف قوع اور اس کا اختلاط و امتزاج نہیں ہے، بلکہ اس کی بنیاد یہ ہے کہ پانی میں نجاست گرنے سے تغیر آجائے، نجاست کا اثر وصف یعنی رنگ، بو، مزہ ظاہر ہو جائے۔ ”الفتویٰ فی الماء الجاری أنه لا یتنجس مالم یتغیر طعمه أو لونه أو ریحہ من النجاسة کذا فی المضممرات“ (ہندیہ ۱/۱۷۱)۔ اور ٹھہرے ہوئے کثیر پانی کا بھی یہی حال ہے: ”الماء الراكد إذا کان کثیرا فهو بمنزلة الجاری لا یتنجس جمیعہ بوقوع النجاسة فی طرف منه إلا أن یتغیر لونه أو طعمه أو ریحہ وعلی هذا اتفق العلماء وبہ أخذ

عامۃ المشائخ رحمہم اللہ“ (المحیط المبرہانی ۲۳۱/۱، والہندیہ ۱۸/۱)۔

پس اگر کیمیاوی عمل سے جاری و کثیر پانی پاک پانی کے ناپاک ہونے کی بنیاد زائل اور ختم ہو جائے یعنی اس کا تغیر زائل ہو جائے، نجاست کے اجزاء اس طرح نکل جائیں کہ اس کا کوئی اثر و وصف پانی میں باقی نہ رہے، بدبو دور ہو جائے تو ظاہر ہے کہ وہ ناپاک پانی پاک ہو جائے گا، کیوں کہ جس بنیاد پر وہ ناپاک ہوا تھا وہ بنیاد ختم ہو گئی، اور پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ غیر نجس اہمین اشیاء تجزیہ و ازالہ کی وجہ سے ناپاک ہونے کی بنیاد ختم ہو جانے پر پاک ہو جاتی ہیں، بلکہ اس قسم کے پانی کے متعلق تو فقہاء نے صراحت بھی کی ہے کہ تغیر اوصاف کی بنا پر ناپاک ہونے والا جاری پانی اس وقت پاک ہو جاتا ہے جبکہ اس پانی پر دوسرا پاک پانی بہا کر اس کے تغیر کو زائل کر دیا جائے، محیط برہانی کی مندرجہ ذیل عبارت سے یہ تمام باتیں اچھی طرح واضح ہو رہی ہیں، لکھا ہے: ”يجوز التوضأ بالماء الجاري ولا يحكم بتنجسه بوقوع النجاسة فيه ما لم يتغير طعمه أو لونه أو ريحه وبعد ما تغير أحد هذه الأوصاف وحكم بنجاسته لان حكم بطهارته ما لم يزل ذلك التغير بأن يرد عليه ماء طاهر حتى يزول ذلك التغير وهذا لأن إزالة عين النجاسة عن الماء غير ممكن في مقام زوال ذلك التغير الذي حكم بالنجاسة لأجله مقام زوال عين النجاسة“ (محیط برہانی ۲۳۸/۱)۔

ہندیہ میں ہے: ”الماء الجاري بعد ما تغير أحد أوصافه وحكم بنجاسته لا يحكم بطهارته ما لم يزل ذلك التغير بأن يرد عليه ماء طاهر حتى يزول ذلك التغير“ (ہندیہ ۱۸/۱)۔

حاصل یہ ہے کہ جاری و کثیر پانی جو گندہ اور ناپاک ہو گیا ہو اگر کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کے تغیر اور اوصاف نجاست کو زائل کر دیا جائے تو وہ پانی پاک اور قابل استعمال بن جائے گا، اس سے وضو و غسل کرنا، طہارت حاصل کرنا جائز اور درست ہوگا۔ تاہم چونکہ اس طرح تغیر زائل

ہو جانے اور اوصاف نجاست رنگ، بو اور مزہ ختم ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نجاست کے تمام ہی اجزاء مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہوں ناپاکی اور گندگی کا کوئی جز اس میں باقی نہ رہتا ہو، سارے ہی نقصان وہ جرثیمہ دور ہو جاتے ہوں، اس لئے مناسب اور بہتر یہ ہے کہ مجبوری کے بغیر اس پانی کو کھانے، پینے کے استعمال میں نہ لایا جائے۔

مکہ فقہ اکیڈمی کے گیارہویں سمینار کے فیصلوں میں ہے:

”کیمیائی طریقہ پر پانی کی صفائی..... میں پانی سے نجاست کو چار مرحلوں میں دور کیا جاتا ہے، پہلا مرحلہ ترسیب ہے، یعنی پانی کو اس طرح جمع کرنا کہ اس کی کدورتیں نیچے بیٹھ جائیں، دوسرا مرحلہ اوپر کے پانی کو چھان کر الگ کر لینا، تیسرا مرحلہ بیکٹریا کو مار دینا، اور چوتھا مرحلہ کلورین کے ذریعہ بیکٹریا کو دوبارہ پیدا ہونے سے روک دینا، ان مرحلوں کے بعد پانی کا مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے،..... لہذا مجموعاً یہی طے کرتا ہے کہ جاری پانی کو مذکورہ بالا یا اسی جیسے عمل کے ذریعہ صاف کر دیا جائے اور اس کے رنگ، بو اور مزہ میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جائے گا اور اس پانی سے رفع حدث اور نجاست کا ازالہ اس فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہو جائے گا کہ زیادہ پانی جس میں نجاست گر گئی ہو اگر نجاست کا ازالہ اس طرح ہو جائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جاتا ہے“ (مکہ فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے ص ۲۶۳)۔

بعض دیگر فقہاء کے یہاں بھی تغیر کی بنیاد پر ناپاک ہونے والے پانی کے پاک ہونے کا یہ طریقہ لکھا ہے کہ اس ناپاک متغیر پانی کا تغیر زائل ہو جائے۔ علامہ شیرازی رقمطراز ہیں: ”إذا أريد تطهير الماء النجس نظر فإن كانت نجاسته بالتغير وهو أكثر من قلتين طهر بأن يزول التغير بنفسه أو بأن يضاف إليه ماء آخر أو بأن يؤخذ بعضه، لأن النجاسة بالتغير وقد زال“ (المہذب مع المجموع ۱/۱۸۳)۔

قلیل را کدنا پاک پانی کو کیمیاوی عمل سے پاک کرنے کا حکم:

لیکن اگر ناپاک پانی جاری و کثیر نہ ہو بلکہ قلیل را کد ہو تو اس کے ناپاک ہونے کی بنیاد تغیر اور اوصاف نجاست کا ظہور نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد پانی میں نجاست کا صرف وقوع اور پانی سے اس کا صرف اختلاط و امتزاج ہے، چاہے تغیر ہو یا تغیر نہ ہو، جیسا کہ کتب فقہ میں بصراحت مذکور ہے۔ ”وإذا كان قليلا فهو بمنزلة الحباب والأواني يتنجس بوقوع النجاسة فيه وإن لم يتغير أحد أوصافه“ (محیط برہانی ۱/۲۴۱)۔

”قلیل النجاسة ینجس قلیل الماء وإن لم ینظہر أثره فیہ“ (مرآة الفلاح ص ۲۱)۔ لہذا ایسا ناپاک پانی اس وقت پاک ہوگا جبکہ اس کے ناپاک ہونے کی مذکورہ بالا بنیاد مکمل طور پر ختم ہو جائے، صرف تغیر کو زائل کر دینا کافی نہ ہوگا۔ احقر کا خیال ہے کہ کیمیاوی عمل کے ذریعہ تغیر کو تو پورے طور پر زائل کیا جاسکتا ہے، مگر نجاست کا اختلاط و امتزاج مکمل طور پر زائل ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا، پانی کی رقت و لطافت کی وجہ سے نجاست اس میں اس طرح سرایت اور حلول کئے ہوئے ہوتی ہے کہ نجاست کے تمام ہی اجزاء کا پانی سے ازالہ بظاہر مشکل بلکہ ناممکن ہے، کوئی نہ کوئی جز تو ضرور اس میں باقی رہ جائے گا، محیط برہانی کی تصریح اس سلسلہ میں نہایت واضح ہے، ”لأن إزالة عین النجاسة عن الماء غیر ممکن“ (۱/۲۳۸)۔ لہذا جس طرح معمولی نجاست کے وقوع سے قلیل را کد پانی پاک نہیں رہتا، ناپاک کہلاتا ہے، اسی طرح معمولی نجاست باقی رہنے سے بھی قلیل را کد پانی ناپاک رہے گا، پاک نہیں کہلائے گا؛ کیوں کہ ناپاک ہونے کی بنیاد ختم اور زائل نہیں ہوتی ہے۔

اس بات کی بہت سی نظیریں کتب فقہ میں ملتی ہیں کہ ناپاک کی کا جز باقی رہنے سے چیز ناپاک ہی باقی رہی، پاک نہ ہوئی، مثلاً: فقہاء نے لکھا ہے کہ شراب میں چوہا گر کر پھٹ گیا، اسے نکال دیا گیا، پھر شراب سرکہ بن گیا تو وہ سرکہ پاک نہ ہوگا، وجہ ظاہر ہے کہ چوہے کے پھٹنے کی وجہ

سے نجاست کے اجزاء پھیل کر شراب میں سرایت کر گئے، پھر شراب کے سرکہ بن جانے کے باوجود وہ اجزاء اس میں باقی رہے، چاہے ہمیں محسوس نہ ہو، اس لئے وہ پاک نہ ہوگا۔ ہند یہ میں ہے: ”فارة وقعت فى الخمر ثم استخرجت قبل التفتت ثم صارت خلا لا بأس بأكله وإن تفسخت فى الخمر ثم استخرجت ثم صار الخمر خلا لا يحل أكله“ (ہندیہ ۱/۲۵۱)۔ پس جب شراب جس میں اجزاء نجاست سرایت کر گئے وہ استحالہ (جو تطہیر میں نسبتاً قوی ہے اس) کے باوجود پاک نہ ہو تو پانی جو شراب سے زیادہ رقیق اور لطیف ہے اس میں اجزاء نجاست سرایت کرنے سے تجزیہ و ازالہ (جو تطہیر میں نسبتاً ضعیف ہے اس) کی وجہ سے کیوں کر پاک ہوگا؟ علامہ ^{حصکھی} کی صراحت کے ذیل میں علامہ شامی کی تعلیل و توضیح سے یہ بات اچھی طرح ^{مخ} ہو جاتی ہے، ^{حصکھی} لکھتے ہیں: ”فارة وجدت فى خمر فرمیت فتخلل، إن متفسخة تنجس وإلا لا“۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: ”(قوله: إن متفسخة تنجس) لأنه ينفصل منها أجزاء بسبب الانتفاخ، وانقلاب الخمر خلا لا يوجب انقلاب الأجزاء النجسة ظاهرة، (قوله: وإلا لا) أى لا يتنجس الخل لعدم بقاء شى بعد التخلل والفارة وإن كانت نجسة قبل التخلل مثل الخمر لكن النجس لا يؤثر فى مثله، فإذا ألقيت ثم تخلل الخمر طهر بانقلاب العين بخلاف ما إذا وقعت فى بشر فإنها تنجسه لملاقاتها الماء الطاهر فتؤثر فيه ويجب النزح وإن لم تتفسخ ولا يرد ما إذا تفسخت فى الخمر لما علمت من أن ذلك الأثر بعد التخلل لا ينقلب خلا فيؤثر فى طهارة الخل، فافهم“ (الدرع الرد ۱/۵۲۲)۔

نیز لکھا ہے کہ جس شراب میں پیشاب یا کتے کا لعاب ہو وہ سرکہ بن جانے کے باوجود پاک نہ ہوگا، وجہ وہی ہے جو گزری ”و كذا الكلب إذا ولغ فى غصير ثم تخمر ثم تخلل لا يحل أكله، لأن لعاب الكلب قائم فيه وانه لا يصير خلا كذا فى قاضى

خان و کذا إذا وقع البول في الخمر ثم تخلل هكذا في الخلاصة“ (ہندیہ ۱/۳۵)۔
 غرضیکہ قلیل راکد ناپاک پانی کی میاوی عمل سے پاک نہیں ہوگا، کیوں کہ ناپاک ہونے
 کی بنیاد زائل نہیں ہوتی، یہی حکم ناپاک کنویں کا بھی ہے، اس کی ایک وجہ تو وہی ہے جو اوپر گزری،
 دوسری بات یہ ہے کہ کنواں پاک کرنے کے لئے پانی نکالنے کی جو مقدماتیں ذکر کی گئی ہیں ان کا
 تعلق عقل و قیاس سے نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد اتباع آثار و روایات ہے جو غیر مدرک بالقیاس
 ہیں، اعلم أن مسائل الآبار مبنیة علی اتباع الآثار“ (کبیری، ص ۱۳۷)، ”ماعلینا لو
 أمرنا بنزح بعض الدلاء ولا نخالف السلف إلا أنا ترکنا القیاسین الظاہرین
 بالخبر والأثر وضرب من الفقه الخفی“ (بدائع ۱/۲۲۳) ”وما علینا أن ننزح منها
 دلاء أخذاً بالآثار ومن الطریق أن یكون الإنسان فی ید النبی ﷺ وأصحابه
 رضی اللہ عنہم کالأعمی فی ید القاندا“ (رد المحتار عن فتح ۱/۳۶۶)۔ پس کی میاوی عمل مقررہ
 مقادیر کے قائم مقام نہ ہوگا؛ اس لئے ناپاک کنویں کا پانی اس عمل سے پاک نہ ہوگا۔

مکہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے کے حوالہ سے کی میاوی عمل تطہیر کے طریقہ کی جو تفصیل اوپر ذکر
 کی گئی ہے اس میں بھی غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس طریقہ تطہیر سے تغیر اور ظہور اوصاف کو
 تو ختم کیا جاسکتا ہے مگر اجزاء نجاست مکمل طور پر علیحدہ ہو جائیں ایسا نہیں ہو سکتا، شاید یہی وجہ ہے
 کہ اس فیصلے میں ایک تو نجاست کے آثار و اوصاف کو بنیاد بنایا گیا ہے، دوسرے یہ کہ ماء جاری
 کی قید لگائی گئی ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس طریقہ تطہیر سے ماء جاری اور جو بکلم
 جاری ہے وہ تو پاک ہو سکتا ہے، ماء قلیل راکد پاک نہیں ہو سکتا۔

تنبیہات:

(۱) کی میاوی عمل کے ذریعہ قلیل راکد ناپاک پانی کے پاک ہونے کے لئے دباغت،
 ذبح شرعی اور احراق رأس الشاہ وغیرہ فقہی تصریحات و جزئیات سے استدلال کرنا درست نہ

ہوگا، کیوں کہ چہرہ اور راس الشاة وغیرہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ جو اجزاء نجاست گئے ہیں ان کو ان چیزوں سے اس طرح ممتاز، علیحدہ اور زائل کرنا ممکن ہے کہ نجاست کا کوئی جز بھی ان کے ساتھ باقی نہ رہے، جس کی وجہ سے ناپاکی کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے اور یہ چیزیں پاک ہو جاتی ہیں، احراق راس الشاة کے مسئلہ میں علامہ شامی کی تغلیل سے یہ بات واضح ہو رہی ہے:

”راس شاة متلطخ بدم أحرق رأسه و زال عنه الدم فاتخذ منه مرقه جاز استعمالها والحرق كالغسل وقدمنا أنه من المطهرات“ کے تحت لکھتے ہیں: (قولہ: الحرق الغسل) لأن النار تاكل ما فيه من النجاسة حتى لا يبقى فيه شيء أو تحليله فيصير الدم رماداً فيطهر بالاستحالة“ (مئذی: ۱۰/۵۸، مسائل ثقی) غور کیجئے! اس عبارت میں یہ مذکور ہے کہ بکری کا سر جلانے کی وجہ سے پاک ہونے کی وجہ یا تو نجاست کا استحاله ہے یا پھر اس طرح کا تجزیہ و ازالہ ہے کہ ”لا یبقی فیہ شیء“ کہ ذرہ برابر نجاست باقی نہیں رہتی، اسی وجہ سے یہ چیز پاک ہو جاتی ہے، معلوم ہوا کہ ازالہ اس طرح ہونا چاہئے کہ لایبقی فیہ شیء، اور ایسا ازالہ مذکورہ بالا چیزوں میں ہو بھی جاتا ہے، لہذا وہ پاک ہو جاتی ہیں، جبکہ پانی کی حالت ایسی ہے کہ اس سے نجاست کے تمام اجزاء کو اس طرح ممتاز، علیحدہ اور زائل نہیں کیا جاسکتا کہ نجاست کا کوئی جز اس میں باقی نہ رہے، جس کی وجہ سے ناپاکی کی بنیاد مکمل زائل نہیں ہوتی، لہذا وہ پاک نہیں ہوگا۔

(۲) اسی طرح فقہاء نے ناپاک گھی، تیل، دودھ اور شہد وغیرہ کو پاک کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے اس سے بھی ماہ قلیل را کد کی تطہیر کے لئے استدلال کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، وہ طریقہ یہ ہے: ”یطهر لبن وعسل ولبس ودهن یغلی ثلاثا، وفي الرد: (قولہ: یطهر لبن وعسل الخ) قال فی الدرر: ولوتنجس العسل فتطهیره أن یصیب فیہ ماء بقدره فیغلی حتی یعود إلى مكانه والدهن یصب علیہ الماء فیغلی فیعلو الدهن

الماء فيرفع بشئ هكذا ثلاث مرات“ (درورد ۱/ ۵۳۳)۔ کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ میں ہے: ”وأما المانعات المتنجسة كالزيت والسمن فانها تطهر بصب الماء عليها ودفعه عنها ثلاثا أو توضع في إناء مثقوب ثم يصب عليه الماء فيعلو الدهن ويحركه ثم يفتح الثقب إلى أن يذهب الماء وهكذا إذا كان مانعا فإن كان جامدا يقطع منه المتنجس وي طرح ويظهر العسل بصب الماء عليه وغليه حتى يعود كما كان - ثلاثا“ (۱/ ۲۳)۔

استدلال درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں میں اور پانی میں بڑا فرق ہے، ان چیزوں میں چکناہٹ ہوتی ہے، اور پانی جیسی رقت و لطافت نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے ان میں نجاست کے اجزاء اس طرح سرایت نہیں کرتے جس طرح پانی میں کرتے ہیں، پس مذکورہ طریقہ سے پانی استعمال کر کے ان چیزوں سے اجزاء نجاست کو مکمل طور پر زائل اور علیحدہ کیا جاسکتا ہے، لہذا وہ چیزیں پاک ہو جائیں گی، جبکہ پانی ان چیزوں سے قدرے مختلف ہے، اس میں رقت و لطافت ہے، چکناہٹ نہیں ہوتی ہے، اس لئے پانی سے اجزاء نجاست کو مکمل طور پر ممتاز اور علیحدہ نہیں کیا جاسکتا پس وہ پاک نہ ہوگا۔ شاید اسی وجہ سے گھی، تیل وغیرہ کو پاک کرنے کا فقہاء نے یہ طریقہ ذکر کیا ہے مگر ناپاک پانی سے اجزاء نجاست کو مکمل طور پر زائل کر دینے کا ایسا یا اور کوئی طریقہ ذکر نہیں کیا ہے۔

بہر حال قلیل راکد پانی جو وقوع نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو گیا ہو، وہ کیمیائی عمل سے پاک نہ ہوگا۔ البتہ ایسے پانی کو پاک کرنے کی یہ چند صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) ایسے پاک جاری یا کثیر پانی میں اس کو ڈال دیا جائے جس میں اس کی نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو۔

(ب) پاک پانی اس کے ساتھ ملا کر اسے جاری کر دیا جائے، بشرطیکہ اس میں نجاست

کا اثر ظاہر نہ ہو۔

(ج) ناپاک کثیر و جاری پانی میں ڈال کر اس کثیر و جاری پانی میں کیمیاوی عمل کیا

جائے۔

فقہی عبارات و تصریحات حسب ذیل ہیں:

محیط برہانی میں ہے:

”لأن الماء النجس يطهر بالاختلاط بالماء الطاهر، ألا ترى أن الماء الراكد في النهر إذا تنجس فنزل من أعلاه ماء طاهر أو أجراه وسيله فإنه يطهر وإنما يطهر باختلاطه بالماء الطاهر وورود الماء الطاهر عليه“ (محیط برہانی، ۲۳۳)۔

کبیری میں ہے:

ولو كان في النهر ماء راکد فتنجس ذلك الماء الراكد ونزل من أعلاه ماء طاهر وأجراه أي أجرى الماء والنازل من أعلى النهر ذلك الماء الراكد وسيله فإنه أي الماء الراكد يطهر بغلبة الماء الجاري عليه ولو توضع إنسان منه جاز إذا لم ير لها أي إذا لم يدرك للنجاسة التي قد تنجس بها الماء الراكد أثر من الأوصاف الثلاثة، لأن ذلك هو حكم الماء الجاري كما تقدم“ (کبیری شرح صیۃ المسلمین ص ۸۲)۔

شامی میں ہے:

”قوله: بمجرد جریانه) أي بأن يدخل من جانب ويخرج من آخر حال دخوله وإن قل الخارج (قوله: وكذا البئر وحوض الحمام) أي يطهران من النجاسة بمجرد الجريان وكذا ما في حكمه من الغرف المتمازك كما مر وبقي شيء آخر سئلت عنه وهو أن دلوا تنجس فأفرغ فيه رجل ماء حتى امتلأ وسال من جوانبه، هل يطهر بمجرد ذلك أم لا؟ والذي يظهر لي

الطهارة، أخذاً مما ذكرناه هنا ومما مر أنه لا يشترط أن يكون الجريان بمدد
وما يقال: إنه لا يعد في العرف جارياً ممنوع.....“ (ثامی ۱/۳۲۵-۳۲۶، نیز دیکھئے: الفقہ
علی البراہم الاربعہ ۱/۲۳، احسن الفتاویٰ ۲/۴۷۲)۔

خلاصہ جواب:

مذکورہ بالا تفصیل و تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ:

(الف) کثیر و جاری پانی جو آلودہ اور ناپاک ہو گیا ہو، کیمیائی عمل کے ذریعہ بدبو اور
آلودگی دور کر کے اس کی اس طرح صفائی کر دی جائے کہ نجاست کے اوصاف و اثرات زائل
ہو جائیں تو وہ پانی پاک اور قابل استعمال بن جائے گا، اس سے وضو و غسل وغیرہ ہر طرح کی
طہارت حاصل کرنا جائز اور درست ہوگا۔ البتہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ مجبوری نہ ہو تو کھانے
پینے کے استعمال میں اس کو نہ لایا جائے۔

(ب) تلیل راکد پانی کیمیائی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو اور آلودگی دور ہونے کے
باوجود پاک نہ ہوگا۔ البتہ اس کو پاک کرنے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پاک جاری یا کثیر پانی میں
اس کو ڈال دیا جائے، یا پھر پاک پانی اس کے ساتھ ملا کر اس کو جاری اور بہتا کر دیا جائے، یا پھر یہ
کہ کثیر یا جاری ناپاک پانی میں اس کو ڈال کر تمام پانی کو کیمیائی عمل سے پاک کیا جائے۔

۵- پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانا درست ہے؟

اسلامی شریعت میں جب کسی شخص کو کسی چیز پر ملکیت حاصل ہو جائے تو پھر اس کی
اجازت کے بغیر اور اس کی مرضی کے خلاف نہ کوئی شخص اس میں کسی قسم کا تصرف کر سکتا ہے اور نہ
ہی حکومت، اس میں مداخلت کا حق نہ تو کسی شخص کو ہے اور نہ ہی حکومت کو، البتہ ایسی ملکیت میں

تصرف کرنے میں کچھ پابندیاں جیسے اس وقت لگائی جاسکتی ہیں جب وہ فضول خرچی میں ضائع کر رہا ہو یا اس میں سلیقہ سے خرچ کرنے کی صلاحیت نہ ہو، اسی طرح پابندیاں اس وقت بھی لگائی جاسکتی ہیں جبکہ اس کے تصرف سے کسی دوسرے شخص کا یا معاشرہ کا معتد بہ نقصان ہو رہا ہو۔

”لا یمنع أحد من التصرف فی ملکہ مالہ یکن فیہ ضرر فاحش للغير“ (درر الحکام ۲۳۰/۱۰)۔ ”أما إذا كان فی تصرفه ضرر فاحش للغير فیمنع فی ذلك الحال“ (درر الحکام مشرح مجلۃ الاحکام ۲۱۵/۱۰)۔ فقہی ضابطہ ”الضرر لا یكون قديما“ کے تحت علامہ احمد الزرقاء لکھتے ہیں: ”الضرر قسمان، عام وخاص، أما العام فانه یزال مطلقا بلا تفصیل فیہ بین الفاحش وغير الفاحش، لأن كونه عاما یكفی لاعتباره فاحشا وأما الخاص فهو نوعان فاحش وغير فاحش، فالفاحش یزال كما یزال الضرر العام ولا عبرة لقدمه وأما الضرر الغير الفاحش فإذا كان من القلمیم يعتبر قدمه ویراعی ولا یجوز تغییره أو تبلیله بغير رضا صاحب الحق كما تقدم مفصلا فی شرح القاعدة السابقة، لأنه یمكن حينئذ أن یكون مستحقا یوجه من الوجوه الشرعیة“ (شرح القواعد الفقهیة ص ۱۰۱-۱۰۲)۔

لہذا حکومت کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانا اس وقت درست ہوگا جبکہ:

(الف) واقعہ پانی کی قلت ہو جس سے عام ضرر لازم آ رہا ہو اور اس پابندی سے پانی کی قلت کی تکلیف کم یا ختم ہوتی ہو۔

(ب) اس استعمال کا تعلق انسان کی اپنی واقعی ضرورت سے نہ ہو، ضرورت سے

زائد ہو۔

(ج) اس استعمال کا تعلق کسی شرعی عمل سے نہ ہو۔

ان شرائط کے پائے جانے کی صورت میں حکومت کا پابندی لگانا درست ہے، اور اس

کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے۔ بصورت دیگر نہ تو پابندی لگانا درست ہے اور نہ ہی اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔

اس کی نظیر تسعیر یعنی قیمتوں پر کنٹرول اور نرخ اشیاء کی تعیین ہے، کہ اصل یہ ہے کہ چیز کا مالک ہو جانے کے بعد آدمی اپنی مملوکہ چیز کو جس قیمت سے چاہے فروخت کرے، اس کی شرعاً اجازت ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں تسعیر کو ناپسند کیا گیا ہے، تاہم اگر بھاری بہت چڑھ جائیں اور ضرر عام لازم آئے تو اشیاء ضروریہ کی خریداری کو آسان بنانے اور مناسب و معتدل قیمت قائم رکھنے کے لئے قیمتوں پر کنٹرول کرنا اور اشیاء کا نرخ متعین کرنا حکومت کے لئے درست ہے، در مختار میں ہے: ”ولا یسعر حاکم إلا إذا تعدی الأرباب عن القيمة تعدياً فاحشاً بمشورة أهل الرأي قلت وأفاد أن التسعیر فی القوتین لا غیر وبه صرح العتابی وغیره لکنه إذا تعدی أرباب غیر القوتین وظلموا علی العامة فیسعر علیهم الحاکم بناء علی ما قال ابو یوسف: ینبغی أن یجوز ذکره القهستانی، فإن أبا یوسف یعتبر حقیقة الضرر كما تقرّر فتدبر، وفي رد المحتار، (قوله: فیسعر الخ) ای لا بأس بالتسعیر حیثئذ كما فی الهمایة (قوله: ولا یسعر حاکم) ای یکره ذلك (قوله: تعدياً فاحشاً) بینه الزیلعی وغیره بالبیع بضعب القيمة، (قوله: فیسعر الخ) ای لا بأس بالتسعیر حیثئذ كما فی الهمایة (قوله: بناء علی ما قال ابو یوسف) تقدم أن الإمام یری الحجر إذا عم الضرر كما فی المفتی الماجن والمکاری المفلس والطیب الجاهل، وهذه قضية عامة فتدخل مسألتنا فيه، لأن التسعیر حجر معنی، لانه منع عن البیع بزیادة فاحشة وعلیه فلا یكون مبني علی قول أبي یوسف فقط کذا ظهر لی فتأمل“ (الدرع الزهر، ۵۴۳-۵۴۵)۔

پس بوقت ضرورت حدیث نبوی: "لا ضرر ولا ضرار" (ابن ماجہ عن ابن عباس، کتاب الاحکام باب ۷، من بنی فی حق) اور ضابطہ فقہی: "الضرر یزال" (شرح القواعد الفقہیہ ص ۱۷۹) سے جس طرح تعبیر یعنی قیمتوں کے اعتبار سے پابندی لگانا درست ہے اسی طرح پانی کے بعض غیر ضروری بلکہ مضر عام استعمالات پر پابندی لگانا درست ہے، ضرر عام کے لئے ضرر خاص برداشت کیا جاسکتا ہے، وہ ایون ہے، "رفع الضرر عن العامة أولى من رفع الضرر عن الواحد" (ہندیہ ۳۹۵/۵)۔

فقہی ضابطہ ہے: "یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام" (شرح القواعد الفقہیہ ص ۷۹)۔ اس کے تحت علامہ احمد زرقاء لکھتے ہیں: "منه جواز التسعیر إذا تعدی أرباب القوت فی بیعه بالغبن الفاحش" (ص ۱۹۸)۔

۶- زیر زمین پانی کس کا مملوک ہے؟ مملوک زمین میں بورنگ کرنے سے روکنا درست ہے؟

انسان کی مملوک زمین کے اندر جو پانی پایا جاتا ہے وہ نہ اس انسان کی ملکیت ہے اور نہ حکومت کی، کیوں کہ پانی ان چیزوں میں سے ہے جو مباح الاصل ہیں اور جن پر احراز کے بغیر کسی کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، یہاں نہ مالک زمین کی طرف سے احراز پایا گیا ہے اور نہ ہی حکومت کی طرف سے، اس لئے یہ پانی کسی کا مملوک نہیں، ہر ایک کو زیر زمین سے استفادہ کا پورا حق حاصل ہے۔

درمختار میں ہے:

"الماء تحت الأرض لا یملک" (درمخ الرد ۹/۱۰)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ کنواں کھودنے سے جو پانی کنویں میں آیا ہے جب تک اس کا احراز نہ ہو تب تک کنویں والا اس پانی کا مالک نہیں ہوتا۔ پس جو پانی ابھی تو زیر زمین ہے، کھود کر

اسے نکالنا بھی نہیں گیا ہے اس پانی کا مالک بدرجہ اولیٰ نہ صاحب زمین ہوگا اور نہ حکومت، شامی میں ہے: "الماء فی البئر غیر مملوک" (۱۳/۱۰)، ایک مقام پر ہے: "قال الرملى: إن صاحب البئر لا يملك الماء وهما مادام فی البئر أما إذا أخرج منه بالاحتیال كما فی السوانی، فلا شك فی ملكه له لحیازته له فی الكیزان ثم صبہ فی البرك بعد حیازته" (۲۵۸/۷)، اعلاء السنن میں ہے: "الحافر لا دخل له فی وجود الماء وإنما الماء كان مستورا تحت الأرض فأظهر بالحفر ورفع الستر عن الشئ ليس باحراز فلا يكون مالكا بالحفر" (۱۸۸/۱۳)۔

بلکہ فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کنویں سے ڈول بھر کر جب تک اس بھری ڈول کو کنویں کے سرے اور کنارے سے الگ نہ کر لیا جائے تب تک آدمی اس پانی کا مالک نہ ہوگا۔ اس سے واضح ہے کہ زیر زمین پانی کا تو بدرجہ اولیٰ کوئی مالک نہ ہوگا۔ شامی میں ہے: "وانما عبر بالاحراز ای لا الأخذ إشارة إلى أنه لو ملأ الدلو من البئر ولم يبعده من رأسها لم يملكه عند الشيخين، إذا الإحراز جعل الشئ فی موضع حصین" (۱۳/۱۰)، ہندیہ میں ہے: "الساقی من البئر لا يملك بنفس ملأ الدلو حتى ينحیه عن رأس البئر كما فی القنیة" (۳۹۲/۵)۔

بہر حال زیر زمین پانی کسی کی ملکیت نہیں، ہر ایک کو اس پانی سے استفادہ کا پورا حق حاصل ہے۔ زمین انسان کی ملکیت ہے، اپنی ملک میں تصرف کرنے سے کسی کو روکا نہیں جاسکتا، جب تک کہ اس تصرف سے دوسرے کو ضرر فاحش لاحق نہ ہوتا ہو، جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے، لہذا مملوک زمین میں بورنگ کرانے سے حکومت کا منع کرنا درست نہیں ہے، بالخصوص جبکہ انسان کی اپنی ضرورت اس سے متعلق ہو تب تو ممانعت کا کوئی جواز نہیں، اور اس امتناعی حکم کی تعمیل شرعاً واجب نہیں ہے۔

فقہاء نے ایک جزئیہ ذکر کیا ہے کہ مثلاً زید نے اپنی مملوک زمین میں کنواں کھودا، پھر بکر نے اپنی مملوک زمین میں کنواں کھودا، جس کی وجہ سے زید کے کنویں کا پانی جذب ہو کر ختم ہو گیا، تو اس صورت میں زید بکر کو کنواں کھودنے سے یہ کہہ کر منع نہیں کر سکتا کہ تیرے کنواں کھودنے سے میرے کنویں کا پانی ختم ہو گیا، کیوں کہ بکر اپنی زمین میں تصرف کرتا اور کنواں کھود رہا ہے، اور اپنی زمین میں تصرف کرنے کا ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ اس جزئیہ سے واضح ہو رہا ہے کہ جب وقعت پانی ختم ہو جائے تب بھی صاحب زمین کو اپنی مملوک زمین میں تصرف کرنے اور کنواں کھودنے سے روکا نہیں جاسکتا، تو پھر پانی کی سطح نیچے چلی جانے کے وہم یا خطرہ سے تو اپنی ملک میں تصرف کرنے اور مملوک زمین میں بورنگ کرنے سے بدرجہ اولیٰ نہیں روکا جاسکتا، لہذا نہ مملوک زمین میں بورنگ کرنے سے حکومت کا منع کرنا درست ہے اور نہ ہی اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہے۔

درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

”المیاء الجاریة تحت الأرض لبست بملک لأحد، لأنها مباحة
ولکل واحد من الناس أخذ هذه المیاء والانتفاع منها ویتفرع عن ذلك
مسائل: لو حفر أحد بئراً فی ملکة وأخرج ماءها ثم حفر آخر بئراً فی ملکة فی
قرب تلک البئر فجذب ماء البئر الأولى فلیس لصاحب البئر الأولى منعه،
لأن ذلك الشخص لا یعتبر متعدياً لتصرفه فی ملکة كما أن المیاء التي تحت
الأرض لیس بملک أحد“ (۲۶۵/۱۰)۔

ایک مقام پر ہے:

”لیس لبئر حفرها شخص فی ملکة حریم فی ملک آخر، فکذلك
لجاره ایضا أن یحفر بئراً أخرى فی ملک نفسه قرب تلک البئر، ولیس
لذلك الشخص منع جاره من حفر البئر فی ملکة بقوله: إنها تجذب ماء بئرہ،
كما أنه لیس له أن یتداخل فی ماء بئر جاره الجدید“ (۳۱۱/۱۰)۔

۷۔ پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری یا افراد کی؟

پانی کی ذخیرہ اندوزی کی ذمہ داری اصلاً حکومت کی ہے نہ کہ افراد و اشخاص کی، تاہم اگر حکومت کسی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکتی تو افراد و اشخاص کو بھی حسب استطاعت اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ نبر اعظم کی اصلاح و درستگی حکومت جو مصالح عامہ کی ذمہ دار ہے، اس کی ذمہ داری ہے، حکومت بیت المال سے یہ کام انجام دے گی، لیکن اگر بیت المال میں گنجائش نہ ہو تو پھر پبلک سے حسب استطاعت یہ کام لے گی۔

درالحکام میں ہے:

”کری النهر الغير المملوک الغير الداخِل فی المقاسم کنهر النيل والقرات واصلاح مسناته ای تطهيره على بيت المال، لأن كرى النهر المذكور واصلاحه هو لحفظ المصلحة العامة لنلا يخرج عن مجراه القديم وتخرب القرى والمزارع، كما أن مال بيت المال هو معد للمصالح العامة، فلزمت مؤونة كرىه على بيت المال ويجب القيام بهذه المؤونة من واردات بيت المال من قسم الخراج والجزية وليس من قسم العشور والصدقات، لأن الثانى للفقراء والأول للنواب، وإن لم يكن سعة فى بيت المال وامتنع الناس عن تطهيره بطيب أنفسهم فيجبر الناس على تطهيره، لأن فى ترك الكرى ضرا عظيما على الناس كما بين آفء، وإنفاق العوام باختيارهم على المنافع والمصالح نادر، فلولى الأمر الناظر على منافع ومصالح العامة أن يجبرهم على ذلك وقد قال أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى نظير ذلك: ”لو تركتم لبعتم أولادكم“ فإذا أجبر الناس على التطهير على هذا الوجه فيجبر من كان قادرا على العمل بالاشتغال بنفسه ويجبر الأغنياء الغير القادرين على

العمل على دفع نفقة العاملين، كما يفعله في تجهيز الجيوش، فانه يخرج من كان يطيق القتال وتجعل مؤونتهم على الأغنياء“ (۳۳۹/۱۰)۔

مکان کے پورے حصہ کا مالک صاحب مکان ہے، کسی کی ملکیت میں بلا اجازت و رضامندی نہ تصرف کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کے تصرف پر مجبور کرنا درست ہے۔ البتہ دو صورتیں اس حکم عام سے مستثنیٰ ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ کسی کی ملکیت میں تصرف کرنے کی ضرورت اور مجبوری ہو، تو اس کی رضامندی کے بغیر بھی اس کو تصرف کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ ”لا يجوز التصرف في ملك الغير بدون إذنه سواء كان هذا التصرف مضرا بصاحب الملك أو غير مضر مالم يوجد ضرورة في التصرف بملك الغير“ (درر الحکام ۲۱۰/۲۱۱)۔ ”لکل أن يتصرف في ملكه باختياره وأنه لا يجبر أحد من قبل أحد على التصرف في ملكه إلا أنه إذا وجدت ضرورة على الإجماع على التصرف فيجوز الإجماع كما هو الحال في هذه المادة، لأن الضرورات تبيح المحظورات“ (درر الحکام ۲۱۰/۳۳۸)۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ حکومت رعایا کے متعلق ایسا کام کرے جس میں رعایا کا واقعی نفع ہو، وہ کام مضریا بے فائدہ نہ ہو۔ تو اس صورت میں رعایا کی رضامندی کے بغیر بھی حکومت کو ایسا تصرف کرنے کا حق و اختیار ہے، لیکن اگر وہ کام مضریا بے فائدہ ہو تو پھر حکومت اس کی مجاز نہیں ہے۔

فقہی ضابطہ ہے: ”التصرف على الرعية منوط بالمصلحة“ (شرح القواعد ص ۳۰۹ بجایہ الاحکام ۵۱/۱)۔

علامہ احمد الزرقاء اس ضابطہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”أى إن نفاذ تصرف الراعى على الرعية ولزومه عليهم شأؤوا أو أبوا معلق ومتوقف على وجود الثمرة والمنفعة فى ضمن تصرفه، دينية كانت أو

دنیویہ، فإن تضمن متفعة ما وجب علیہم تنفیذہ وإلا رد، لأن الراعی ناظر وتصرفہ حیثیاً متردد بین الضرر والعبث وكلاهما لیس من النظر فی شیء، والمراد بالراعی كل من ولی أمر من أمور العامة، عاماً كان كالسلطان الأعظم أو خاصاً كمن دونہ من العمال، فإن نفاذ تصرفات كل منهم علی العامة مترتب علی وجود المنفعة فی ضمنها لأنه مأمور من قبل الشارع ﷺ أن يحوطهم بالنصح ومتوعد من قبله علی ترك ذلك بأعظم وعید ولفظ الحدیث أو معناه: "من ولی من أمور هذه الأمة عملاً فلم يحطها بنصح لم یرح رائحة الجنة" (شرح القواعد الفقهية ص ۳۰۹)۔

در احکام شرح مجلہ الاحکام میں اس ضابطہ کے تحت لکھا ہے:

"إن تصرف الراعی فی أمور الرعية يجب أن يكون مبنيًا علی المصلحة ومالم يكن كذلك لا يكون صحيحًا والرعية هنا هي عموم الناس الذين هم تحت ولاية الولی والحاصل يجب أن يكون تصرف السلطان والقاضی والوالی والوصی والمتولی والولی مقرونًا بالمصلحة وإلا فهو غير صحيح ولا جائز" (۵۱/۱-۵۲)۔

ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھا ہے:

"ولیس لوال أو قاض أن يأذن بأخذ المياه من النهر إذا كان أخذ الماء منه مضرًا بالعامة" (۲۸۵/۱۰۱)۔

نیز لکھا ہے: "ولیس للوالی أو القاضی أن یمنح أحداً لیس له حق الشرب حق الشرب فی الأنهار المملوكة سواء كان ذلك مضرًا أو غير مضر" (۲۸۶/۱۰)۔

فقاوی ہندیہ میں ایک مسئلہ کی علت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”لأن للسلطان ولاية النظر دون الاضرار بالعامّة“ (ہندیہ ۳۰۶/۵)۔

لسان احکام میں ہے:

”ليس لأحد نصب الطاحونة ولا غيرها على الأنهار المشتركة لأقوام

مخصوصين وليس للسلطان أن يأذن لهم بذلك وإن أذن لم يعتبر إذنه“ (ص

۳۰۳، وکذا فی البزازی علی الہندیہ ۱۱۵/۶)۔

مذکورہ بالا تفصیل و تمہید سے صورت مسئلہ کا حکم واضح ہو رہا ہے کہ اصلاً تو صاحب مکان

کی رضامندی کے بغیر مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنے کا حکم دینے کا

حکومت کو حق نہیں ہے، اور نہ ہی ایسے حکم کی تعمیل شرعاً واجب ہے، ”لو أن رجلاً احتفر بئراً أو

نهرًا أو قناة في أرض لرجل بغير إذنه فله أن يمنعه من ذلك وأن يأخذه بظم ما

أحدث من الحفر في أرضه“ (کتاب الخراج ۱۰۰)۔ البتہ اگر اس طرح کرنے کی واقعی

ضرورت ہو یا واقعتاً اس میں شہریوں کا فائدہ ہو تو حکومت کو ایسا حکم دینے اور اس کو لازم قرار دینے

کا حق ہے، اور اس کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی۔

۸- ڈیم تعمیر کرنے کے لئے آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا:

امام و سلطان کو ایسا کام کرنے کا حق و اختیار ہوتا ہے جس میں وقعتاً عام لوگوں کی

مصلحت و منفعت ہو جیسا کہ تفصیل سے گزرا، البتہ امام کو چاہئے کہ یہ کوشش کرے کہ اس میں کسی

کو ضرر اور نقصان نہ پہنچے، شامی میں ہے: ”إذ له التصرف في حق الكافة فيما فيه

نظر المسلمين فإذا رأى ذلك مصلحة لهم كان له أن يفعله من غير أن يلحق

ضراً بأحد“ (۴۷۲/۱۰)۔ تاہم بوقت ضرورت ضرر عام کے مقابلہ میں ضرر خاص کو

برداشت کیا جاسکتا ہے۔ ”يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام“ (شرح القواعد ۱۹۷)،

نیز ضرورت کے موقع پر کسی کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ پس صورت مسئولہ میں جب ڈیم تعمیر کرنے کی ضرورت ہے، اس میں اجتماعی مصلحت و منفعت ہے تو اس مقصد کے لئے آبادی کو وہاں سے منتقل کرنا اور اسے انتقال مکانی پر مجبور کرنا درست ہے، بالخصوص جبکہ آبادی والوں کو متبادل زمین فراہم کی جائے تاکہ ان کا بھی کوئی حرج و ضرر نہ ہو۔

اس کی نظیر فقہاء کا ذکر کردہ یہ مسئلہ ہے کہ منافع عامہ مثلاً عام راستہ یا گزرگاہ آب کی توسیع، مسجد کی کشادگی وغیرہ کے لئے بوقت ضرورت صاحب زمین کی رضامندی کے بغیر بھی امام و سلطان کی اجازت سے مناسب قیمت دے کر زمین مالک کے پاس سے لی جاسکتی ہے۔ مجلۃ الاحکام میں ہے: ”یؤخذ لدى الحاجة ملك أى أحد بقيمته بأمر السلطان ويلحق بالطريق ولكن لا يؤخذ ملكه من يده مالم يؤد له الثمن“۔

شرح میں ہے: يستملك ملك أى أحد بقيمته الحقيقية للمنافع العمومية كالطريق والمسجد ومسيل الماء ولو لم يرض صاحبه ببيعه فلذلك يؤخذ لدى الحاجة. أى إذا كان الطريق ضيقاً ومست الحاجة إلى توسيعه - ملك أى أحد بقيمته بأمر السلطان ولو لم يرض صاحبه ويلحق بالطريق، فلذلك لو كان مسجد ضيق وغير كاف لاستيعاب المصلين وكان لأحد ملك متصل بذلك المسجد ووجدت حاجة للاحاق قسم من تلك الدار للجامع وتعنت صاحب الدار عن بيع ذلك المقدار من ملكه فلا ينظر لرضائه ويؤخذ المقدار اللازم للجامع وحریم الجامع بقيمته جبراً وكرهاً ويوسع الجامع وقد وسع الامام عمر والصحابة رضوان الله عليهم المسجد النبوى على هذا الوجه وكذلك يؤخذ محل مرور المياه بقيمته ولو لم يرض صاحبه

..... ولكن لا يجوز أخذ ملك أحد بدون رضائه مالم يثبت لزومه للمنافع العامة“ (دررالحکما شرح مجلۃ الاحکام ۱۰/۲۳۵)۔

۹- خود کو نقصان سے بچانے کے لئے پانی کا باندھ کاٹ دینا:

ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں اپنے کو نقصان سے بچانے کے لئے دوسروں کو نقصان میں ڈالنا ہے، اور اپنے کو نقصان سے بچانے کے لئے دوسروں کو نقصان میں ڈالنا شرعاً جائز اور درست نہیں ہے، اسلامی شریعت کا ضابطہ ہے: ”لا ضرر ولا ضرار“، کتب فقہ میں اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں، جن میں اس طرح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔
محیط برہانی میں ہے:

”فی فتاویٰ ابي الليث: نهر عظيم لأهل قرية يتشعب منه نهران وعلی کل واحد من النهرین طاحونة فخرت إحدى الطاحونتين فأراد صاحبها أن يرسل الماء كله فی النهر الآخر الذی علیہ الطاحونة الأخری حتی یعمر طاحونته وذلك یضر بالطاحونة الأخری لم یکن له ذلك، لأنه یرید دفع الضرر عن نفسه بالاضرار بغيره“ (۷۹/۹۱)۔

ہندیہ میں ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

”وإن كان بضر بالعامۃ فلیس له ذلك، لأن دفع الضرر عنهم واجب وذلك بأن یمیل الماء إلى هذا الجانب إذا انكسرت ضفته فتفرق القرى والأراضی“ (۳۹۱/۵)۔

لہذا غرق کے قریب بہتی والوں کا باندھ کو کاٹ دینا جس سے پانی آگے بڑھ کر دوسری بہتی کے غرق ہونے کا خطرہ ہو، جائز نہ ہوگا۔

۱۰- آبی وسائل عامہ سے کس حد تک استفادہ افراد و اشخاص کے لئے جائز ہے؟
اس سلسلہ میں تفصیل ہے جو حسب ذیل ہے:

(الف) بڑی ندیوں اور دریاؤں کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے، اس لئے تمام لوگوں کو اس سے ہر طرح استفادہ کا حق حاصل ہے، کسی خاص فرد کو اس میں خصوصی اور امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہے، تمام لوگ اس سے ”حفتہ“ یعنی ہر انسانی و حیوانی ضرورت کا پانی لے سکتے ہیں، جیسے: پینا، پکانا، وضو و غسل کرنا، کپڑے دھونا، جانوروں کو پلانا وغیرہ، اسی طرح اپنے کھیتوں اور باغات کو بھی اس سے سیراب کر سکتے ہیں، اپنے گھر اور کھیت کی طرف پانی پہنچانے کی مالی بھی بنوا سکتے ہیں، البتہ احراز معنی برتن وغیرہ میں محفوظ کئے بغیر اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”المیاء أنواع: الأول ماء البحر وهو عام لجميع الخلق الانتفاع به بالشفة وسقى الأرض وشق الأنهار حتى أن من أراد أن يكرى تهرأ إلى أرضه لم يمنع من ذلك والانتفاع بماء البحر كالانتفاع بالشمس والقمر والهواء فلا يمنع من الانتفاع به على أي وجه شاء“ (ہندیہ ۳۹۰/۵-۳۹۱، وکذا فی الثانی ۱۰/۱۲)۔

درمختار میں ہے: ”الشفة شرب بنی آدم والبہائم بالشفاه“۔

اور رد المحتار میں ہے: (قولہ: بالشفاه) هذا أصله والمراد استعمال بنی آدم لدفع العطش أو للطبخ أو الوضوء أو الغسل أو غسل الثياب ونحوها كما في المبسوط والمراد به في حق البهائم الاستعمال للعطش ونحوه مما يناسبها“ (در مختار رد المحتار ۱۰/۱۲)۔

درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

”له أن ينتفع بالبحار والبحيرات الكبيرة بأن يشربه منها ويفتح

جملہ لا ویسقی بستانہ منها أو حیواناتہ أو یسبل الماء إلى دارہ و منزله لا یمنع
أحمد من الانتفاع من ذلك كما یروى، (۲۸۳/۱۰-۲۸۳)۔

(ب) عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے بھی ہر آدمی کو ”شفقة“ یعنی انسانی
و حیوانی ضرورت کے لئے پانی لینے کا حق حاصل ہے، البتہ کھیتوں اور باغات کو سیراب کرنے کی
وجہ سے عام لوگوں کو دشواری پیش آتی ہو تو اس کی گنجائش نہیں، ورنہ اگر عام لوگوں کو کوئی دشواری
پیش نہیں آتی تو پھر اس کی بھی اجازت و گنجائش ہے؛ لیکن برتن وغیرہ میں محفوظ کئے بغیر اس پانی کو
بھی نہیں بیچ سکتے۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

”الثانی ماء الأودية العظام کسبحون وللناس فیہ حق الشفة مطلباً
و حق سقى الأرض إن لم یضر بالعامۃ“ (رد المحتار ۱۰/۱۲)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”الثانی ماء الأودية العظام کسبحون وسبحون ودجلة والفرات
والنیل، للناس فیہا حق الشفة علی الاطلاق و حق سقى الأرض بأن أحيی واحد
أرضاً میتة و کرى منها نهراً لیسقیہا إن کان لا یضر بالعامۃ ولا یكون النهر فی
ملك أحد، ولهم نصب الأرحیة والمواالی إن کان لا یضر بالعامۃ، وإن کان
یضر بالعامۃ فلیس له ذلك، لأن دفع الضرر عنهم واجب و ذلك بأن یمیل
الماء إلى هما الجانب إذا انکسرت ضفته فتغرق القرى والأراضی و کذا شق
الساقیة والمدالیة“ (ہندیہ ۵/۳۹۰-۳۹۱)۔

نیز لکھا ہے:

”نهر فی مملیة أجراه الإمام للشفة فأراد بعض الناس أن یتخذ علیہ

بساتین إن لم يضر بأهل الشفة وسعه ذلك وإن أضر لا يسعه ذلك كما في التاتارخانية“ (۳۹۱/۵)۔

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

”إذا أجرى ماء من طرف السلطان لقريبة لأجل الشفة وأراد بعض أهل القرية إسقاء بساتينهم من ذلك الماء ينظر فإن كان ذلك مضراً بأهل القرية فهو غير جائز وإذا كان غير مضر فجائز“ (۲۷۹/۱۰)۔

۱۱- علاقوں اور کھیتوں سے گزرنے والی نہر سے استفادہ کا حق:

نہر کے مختلف اقسام کے لحاظ سے احکام مختلف ہوں گے، تفصیل یہ ہے:

(الف) کھیتوں اور علاقوں سے گزرنے والی نہر اگر عام ہے، مخصوص لوگوں کی نہیں ہے اور نہ ہی اسے سرکار نے کسی خاص مقصد کے لئے جاری کی ہے تو اس نہر سے کھیتوں اور علاقے والوں کے لئے انسانی و حیوانی ہر ضرورت کے لئے پانی لینا جائز ہے، اسی طرح اپنے کھیتوں اور باغات کو اس پانی سے سیراب کرنا بھی جائز ہے مگر اس طرح کہ دوسروں کو نقصان اور دشواری نہ ہو، ورنہ زمین کی سیرابی کا حق حاصل نہیں ہے۔

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

”الأنهار العامة الغير المملوكة وهي الأنهار التي لم تدخل في مقاسم أي في مجاری ملک جماعة ليست ملك أحد كالبهار والبحيرات بل هي مباحة، فلذلك لكل أن ينتفع بها بشرط أن لا يكون مضراً للعامة وذلك أن له فتح جدول وأن يجرى منه الماء إلى أرضه وأن يسقى أرضه وأن ينشئ طاحونا وأن يتخذ سانية ومشرفة، أما إذا كان مضراً بالعامة بأن تفيض المياه وتفسد حقوق الناس أو تمنع سير السفن فللكل الناس حق منعه، هذا في الأنهار

و أما في البحر فإنه ينتفع به وإن ضر وبه صرح القهستاني ولكل الناس في هذه الأنهار العامة حق الشفة سواء كان ذلك مضراً بالعامّة أو غير مضراً“
(۲۶۶/۱۰)۔

(ب) اور اگر وہ نہر دوسرے مخصوص لوگوں کی ہے، عام نہیں ہے، تو ان کھیتوں اور علاقے والوں کو اس نہر سے انسانی ضرورت کے لئے پانی لیماہر حال میں جائز ہے، اور اپنے حیوانات کو بھی اس سے پلا سکتے ہیں بشرطیکہ حیوانات کی کثرت کی وجہ سے نہر کو کسی طرح کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، البتہ نہر والوں کی اجازت کے بغیر اپنے کھیتوں اور باغات کو سیراب نہیں کر سکتے۔

ہندیہ میں ہے:

”الثالث مايجرى على نهر خاص لقربة فلغيرهم فيه شركة في الشفة وهو الشرب وسقى الدواب نهر لقوم ولرجل أرض بجانبه ليس له شرب من هذا النهر كان لصاحب الأرض أن يشرب ويتوضأ ويسقى دوابه من هذا النهر وليس له أن يسقى منه أرضاً أو شجراً أو زرعاً ولا أن ينصب دولاباً على هذا النهر لأرضه وإن أراد قوم ليس لهم شرب من هذا النهر أن يسقوا دوابهم منه قالوا إن كان الماء لا ينقطع بسقى الدواب ولا يفنى ليس لأهل النهر أن يمنعوهم وإن كان الماء ينقطع بسقيهم بأن كانت الإبل كثيرة كان لهم حق المنع وقال بعضهم إن كان تنكسر ضفة النهر ويخرب بالسقى كان لهم حق المنع وإلا فلا“ (ہندیہ ۳۹۱/۵، وکذا فی درر لکنا مشرح مجلۃ الاحکام ۲۸۵/۱۲-۲۸۸)۔

در مختار میں ہے:

”لاسقى دوابه إن خيف تخريب النهر لكثرتها ولاسقى أرض وشجره

وزرعه ونصب دولاب ونحوها من نہر غیرہ وقناتہ وبشرہ إلا باذنه لأن الحق له
فیوقوف علی اذنه“ (درمخ الرد ۱۰/۱۳-۱۳)۔

(ج) اگر وہ نہر حکومت کی طرف سے ”شفقتہ“ یعنی انسانی و حیوانی ضرورت مثلاً پینا،
پکانا، وضو و غسل، کپڑے دھونا، جانوروں کو پلانا وغیرہ کے لئے جاری کی گئی ہے تو کھیتوں اور
علاقتے والوں کے لئے انسانی و حیوانی ہر ضرورت کے لئے اس سے استفادہ کرنا ہر حال میں جائز
ہے، لیکن کھیتوں اور باغات کی سیرابی اس سے جائز نہیں، ہاں! البتہ اگر پانی میں اس کی گنجائش ہو
اور لوگوں کو کوئی حرج و ضرر نہ ہو تو پھر زمین و باغ کو سیراب کرنا بھی درست ہے۔ بشرطیکہ حکومت
کی طرف سے اس کی ممانعت نہ ہو۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”نہر فی مملینة أجراء الامام للشفقة فأراد بعض الناس أن يتخذ عليه
بساتین إن لم یضر بأهل الشفقة وسعه ذلك وإن أضر لا یسعه ذلك کذا فی
التاتارخانیة“ (ہندیہ ۵/۳۹۱)۔

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

”إذا أجرى ماء من طرف السلطان لقرية لأجل الشفة وأراد بعض أهل
القرية إسقاء بساتینهم من ذلك الماء ینظر فإن کان ذلك مضراً بأهل القرية
فهو غیر جائز وإذا کان غیر مضر فـجائز“ (۲۷۹/۰۱)۔

(د) اور اگر وہ نہر حکومت کی طرف سے کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے جاری کی
گئی ہے تو کھیتوں اور علاقتے والوں کے لئے ”شفقتہ“ یعنی انسانی و حیوانی ہر ضرورت کے ساتھ
ساتھ اپنے کھیت اور باغات کو سیراب کرنے کا بھی پورا حق حاصل ہوگا۔ حکومت انسانی و حیوانی
ضرورت پوری کرنے سے تو کسی کو نہیں روک سکتی، البتہ اگر کسی وجہ سے کبھی کچھ لوگوں کو کھیت و

باغات کی سیرابی سے روکنا چاہے تو حکومت کو اس کا حق حاصل ہے، کیوں کہ ایسی نہر مملوک کنویں کی طرح ہے، اور مملوک کنویں کا یہی حکم ہے۔
تکملہ فتح الملہم میں ہے:

”وأما الأنهار الصغيرة التي تكريها الحكومات لسقي المزارع فانها مملوكة للحكومات وقياس ما ذكرنا أن يكون ماء ها في حكم ماء البئر المملوكة فلا يجوز للحكومة أن تمنع أحدا من الشرب أو من سقي دوابه منها ولكنها تستطيع أن تمنع ناسا من سقي مزارعهم منها وحينئذ ينبغي أن يجوز بيع ماء ها لسقي المزارع بشرط الأمن من جهالة المقدار كما أسلفنا فإن أمكن ضبط مقدار الماء بالعداد ونحوه ينبغي أن يجوز بيعه“ (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۹۳)۔

مملوک کنویں کے متعلق ”کتاب الخراج“ میں ہے:

”كل من كانت له عين أو بئر أو قناة فليس له أن يمنع ابن السبيل من أن يشرب منها ويسقي دابته وبعيره وغنمه منها وله أن يمنع السقي للأرض والزرع والنخل والشجر وليس لأحد أن يسقي شيئا من ذلك إلا بإذنه، فإن أذن له فلا بأس بذلك“ (ص ۹۵)۔

اب وضاحت طلب بات یہ رہی کہ جن صورتوں میں کھیت کے لئے پانی لینے کی اجازت ہے ان میں کھیتوں کی سینچائی کی ترتیب کیا ہوگی؟ نیز یہ کہ کس کو کتنا پانی لینے کا حق اور اختیار ہوگا؟

چنانچہ ترتیب کے سلسلہ میں اصل مدار عرف ہے، اگر عرف یہ ہو کہ سینچائی وہاں سے اور بالائی حصہ سے شروع کی جائے تو ایسا کیا جائے، پھر آخر اور زیریں حصہ والا سینچائی کرے گا،

اور اگر آخر اور نیچے سے سینچائی کا معمول ہو تو ایسا کیا جائے، اور اگر یہ معمول ہو کہ ایک مرتبہ دہانے سے سینچائی شروع کرتے ہیں اور دوسری مرتبہ آخر سے تو ایسا کیا جائے، اس طرح ہر شخص اپنے کھیت کا تقاضہ پورا کر کے اگلے کو نمبر دے گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور انصاری شخص کے درمیان سینچائی کے سلسلہ میں ہونے والے نزاعی واقعہ کے ذیل میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ”تم انہم لایذکرون تفصیل الاعلیٰ او الأسفل فی کتبنا فتتبعته حتی وجدت مسألة عن محمد فی غایة البیان للانقاز وهو أقدم من ابن الہمام، یمکن حمل الحدیث علیہا، نقل عن محمد أن ذلک ینبئ علی العرف فإن جرى العرف یسقی الأعلى کما فی الحمیث فکذلک وإن جرى علی التقسیم فعلى ما جرى به العرف“ (فیض الباری شرح صحیح البخاری ۵۶۲/۳-۵۶۳)۔

ہاں! اگر کوئی عرف نہ ہو اور پہلے سے کوئی ترتیب نہ ہو تو پھر آپس کی رضامندی سے ترتیب بنائی جاسکتی ہے، چاہے یہ ترتیب بنائیں کہ پہلے دہانے والا پھر بعد والا، یا اس کے برعکس، اور چاہے یہ ترتیب بنائیں کہ ایک دن یہ سینچائی کرے اور دوسرے دن دوسرا۔ لیکن اگر اختلاف ہو جائے اور کوئی بات طے نہ ہو پائے تو پھر یہی ترتیب ہوگی کہ پہلے دہانے والا اور اوپر والا سینچائی کرے گا، اس کا حق ہوگا، پھر اس کے بعد والا اور نیچے والا سینچائی کرے گا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور انصاری شخص کے واقعہ کے ذیل میں علامہ عینی لکھتے ہیں: ”فیہ أن أهل الشرب الأعلى یقدم علی من هو أسفل منه ویحبس الأول الماء حتی یبلغ إلی جملہ حائطہ ثم یرسل الماء إلی من هو أسفل منه فیسقی کذلک ویحبس الماء کذلک ثم یرسله إلی من هو أسفل منه وهکذا“ (عمدة القاری شرح البخاری ۲۰۳/۱۲)۔

حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

”قال العلماء: الشرب من نهر أو مسيل غير مملوك يقدم الأعلى فالأعلى ولاحق للأسفل حتى يستغنى الأعلى وحده أن يغطي الماء الأرض حتى لا تشربه ويرجع إلى الجدار ثم يطلقه“ (فتح الباری، کتاب المساقات، باب شرب الأعلى قبل الأسفل ۵/۳۸، رقم: ۲۳۶)۔

ڈاکٹر وہبہ زہیلی لکھتے ہیں:

”ينتفع الناس بماء الأمطار أو السيول أو النهر الصغير الذي يزدحم الناس فيه بأن يبدأ بالأعلى فيسقى أرضه حتى يصل إلى الكعب (النهاية) ثم يرسله إلى من يليه فيسقى ويحبس الماء حتى يصل إلى كعبه ثم يرسله إلى من يليه فيفعل كذلك وهلم جرا إلى آخره“ (فتاویٰ اسلامی وادارہ ۵/۵۹۹)۔

پھر جس کی باری ہو وہ کتنا پانی پلائے؟ کس حد تک استفادہ کرے؟ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی زمین کی حاجت و ضرورت کے مطابق پانی پلائے اور سینچائی کرے، تاہم کعبین یا کھیت کی منڈیر تک پانی لینا چاہئے تو لے سکتا ہے، اسے اس کا حق ہے۔

علامہ عینی نے اس سلسلہ کے مختلف قول نقل کرتے ہوئے ابو الحسن ماوردی کی یہ مفید و معتدل بات بھی نقل کی ہے: ”ليس التقدير بالبلوغ إلى الكعبين على عموم الأزمان والبلدان، لأنه يدور بالحاجة والحاجة تختلف باختلاف الأرض وباختلاف ما فيها من زرع وشجر وبوقت الزراعة ووقت السقي“ (عمدة القاری ۱۲/۲۰۳-۲۰۴)۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اولاً یہی تعلیم دی تھی کہ اپنی ضرورت کے بقدر سینچائی کر کے انسانی شخص کو سینچائی کا موقع دے دے، مگر جب انسانی شخص نے غصہ کیا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیر کو پورا حق وصول کرنے یعنی منڈیر تک پانی پلانے کو

کہا۔ تکلمہ فتح الہام میں ہے: ”(قوله: اسق یا زبیر! ثم أرسل الماء إلى جارك) قاله رسول الله ﷺ مشورة، لأن فيه صلاحاً للثنين ورعاية للجانبين، فانه كان من حق الزبير رضي الله عنه بفضل كونه أعلى أن يحبس الماء ويسقى أرضه إلى أن يبلغ الماء إلى الكعبين وبذلك قضى رسول الله ﷺ في قضايا كثيرة، فقد اخرج أبو داؤد وابن ماجه عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ” أن رسول الله ﷺ قضى في سيل المهزور أن يمسك حتى يبلغ الكعبين، ثم يرسل الأعلى إلى الأسفل“ ولكنه ﷺ أمر الزبير هنا بالإحسان إلى جاره وأرشدته إلى أن يكتفي بقدر حاجته في السقي، ثم يرسل الماء إلى جاره (قوله: ثم يحبس الماء حتى يرجع إلى الجدر) فالمعنى أن النبي صلى الله عليه وسلم أمره بحبس الماء إلى أن يصل إلى أصول النخل ويبلغ الجدر وكان هنا حقاً للزبير رضي الله عنه كما تقدم، لأن بلوغ الماء إلى الجدر إنما يكون حين يبلغ إلى الكعبين من الرجل القائم وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر الزبير أولاً بالرفق مع جاره ولكنه لما لم يقبله أمره بالتمسك بحقه الأصلي“ (تكملة فتح الہام ۵۰۵-۵۰۶)۔

ہر شخص اپنی زمین میں ضرورت کے بقدر سینچائی کرے، تاہم منڈیر تک یا کعبین تک بھی اپنا کھیت بھر سکتا ہے، اسے اس کا حق ہے، البتہ اس موقع پر کوئی ایسی صورت اختیار نہ کرے جس سے بعد والوں کو ضرر پہنچے، فقہاء نے ہر ایسی صورت سے منع فرمایا ہے جس سے دوسروں کو نقصان ہو۔ ”ماء الأودية العظام كسيحون وللناس فيه حق الشفة مطلقاً وحق سقى الأرض إن لم يضر بالعامّة“ (رد المحتار ۱۰/۱۲)۔

ہندیہ میں ہے:

”وإذا أراد أهل أعلى النهر أن يحبسوا الماء عن أهل الأسفل فإن كان الماء كثيراً في النهر بحيث لو أرسل ولم يسكر يصل كل واحد منهم إلى حقه في الشرب لا يكون لأهل الأعلى ولاية الحبس فإن كان الماء في النهر قليلاً بحيث لا يصل أهل الأعلى إلى حقهم في الشرب إلا بالسكر فالمسألة على وجهين: إن كان الماء بحال لو أرسل إلى أهل الأسفل لا يمكن لأهل الأسفل الانتفاع أصلاً بأن كان النهر ينشفه كان لأهل الأعلى الحبس، وإن كان الماء بحال لو أرسل إلى أهل الأسفل يمكنهم الانتفاع به لا يكون لأهل الأعلى السكر بل يبدأ بأهل الأسفل حتى يرووا، ثم بعد ذلك لأهل الأعلى أن يسكروا ليرتفع الماء إلى أراضيهم، قال خواهر زاده واستحسن مشائخنا في هذا الوجه أن الإمام يقسم بينهم بالأيام إذا أبقى أهل الأسفل السكر ثم يصنع أهل الأعلى في نوبتهم ما أحبوا نفياً للضرر عنهم ثم في كل موضع جاز لأهل الأعلى السكر فإنما يجوز لهم ذلك بوضع لوح في النهر وما أشبهه لا بالتراب كذا في المحيط، فإن تراضوا على أن الأعلى يسكر النهر حتى تشرب أرضه جاز وكذا لو اصطالحوا على أن يسكر كل واحد منهم في نوبته جاز أيضاً، لأن الماء قد يقل في النهر فيحتاج كل واحد منهم إلى ذلك كذا في فتاوى قاضى خان“ (ہندیہ ۳۹۶/۵، نیز دیکھئے: رد المحتار ۲۱/۱۰-۲۲، درر الحکام شرح الجلیہ ۲۹۲/۱۰)۔

۱۲- پانی پر ملکیت کب حاصل ہوتی ہے؟

جس طرح دیگر اسباب ملک مثلاً عقداً یا نیابت و وراثت سے فرد کو پانی پر ملکیت حاصل ہو سکتی ہے، اسی طرح ”اِحراز“ سے بھی فرد کو پانی پر ملکیت حاصل ہو سکتی ہے، لہذا جن

صورتوں میں احراز پایا جائے گا ان میں افراد کو پانی بر ملکیت حاصل ہوگی، اور جن صورتوں میں احراز نہیں پایا جائے گا ان میں ملکیت حاصل نہ ہوگی۔

احراز کا مطلب ہے: ”کسی چیز کی طرف سبقت کر کے اس کو لیکر محفوظ جگہ میں رکھ دینا“، ”الاحراز یطلق علی جعل الشی فی موضع حصین“ (درر الحکام ۱۰/۲۷۵، ۱۳/۱۰)، البتہ ضروری یہ ہے کہ احراز کا قصد و ارادہ بھی ہو۔ اس کو حاصل کرنے اور لینے کے ارادہ سے اس کی طرف سبقت ہوئی ہو، پس اگر احراز کا قصد نہ ہو تو ملکیت ثابت نہ ہوگی۔ ان الاصل قصد الاحراز وعدمہ ومما صرحوا بہ لو وضع رجل طستاً علی سطح فاجتمع فیہ ماء المطر فرفعہ آخرہ ان وضعہ الأول لذلک فهو له وإلا فللرافع“ (۱۳/۱۰)۔ مزید وضاحت کے لئے ذیل میں احراز اور عدم احراز کی مختلف صورتیں ذکر کی جا رہی ہیں:

احراز ماء کی مختلف صورتیں:

(الف) برتنوں اور ٹنکیوں میں پانی بھر لیا جائے۔

ہند یہ میں ہے:

”الرابع ما أحرز فی حب ونحوہ فلیس لأحد أن يأخذ منه شیئاً بلمون
إذن صاحبه وله بیعه لأنه ملکہ بالاحراز فصار كالصيد والحشیش“ (۳۹۱/۵، وکذا
فی درر الحکام ۱۰/۵۷۲)۔

امام نووی لکھتے ہیں:

”أما إذا أخذ الماء فی إناء من الماء المباح فإنه یملکہ هذا هو
الصواب وقد نقل بعضهم الاجماع علیہ“ (شرح مسلم ۹۱/۲)۔
تکملہ فتح الملہم میں ہے:

”الثانی الماء المحرز بالجرار والأوانی والأنایب فی عصرنا وهو مملوک لمحوزه بالاجماع“ (۵۹۱/۱)۔

(ب) بارش کا پانی حاصل کرنے کے قصد سے برتن رکھا جائے جس میں پانی بھر جائے۔
دررالحکام میں ہے:

”یقترضی أن یکون الاحراز مقرونا بالقصد حتی یحصل الإحراز فإذا کان غیر مقرون بالقصد فلا یحصل الإحراز فلذلک لو وضع أحد وعاء فی محل بقصد جمع میاه المطر فیہ فیكون ماء المطر المجتمع فی ذلک الإناء ملکہ“ (۲۷۶/۱۰)۔

محیط برہانی میں ہے:

”رجل وضع طستا علی سطح واجتمع فیہ ماء المطر فجاء رجل ورفع ذلک وتنازعا فیہ ینظر إن وضع صاحب الطست الطست لذلک فهو له، لأنه أحرزه وإن لم یضع لذلک فهو للرافع لأنه مباح غیر محرز“ (۶۹/۱۹)۔
(ج) بڑا حوض یا گڑھا بارش کا پانی حاصل کرنے کے لئے بنایا جائے اور اس میں بارش کا پانی بھر جائے۔

دررالحکام میں ہے:

”کذلک الماء المجتمع فی الحوض أو الصهریح المنشأین لأجل جمع الماء فیہما ملک لصاحبہما فلذلک لو نزل ماء مطر سقف جارہ إلی ذلک الصهریح فلیس للجار طلب مشارکتہ فی الماء المجتمع فی الصهریح“ (۲۷۶/۱۰، وکذا فی الثانی ۱۰/۱۳-۲۸۵/۷)۔

(د) حوض وغیرہ بنا کر یا گڑھا کھود کر، اسی طرح پانی کے ٹنکر میں برتن یا پائپ وغیرہ

کے ذریعہ پانی بھر دیا جائے۔

کتاب الخراج میں ہے:

”وإن هیأ له مصنعة فاستقی فیہا بأوعیتہ حتی جمع فیہا ماء کثیراً ثم باع من ذلك فلا بأس إذا وقع فی الأوعية فقد أحرزه وقد طاب بیعہ“ (کتاب الخراج، امام ابی یوسف، ۹۵)۔
تکملہ فتح الملہم میں ہے:

”و أما حیاض الماء التي تسمى ”تنکات“ فی عصرنا ویأتی إليها الماء بالأناب فالظاهر أنها من القسم الثانی (ای من الماء المحرز بالجرار والأوانی) وتدخّل فی ما ذکره الإمام أبویوسف بقوله: ”وإن هیأ له مصنعة فاستقی فیہا بأوعیتہ حتی جمع فیہا ماء کثیراً ثم باع من ذلك فلا بأس“ (۳۹۲/۱)۔
ثامی میں ہے:

”فلو أحرزه فی جرة أو حب أو حوض مسجد من نحاس أو صفر أو جص وانقطع جریان الماء فانه یملکہ“ (۱۳/۱۰، نیز ۲۵۸/۷)۔
اعلاء السنن میں ہے:

”لا فرق بین الحوض والبئر عندنا فان کلیهما معدان للماء، فلما یملک ماء البئر مع کون البئر مملوكة فکذلك ماء البركة والحوض، اللهم إذا ملأ شيئاً منهما بالدلاء ونحوها فالماء ملک له“ (۱۹۰/۱۳)۔
ڈاکٹر وہب زحیلی لکھتے ہیں:

”النوع الأول الماء المحرز فی أوان خاصة، هو ماجازه صاحبه فی آنية أو ظروف خاصة كالجرار والصهاريج والحیاض والأنابیب ومنه مياه

الشركات في المدن المتخصصة لتأمين ماء الدور، وهذا الماء ملك خاص لمن أحرزه بالاستيلاء عليه ككل مباح يمتلك باحرازه، فليس لأحد حق الانتفاع به إلا باذن صاحبه ولصاحبه بيعه أو التصرف به كما يشاء“ (فقہ الاسلامی ۵۳/۵، نیز در احکام ۲۶۶/۱۰)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

”سوال: یہاں تقریباً ہر ایک کے پاس تالاب ہوتے ہیں اور ان تالابوں کے قریب و جوار میں زمین بھی ہوتی ہے، ان زمینوں میں کھیتی باڑی کرنے کے لئے پانی کی ضرورت پڑتی ہے، زمین والا تالاب کا پانی پورا جو کہ تالاب میں موجود ہے خرید لیتے ہیں تو یہ جائز ہے یا کہ نہیں؟ بیع مجہول تو نہیں ہے؟“

جواب: (اگر گڈھا کھود کر تالاب بنایا گیا اور پانی کو اس میں محفوظ رکھا گیا، اس کی حفاظت اور نگرانی کی گئی تو جس قدر پانی سامنے موجود ہے اس کی بیع درست ہے، اگرچہ اس کی مقدار معلوم نہ ہو، مشارالیه جب سامنے ہو تو اس کی مقدار معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، جبکہ اس کی کل کی بیع بصفقتہ واحده کی جائے۔“ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۲۹/۲۳)۔

مذکورہ بالا تمام صورتیں پانی کے احراز کی ہیں جن میں نذر اور کو پانی پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے، لہذا وہ پانی جو برتن، ٹنکی اور ٹنکر میں یا حوض، گڈھا، تالاب، ندی، دریا کھود کر اس میں بھر لیا گیا ہو، اسی طرح بارش کا وہ پانی جو بارش کا پانی حاصل کرنے کے ارادہ سے رکھے گئے برتن یا بنائے گئے حوض وغیرہ میں اکٹھا ہو گیا ہو وہ تمام پانی انسان کا مملوک ہوگا، وہ اس میں جس طرح تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

عدم احراز کی مختلف صورتیں:

عدم احراز کی صورتیں یہ ہیں جن میں نذر اور کو ملکیت حاصل نہیں ہوتی ہے:

(الف): وہ پانی جو زیر زمین ہے، چاہے زمین مملوک ہو۔

شامی میں ہے:

”الماء تحت الأرض لا يملك“ (۷/۱۰)۔

(ب): وہ پانی جو بڑے سمندروں، دریاؤں اور ندیوں میں ہے۔

مجلۃ الاحکام میں ہے:

”البحار والبحيرات الكبيرة مباحة“ (مع شرحہ در الاحکام ۱۰/۲۶۵)۔

شامی میں ہے:

”اعلم أن المياه أربعة أنواع، الأول ماء البحار ولكل أحد فيها حق الشفة وسقى الأرض فلا يمنع من الانتفاع على أي وجه شاء والثاني ماء الأودية العظام كسيحون وللناس فيه حق الشفة مطلقا وحق سقى الأرض، إن لم يضر بالعامّة“ (۱۳/۱۰)۔

(ج): وہ پانی جو عوامی اور غیر مملوک کنویں میں یا نہر میں ہے۔

درر احکام میں ہے:

”الآبار التي ليست محفورة بسعي وعمل شخص مخصوص ای لم يكن ذلك الشخص قد حفرها بنفسه بل هي من القديم لانتفاع كل وارد من ماء ها هي من الأشياء المباحة والمشاركة بين الناس فلذلك للعامّة الانتفاع بهذه الآبار وليس لأحد الناس منع الآخر من الانتفاع“ (۲۶۵/۱۰)۔

نیز لکھا ہے:

”الأنهار الغير المملوكة وهي الأنهار التي لم تدخل في مجارى ملك

جماعة ليست ملك أحد كالبهار والبحيرات بل هي مباحة“ (۲۶۶/۱۰)۔

(د): وہ پانی جو مملوک اور مخصوص کنویں، نہر یا حوض میں نکل آیا ہو۔
شامی میں ہے:

”قال الرملى: إن صاحب البشر لا يملك الماء وهذا مادام فى البشر أما إذا أخرج منه بالاحتياى كما فى السوانى فلا شك فى ملكه له لحيازته له فى الكيزان ثم صبه فى البرك بعد حيازته، تأمل، ثم حرر الفرق بين ما فى البشر وما فى الحباب والصهاريج الموضوعة فى البيوت لجمع ماء الشتاء بأنها أعدت لإحراز الماء فىملك ما فيها“ (۲۵۷/۷)۔
نیز لکھا ہے:

”فى الولوالجیة: ولو نرح ماء بشر رجل بغير إذنه حتى یبست لاشئ علیه لأن صاحب البشر غیر مالک للماء“ (۳۱۰/۳، نیز دیکھئے: درر لؤلؤ کا م ۱۰/۲۷۷)۔
اعلاء السنن میں ہے:

”لا فرق بین الحوض والبئر عندنا فإن کلیهما معلنان للماء فلما لم یملك ماء البئر مع كون البئر مملوكة فكذلك ماء البركة والحوض اللهم إذا ملأ شيئاً منهم بالدلاء ونحوهما فالماء ملك له“ (۱۹۰/۱۳)۔

(ه): وہ پانی جو حوض وغیرہ میں کہیں سے مثلاً دوسرے بچتے پانی سے آ کر از خود اکٹھا ہو گیا ہے، اسی طرح بارش کا وہ پانی جو برتن وغیرہ میں اکٹھا ہو گیا اور بھر گیا ہے بشرطیکہ ان کو اس مقصد کے لئے رکھا اور بنایا نہیں گیا ہے۔

کتاب الخراج میں ہے:

”و كذلك لو كان فى مصنعة یجتمع فیها الماء من السيول فلا خیر فى بیعه أيضاً فاذا كان انما یجتمع من السيول فلا خیر فى بیعه“ (۹۵/۳)۔

شامی میں ہے:

”العین أو الحوض الذي دخل فيه الماء بغير إحراز واحتيال فهو بمنزلة النهر الخاص“ (شامی ۱۰/۱۳، ہندیہ ۵/۳۹۱)۔

شامی میں ہے:

”إن الأصل قصد الإحراز وعدمه ومما صرحوا به لو وضع رجل طستا على سطح فاجتمع فيه ماء المطر فرفعه آخر إن وضعه الأول بذلك فهو له وإلا فللرافع“ (۱۳/۱۰)۔

دررالحکام میں ہے:

”أما مياه المطر التي تجمعت في إناء وضعه بدون قصد أي بغير قصد جمع ماء المطر فيه فلا تكون ملكا له بل تكون مباحة ويسوغ لشخص غيره أن يأخذها ويتهلكها“ (۲۷۶/۱۰)۔

مذکورہ بالا جملہ صورتیں عدم احراز کی ہیں جن میں نذر اور کو ملکیت حاصل نہیں ہوتی، لہذا وہ پانی جو زیر زمین ہو، بڑے سمندروں، دریاؤں اور ندیوں میں ہو، غیر مملوکہ و مملوکہ کنویں وغیرہ میں نکلا ہو، یا بارش وغیرہ سے ایسے برتن وغیرہ میں آ کر اکٹھا ہو گیا ہو جنہیں اس مقصد کے لئے نہیں رکھا گیا ہے، یہ تمام پانی مباح اور غیر مملوکہ ہیں، ہر انسان کو اس سے استفادہ کا حق ہے، بغیر احراز کے اس کو کوئی شخص بیچ نہیں سکتا۔

۱۳- پانی کی تجارت جائز ہے؟

جی ہاں! جن صورتوں میں احراز پایا جاتا ہے اور آدمی پانی کا مالک بن جاتا ہے ان صورتوں میں اپنے مملوکہ پانی کو بیچنا اور اس کی تجارت کرنا جائز اور درست ہے، بالخصوص جبکہ آدمی نے اس کی تجارت ہی کے لئے اس کا احراز کیا ہو اور اس کے لئے اپنی محنت اور مال خرچ کیا

ہو تو اس کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

کتاب الخراج میں ہے:

”لابأس ببيع الماء إذا كان في الأوعية هذا ماء قد أحرز فإذا أحرزه في وعاء فلا بأس ببيعه، وإن هيأ له مصنعة فاستقى فيها بأوعيته حتى جمع فيها ماء كثيراً ثم باع من ذلك فلا بأس إذا وقع في الأوعية فقد أحرزه وقد طاب بيعه“ (ص ۹۵)۔

شرح منظومہ ابن وہبان میں ہے:

”أما الماء المحرز في الإناء فإنه يجوز بيعه“ (شرح منظومہ لابن حجر، وكذا في البدائع ۲۷۵/۵، فقہ الاسلاکی وادانہ ۵۹۳/۵، البندیہ ۳۹۱/۵)۔

درر الحکام میں ہے:

”لو أخذ أحد من نهر أو بئر أو منبع ماء بوعاء كالجرة والبرميل فإحرازه وحفظه في ذلك الوعاء صار ملكه، لأنه قد ملكه بالاحراز، فلذلك أن يتملك ذلك الماء بأنواع التمليكات كان يبيعه لآخر أو أن يهبه أو أن يوصي به كما أنه إذا مات يكون موروثاً لورثته، كما أن المياه التي توضع في الآستانة في البراميل والقوارير وتباع من قبل أصحابها هي ملك لأصحابها وليست مباحة“ (۲۷۵/۱۰)۔

بیع ماء سے ممانعت کی احادیث اور ان کی توجیہ و توضیح:

مملوکہ پانی کی خرید و فروخت اور تجارت جائز ہونے پر نبی اکرم ﷺ کے ان ارشادات سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا جن میں آپ ﷺ نے پانی بیچنے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ ان ارشادات نبوی میں ممنوع البیع پانی سے ہر قسم کا پانی مراد نہیں ہے، بلکہ خاص پانی

مراد ہے جیسا کہ ثا رجین حدیث نے لکھا ہے، اور جمہور کا مسلک ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف: ابن ماجہ کی روایت ہے: ”عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ”المسلمون شركاء في ثلاث، في الماء والكلا والنار وثمانه حرام“ قال سعيد: یعنی الماء الجاري“ (کتاب اربعون، باب المسلمون شركاء في ثلاث، ص ۱۸۰، رقم: ۲۳۷۳، ابوداؤد کتاب اربعون، باب في منع الماء، ص ۳۹۲)۔

☆ علامہ سندھی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ”المشهور بين العلماء أن المراد بالماء ماء السماء والعيون والأنهار التي لا مالک لها فالماء إذا أحرزه إنسان في إناء وملکه يجوز بيعه وفي الزوائد: حلیث عبد الله بن خارش قد ضعفه أبو زرعة والبخاری وغيرهما وقال محمد بن عمار الموصلی: کتاب“ (ابن ماجہ جامع حلیث السندی، تعلیقات مصباح الفرجانی فی زوائد ابن ماجہ للیومی ص ۱۷۶)۔

(ب) مسلم شریف کی روایت ہے: ”عن جابر بن عبد الله قال نهى: رسول الله ﷺ عن بيع فضل الماء“ (مسلم: کتاب المساقات ۱۸۷۳، رقم: ۳۸۸۲)۔

☆ امام نووی اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں: ”أما إذا أخذ الماء من الماء المباح فإنه يملكه، هذا هو الصواب وقد نقل بعضهم الإجماع عليه“ (شرح مسلم للذہبی ۱۹۷)۔

تکملہ فتح البیان میں ہے: ”فإن الماء المحرز في الجرار والأواني مملوك بالاجماع فيجوز بيعه، فالمراد من الماء في الحديث ماء الأنهار والبحار التي لا مالک فيها لأحد ويدل عليه ما أخرجه أحمد في مسنده (۳: ۱۷۷) عن إياس بن عبد من أصحاب النبي ﷺ، قال: ”لاتبيعوا فضل الماء، فإن النبي ﷺ نهى عن بيع الماء، قال: والناس يبيعون ماء الفرات، فنهاهم“ فانہ يدل بظاہرہ أن النهی وارد في ماء الأنهار وأما كون الماء المحرز مملوكا فيدل

علیہ حمیث الباب حیث خص النهی بفضل الماء مما يدل على أن بيع أصله مباح وانما الممنوع بيع فضله الصيد كلها مباحة في الأصل وتتملك بالصيد، فيقاس عليها الماء، فانه مباح في أصله ويتملك بالاحراز وصارت هذه الاستنباطات اليوم مؤكدة بإجماع الأمة، فلا يجوز العدول عنه“ (۳۸۹/۱)۔

(ج): ترمذی شریف میں ہے: ”عن ایاس بن عبد المزنئی قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الماء وحديث ایاس حسن صحيح“ (ابواب ابوع، باب ما جاء في بيع فضل الماء، ۲۳۰، رقم: ۱۳۸۹)۔

☆ اعلاء السنن میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: ”الحديث ليس على إطلاقه بل هو مقيد بالماء غير المملوك فجاز بيع الماء المحرز في الآنية وغيرها بالاتفاق ولا يجوز بيع ماء الأنهار غير المستخرجة بالاتفاق وأما بيع ماء الآبار ففيه اختلاف فمن قال: إنه مملوك ينبغي أن يجوز بيعه عنده، ومن قال: إنه غير مملوك فلا يجوز بيعه عنده وهو من مذهب الحنفية“ (۱۸۷/۱۳)۔

کتاب الخراج میں ہے: ”عن عائشة قالت: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الماء قال أبو يوسف: وتفسير هذا عندنا والله أعلم أنه نهى عن بيعه قبل أن يحرز والاحراز لا يكون إلا في الأوعية والآنية، فأما الآبار والأحواض فلا“ (۹۷/۳)۔

(د): ابوداؤد شریف کی روایت ہے: ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا نبی اللہ ما الشئ الذی لا یحل منعه؟ تو آپ نے فرمایا: الماء (کتاب ابوع، باب فی منع الماء، ۳۹۲/۲، رقم: ۳۳۷۳)۔

☆ اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے صاحب بذل الجہود و قطر از ہیں:

”الماء ای إذا لم یکن فی الأوانی و الصهاریح و الحیاض و أما إذا کان فیہا فہو مملوک لہ یحل منعہ“ (۲۸۱/۳)۔

ایک ضعیف روایت سے بھی جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، جس میں ہے: ”أن رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع الماء إلا ما حمل منہ“ (رواہ ابو عبیدہ بن سلام فی الاسوال، ص ۳۰۲، از اعلاء السنن ۱۸۹/۱۳)۔ یعنی: آپ ﷺ نے پانی بیچنے سے منع فرمایا سوائے اس مقدار کے جسے نکال کر محفوظ کر لیا گیا ہو۔ موسوع فقہیہ میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے: یہ استثناء اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلی حدیث میں وہ پانی مراد ہے جو قبضہ میں نہیں لیا گیا ہے، اس بناء پر عام کنویں کا پانی مباح الاستعمال ہے، اس میں کسی کی ملکیت نہیں، الا یہ کہ اس میں سے لے کر جمع کر لیا گیا ہو“ (اردو ۱/۱۱۱)۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: ”وهذا الماء ملک خاص لمن أخذه بالاستیلاء علیہ ککل مباح یمتلك یا حرازه فلیس لأحد حق الانتفاع به إلا بإذن صاحبه ولصاحبه بیعه أو التصرف به کما یشاء، فقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه نہی عن بیع الماء إلا ما حمل منہ وقد خصص حدیث المنع من بیع فضل الماء بالقیاس علی جواز بیع الحطب إذا أحرزه الحاطب لحدیث الرجل الذی أمره النبی ﷺ بالاحتطاب یستغنی به عن السؤال“ (۵۳/۵)۔

بہر حال احراز سے پانی پر ملکیت ثابت ہو جانے کے بعد مملوک پانی کو بیچنا درست ہے؛ جبکہ عدم احراز کی صورتوں میں پانی پر ملکیت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس پانی کو بیچنا درست نہیں ہے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں ہے:

”فإذا کان إنما یجتمع من السیول فلا خیر فی بیعه، وإن کان فی بئر أو عین یزداد ویکثر أو لایزداد ولا یكثر فلا خیر فی بیعه ولو باعه لم یجز البیع ومن استقی منہ شینا فہو لہ“ (ص ۹۵)۔

محیط برہانی میں ہے:

”الماء قبل الإحراز بما وضع للإحراز لا يصير مملوكا لأحد وبيع ما لا يملك الإنسان لا يجوز“ (۸۲/۱۹)۔

غیر محرر پانی کی بیع کے جواز کی ایک صورت:

البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں احراز کے بغیر بھی پانی بیچا جاسکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ کنواں یا تالاب وغیرہ بی بیچ دیا جائے تو اس صورت میں کنویں اور تالاب وغیرہ کے تابع ہو کر پانی کی بھی بیع ہو جائے گی، اور یہ درست ہوگا، جیسا کہ مدینہ منورہ میں پانی کی تنگی کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہودی سے کنواں خریدا تھا اور اسے وقف کر دیا تھا، علامہ عینیؒ اس واقعہ کے تحت لکھتے ہیں: ”فیہ جواز بیع الآبار“ (عمدة القاری فی شرح البخاری ۱۲/۱۹۱، کتاب المسامات، باب فی الشرب)۔ وبہ زحلی اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں: ”فہذا الحدیث کما یدل علی جواز بیع البشر نفسہا وکذلک العین بالقیاس علیہا یدل علی جواز بیع الماء..... ثم إن الماء هنا داخل فی البیع تبعاً لبيع البشر وهذا لا خلاف فیہ“ (لفقہ الاسلامی وأدلہ ۳/۵۲-۳/۵۳)۔ محیط برہانی میں ہے: ”ویدخل الشرب فی البیع والإجارة تبعاً للارض وقد یدخل الشئ فی البیع تبعاً لغيره وإن كان لا یدخل مقصوداً“ (محیط برہانی ۱۹/۸۲، وکذا فی البدائع ۵/۲۷۶)۔

تنبیہات:

مملوک کنویں کا پانی مملوک ہے؟ اس کی بیع جائز ہے؟:

(۱): پہلے وضاحت کی چکی ہے کہ کنویں میں جو پانی نکلتا ہے وہ غیر محرر ہوتا ہے، اس لئے نہ وہ مملوک ہے اور نہ ہی اس کی خرید و فروخت بلا احراز درست ہے، لیکن اس سلسلہ میں

بعض علماء کی رائے اس سے مختلف ہے، وہ یہ ہے کہ کنویں کا پانی بھی مالک کنواں کا مملوک ہے، اس لئے وہ اس کو بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے، اس کی خرید و فروخت درست ہے، چنانچہ ”تختہ المعنی شرح ترمذی“ میں ہے:

”اپنے ذاتی کنویں کا پانی فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اکثر علماء اس پانی کو مباح الاصل قرار دیتے ہیں، مگر میری رائے یہ ہے کہ اپنے کنویں کا پانی مملوک ہے اور اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے، اور مذکورہ حدیث (یعنی: نہی النبی ﷺ عن بیع الماء) میں ممانعت مکارم اخلاق کی قبیل سے ہے،..... اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہ کا طے شدہ ضابطہ ہے کہ مملوکہ شے کے زوائد مملوک ہوتے ہیں، جیسے آم کے درخت پر بارش کے پانی سے پھل آئے تو وہ درخت کے مالک کے مملوکہ ہیں، پس مملوکہ زمین میں جو گھاس خود بخود آگتی ہے وہ مملوکہ زمین کے زوائد ہیں، پس زمین کا مالک اس کا بھی مالک ہوگا اور جب وہ اس گھاس کا مالک ہے تو وہ اس کو بیچ سکتا ہے، یہی حکم کنویں کے پانی کا ہے“ (تختہ الاممی ۱۹۹۳ء-۲۰۱۰ء)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے ایک فتویٰ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کتاب الفتاویٰ میں ہے: ”سوال: کیا پانی کی تجارت جائز ہے؟

جواب: جو پانی برتنوں میں محفوظ کر لیا جائے انسان اس کا مالک ہو جاتا ہے اور اس کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں، البتہ ذاتی تالاب، کنویں کے زوائد ضرورت پانی کو بیچنا اور اس سے استفادہ کرنے والوں سے اس کی قیمت وصول کرنا بہتر نہیں ہے“ (۱۹۸/۵)۔

شافعیہ کا مسلک بھی یہی ہے، علامہ نووی رقمطراز ہیں:

”إعلم أن المذهب الصحيح أن من نبع في ملكه ماء صار مملوكا له
وقال بعض أصحابنا لا يملكه“ (نووی شرح مسلم ۱۹۸۲ء، وکذا فی تکرار فتح البہم ۱/۳۹۱)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

”قال الشافعية في الأصح عندهم: يملك الشخص ماء البئر المحفورة في الأرض الموات للتملك أو المحفورة في ملك خاص، لأنه نماء ملكه كالثمرة واللبن والشجر النابت في ملكه“ (الفقه الاسلامي وادلتہ ۵/۵۹۵، وكذا في موجز المسالك في سوطا مالك ۵/۳۱۳)۔

علامہ ابن ہمام نے اور ان کے حوالہ سے علامہ ابن نجیم نے بھی اشکال کی صورت میں یہ پہلو ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں: ”علی هذا لقائل أن يقول ينبغي أن حافر البئر يملك بناءها ويكون بتكلفه الحفر والطي لتحصيل الماء يملك الماء كما يملك الكلاً بتكلفه سوق الماء إلى الأرض لينبت فله منع المستقى وإن لم يكن في أرض مملوكة“ (فتح القدير ۶/۵۶۶، البحر الرائق ۶/۱۲۷)۔

مگر اس رائے سے اتفاق مشکل معلوم ہوا ہے کیوں کہ:

(الف): گھاس کے متعلق تو چاروں فقہی مذاہب میں راجح یہی ہے کہ زمین چاہے مملوک ہو مگر گھاس از خود پیدا ہوئی ہو تو وہ مباح ہے، کسی کی مملوک نہیں ہے، ”حكم الكلاً أن لا يملك وإن نبت في أرض مملوكة بل هو مباح للناس جميعاً، لهم أخذها ورعيه وليس لصاحب الأرض منعهم من ذلك، لأنه باق على الإباحة الأصلية وهو الراجح في المذاهب الأربعة لعموم حديث“ الناس شركاء في ثلاثة: الماء والكلاً والنار“ (الفقه الاسلامي وادلتہ ۳/۷۲-۵۰۵/۵ ومسلك الخفية في الشافعي ۱۵/۱۰)۔

(ب): علامہ شامی نے ابن ہمام کا اشکال نقل کر کے یہ جواب دیا ہے: ”يمكن أن يفرق بينهما بأن سقى الكلاً كان سبباً في إنباته فينبت بخلاف الماء فإنه موجود قبل حفره فلا يملكه بالحفر“ (شامی ۲/۵۸۷، مجمع الخاتم على البحر الرائق ۶/۱۲۷، وكذا في أشهر الفائق ۳/۳۲۳)۔

اعلاء السنن میں ہے: ”وأورده في فتح القدير على من قال بثبوت الملك بالإنبات إنه يجب عليه أن يكون ماء البئر مملوكاً للحافر، والجواب أن الحافر

لا دخل له في وجود الماء وإنما كان مستورا تحت الأرض فأظهر بالحفر ورفع
الستر عن الشيء ليس باحراز له فلا يكون مالكا بالحفر والسقي له دخل في وجود
الكلاء كما هو ظاهر فيكون إحرازاً له فثبت الفرق واندفع الإيراد“ (۱۸۸/۱۳)۔

(ج)؛ حضرت عمرؓ کے طرز عمل سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ مملوک کنویں کا پانی بھی
مملوک نہیں ہے، روایت میں ہے: وردوا ماء فسألوا أهله أن يدلوهم على البئر فلم
يدلوهم عليها، فقالوا، إن أعناقنا وأعناق مطابنا قد كادت تنقطع من العطش
فدلونا على البئر وأعطونا دلواً نستقي به فلم يفعلوا فذكروا ذلك لعمر بن
الخطاب، فقال: هلا وضعتم فيهم السلاح“ (مطب الخراج ۷۷)۔ غور کیا جائے!
حضرت عمرؓ نے مملوک کنویں سے پانی نہ لینے دینے کی بناء پر اسلمہ سے قتال کرنے کا ذکر کیا۔ اگر یہ
پانی مملوک ہوتا تو پھر اضطرار کی حالت میں بھی بلا اسلمہ لڑائی کرنے کی اجازت ہوتی جیسا کہ فقہاء
نے ذکر کیا ہے نہ کہ اسلمہ سے: ”ولو كانت البئر أو العين أو الحوض أو النهر في
ملك رجل لو منعه عن ذلك وهو يخاف على نفسه ودابته العطش له أن
يقاتله بالسلاح وإن كان محرزاً في الأواني فليس على الذي يخاف الهلاك
من العطش أن يقاتل صاحب الماء بالسلاح على المنع ولكن يقاتله على ذلك
بغير سلاح“ (ہندیہ ۳۶۱/۵)۔ معلوم ہوا کہ ماء محرز جس طرح مملوک ہوتا ہے ماء نر اس طرح
مملوک نہیں ہوتا ہے، بلکہ ہر ایک کو اس سے استفادہ کا حق ہوتا ہے، وہ حق نہ لینے دینے پر سلاح
سے قتال کیا جاسکتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: البدائع ۲۷۶/۵، ۲۷۷/۱۰، ۱۵-۱۶)۔

(د)؛ جہاں تک مملوک شئی کے زوائد مملوک ہونے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں خیال
حقیر یہ ہے کہ ان زوائد کو یعنی پانی اور گھاس کو دیگر عام زوائد پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ
دونوں زوائد میں ایک فرق ہے، وہ یہ ہے کہ یہ چیزیں مباح الاصل ہیں، ان میں اصل یہ ہے کہ وہ

مباح ہوں، کسی کے مملوک نہ ہوں، تاکہ ہر ایک کا حق ان سے متعلق ہو اور ہر ایک ان سے استفادہ کر سکے۔ اسی نسبت سے ان کے متعلق وہ ارشادات نبوی وارد ہوئے جو پہلے ذکر کئے گئے، لہذا جب تک احراز نہ پایا جائے اس میں ملکیت ثابت نہ ہوگی۔ جبکہ دیگر زوائد کا یہ حال نہیں ہے، اس لئے ان میں ملکیت ثابت ہونے کے لئے مملوک شئی کے زوائد ہونا بھی کافی ہوگا۔

علامہ کاسانی کی مندرجہ ذیل تحریر سے اس سلسلہ میں رہنمائی ملتی ہے، لکھتے ہیں:

”الماء الذى يكون فى الحياض والآبار والعيون فليس بمملوك لصاحبه بل هو مباح فى نفسه سواء كان فى أرض مباحة أو مملوكة لكن له حق خاص فيه، لأن الماء فى الأصل خلق مباحا لقول النبى عليه الصلوة والسلام: ”الناس شركاء فى ثلاث: الماء والكلأ والنار“ والشركة العامة تقتضى الإباحة إلا أنه إذا جعل فى إناء وأحرزه به فقد استولى عليه وهو غير مملوك لأحد فيصير مملوكا للمستولى كما فى سائر المباحات الغير المملوكة وإذا لم يوجد ذلك بقى على أصل الإباحة الثابتة بالشرع فلا يجوز بيعه“ (۳۷۲/۵)۔

مذکورہ بالا رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ زیر زمین پانی مالک زمین کا مملوک ہے اس بات کا کوئی قائل نہیں ہے، ”الماء تحت الأرض لا يملك“ (درمختار ۹/۱۰) حالانکہ یہ پانی بھی مالک کی زمین ہی میں ہے، اسی کی ملک سے متصل ہے، جبکہ زیر زمین پانی جانے والی دیگر اشیاء مثلاً معادن کے متعلق اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے کہ وہ مالک زمین کے مملوک ہیں: ”قال الحنفية والشافعية والحنابلة فى أرجح الروايتين عندهم: المعادن تملك بملك الأرض، لأن الأرض إذا ملكت ملكت بجميع أجزائها فإن كانت مملوكة لشخص كانت ملكا له وإن كانت فى أرض للدولة فهى للدولة وإن كانت فى أرض غير مملوكة فهى للواجد، لأنها مباحة تبعا للأرض“ (مفہم الاسلامی وادبیاتہ ۳، ۷۳، ۵۰۶/۵)۔

معلوم ہوا کہ پانی اور دیگر اشیاء میں فرق ہے، دیگر اشیاء میں تو ملکیت ثابت ہونے کے لئے مملوکہ شئی کے زوائد ہونا، مملوکہ شئی کے اندر پایا جانا، مملوکہ شئی سے متصل ہونا وغیرہ باتیں کافی ہیں، جبکہ پانی کے لئے اتنا کافی نہیں، احراز ضروری ہے۔ ”الماء خلق مباح الاصل بالنص وإنما يأخذ حكم الملك بالاحراز بالأوانی فلا يجوز بيعه لعدم الملك“ (بدائع ۳۷۵/۵)۔

غرضیکہ مملوکہ کنویں وغیرہ کے پانی سے متعلق راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مملوکہ نہ ہوگا، مباح ہوگا، اس لئے اس کی خرید و فروخت درست نہ ہوگی۔

مملوکہ کنویں کا پانی سیرابی کے لئے بیچنا جائز ہے؟

(۲): بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ مملوکہ کنویں کا پانی شفت یعنی انسانی و حیوانی ضرورت کے لئے تو بیچنا جائز نہیں ہے مگر شرب یعنی کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے اس کو بیچنا درست ہونا چاہئے، بشرطیکہ فروخت شدہ پانی کی مقدار معلوم و متعین کی جائے۔ اسی طرح حکومت جن چھوٹی نہروں کو کھیت کی سیرابی کے لئے جاری کرتی ہے ان کے پانی کو سیرابی کے لئے بیچنا اور اس کی قیمت وصول کرنا بھی جائز ہونا چاہئے۔ جیسا کہ کتاب الخراج کی ایک عبارت سے استدلال کرتے ہوئے صاحب تاملتہ فتح الملہم حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے لکھا ہے فرماتے ہیں:

”ثم إن الامام أبا يوسف رحمه الله قد ذكر حرمة بيع ماء البشر لأجل سقى المزارع، ولم يعلله بأنه يجب على صاحب البئر بذله أو إنه غير مالک له بل علله بأن القدر المبيع من الماء مجهول وقياس هذا التعليل أن يجوز ذلك اليوم، لأن اليوم وجدت العدادات التي يمكن بها ضبط مقدار الماء وعلى هذا ينبغي أن يجوز بيعه إذا أمكن ضبط مقداره بالعداد والله اعلم..... وأما الأنهار

الصغيرة التي تكريها الحكومات لسقي المزارع فإنها مملوكة للحكومات وقياس ما ذكرنا أن يكون ماءها في حكم ماء البئر المملوكة، فلا يجوز للحكومة أن تمنع أحدا من الشرب أو من سقى دوابه منها ولكنها تستطيع أن تمنع ناسا من سقى مزارعهم منها وحينئذ ينبغي أن يجوز بيع مائها لسقي المزارع بشرط الأمن من جهالة المقدماء كما أسلفنا فإن أمكن ضبط مقدار الماء بالعماد ونحوه ينبغي أن يجوز بيعه والله سبحانه اعلم“ (تكملة فتح الميم ۱/ ۳۹۲)۔

مگر رقم الحروف کے نزدیک یہ رائے بھی بوجہ ذیل محل نظر ہے:

(الف): امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی تصریح و تعلیل سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے بیع ماء بئر کے عدم جواز کی علت ”لأنه مجهول غرر لا يعرف“ ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس عدم جواز کی صرف یہی علت ہے اور دیگر کوئی علت نہیں ہے، خود امام ابو یوسفؒ نیز دیگر فقہاء کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ مملوکہ کنویں کے پانی کی بیع کے عدم جواز کی بھی بنیادی علت وجہ احراز نہ ہونے کی وجہ سے اس پانی کا غیر مملوک ہونا ہے، کتاب الخراج میں ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بيع الماء، قال أبو يوسف وتفسير هذا عندنا والله أعلم أنه نهى عن بيعه قبل أن يحوز والإحراز لا يكون إلا في الأوعية والآنية فأما الآبار والأحواض فلا“ (ص ۹۷)۔ امام ابو یوسفؒ کی اس تصریح سے واضح ہو رہا ہے کہ کنویں کا پانی ان کے نزدیک غیر محرر ہے، اور غیر محرر ہونے کی وجہ سے نبی کے تحت داخل ہے اور اس کی بیع ممنوع ہے، فقہاء کی عبارتیں بھی پہلے ذکر کی جا چکی ہیں کہ کنویں کا پانی کنویں کے مالک کا مملوک نہیں ہے۔ ”صاحب البشر غیر مالک الماء الذي في البشر بل هو مالک للبشر فقط“ (درر الکام ۱۰/ ۲۷۷)۔ ظاہر ہے کہ جس طرح حق شفت کے اعتبار سے مملوکہ کنویں کا پانی محرر اور مملوکہ نہیں ہوگا اسی طرح حق شرب کے لحاظ سے بھی وہ محرر اور مملوکہ نہ ہوگا، لہذا جس طرح شفت یعنی انسانی حیوانی ضرورت کے لئے مملوکہ

کنویں کا پانی بیچنا درست نہ ہوگا اسی طرح شرب یعنی کھیت اور باغات کی سیرابی کے لئے بھی اس کو بیچنا درست نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ کتاب الخراج کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے اس میں کچھ آگے چل کر یہ صراحت موجود ہے کہ مقدار متعین کرنے کے باوجود غیر محرز اور غیر مملوک پانی کو بیچنا درست نہیں ہے، تملک فتح المہم میں وہ حصہ عبارت مذکور نہیں ہے، پوری عبارت یہ ہے: "کل من كانت له عين أو بشر أو قناة فليس له أن يمنع ابن السبيل من أن يشرب منها ويسقى دابته وبعيره وغنمه منها وليس له أن يبيع من ذلك شيئاً للشفة والشفة عندنا الشرب لبني آدم والبهائم والنعم والدواب، وله أن يمنع السقى للارض والزرع والنخل والشجر، وليس للأحد أن يسقى شيئاً من ذلك إلا باذنه فإن أذن له فلا بأس بذلك وإن باعه ذلك لم يجز البيع ولم يحل للبائع والمشتري، لأنه مجهول غرر لا يعرف، وكذلك ولو كان في مصنعة يجتمع فيها الماء من السيول فلا خير في بيعه أيضاً ولو سمي له كيلا معلوماً أو عدد أيام معلومة لم يجز ذلك أيضاً للحديث الذي جاء في ذلك والسنة، قال ولا بأس ببيع الماء إذا كان في الأوعية هنا ماء قد أحرز، فإذا أحرزه في وعائه فلا بأس ببيعه، وإن هياً له مصنعة فاستقى فيها بأوعيته حتى جمع فيها ماء كثيراً ثم باع من ذلك فلا بأس إذا وقع في الأوعية فقد أحرزه وقد طاب بيعه، فإذا كان انما يجتمع من السيول فلا خير في بيعه ولو باعه لم يجز البيع ومن استقى منه شيئاً فهو له....." (كتاب الخراج/ ۹۵)۔

دیکھئے اس فقرہ میں "لأنه مجهول غرر لا يعرف" سے کچھ ہی آگے یہ عبارت ہے: "ولو سمي له كيلا معلوماً أو عدد أيام معلومة لم يجز ذلك أيضاً للحديث الذي جاء في ذلك والسنة"، اس سے واضح ہو رہا ہے کہ خود امام ابو یوسف کے نزدیک بھی مقدار متعین کر دینے کے باوجود غیر محرز اور غیر مملوک پانی کو بیچنا درست نہیں ہے۔

(ب) فقہاء نے لکھا ہے کہ مملوک کنویں کے پانی میں سے ہر انسان شفت کے لئے پانی لے سکتا ہے، ہر انسان کو اس کا حق ہے، مگر شرب یعنی سیرابی کے لئے بلا اجازت پانی لینے کا حق نہیں ہے، اس کے باوجود اگر کوئی شخص مملوک کنویں سے مالک کی اجازت کے بغیر سیرابی کے لئے پانی لیتا ہے تو اس کا یہ فعل درست تو نہ ہوگا اور بار بار نا حق طور پر ایسا کرنے سے اس کی تادیب بھی کی جائے گی، مگر اس پر پانی کا کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔ در مختار میں ہے:

”لا سقی أرضه وشجره وزرعه ونصب دولاب ونحوها من نہر غیره وقناتہ وبئرہ إلا باذنه، لأن الحق له فیتوقف علی اذنه، اور رد المحتار میں ہے:“ (قولہ: لا سقی أرضه) اضطر إلى ذلك أولاً ولا ضمان عليه إن سقى أرضه أو زرعه من غیر إذن وإن أخذ مرة بعد مرة يؤد به السلطان بالضرب والحبس إن رأى ذلك“ (کتاب ۱۰/۱۳، وکذا فی الہندیہ ۵/۳۹۱، درر المختار ۱۰/۲۷۷-۲۸۶)۔

اس جزئیہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مملوک کنویں کا پانی سیرابی کے لئے بھی قابل فروخت نہیں ہے؛ کیوں کہ جو چیز قابل فروخت ہوتی ہے وہ مملوک ہوتی ہے اور جو مملوک ہوتی ہے اس کے اتلاف سے ضمان واجب ہوتا ہے، ”کل من یحوز شیئاً مباحاً یملکہ مستقلاً..... فاذا أخذه آخر بلون اذنه واستهلكه یكون ضامناً“ (درر المختار ۱۰/۲۷۵) اور یہاں اتلاف یعنی سیرابی کے لئے بلا اجازت پانی لینا موجب ضمان نہیں ہے، معلوم ہوا کہ یہاں پانی نہ مملوک ہے اور نہ قابل فروخت ہے، ورنہ تو ضرور ضمان واجب ہوتا۔ ”الماء قبل الإحراز غیر مملوک لأحد وإتلاف غیر المملوک لا یوجب الضمان ولكن إذا تكرر الفعل المذكور أی السقی بلا إذن فیؤدب الفاعل بالحبس بأمر ولی الأمر“ (درر المختار ۱۰/۲۸۶)۔

(ج) مملوک کنویں سے دوسروں کو ”شرب“ یعنی سیرابی کا حق حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ذکر کی گئی ہے کہ اس میں مالک کے حق کو باطل کرنا اور اس کو نقصان پہنچانا لازم آتا ہے، یہ وجہ نہیں ذکر کی گئی ہے کہ کنویں والا اس اعتبار سے اس کا مالک ہے، ”فلیس له أن یمنع الناس

من الشفة وهو الشرب بأنفسهم وسقى دوابهم منه لأنه مباح لهم وقد روى "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى منع نبع البئر" وهو فضل مانها الذي يخرج منها فلهم أن يسقوا منها لشفاهم ودوابهم فأما لزورهم وأشجارهم فله أن يمنع ذلك لما في الاطلاق من إبطال حقه أصلاً - وليس لصاحب النهر أن يمنع من الشفة وهو شرب الناس والدواب وله أن يمنع من سقى الزرع والأشجار، لأن له فيه حقا خاصا وفي إطلاق السقى إبطال حقه، لأن كل أحد يتبادر إليه فيسقى منه زرعه وأشجاره فيبطل حقه أصلاً ولو أذن بالسقى والنهر خاص له جاز لأنه أبطل حق نفسه" (بدائع ۵/۵۷۲)۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ سیرابی کے اعتبار سے بھی کنویں والا نہ تو پانی کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہی اس کو بیع و اجارہ جیسے مالکانہ تصرفات کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

(د) اسی طرح خود کنویں والے کو پانی کے تعلق سے جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس کو "حق" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ "حق" سے تعبیر اس بات کی علامت و دلالت ہے کہ صاحب حق کو اس پر ملکیت حاصل نہیں ہے، "حقها ای حق الشفة و عبر بالحق، لأنه ليس ملكا لهم، لأنه غير محرز" (ثانی ۲۱/۸۱) "قیل" "حق الشفة" وهذا التعبير يدل على أنهم غير مالکین للماء المذكور، فإن هذا الماء غير محرز" (درر ۱۴/۵۸۲) پس جب کنویں والے کا کنویں کے پانی سے صرف حق متعلق ہے، باعتبار حق وہ دوسروں سے مقدم ہے اور بس! وہ کلیئہ اس کا مالک و مختار نہیں ہے تو سیرابی کے لئے ہی اس پانی کو بیچنا اس کے لئے کیوں کر درست ہوگا۔

غرضیکہ مملوکہ کنویں کا پانی جس طرح شفت یعنی انسانی و حیوانی ضرورت کے لئے نہیں بیچا جاسکتا، اسی طرح شرب یعنی کھیتوں اور باغات کی سیرابی کے لئے بھی اس کو بیچنا درست نہیں ہے۔

۱۴- تالاب اور نشیبی جگہ میں آبادیاں بسانا:

انسان کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے سے اس وقت تک نہیں روکا جاسکتا جب تک کہ اس کے تصرف سے دوسرے شخص کا یا معاشرہ کا معتد بہ نقصان اور ضرر لازم نہ آئے، ”لا یمنع أحد من التصرف فی ملکہ مالہ یکن فیہ ضرر فاحش للغير“ (دررلکھام ۱۰/۲۴۰)۔

”أما إذا كان فی تصرفه ضرر فاحش للغير فیمنع فی ذلك الحال“ ۲۱ (ایضاً ۵۱۳/۱۰)۔ پس صورت مذکورہ میں اگر تالاب میں آبادی بسانے سے واقعہ آس پاس کی آبادی کو نقصان پہنچ رہا ہو کہ تالاب کا پانی آبادی میں پھیل کر لوگوں کی ایذا و مضرت کا سبب بنتا ہو تو اس طرح تالاب میں آبادیاں بسانا درست نہ ہوگا، حکومت کو چاہئے کہ اس پر پابندی لگائے، حکومت کی طرف سے پابندی اور ممانعت کے وقت یہ عدم جواز اور زیادہ سخت ہو جاتا ہے، لیکن اگر آبادی بسانے کا انتظام اس طرح کیا جائے کہ اطراف والوں کو کوئی نقصان نہ ہو، پانی کا راستہ اس طرح نکالا جائے کہ آبادی میں نہ پھیلے تو پھر تالاب کی جگہ آبادی بسانا درست ہے، اس مسئلہ کے نظائر مندرجہ ذیل فقہی جزیات ہیں:

کتاب اُخراج میں ہے:

”إذا خاف أهل النهر أن ینشق علیہم فأرادوا تحصینہ من ذلك فامتنع بعض أهلہ من الدخول معهم فیہ، فان كان فی ذلك ضرر عام أجبرهم جميعاً علی أن یحصنوه بالحصص وإن لم یکن فیہ ضرر عام لم یجبروا علی ذلك“ (مس ۹۵، وکذا فی البدایع ۵/۲۷۸)۔

فتاویٰ ہندی میں ہے:

”لو انشق ضفة النهر ویسبل الماء عنه فیتضرر الناس به فأصاب النهر یومرون یاصلاحه“ (۳۰۰/۵)۔

محیط برہانی میں ہے:

”إن خيف أن ينشق النهر الخاص وأرادوا أن يحصنوه فامتنع بعضهم فإن كان في هذا ضرر عام بأن كان الماء يخرج إلى طريق المسلمين وإلى أراضيهم لو لم يصلحوا يجبر الآبي على ذلك وإن لم يكن فيه ضرر عام لا يجبر بالاتفاق“ (۸۲/۱۹)۔

ہاں! البتہ اگر وہ تالاب ایسا ہے کہ اس سے آس پاس کی آبادی والوں کا حق شفت متعلق ہے، لوگ اس سے اپنی انسانی و حیوانی آبی ضرورت پوری کرتے ہیں، اور وہاں آبادی بسانے میں لوگوں کی ضرورت متاثر ہوگی، انہیں وقت اور تکلیف کا سامنا ہوگا تو اس صورت میں حکومت کو چاہئے کہ ایسے تالاب میں آبادی بسانے پر پابندی لگائے، حکومت کو اس کا حق بلکہ اس کا یہ فرض ہے، اس کی تعمیل شرعاً ضروری ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی مندرجہ ذیل تحریر سے اس سلسلہ میں کافی روشنی ملتی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”كل نهر له منفعة أكثر فلا ينبغي للإمام أن يهدمه ولا يتعرض له وكل نهر مضرته أكثر من منفعته فعلى الإمام أن يهدمه ويظمه ويسويه بالأرض إلا ما كان للشفة، فإن كان فيه ضرر على قوم وصلاح الآخرين في الشفة لم يتعرض له، وإن تعرض له قوم فسدوه أو طموه بغير إذن الإمام فينبغي للإمام أن يأمر برده إلى حاله وأن يوجعوا عقوبة، لأن شراب الشفة غير شرب الأرضين، شرب الشفة نرى القتال عليه ولأصحاب الشفة من هذا النهر أن يمنعوا رجلا أن يسقى زرعته من ذلك ونخله وشجره وكرمه إذا كان يضر بأصحابه“ (كتاب الخراج، ۹۳)۔

ہندیہ کے ایک جزئیہ اور اس کی علت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (دیکھئے فتاویٰ ہندیہ ۳۸۹/۵)۔

۱۵- آب رسانی کا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے؟

فقہاء نے لکھا ہے کہ نہر اعظم جس میں اجتماعی ملکیت ہوتی ہے اور جس سے عامۃ الناس کی پانی کی منفعت و ضرورت متعلق ہوتی ہے، اس کی کھدائی و مرمت اور اصلاح و درستگی کی ذمہ داری حکومت کی ہے، حکومت سرکاری خزانہ سے یہ کام کرائے گی، والا یہ کہ حکومت کے لئے اس کی گنجائش نہ ہو تو پھر پبلک کے خرچہ اور محنت سے یہ کام کیا جائے گا۔ چنانچہ کتاب الخراج میں ہے:

”علی الإمام کری هذا النهر الأعظم الذی لعامة المسلمین إن احتاج إلی کری وعلیه أن یصلح مسناتہ إن خیف منه“ (ص ۹۷)۔
بدائع میں ہے:

”واحتاجت هذه الأنهار إلی الکری فعلى السلطان کراها من بیت المال، لأن منفعتها لعامة المسلمین، فكانت مؤنتها من بیت المال، لقوله علیه الصلوة والسلام: ”الخراج بالضممان“ وکلنا لو خیف منه الغرق فعلى السلطان إصلاح مسناتہ من بیت المال لما قلنا“ (۲۸۰/۵، نیز دیکھئے محیط برہانی ۸۱/۱۹)۔

مذکورہ بالا تصریحات فقہیہ سے مستفاد و مستنبط ہو رہا ہے کہ عوام اور پبلک کی عام ضروریات و منافع کی طرح آب رسانی کا انتظام بھی حکومت کے واجبات میں سے ہے، پس ہر شہری کا حق ہے کہ اس کا مطالبہ کرے، حکومت کو چاہئے کہ سرکاری خزانہ سے یہ انتظام مفت کرے، اس کی کوئی قیمت و اجرت نہ لے، سرکاری خزانہ میں اس کی گنجائش ہوتے ہوئے نہ تو

آب رسائی کی اجرت لینا درست ہے اور نہ ہی اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حکومت کو حق ہے، ہاں! اگر سرکاری خزانہ میں اس کی گنجائش نہ ہو، اس کے لئے مطلوبہ لاگت کی ضرورت ہو تو حسب ضرورت آب رسائی کی اجرت لی جاسکتی ہے، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں پانی روکا جاسکتا ہے۔

۱۶- استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے؟

حفظان صحت کے اسباب عامہ کا انتظام بھی عام ضروریات و منافع میں سے ہے، جن میں استعمال شدہ اور گندے پانی کی نکاسی بھی شامل ہے، لہذا ایسے پانی کی نکاسی حکومت کی ذمہ داری اور شہریوں کا حق ہوگی۔ *نفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: "حق المسیل هو تصريف الماء الزائد عن الحاجة أو غير الصالح إلى المصارف والمجارى العامة بواسطة مجرى سطحى أو أنبوب مستور سواء من أرض أو دار أو مصنع..... والمسيل قد يكون مملوكا للمنتفع به أو لصاحب الأرض التي يمر فيها وقد يكون فى مرفق عام..... وتجب نفقات إصلاح المسيل على المنتفع به إذا كان فى ملكه أو فى ملك غيره، فان كان فى أرض عامة فنفقة الإصلاح على بيت المال"* (۶۰۶/۵-۶۰۷)۔

ہما ما عندی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

آبی وسائل - مسائل اور حل

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

پانی انسان کی ایک بنیادی اور اہم ترین ضرورت ہے۔ جسے وہ کھانے، پینے، نہانے، دھونے اور وزمرہ کی دیگر ضروریات میں استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت ساری نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”هو الذي أنزل من السماء ماءً لكم منه شراب ومنه شجر فيه تسمون، ينبت لكم به الزرع والزيتون والنخيل والأعناب ومن كل الثمرات ان في ذلك لآية لقوم يتفكرون“ (نمل، ۱۰-۱۱)۔

(وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا ہے جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے، اور جس سے درخت ہیں جن میں تم چرنے چھوڑ دیتے ہو، اس سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے دلیل ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ پانی تمام انسانوں کے لئے مباح عام ہے، عام حالات میں نہ تو اس پر کسی کی اجارہ داری قائم ہو سکتی ہے اور نہ بندگان خدا کو اس سے نفع اٹھانے سے منع کیا جاسکتا ہے بلکہ ہر شخص کو حق ہے کہ حسب ضرورت اس سے فائدہ اٹھائے۔

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

پانی کا استعمال جس طرح کھانے پینے میں ہوتا ہے، اسی طرح طہارت و نظافت کے حصول کے لئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، کپڑوں کی تطہیر کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَتِيَابِكُمْ فَطَهِّرُوا وَالرِّجْزَ فَاهْجُرُوا“ (المذثر ۳-۵)۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہو۔

حضرت ابن عباس، ابن زید، حسن بصری اور ابن سیرین نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

”اغسلها بالماء ونقها من الدون والقذر“ (البتایہ ۱/۷۰۱، روح المعانی ۱۱۸/۲۹)۔

انہیں پانی سے دھل دو اور میل کچیل اور گندگی سے صاف ستھرا کرو۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ نے محدث کے لئے وضو کرنے اور جنبی کے لئے غسل کرنے کا حکم دیا، ارشاد خداوندی ہے:

يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدہ ۷)۔

(اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو تو دھو لو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو)۔ اسی طرح حالت حیض میں عورت کے ساتھ مجامعت کی حرمت کے تعلق سے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذَى فَأَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ

ولانقربوہن حتی یطہرن (البترۃ: ۲۲۲) (اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا، کہہ دے وہ گندگی ہے سو تم عورتوں سے حیض کے وقت الگ رہو اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہو)۔
 نافع، ابو عمرو، ابن کثیر، ابن عامر اور عاصم نے روایت حفص میں ”یظہرن“ کو سکون طاء اور ضم ہا کے ساتھ پڑھا ہے اور حمزہ، کسائی، مغضل اور روایت ابو بکر میں عاصم نے ”یظہرن“ کو تشدید طاء و ہا، اور ان دونوں کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ علامہ طبری نے تشدید طاء کی قراءت کو راجح قرار دیا ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

رجح الطبری قراءة تشدید الطاء وقال ہی بمعنی یغتسلن لاجتماع
 الجسمیع علی أن حراما علی الرجل أن یقرب امرأته بعد انقطاع الدم حتی تطہر
 (تفسیر قرطبی ۵/۸۶۳)۔

طبری نے تشدید طاء کی قراءت کو راجح قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ یغتسلن کے معنی میں ہے
 اس لئے کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انقطاع دم کے بعد مرد پر اپنی عورت کے پاس جانا
 حرام ہے، یہاں تک کہ وہ پاک صاف ہو جائے۔
 پانی کے استعمال کے تعلق سے یہ اور اس طرح کے بہت سے احکام کتاب و سنت میں
 بصراحت موجود ہیں۔

۲- پانی میں فضول خرچی کا مسئلہ:

اسلامی شریعت نے زندگی کے تمام مراحل میں اعتدال کو پسند اور بے اعتدالی کو ناپسند
 کیا ہے، حتیٰ کہ پانی کے استعمال میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھنے کی خاص تاکید کی گئی ہے کہ اسے
 ضرورت کے بقدر ہی خرچ کیا جائے، اور اگر کوئی شخص مطلوبہ مقدار سے زیادہ پانی کا استعمال کرتا
 ہے تو وہ از روئے شرع اسراف کرتا ہے جو ممنوع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے:
 ”إن رسول اللہ ﷺ مرّ بسعد وهو يتوضأ فقال: ما هنا السرف؟“

فقال أفي الوضوء إسراف قال: نعم وإن كنت على نهر جار“ (ابن ماجہ: ۳۳)۔
رسول اللہ ﷺ کا گزر حضرت سعد پر ہوا جب کہ وہ وضو کر رہے تھے، آپ نے فرمایا:
یہ اسراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا: کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگرچہ تم
بہت ہی ندی پر کیوں نہ ہو۔

اسی اعتدال پسندی کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ ایک مد سے وضو اور
ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:
أن النبی ﷺ كان يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع فقیل له: إن لم يكفنا
فغضب وقال: لقد كفى من هو خیر منكم وأكثر شعرا“ (بخاری شریف، بدائع المناع
۱۳۳/۱)۔

نبی اکرم ﷺ ایک مد سے وضو اور ایک صاع سے غسل کرتے تھے، حضرت جابر سے
کہا گیا: اگر اتنا کافی نہ ہو تو آپ اس پر غصہ ہوئے اور کہا: اس شخص کے لئے اتنا کافی رہا جو تم سے
بہتر اور زیادہ بال والا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں اس حدیث کے ذیل میں صراحت فرمائی
ہے کہ اس سے پانی کے استعمال میں فضول خرچی کی کراہیت معلوم ہوتی ہے۔
”وفیه کراہیۃ الاسراف فی استعمال الماء“ (۱۳۳/۲)۔

اس حدیث میں پانی کے استعمال میں اسراف کی کراہیت کا پتہ چلتا ہے، علماء کرام
نے پانی کے اسراف کی کراہیت پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ بذل الجہود میں ہے:
”وقد أجمعت الأمة على كراهية الإسراف في الطهور وضوء اكان أو
غسلا أو طهارة عن النجاسات وإن على شط نهر جار كما ورد في الحديث“
(بذل ۲۳۷/۱)۔

امت کا طہارت میں اسراف کی کراہیت پر اجماع ہے خواہ وہ وضو ہو یا غسل ہو یا

نجاتوں سے پاکی، اگرچہ بہتی ندی کے کنارے پر ہو جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔
علامہ شامی نے واضح کیا ہے کہ اسراف سے مراد شرعی ضرورت سے زیادہ پانی کا
استعمال کرنا ہے، لکھتے ہیں:

”الاسراف بأن يستعمل منه فوق الحاجة الشرعية“ (رد المحتار ۱/۸۵۲)۔

اسراف یہ ہے کہ پانی حاجت شرعیہ سے زیادہ استعمال کرے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے اعضاء وضو کو تین سے زیادہ مرتبہ سنت جان کر دھویا کسی
نے ایک وضو کے بعد کسی مقصود عبادت کو ادا کئے بغیر دوسرا وضو کیا تو فقہاء نے اس کو اسراف مانا
ہے (رد المحتار ۱/۲۳۱، ۲۵۸)۔ اور اس طرح کے بے جا اسراف کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے (رد المحتار
۱/۲۵۸)۔ علامہ نووی نے المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج میں مکروہ تنزیہی کو اظہر قرار دیا ہے:

و أجمع العلماء على النهي عن الإسراف في الماء ولو كان على شاطئ
البحر، والأظهر أنه مكروه كراهة تنزيهه وقال بعض أصحابنا: الإسراف حرام
(۲۲۷، ۳)۔

علماء کا پانی میں اسراف سے منع کرنے پر خواہ دریا کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو اجماع
ہے، اور اظہر یہ ہے کہ وہ مکروہ تنزیہی ہے، ہمارے بعض اصحاب نے کہا: اسراف حرام ہے۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کا شرعی حکم:

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اسلام نے اس کی حفاظت پر کافی زور دیا ہے، اور
اس کو آلودگی سے بچانے کی خاص تاکید فرمائی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں
اس درجہ احتیاط برتنے کی بات کہی ہے کہ اگر کسی چیز میں توہم نجاست ہو تب بھی اسے پانی سے
دور رکھا جائے تاکہ پانی نجس نہ ہو۔ آپ نے فرمایا:

”إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده في الإناء حتى يغسلها

ثلاثا فانہ لا یدری این باتت یدہ“ (صحیح مسلم ۱/۱۰۷۱)۔

جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ تین بار اسے دھل لے، اس وجہ سے کہ اسے معلوم نہیں ہے کہ رات میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں گیا ہے۔
علامہ کاسانی نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا:

”لو كان الماء لا ینجس بالغمس لم یکن للنہی والاحتیاط لوہم النجاسة معنی“ (بواع المصابیح ۱/۲۱۷)۔

اگر پانی، ہاتھ ڈالنے سے نجس نہ ہوتا تو وہم نجاست کی وجہ سے نبی و احتیاط کا کوئی مطلب نہیں رہتا۔

متوہم النجاستہ ہاتھ کو پانی میں ڈالنے کی صورت میں علماء کا ضرور اختلاف ہے کہ وہ نجس ہے یا نہیں؟ تاہم کوئی بھی اس طرح پانی میں ہاتھ ڈالنے کو ہرگز پسند نہیں کرے گا، اور نظافت پسند طبیعت ابا کرے گی کہ دھوئے بغیر ہاتھ پانی میں ڈالا جائے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے علامہ ابو الولید باجی مالکی کا قول نقل کیا ہے کہ:

”اس معاملہ میں اہل عراق کا قول زیادہ پسندیدہ ہے کہ دراصل یہ حکم طہارت کے بجائے نظافت سے متعلق ہے یعنی اگرچہ ہاتھ کے نجس ہونے کا احتمال نہ ہو تب بھی سونے کے بعد ہاتھوں کو بغیر دھوئے پانی میں ڈال دینا نظافت کے خلاف ہے اور شریعت میں طہارت کے ساتھ نظافت بھی مطلوب ہے“ (درس ترمذی ۱/۲۳۰)۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا:
”عن جابر عن رسول اللہ ﷺ أنه نہی أن یبال فی الماء الراكد“ (صحیح مسلم ۱/۱۷۸)۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب

کرنے سے منع فرمایا۔

علامہ نووی نے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کی ہے کہ اگر جاری پانی کثیر ہو تو حدیث کے مفہوم مخالف کے سبب اس میں پیشاب کرنا حرام نہیں ہے لیکن اس سے اجتناب کرنا اولیٰ ہے، اور اگر جاری پانی قلیل ہو تو ہمارے اصحاب کی ایک جماعت کے بقول مکروہ ہے اور مختار یہ ہے کہ وہ حرام ہے، اور اگر ٹھہرا ہوا پانی کثیر ہو تو ہمارے اصحاب کے بقول مکروہ ہے حرام نہیں ہے، اگر اسے حرام کہا جائے تو کوئی بعید بھی نہ ہوگا، اور اگر ٹھہرا ہوا پانی قلیل ہو تو ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے اسے مکروہ کہا ہے، اور صواب و مختار یہ ہے کہ اس میں پیشاب کرنا حرام ہے، اس وجہ سے کہ اس سے پانی نجس ہو جاتا ہے، اس کی مالیت برباد ہو جاتی ہے اور دوسرے کو اس کے استعمال میں دھوکہ ہوتا ہے (المہاج شرح مسلم بن الحجاج ۱/۱۷۹)۔

انہوں نے مزید لکھا:

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: والتغوط في الماء كالبول فيه وأقبح وكذلك إذا بال في إناء ثم صب في الماء وكذا إذا بال بقرب النهر بحيث يجرى إليه البول فكله مذموم فيصح منه على التفصيل المذكور.

قال العلماء: ويكره البول والتغوط بقرب الماء وإن لم يصل إليه لعموم نهى النبي ﷺ عن البراز في الموارد ولما فيه إيذاء المارين ولما يخاف من وصوله إلى الماء“ (المہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج ۱/۱۷۹)۔

ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے کہا: پانی میں پاخانہ کرنا اس میں پیشاب کرنے کی طرح ہے، اور اس سے زیادہ قبیح ہے، اسی طرح کسی برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دینا، نیز ندی کے قریب پیشاب کرنا کہ اس میں بہہ کر چلا جائے یہ سب مذموم یا قبیح اور مذکورہ تفصیل کے تحت ممنوع ہیں..... علماء نے کہا: پانی کے قریب بول و براز کرنا کوک و ہاں تک نہ پہنچ پائے

مکروہ ہے، اس وجہ سے کہ نبی اکرم ﷺ نے گھاٹوں میں پاخانہ کرنے سے علی العموم منع فرمایا ہے اور اس وجہ سے کہ اس میں گزرنے والوں کو ایذا دینا اور اس کے پانی تک پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے جنبی کو ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

”لا یغتسل أحدکم فی الماء الدائم وهو جنب“ (صحیح مسلم، ۱۸۰)۔

تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں بحالت جنابت غسل نہ کرے۔

درمختار میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ پانی میں ناک صاف کرنا اور کھنکھاڑا لانا ممنوع ہے (درمختار، ۳۶۰)۔ مذکورہ تفصیلات دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ پانی کو آلودگی سے بچانا شرعاً واجب ہے۔

۴- گندے پانی کو کیمیاوی طریقے پر قابل استعمال بنانے کا مسئلہ:

پانی کی طہارت و نجاست کا مسئلہ فقہاء کرام کے یہاں بہت اہمیت کا حامل رہا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کے بیس سے زائد اقوال ہیں، کتب فقہ میں اس مسئلے کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر جاری پانی میں نجاست غیر مرئیہ واقع ہو جائے تو جب تک اس کا رنگ یا مزہ یا بو متغیر نہ ہو جائے نجس نہیں ہوگا، اور اگر اس میں نجاست مرئیہ جیسے مردار وغیرہ واقع ہو اور پورا یا اکثر پانی مردار پر بہتا ہو تو پانی نجس ہوگا، اگر اقل پانی مردار پر اور اکثر پانی طاہر حصے پر بہتا ہو تو طاہر ہوگا، اور اگر مردار پر نصف یا نصف سے کچھ کم پانی بہتا ہو تو قیاساً طاہر اور استحساناً نجس ہوگا، اور اگر پانی ٹھہرا ہوا ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

اصحاب ظوہر کا خیال ہے کہ اس میں نجاست واقع ہونے سے پانی نجس نہیں ہوگا، خواہ جاری ہو یا راکد، قلیل ہو یا کثیر، اس کا رنگ یا بو یا مزہ متغیر ہو یا نہ ہو۔

دیگر علماء نے کہا کہ اگر پانی قلیل ہے تو نجس ہو جائے گا اور اگر کثیر ہے تو نجس نہیں ہوگا؛

البتہ قلیل و کثیر کے درمیان حد فاصل کے سلسلے میں ان حضرات کا اختلاف ہے، امام مالک کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اس کا رنگ یا مزہ یا بو متغیر ہو جائے تو قلیل ہے ورنہ کثیر ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر پانی دو قلم ہے تو کثیر مانا جائے گا اور اس سے کم ہے تو قلیل، علماء حنفیہ نے کہا کہ اگر پانی کا ایک جزء دوسرے جزء کی طرف پہنچ جاتا ہو تو قلیل ہے اور اگر نہ پہنچتا ہو تو کثیر (بدائع الصنائع ۲۱۶/۱-۲۱۷)۔

آج اگر کسی کیمیاوی عمل کے ذریعے گندے اور آلودہ پانی کے رنگ و بو اور مزہ کو دور کر کے صاف کر لیا جائے تو اصحاب ظوہر کے مسلک کے مطابق کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، اس وجہ سے کہ ان کے یہاں پانی کی طہارت کے لئے اس کی طبیعت یعنی رقت و سیلان کا باقی رہنا کافی ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔ امام مالک کے یہاں بھی اس میں گنجائش نظر آتی ہے کہ اگر کسی طرح پانی کے اوصاف کا تغیر زائل ہو جائے تو اس کو طاهر مانا جاسکتا ہے، علامہ ابن قیم نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”اعلام المؤمنین“ میں اہل حجاز کے مسلک کو درست بتاتے ہوئے کہا:

هنا الماء والطعام كان طيبا لقيام الصفة الموجبة لطيبه فإذا زالت تلك الصفة وخلفتها صفة الخبث عاد خبيثا فإذا زالت صفة الخبث عاد إلى ما كان عليه وهذا كالعصير الطيب إذا تخمر صار خبيثا فإذا عاد إلى ما كان عليه عاد طيبا والماء الكثير إذا تغير بالنجاسة صار خبيثا فإذا زال التغير عاد طيبا (اعلام المؤمنین ۳۹۲/۱)۔

یہ کھانا پانی، پاکی کو ثابت کرنے والی صفت کے پائے جانے کے سبب پاک ہے جب یہ صفت زائل ہو جائے گی اور اس کی جگہ ناپاکی کی صفت آجائے گی تو وہ ناپاک ہو جائے گا، پھر جب ناپاکی کی صفت زائل ہو جائے گی تو اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے گا۔ یہ پاک رس کی طرح ہے کہ جب وہ شراب بن جائے گا تو ناپاک ہو جائے گا، پھر جب اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے

تو وہ پاک ہو جائے گا، اور زیادہ پانی جب نجاست سے متغیر ہو جائے تو ناپاک ہو جائے گا، پھر جب تغیر زائل ہو جائے تو پاک ہو جائے گا۔

علماء شافعیہ کے یہاں بھی اگر ایک قلعہ نجس پانی میں ایک قلعہ اور ملا دیا جائے تو وہ پانی ظاہر ہو جائے گا جیسا کہ علامہ نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے:

”ولو أضيفت قلة نجسة إلى قلة نجسة عادتا ظاهرتين عندهم فإن فرقنا بعد ذلك فهما على طهوريتها“ (سارف السنن ۱/۲۲۳)۔

اگر ایک قلعہ نجس پانی میں ایک قلعہ نجس پانی ملا دیا جائے تو دونوں شوائع کے یہاں ظاہر ہو جائیں گے، اور اگر اس کے بعد دونوں کو علیحدہ کر دیا جائے تب بھی ظاہر رہیں گے۔

علماء احناف کے یہاں جاری پانی میں نجاست کے واقع ہونے سے اگر اس کا کوئی ایک وصف متغیر ہو جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے لیکن اگر اس میں پاک پانی ملا دیا جائے جس سے اس کے وصف کا تغیر ختم ہو جائے تو وہ پانی پاک ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”والماء الجاري بعد ما تغير أحد أوصافه وحكم بنجاسته لا يحكم بطهارته ما لم يزل ذلك التغير بأن يرد عليه ماء ظاهر حتى يزيل ذلك التغير“ (عالمگیری ۱/۱۰)۔

جاری پانی جبکہ اس کا ایک وصف متغیر ہو چکا ہو اور اس پر نجاست کا حکم لگ چکا ہو تو جب تک وہ تغیر زائل نہ ہو اسے پاک نہیں کہا جائے گا، وہ اس طرح پر کہ اس پر پاک پانی اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ تغیر زائل ہو جائے۔

مذکورہ تفصیلات کے نقل کرنے کا منشا یہ ہے کہ نجس پانی بھی بعض حالات میں ظاہر ہونے کی پوزیشن میں ہوتا ہے، لہذا اگر کسی کیمیاوی عمل سے اس کی آلودگی دور کر دی جائے تو عقل میں یہ بات آتی ہے کہ اسکو ظاہر مان لیا جائے مگر مشکل یہ ہے کہ کتب فقہ کی عبارات سے

معلوم ہوتا ہے کہ نجاست کا ازالہ قلب ماہیت سے ہوتا ہے یا کسی دلیل نقلی سے اور زیر بحث مسئلے کے لئے اس طرح کی واضح نص نہیں معلوم ہوتی، اس لئے رقم سطور کی ناقص رائے یہ ہے کہ جہاں پانی کی قلت ہو اور بغیر اس عمل کے صاف ستھر پانی میسر نہ ہو تو وہاں کے لوگوں کے لئے کیا وہی عمل کے ذریعہ سے صاف کیا ہو پانی پاک مانا جائے، تاکہ لوگ حرج و تنگی میں نہ پڑ جائیں؛ اس لئے کہ شریعت اسلامیہ میں حرج کو دفع کیا گیا ہے، نیز فقہی قاعدے: "المشقة تجلب التيسير" اور "إذا ضاق الأمر اتسع" سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ جیسا کہ "طرح زبل فی القساطل" کے مسئلے سے بھی اس سلسلے میں روشنی ملتی، علامہ شامی نے لکھا ہے:

قد اعتيد في بلادنا إلقاء زبل المدواب في مجارى الماء إلى البيوت
لسد خلل تلك المجارى المسماة بالقساطل فيرسب فيها الزبل ويجرى
الماء فوقها فهو مثل مسئلة الجيفة وفي ذلك حرج عظيم إذا قلنا بالنجاسة
والحرج مدفوع بالنص " (رد المحتار ۱/۳۳۶)۔

ہمارے ملک میں یہ عام ہے کہ گھروں تک جانے والی نہروں میں جانوروں کا کوبر ڈالا جاتا ہے، تاکہ قساطل نامی ان نہروں کے شگاف کو بند کیا جاسکے، وہ کوبر نیچے پیٹھ جاتا ہے اور پانی اس کے اوپر بہتا ہے، یہ مردار کے مسئلہ کی طرح ہے، اگر ہم اسے نجس کہیں تو اس میں بڑا حرج ہے اور حرج نص سے دفع کیا گیا ہے۔

۵- حکومت کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانے کا مسئلہ:

اگر کسی علاقے میں پانی کی قلت ہے اور حکومت دیکھ رہی ہے کہ اگر عوام کو علی الاطلاق اس کے استعمال کی اجازت دے دی جائے گی تو خود عوام کے لئے بہت سے مسائل پیدا ہو جائیں گے تو ایسی صورت میں حکومت کے فرائض میں سے یہ ہے کہ پانی کے بعض استعمالات

پر پابندی لگائے، اور اپنے حسن انتظام سے اپنی رعایا کو مستقبل میں پیش آنے والی مشکلات سے ہر ممکن محفوظ رکھنے کی سعی کرے۔ جیسا کہ ”جب حضرت یوسف ملک مصر پر مختار ہوئے خواب کے موافق سات برس خوب آبادی کی اور ملک کا اناج بھرتے گئے پھر سات برس کے قحط میں ایک بھاؤ میا نہ باندھ کر بکویا“ (حاشیہ عثمانی برترجمہ شیخ الہند، ۳۲۱)۔

نلہ جات کا ریٹ طے کرنا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر نلہ مالکان اس کی قیمت ضرورت سے زیادہ بتانے لگیں تو حکومت کو اجازت ہے کہ مناسب قیمت طے کر دے تاکہ عوام کو دشواری پیش نہ آئے۔

کنز الدقائق میں ہے:

لا یسعر السلطان إلا أن یتعدی أرباب الطعام عن القیمة تعلیما فاحشا“
(کنز الدقائق: ۳۵۲)۔

بادشاہ کسی چیز کی قیمت مقرر نہیں کرے گا الا یہ کہ نلہ مالکان قیمت کے سلسلے میں ناقابل برداشت حد تک آگے بڑھ جائیں۔

رعایا کی نفع رسانی کے لئے حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ حالات کے تحت اس طرح کی پابندی لگانے کا فیصلہ کرے جیسا کہ ہیضہ کی وبا کے عام ہونے کی صورت میں حکومت خر بوزہ کی خرید وخت اور اس کے کھانے پر پابندی لگا سکتی ہے اور عوام کو اس پابندی کا لحاظ کرنا لازم ہوتا ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب ہیضہ کی وبا پھوٹ رہی ہو تو حکومت یہ پابندی لگا سکتی ہے کہ خر بوزہ کی خرید وخت اور اس کا کھانا ممنوع ہے جب تک حکومت کی طرف سے عائد کردہ یہ پابندی باقی رہے اس وقت تک خر بوزہ کھانا اور اس کا بیچنا شرعاً ناجائز ہو جائے گا“ (اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ۲۱)۔

۶۔ مملوکہ زمین میں پانی کی ملکیت کا مسئلہ:

جو پانی زمین کے نیچے بہ رہا ہے وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے، خواہ وہ زمین کسی کی مملوکہ ہو یا حکومت کی ملکیت میں ہو۔ سلیم رستم باز لبنانی نے شرح مجلہ میں مادہ ۱۲۳۵ کے تحت تحریر فرمایا ہے:

الماء الجاري تحت الأرض ليس بملك لأحد (۶۷۶/۱)۔

زمین کے نیچے بہنے والا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے، اگر حکومت کسی کی مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے کہ اس سے پانی کی سطح نیچی ہو جائے گی تو حکومت کو ایسا کرنے کی اجازت ہوگی اور عوام پر لازم ہوگا کہ شرعی طور پر اس حکم امتناعی کی پابندی کریں۔ شریعت نے اپنی ملک میں تصرف کرنے سے اس صورت میں منع فرمایا ہے جب کہ پڑوسی کو اس سے ”ضرر بین“ لاحق ہو رہا ہو۔

علامہ شامی نے لکھا ہے:

”لا يمنع الشخص في تصرفه في ملكه إلا إذا كان بجاره ضررا بينا“

(رد المحتار ۲/۵۵۹)۔

آدمی کو اس کی ملک میں تصرف سے منع نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ اس کے پڑوسی کو ضرر

بین لاحق ہو۔

علامہ ابن قدامہ نے اُمنغنی میں ”ليس للرجل التصرف في ملكه تصرفا يضر

بجاره“ کے تحت مثال دیتے ہوئے لکھا:

أو يحفر بيرا إلى جانب بئر جاره يحتذب مائها“ (اُمنغنی ۲/۵۲) یا جیسے اپنے

پڑوسی کے بغل میں کنواں کھودے کہ اس کا پانی کھینچ لے۔

اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے کنویں وغیرہ کی حریم طے کی، اور اس حد کے اندر

دوسرے کو کنواں کھودنے سے منع کیا گیا، اور اگر کوئی کھود لیتا ہے تو اس کو پائنے کی بات کہی گئی، جس کا واحد مقصد ہر ایک شخص کو ضرر سے بچانا ہے، جب شریعت نے انفرادی مسائل میں دفع ضرر پہ خاص توجہ فرمائی ہے تو اگر مسئلہ پورے ملک کا ہو اور حکومت عوامی مصلحت کے تحت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے منع کر رہی ہو تو اسے بدرجہ اولیٰ حق منع حاصل ہوگا، اور عوام پر لازم ہوگا کہ اس طرح کی پابندیوں پر عمل کرے۔

۷۔ حکومت کا لوگوں کے لئے اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنے کو لازم قرار دینا:

اگر حکومت عوامی مصلحت کے تحت پانی کی حفاظت کی ذمہ داری عوام پر ڈالتی ہے تو شرعاً درست ہوگا، اس لئے کہ حکومت اپنے ملک اور وہاں کے باشندوں کی صورت حال کو بہتر جانتی ہے، کہ کس طرح پانی کی ذخیرہ اندوزی کو بہتر سے بہتر بنایا جاسکتا ہے اور اس نوع کی پیش آمدہ مشکلات کا بحسن و خوبی مقابلہ کیا جاسکتا، جبکہ حکومت زندگی سے جڑے ہوئے اس طرح کے عوامی مسائل کو حل کرنے کی ذمہ دار ہے، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق کا احساس ذمہ داری اس حد تک ہے کہ:

”لو مات کلب علی شاطئ الفرات جو عاً لکان عمر مسئولاً عنہ یوم القیامة“ (توفیق الرحمن: ۳۳)۔

اگر کوئی کتا فرات کے ساحل پر بھوکا مر جائے تو قیامت کے دن اس کے بارے میں بھی عمر سے سوال کیا جائے گا۔

اسی لئے حضرات فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر امام وقت کا فعل مصالح پر مبنی ہو اور شریعت سے متصادم نہ ہو تو اس کا حکم نافذ ہوگا۔ علامہ ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں

تحریر فرمایا ہے:

”إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه فإن خالفه لم ينفذ“ (الاشباہ ۱۸۹۵)۔

اگر امام کا فعل عام امور سے متعلق مسائل میں مصلحت پر مبنی ہو تو شرعاً اس کے حکم کا نفاذ اس وقت ہوگا جب کہ شریعت کے موافق ہو، مخالف ہونے کی صورت میں نافذ نہیں ہوگا۔

حکومت پانی کی ذخیرہ اندوزی خود کر سکتی ہے اور حسب مصلحت عوام الناس کو بھی اس کا مکلف بنا سکتی ہے، اس میں بظاہر شرعی کوئی قباحت نظر نہیں آتی، لہذا حکومت کا لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دینا کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کر دیں تو یہ درست ہوگا۔

۸- پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے آبادیوں کے منتقل کرنے کا مسئلہ:

اگر حکومت عوامی مصالح کے مد نظر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے ایک بڑا پروگرام بناتی ہے اور اس کے لئے ایک بڑی جگہ کا انتخاب کر کے بڑے پیمانے پر پانی کا ذخیرہ کرنا چاہتی ہے لیکن اس ضمن میں وہاں کی آبادی کو منتقل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو وہاں کی آبادی کا با معاوضہ منتقل کرنا اجتماعی مصالح کے پیش نظر درست ہوگا: اس لئے کہ امام کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔ رد المحتار میں زیلعی کے حوالے سے مرقوم ہے:

”إن للإمام ولاية عامة وله أن يتصرف في مصالح المسلمين“ (رد المحتار ۲۹۸/۶)۔

امام کو ولایت عامہ حاصل ہے، اور اسے مسلمانوں کی مصالح میں تصرف کرنے کا حق ہے۔

مفتی عمیم الاحسان صاحب نے فتاویٰ امجدیہ (ص ۱۱۰) میں ”لا يجوز لأحد أن

یاخذ مال أحد بلا سبب شرعی“ کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے:

”السبب الشرعی ما جعله الشرع سبباً للملك وجواز التصرف كالبيع والهبة والإرث والوصیة، وفي شرح السیر ۲/۴۷۴ قال رسول الله ﷺ: لا یحل مال امرء مسلم إلا بطیبة نفس منه - نعم مواضع الضرورة مستثناة، وفي ۲/۴۴۵: وللام أن یاخذ مال الغير عند الضرورة بشرط الضمان“ (۱۱۰)۔

سبب شرعی وہ ہے جس کو شریعت نے ملک اور جواز تصرف کا سبب بنایا جیسے بیع، ہبہ، وراثت اور وصیت۔ شرح السیر ۲/۴۷۴ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان آدمی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے، ہاں ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں، نیز شرح السیر ۲/۴۴۵ میں ہے کہ امام ضرورت کے وقت دوسرے کا مال ضمان کی شرط کے ساتھ لے سکتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت ضرورت کے وقت آبادی کو منتقل کر سکتی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یا تو وہاں کے باشندگان کو زمین و مکان کا معقول معاوضہ دیا جائے یا متبادل زمین و مکان فراہم کئے جائیں تاکہ وہ لوگ نقل مکانی کے سبب مزید الجھنوں میں گرفتار نہ ہو سکیں، بلکہ حکومت کو چاہئے کہ ایسی صورت میں زمین و مکان کے بہتر سے بہتر متبادل کا نظم کرے؛ تاکہ پشتینی زمین و جائداد کے چھوڑنے، مانوس علاقوں کو خیر باد کہنے اور بچپن کی حسین یادوں سے جڑے ہوئے درو دیوار کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہنے کی اشک شونی بھی ہو سکے۔

۹- سیلاب میں باندھ کاٹ کراچی حفاظت کرنے کا مسئلہ:

اگر کسی بستی کے لوگوں نے سیلاب کی روک تھام کے لئے باندھ باندھا، لیکن سیلاب

بڑھتے بڑھتے اتنا زبردست ہو گیا کہ بستی کے لئے خطرہ بن گیا، یا کسی علاقے میں تباہ کن سیلاب سے نمٹنے کے لئے باندھ کی پہلے سے تعمیر ہے لیکن سیلاب کی شدت سے بستی کے غرق ہونے کا خطرہ منڈلانے لگا، اور بچنے کی صرف ایک صورت باقی رہی کہ باندھ کو کسی طرف سے کاٹ دیا جائے تاکہ آبادی پر پانی کا بڑھتا ہوا دباؤ کم ہو جائے اور وہ لوگ محفوظ رہ سکیں۔ اس طرح یہ بستی غرق ہونے سے تو بچ جائے گی لیکن نشیب میں واقع ہونے والی دیگر بستیاں غرقاب ہو جائیں گی، اس سنگین صورت حال میں پہلی بستی والوں کے لئے جائز ہوگا کہ دفع مضرت کے لئے باندھ کاٹ کر پانی آگے بڑھادیں، اور اپنے کو مصیبت سے بچالیں، علامہ شاطبی نے ”موافقات“ میں جلب منفعت اور دفع مضرت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

”إن الظلم لا أسوة فيه ولا يلزم أحدا أن يولج نفسه في ظلم مخافة أن يوضع الظلم على غيره والله تعالى يقول: إنما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبيعون في الأرض بغير الحق۔“

ورأيت في بعض المنقولات نحو هذا عن يحيى بن عمر أنه لا بأس أن يطرحه عن نفسه مع العلم بأنه يطرحه على غيره إذا كان المطروح جوراً بيناً، (الموافقات ۳/۵۱)۔

ظلم میں کوئی ہمدردی نہیں ہے، اور کسی پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے کو ظلم میں ڈالے، اس خوف سے کہ یہ ظلم دوسرے پر ڈالا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔

میں نے بعض منقولات میں اسی طرح سخی بن عمر سے مروی دیکھا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی ظلم کو اپنے سے دفع کرے، باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ اس ظلم کو دوسرے پر ڈال رہا ہے، بشرطیکہ دفع کیا ہو ظلم واضح قسم کا ظلم ہو۔

اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

وذكر عبد الغنى في المؤلف والمختلف عن حماد بن أبي أيوب
قال: قلت لحماد بن أبي سليمان: إنني أتكلم فترفع عن النوبة فإذا رفعت عنى
وضعت على غيرى، فقال: إنما عليك أن تكلم في نفسك فإذا رفعت عنك
فلا تبالى على من وضعت (الموافقات: ۳/۳۵۲)۔

عبد الغنی نے المؤلف والمختلف میں ذکر کیا ہے کہ حماد بن ابی ایوب نے حماد بن ابی
سلیمان سے کہا: میں بات کرتا ہوں جس کی وجہ سے مجھ سے مصیبت نال دی جاتی ہے، جب مجھ
سے ٹلتی ہے تو دوسرے پر ڈال دی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارے پر بس اتنا لازم ہے کہ تم
اپنے بارے میں گفتگو کرو، جب تم سے مصیبت نال دی گئی تو اس کی فکر مت کرو کہ کس پر ڈالی گئی۔
اسی طرح امام عزالدین بن عبدالسلام نے ”قواعد الاحکام“ میں تحریر فرمایا ہے:

وإذا اجتمعت مصالح ومفاسد فإن أمكن تحصيل المصالح ودرء
المفاسد فعلنا ذلك امتثالاً لأمر الله تعالى: فاتقوا الله ما استطعتم (التغابن: ۱۶)
وإن تعذر الدرء والتحصيل فإن كانت المفسدة أعظم من المصلحة درأنا
المفسدة ولا نبالى لفوات المصلحة قال تعالى: يسئلونك عن الخمر
والميسر قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمها أكبر من نفعهما“ (البقرہ: ۲۱۹)
حرمہما لأن مفسلتہما أكبر من منفعتهما“ (الفتح، عدد: ۱۹۱۹، شوال ۱۳۳۱)۔

جب مصالح و مفاسد جمع ہو جائیں، مصالح کا حصول اور مفاسد کا دفع کرنا ممکن ہو تو اللہ
تعالیٰ کے حکم ”اللہ سے جہاں تک تم سے ہو سکے ڈرو“ کی تعمیل میں ہم ایسا کریں گے، اور اگر
مفاسد کا نالنا اور مصالح کا حاصل کرنا دشوار ہو اور مفسدہ، مصلحت سے بڑا ہو تو ہم مفسدہ کو دفع
کریں گے اور مصلحت کے فوت ہونے کی پروا نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”لوگ آپ

سے شراب و قمار کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو فائدے بھی ہیں، اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حرام اس وجہ سے کیا کہ ان کا فساد ان کے نفع سے کہیں بڑا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ باندھ کاٹنے کا مقصد دوسرے کو مصیبت میں مبتلا کرنا نہیں ہے اور نہ شریعت میں اس کی اجازت ہے، یہاں صرف ایک مصیبت زدہ کا مصیبت سے نجات پانے اور اپنی جان و مال اور پوری آبادی کو سیلاب بلاخیز کی آفتوں سے محفوظ رکھنے کا مسئلہ ہے۔ علامہ شاطبی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ”الموافقات“ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

إن إضرار الغير في المسائل المتقدمة والأصول المقررة ليس بمقصود في الإذن وإنما الإذن لمجرد جلب الجالب ودفع الدافع وكونه يلزم عنه إضرار أمر خارج عن مقتضى الإذن (الموافقات: ۳۵۲)۔

گزشتہ مسائل اور مقررہ اصول میں جو اجازت ہے اس سے دوسرے کو نقصان پہونچانا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ یہ اجازت محض جلب جالب اور دفع دافع کے لئے ہے، رہ گیا یہ کہ اس سے کسی کو نقصان پہنچتا ہے تو یہ اجازت کے مقتضی سے خارج امر ہے۔

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے استفادہ کی اجازت کی حد:

علامہ ابن عابدین شامی نے اپنی کتاب ”رد المحتار“ میں پانی کی چار قسمیں بتائی ہیں، اور ہر ایک سے کس حد تک استفادہ کی اجازت ہے، نہایت اختصار کے ساتھ واضح فرمایا ہے:

اعلم أن المياه أربعة أنواع، الأول: ماء البحار ولكل أحد فيها حق الشفة وسقى الأراضى فلا يمنع من الانتفاع على أى وجه شاء، والثانى: ماء الأودية العظام كسيحون، وللناس فيه حق الشفة مطلقا وحق سقى الأراضى إن

لم يضر بالعامه، والثالث: ما دخل في المقاسم أي المجارى المملوكة لجماعة مخصوصة وفيه حق الشفة، والرابع: المحرز في الأواني ينقطع حق غيره عنه، (رد المحتار ۱۰/۱۳)۔

جاننا چاہئے کہ پانی کی چار قسمیں ہیں: اول: سمندر کا پانی، اس میں ہر شخص کے لئے پانی پینے، اس کے استعمال کرنے، جانوروں کو پلانے اور زمین کو سیراب کرنے کا حق ہے، جس طرح پر بھی اس سے نفع اٹھائے منع نہیں کیا جائے گا، دوم: بڑی ندیوں کا پانی جیسے سیحون، اس میں لوگوں کے لئے خود پینے اور جانوروں کو پلانے کا حق ہے، نیز اگر عام لوگوں کو ضرر نہ پہنچے تو اس سے زمین سیراب کرنے کا حق ہے، سوم: کسی جماعت مخصوصہ کی مملوکہ نہروں کا پانی، اس میں پینے پلانے کا حق ہے، چہارم: برتنوں میں جمع کیا ہوا پانی، اس سے دوسرے کا حق منقطع ہو جاتا ہے۔ مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ دریا، ندی کے پانی کو ہر شخص پینے، کھانا پکانے، وضو کرنے، غسل کرنے، کپڑا دھلنے جیسی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہے، نیز جانوروں کو پانی پلانے کا بھی حق حاصل ہے، اس پر چکی لگانا، زمینوں کو سیراب کرنا بھی ہر شخص کا حق ہے، اس سے نہر نکال کر اپنی زمین تک لانے کی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ عام لوگوں کو اس سے نقصان نہ پہنچے، کنز الدقائق میں ہے:

الأنهار العظام كالمدجلة والفرات غير مملوكة ولكل أن يسقى أرضه ويتوضأ به ويشربه وينصب الرحي عليه ويكوي منها نهرا إلى أرضه إن لم يضر بالعامه (کنز الدقائق: ۳۵۵)۔

بڑی ندیاں جیسے دجلہ فرات کسی کی مملوکہ نہیں ہیں، اور ہر ایک شخص کو حق ہے کہ اپنی زمین سیراب کرے، اس سے وضو کرے، اس پر چکی لگائے اور ان ندیوں سے ایک نہر کھود کر اپنی زمین تک لائے بشرطیکہ عام لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔

نقصان یہ ہے کہ پانی بہہ جائے، لوگوں کے حقوق تلف ہو جائیں، یا بڑی ندی سے پانی آنا بند ہو جائے، یا کشتیاں نہ چل سکیں تو ہر شخص کو منع کرنے کا یکساں طور پر حق حاصل ہے، لیکن یہ مسئلہ ندیوں کے بارے میں ہے، سمندر میں نقصان ہوتب بھی اس سے ہر طرح کا نفع حاصل کرنے کی عام اجازت ہے (رد المحتار ۱۰/۱۳)۔

کنواں، حوض اور چشموں کا پانی مباح عام ہوتا ہے، خواہ یہ مباح زمین میں ہوں یا مملوکہ زمین میں، اس لئے اس پانی کو ہر شخص پی سکتا ہے، اپنے جانوروں کو پلا سکتا ہے، البتہ کھیتوں اور درختوں کو سیراب کرنے کی اجازت نہ ہوگی، یہ اس صورت میں ہے جبکہ کنواں وغیرہ کسی اور کے ہوں، جیسا کہ در مختار کی مندرجہ ذیل عبارت سے اشارہ ملتا ہے:

”لا سقی دو ابہ إن خیف تخریب النہر لکثرتہا ولا سقی أرضہ وشجرہ
وزرعہ ونصب دولاب ونحوہا من نہر غیرہ وقناتہ وبیرہ إلا بإذنه“ (رد المحتار
۱۰/۱۳)۔

دوسرے کی نہر، مالی اور کنویں سے اس کی اجازت کے بغیر اگر جانوروں کی کثرت کے سبب نہر کے برباد ہونے کا اندیشہ ہو تو جانوروں کو پانی نہ پلائے، اسی طرح اپنی زمین، درخت، کھیت کو سیراب نہ کرے اور نہ کوئی مشین وغیرہ لگائے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب کی نوعیت اس سے مختلف ہوگی، اور ان سے کھیتوں کی سیرابی یا دوسرے وہ عمل کرنے کی اجازت ہوگی جس میں عوام الناس کا نقصان نہ ہو اور سرکاری نظام کی خلاف ورزی بھی نہ ہو۔

۱۱- مختلف علاقوں سے گزرنے والی نہروں سے استفادہ کا مسئلہ:

مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرنے والی نہریں، سرکاری نہریں ہوتی ہیں، ان کے بنانے کا مقصد لوگوں کو پانی فراہم کرنا ہوتا ہے، تاکہ پانی سے

وابستہ تمام ضروریات پوری کی جاسکیں، اور تمام لوگ حسب ضرورت اس سے استفادہ کر سکیں، لہذا تمام لوگوں کو ان نہروں سے ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا یکساں طور پر حق حاصل ہوگا، اس بات کے لحاظ کے ساتھ کہ ان میں کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے عوام کو نقصان پہنچے، اور نہ سرکاری قانون و نظام کی خلاف ورزی ہو، تاکہ آپ پاشی وغیرہ کے نظام میں خلل واقع نہ ہو اور ہر شخص ان نہروں سے بہولت مستفید ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی ندی میں بھی کوئی ضرر رساں عمل کرتا ہے تو اس سے منع کیا جاتا ہے۔ کتاب الخراج میں ہے:

وإن أراد رجل أن يكرى نهرا في أرضه من هذا النهر الأعظم فإن في ذلك ضرر في النهر الأعظم لم يكن له ذلك ولم يترك يكرىه وإن لم يكن فيه ضرر ترك يكرىه (۱۰۵)۔

اگر کوئی شخص بڑی ندی سے ایک نہر اپنی زمین میں کھود کر لاتا ہے تو اگر اس میں بڑی ندی کو ضرر پہنچ رہا ہو تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے اور اسے کھودنے نہیں دیا جائے گا، اور اگر اس میں ضرر نہ ہو تو چھوڑ دیا جائے گا کہ کھودے۔

۱۲- پانی پر ملکیت کا مسئلہ:

پانی مباح عام ہے، ہر شخص اس سے استفادہ کرنے کا یکساں طور پر مستحق ہے، البتہ اگر کوئی اس کو اپنے قبضے میں کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

الماء في الأصل خلق مباحا لقول النبي ﷺ: "الناس شركاء في ثلاث: الماء والكلاء والنار" والشركة العامة تقتضي الإباحة إلا أنه إذا جعل في إناء وأحرزه به فقد استولى عليه وهو غيره مملوك لأحد فيصير مملوكا للمستولى كما في سائر المباحات الغير المملوكة (بدائع ۲۷۵/۵)۔

پانی دراصل مباح بنایا گیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تمام لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ“، عام شرکت تقاضا کرتی ہے کہ وہ مباح ہو، مگر جب یہ پانی کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور کوئی شخص اس کو برتن میں رکھ کر محفوظ کر لے تو وہ اس پر قابض ہو گیا، اور یہ قبضہ کرنے والے کی ملکیت میں ہو جائے گا، جیسا کہ تمام غیر مملوک مباح اشیاء میں ہوا کرتا ہے۔

احراز یعنی کسی چیز کو محفوظ جگہ میں رکھ دینے سے پانی ملکیت میں آجاتا ہے، رد المحتار میں ہے:

لو أحرزه في جرة أو جب أو حوض مسجد من نحاس أو صفر
أو حصص وانقطع جريان الماء فإنه يملكه (۱۳/۱۰)۔

اگر کسی نے تانبے کے گھڑے، پیتل کے مٹکے اور مسجد کے گچ سے بنے ہوئے حوض میں پانی کو محفوظ کر لیا اور پانی کا بہاؤ منقطع ہو گیا تو وہ اس پانی کا مالک ہو جائے گا۔
شرح الجملہ میں ہے:

”وكل من أحرز شيئاً مباحاً كان مالكا له مستقلاً فلو تناول الماء من نهر بيده أو بوعاء كالعلبة فإنه يملكه بإحرازه وحفظه في ذلك الوعاء وليس لغيره أن ينتفع به وإذا أخذ آخر بلون إذنه واستهلكه كان ضامناً“ (شرح الجملہ ۶۸۰/۱)۔

جس نے بھی مباح شے کو جمع کیا تو وہ اس کا مستقل مالک ہو جائے گا، پس اگر کسی نے ندی سے اپنے ہاتھ یا چمڑے وغیرہ کے برتن میں پانی لیا تو اس برتن میں اس کے جمع کرنے اور محفوظ کرنے سے وہ مالک ہو جائے گا، دوسرے کو اس سے نفع اٹھانے کا حق نہیں ہوگا، اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کی اجازت کے بغیر لیتا ہے اور ضائع کر دیتا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔

البحر الرائق میں بھی اس کی صراحت موجود ہے:

یوصب ماء رجل كان في الحب يقال له املاً الإناء لأن صاحب الحب مالک للماء وهو من ذوات الأمثال فیضمن مثله“ (البحر الرائق ۱/۱۲۲)۔
اگر کسی نے منکے میں رکھے ہوئے کسی کے پانی کو بہا دیا تو اس سے برتن بھرنے کو کہا جائے گا، اس وجہ سے کہ منکے والا پانی کا مالک ہے، پانی ذوات الامثال میں سے ہے اس لئے وہ اس کے مثل کا ضامن ہوگا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پانی گرچہ مباح الاصل ہے، لیکن اگر اس پر قبضہ کر لیا جائے تو مملوک بن جاتا ہے اور اس سے دوسرے کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

۱۳- پانی کی بیع کا مسئلہ:

نبی اکرم ﷺ نے پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ پانی ملکیت میں نہ ہو، ملکیت میں آجانے کے بعد اس کی بیع درست ہے، امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں تحریر فرمایا ہے:

”عن عائشة قالت نهى رسول الله ﷺ عن بيع الماء، قال أبو يوسف: تفسير هذا عندنا - والله أعلم - أنه نهى عن بيعه قبل أن يحوز“ (کتاب الخراج ۱۰۵)۔

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے، ابو یوسف نے کہا: ہمارے نزدیک اس کا مطلب (اللہ بہتر جانتا ہے) یہ ہے کہ آپ ﷺ نے احرار سے پہلے اس کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے:

أما من حاز في قربته وإنائه فذلك غير المذكور في الحميثة وهو

بمنزلة سائر المباحات إذا حازها إلى ملكه ثم أراد بيعها كالحطب والكأ والملاح قد قال النبي ﷺ لأن يأخذ أحدكم حبلاً فيأخذ حزمة من حطب فيبيع فيكف الله بها وجهه خير له من أن يسأل الناس أعطى أو منع رواه البخاري (زاد المعاد ۲/۲۵۹)۔

جو شخص پانی اپنے مشک یا برتن میں جمع کر لے تو یہ حدیث میں مذکورہ حکم کے علاوہ ہے، یہ لکڑی، گھاس اور نمک جیسی تمام مباحات کے درجہ میں ہے، جبکہ انہیں اپنی ملکیت میں لائے پھر اس کے بیچنے کا ارادہ کرے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص رسی لے اور لکڑی کا گٹھر باندھ کر فرخت کرے، جس سے اللہ تعالیٰ اس کی آبرو بچائے، یہ اس کے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے، اس کو دیا جائے یا انکار کر دیا جائے۔

صاحب کفایہ نے ”الناس شركاء في الثلاث: الماء والكأ والنار“ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

”والمراد بالماء المذی فی الأنهار والآبار أما إذا أخذہ وجعله فی وعاء فقد أحرزه فجاز بيعه“ (کفایہ شرح ہدایہ ۳/۹۷)۔

حدیث میں مذکور پانی سے مراد ندی اور کنوئیں کا پانی ہے، رہا وہ پانی جس کو کسی نے لے کر برتن میں رکھ لیا تو اس نے اس کو محفوظ کر لیا تو اس کی بیع جائز ہے۔ پانی کو اپنے برتن وغیرہ میں محفوظ کر لینے سے مملوک ہو جاتا ہے، اور اس کی بیع درست ہوتی ہے۔ مبسوط حسنی میں ہے:

أما إذا أحرز الماء في حب أو جرة أو قربة فهو مملوك له حتى يجوز بيعه فيه وليس لأحد أن يأخذ شيئاً منه إلا برضاہ (المبسوط ۲۲۲/۱۶۳)۔

اگر کسی نے مٹکے یا گٹھے یا مشک میں پانی محفوظ کر لیا تو وہ اس کا مملوک ہے، یہاں تک

کہ اس کی بیع جائز ہے، اور کوئی شخص اس کی رضا کے بغیر اس میں سے نہیں لے سکتا۔
کتاب الخراج میں ہے:

لا بأس ببيع الماء إذا كان في الأوعية هذا ماء قد أحرز فإذا أحرز في وعائه فلا بأس ببيعه (ص، ۱۰۳)۔

اگر پانی برتن میں ہو تو اس کی بیع میں کوئی حرج نہیں، یہ حرج پانی ہے، جب پانی کو برتن میں محفوظ کر لیا جائے تو اس کی بیع میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح اگر کسی نے پانی اکٹھا کرنے کے لئے کوئی حوض بنایا اور اس میں پانی جمع کیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے:

وإن هياً له مصنعة فاستقى فيها بأوعيته حتى جمع فيها ماء كثيراً ثم باع من ذلك فلا بأس إذا وقع في الأوعية فقد أحرزه وقد طاب بيعه (کتاب الخراج، ۱۰۳)۔

اگر پانی کے لئے حوض بنایا اور اپنے برتنوں سے اس میں بہت سا پانی اکٹھا کر لیا پھر اس سے بیچا تو کوئی حرج نہیں ہے، برتن میں آنے کے بعد اس کا احراز ہو گیا اور اس کی بیع درست ہو گئی۔

رد المحتار میں بھی اس کی صراحت موجود ہے:

ومثله المحرز في الصهاريج التي توضع لإحراز الماء في الممر (رد المحتار، ۱۰/۱۳)۔

گھرے میں محفوظ کئے ہوئے پانی کے مثل ان حوضوں کے محفوظ پانی بھی ہیں جنہیں پانی کے جمع کرنے کے لئے گھروں میں بنایا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ اگر پانی کو بالقصد کسی برتن یا جگہ میں محفوظ کر لیا جائے تو وہ مملوک ہے اور اس کی بیع جائز ہے، اور علامہ کا سانی نے صراحت کی ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں اس کی بیع بلا

تکبیر ہوتی رہی ہے (بدائع الصنائع ۱/۱۸۸)۔

۱۴- تالاب میں آبادی بسانے کا مسئلہ:

ہر آبادی کے قریب چھوٹے بڑے تالاب ہوتے ہیں، ان سے آبادی والوں کی بہت سی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، اگر انہیں پاٹ کر ختم کر دیا جائے تو اس سے بہت ضرر لاحق ہوتا ہے؛ اس لئے انہیں پاٹ کر آبادی بسانا ضرر عام کے سبب درست نہیں ہوگا، اسی وجہ سے شہر سے قریب کی وہ جگہیں جن سے شہر والوں کی منفعتیں وابستہ ہیں، امام وقت انہیں کسی کو الاٹ نہیں کر سکتا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

”ماکان خارج البلدة من مرافقها محتطاً لأهلها أو مرعى لهم لا يكون مواتاً حتى لا يملك الإمام إقطاعها، لأن ما كان من مرافق أهل البلدة فهو حق أهل البلدة كفناء دارهم وفي الإقطاع إبطال حقهم“ (بدائع الصنائع ۵/۲۸۳)۔

شہر کے باہر کی سب کے کام کی جگہیں، جہاں اہل شہر گھاس گھرتے ہیں اور اپنے جانوروں کو چراتے ہیں وہ موات نہیں ہوں گی، یہاں تک کہ امام ان کو الاٹ نہیں کر سکتا، اس وجہ سے کہ اہل شہر کی یہ جگہیں ان کے گھر کے صحن کی طرح ان کا حق ہیں اور الاٹ کرنے میں ان کے حق کو باطل کرنا ہے۔

کتاب الخراج میں ہے:

إذا نصب الماء عن جزيرة في دجلة - مثل هذه الجزيرة التي بحمراء بستان موسى وهذه الجزيرة التي من الجانب الشرقي - فليس لأحد أن يحدث فيها شيئاً لا بنائاً ولا زرعاً لأن مثل هذه الجزيرة إذا حصنت وزرعت كان ضرراً على أهل المنازل والمور (ص ۹۹)۔

اگر دجلہ کے جزیرہ (جیسے باغ موسیٰ کے مقابل کے جزیرے اور مشرقی حصے کے جزیرے) کا پانی خشک ہو جائے تو کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس میں نئی چیز بنائے نہ عمارت نہ کھیت، اس وجہ سے کہ یہ جزیرہ اگر محفوظ کر لیا جائے اور اس میں کاشت ہونے لگے تو وہاں کے گھر اور مکان والوں پر ضرر ہوگا۔

اسی طرح امام ابو یوسف نے مزید لکھا:

وإذا انصب الماء عن جزيرة في دجلة والفرات وكانت بحذاء منزل رجل وفنائه فأراد أن يصيرها في فنائه ويزيدها فيه فليس له ذلك ولا يترك ذلك (كتاب الخراج، ۱۰۰)۔

اگر دجلہ اور فرات کے جزیرہ کا پانی خشک ہو جائے اور وہ کسی کے گھر اور اس کے صحن کے سامنے ہو، اس نے چاہا کہ اس کو اپنے صحن میں ملا کر بڑھائے تو اس کو اس کا حق نہیں ہے اور نہ اسے چھوڑا جائے گا۔

البتہ اگر حکومت دیکھتی ہے کہ تالاب پائے میں کوئی ضرر نہیں ہے تو اس کی اجازت دے سکتی ہے، اور اگر ضرر ہو تو تالاب کی وہ زمین حکومت بھی کسی کو الاٹ نہیں کر سکتی، اور اگر کوئی شخص بصورت ضرر اس میں کوئی نیا کام کرتا ہے تو اس کو ختم کر دیا جائے گا۔ کتاب الخراج میں ہے:

الجزائر التي ينصب عنها الماء في مثل الفرات ودجلة فلإمام أن يقطعها إذا لم يكن في ذلك ضرر على المسلمين فإن كان في ذلك ضرر لم يقطعها ومن أحدث فيها حدثاً وكان فيه ضرر ردت إلى حالها الأولى (ص ۱۰۱)۔

وہ جزیرے جہاں سے پانی فرات و دجلہ وغیرہ میں چلا جائے تو اگر مسلمانوں پر کوئی ضرر نہ ہو تو امام ان کو الاٹ کر سکتا ہے، اور اگر اس میں ضرر ہو تو امام اس کو الاٹ نہیں کرے گا، اور اگر کسی نے اس میں نیا کام کیا اور اس میں ضرر ہے تو اس کی سابقہ حالت پر لوٹا دیا جائے گا۔

۱۵- حکومت پر عوام تک پینے اور استعمال کے لئے پانی پہنچانے کی ذمہ داری:

حکومت اپنی رعایا کے جملہ امور کی نگرانی ہوتی ہے اور اس کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا اس کے فرائض منصبی میں ہوتا ہے قول نبی ﷺ: ”کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ“ سے یہ بات پورے طور پر عیاں ہے۔ عوام کے لئے پانی کا نظم کرنا بھی ان امور میں سے ایک ہے، یہی وجہ ہے کہ عوام الناس کے لئے بڑی ندی کی کھدائی اور اس کی درستگی کی ذمہ داری امام وقت پر ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

وعلى الإمام كرى هذا النهر الأعظم الذى لعامة المسلمين ان احتاج إلى كرى وعليه أن يصلح مسناته إن خيف منه (كتاب الخراج، ۱۰۵)۔

اگر اس بڑی ندی جو عامۃ المسلمین کے لئے ہے کی کھدائی کی ضرورت ہو تو اس کی کھدائی امام کے ذمہ ہے، اور اسی کی ذمہ داری ہے کہ اس کے بند کو درست کرائے اگر اس سے کوئی خطرہ ہو۔

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں اور بندھ باندھنے، تالاب تیار کرانے، پانی کے تقسیم کر کے دہانے بنانے، نہروں کے شعبے نکالنے، اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے“ (الفاروق، ۵۶۲، بحوالہ مقریزی، ۷۶۱)۔

ملک کے ہر شہری کو اپنے حقوق کے مطالبے کا حق ہوتا ہے، اگر کسی علاقہ میں پانی کا نظم دشوار ہو اور خورد و نوش کے علاوہ جانوروں اور کاشتکاری کے لئے مطلوبہ پانی دستیاب نہ ہو تو وہاں کے باشندگان اپنی حکومت سے پانی کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

”نہر ابی موسیٰ، یہ نہر ۹ میل کی لمبی تھی، جس کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عمر نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے، ان میں حنیف بن قیس بھی تھے، انہوں نے نہایت پُر اثر تقریر میں جو کتابوں میں بالفاظ منقول ہے، اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے، حضرت عمر نے اسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جائے، چنانچہ وجہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جس کے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی فراہم ہو گئی“ (الفاروق ۲/۸۷ بحوالہ فتوح البلدان ۱/۳۵۶-۳۵۷)۔

آج حکومت عوام تک پانی کی سپلائی ایک نظام کے تحت کرتی ہے، پہلے اس پانی کو اسٹور کرتی ہے اور اپنے قبضے میں لا کر اسے لوگوں تک پہنچاتی ہے، اس کے اس نظام میں اخراجات بھی ہوتے ہیں اس لئے حکومت اس کی اجرت طے کر سکتی ہے، اور اگر کوئی اجرت نہ دے تو حکومت کو یہ حق ہوگا کہ اس کی سپلائی روک دے، اس وجہ سے کہ وہ اپنے مملوک پانی کا عوض بھی لے سکتی ہے اور اس تعلق سے بہت سے کاموں کی اجرت بھی لے سکتی ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب نے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

”پانپ لائن میں پانی آنے سے وہ شخص اس کا مالک ہو گیا، لہذا اسے پانی بند کرنے کا

اختیار ہے“ (حسن الفتاویٰ ۸/۳۶۳)۔

۱۶- پانی کی نکاسی کا مسئلہ:

اسلامی شریعت نے حکومت کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ وہ عوام الناس کی جملہ ضروریات کا لحاظ رکھے، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من ولی شیئا من أمر المسلمین لم ينظر الله فی حاجته حتی ينظر فی

حوالہ جہم“ (مجمع الزوائد ۵/۱۱۲)۔

جو شخص مسلمان کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کی فکر نہیں فرمائیں گے یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کی ضرورتوں کی فکر کرے۔

اس لئے جس طرح حکومت کے فرائض میں عوام تک پانی کا پہنچانا ہے، اسی طرح اگر کسی علاقے میں پانی جمع ہو رہا ہو تو اس کو وہاں سے نکالنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی، جیسا کہ ندیوں کی کھدائی کی ذمہ داری بادشاہ وقت پر ہوتی ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

”ولو احتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال لأن منفعتها لعامة المسلمين فكانت مؤنتها من بيت المال لقوله عليه الصلاة والسلام: الخراج بالضمان“ (بدائع الصنائع ۵/۲۸۰)۔

اگر ان ندیوں کی کھدائی کی ضرورت ہو تو بادشاہ بیت المال سے اس کی کھدائی کرائے گا، اس وجہ سے کہ اس کی منفعت عام مسلمانوں کے لئے ہے، تو اس کا خرچ بھی بیت المال پر ہوگا، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: خراج، ضمان سے ہے۔

پھر اگر پانی نہ نکلنے سے گندگی اور عفونت پیدا ہونے لگے اور صحت عامہ کے متاثر ہونے کا خطرہ لاحق ہونے لگے تو حکومت کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے، ہر دور میں حکومتوں نے رعایا کی مشکلات کو دور کرنے کا اہتمام کیا ہے، البتہ عوام کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ حکومت کے اس طرح کے نظام میں معاون ثابت ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آبی وسائل سے متعلق مختلف مسائل

مفتی راشد حسین ندوی ✽

پانی کی لغوی بحث:

پانی کو عربی میں ”ماء“ کہتے ہیں، اس کی لغوی بحث کرتے ہوئے صاحب القاموس
المجیط فرماتے ہیں:

”الماء والماء والماء: وهمزة الماء منقلبة عن هاء، وسمع اسقنى
”ما“ بالقصر، جمعه أمواه ومياه“ (إب الہاء فصل الہم).

(ماء، ماہ، ماءة) تین لغت ہیں، ماء کا ہمزہ ہاء سے بدلا ہوا ہے، اور سنا گیا: ”اسقنى
ما“ (مجھے پانی پلاؤ) الف مقصورہ سے، جمع امواہ ومياہ)۔

اسی سے ماتی جلتی لیکن تفصیلی بحث لسان العرب میں بھی ہے (لسان العرب: ماہ ”سوء“).

پانی کی اہمیت:

پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے جس پر انسان، حیوانات اور نباتات کی
زندگی کا مدار ہے، اور اس کی ضرورت جس قدر اہم ہے اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے پانی کو سہل
الوصول کیا ہے، اور مخلوقات عالم پر اپنی فیض رسانی کو عام رکھا ہے، اس کی اہمیت کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ“ (سورۃ الانبیاء، ۳۰)۔

(اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے)۔

مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”یعنی عموماً جاندار چیزیں جو تم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ و بلاواسطہ پانی سے بنائی گئی ہیں“

(اہم مذکورہ کے تحت حاشیہ عثمانی)۔

دنیا کی سرسبزی و شادابی، طرح طرح کے پھل، رنگ برنگے پھول، لہلہاتے پیڑ پودے

یہ سب اپنی بقا کے لئے پانی کے محتاج ہیں، اسی لئے قرآن نے بار بار پانی کی اس اہمیت کی طرف

اشارہ کیا ہے:

”وَمَا أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ، فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا“ (سورہ

البقرہ، ۱۶۳)۔

(اور پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا، پھر اس سے زمین کو تازہ کیا

اس کے خشک ہونے کے بعد)۔

”وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ“ (سورۃ البقرہ، ۲۴)۔

(اور برسایا آسمان سے پانی پھر پر وہ عدم سے نکالا بذریعہ اس پانی کے پھلوں کی غذا کو

تم لوگوں کے واسطے)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے پانی کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان نظام بنا رکھا ہے، اگر انسان سمندر

کے پانی کو فلٹرز کرتا تو بڑا خرچ آتا (جیسا کہ بعض ممالک نے تجربہ کر کے بھی دیکھ لیا)، وہاں سے

مختلف علاقوں تک اس پانی کو پہنچانے میں پریشانی بھی ہوتی، اور خاصہ وقت اور سرمایہ لگتا، پھر اس

کو محفوظ رکھنے کے لئے خاصا بڑا انتظام کرنا پڑتا، لیکن اللہ نے نظام بنا دیا کہ گرمی کی شدت سے

سمندر کا پانی بھاپ بن کر آتا ہے، جس سے نمکین ذرات الگ ہو جاتے ہیں، پھر ہوائیں اس کو

مختلف علاقوں میں لے جاتی ہیں، پھر خاص طرح کا نمپر پچر ہوتا ہے تو بارش ہونے لگتی ہے، جس سے کھیت کھلیاں سیراب ہوتے ہیں، کچھ پانی تالابوں اور جھیلوں میں جمع ہو کر جانداروں کے مختلف کاموں میں استعمال ہو جاتا ہے، کچھ زمین میں جذب ہو کر گویا قدرتی ٹینک میں محفوظ ہو جاتا ہے، جس کو کنوؤں، چشموں اور اب بورنگ اور ہینڈ پمپ وغیرہ کے ذریعہ نکالی کر استعمال کیا جاتا ہے، کچھ پہاڑوں کے گلیشروں میں منجمد ہو کر تھوڑا تھوڑا کر کے قدرتی واٹر پلانٹ کے ذریعہ دریاؤں کی شکل میں ضروریات پوری کرتا ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

”وَأرسلنا الرياح لواقح فأنزلنا من السماء ماء فأسقینکموه وما أنتم له بخازنین“ (سورۃ الحجر/۲۲)۔

(اور ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے رہتے ہیں جو کہ بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے)۔
”ماءً بقدر فأسکنہ فی الأرض“ (سورۃ المؤمنون/۱۸)۔
(اور ہم نے آسمان سے مناسب مقدار کے ساتھ پانی برسایا، پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا)۔

اسی لئے نعمتوں کا شمار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس نظام کی طرف بھی اشارہ کیا:
”أفرأیتم الماء الذی تشربون، ء أنتم أنزلتموه من المزن أم نحن المنزلون لو نشاء جعلنہ أجاجا أفلا تشکرون“ (سورۃ الواقعة/۷۰-۶۸)۔
(اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں، سو تم شکر کیوں نہیں کرتے)۔
دوسری جگہ ارشاد ہے:

”قل أرأيتم إن أصبح ما لكم غوراً فمن يأتيكم بماء معين“ (سورة الملک، ۳۰)۔
 (آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی نیچے کو اتر کر غائب ہو جائے سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (یعنی کنویں کی سوت کو جاری کر دے)۔
 بہر حال اللہ تعالیٰ نے پانی کو بقدر ضرورت اور سب کے لئے سہل الوصول بنا رکھا ہے، لیکن کچھ انسانی غلطیوں کی بدولت کبھی بعض علاقوں میں اس میں قلت پیدا ہو جاتی ہے، اور کبھی بعض علاقے سیلاب سے تباہ ہونے لگتے ہیں، اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ تمام جانداروں کی بقا کا جیسا کہ عرض کیا گیا اسی پر انحصار ہے، اسی لئے بعض مفکرین کا خیال ہے کہ تنازع لبقاء کی فطرت کے پیش نظر خطرہ اس کا ہے کہ انسانی غلطیوں کی وجہ سے پانی میں قلت ہوگی اور تیسری جنگ عظیم پانی کی قلت ہی کے سبب ہوگی، چنانچہ ہندوستان کا نپال، بنگلہ دیش اور پاکستان سے بعض ندیوں کے پانی کے ہٹارے کے سلسلہ میں اختلاف اور نرم گرم باتیں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں، تمل ناڈو اور کرناٹک کی جنگ کچھ سال پہلے ذرائع ابلاغ کا موضوع رہ چکی ہے، اسی تناظر میں کچھ سوالات کا شرعی جواب حل طلب ہے، ہم ذیل میں ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱: پانی سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

صلاحیت تطہیر:

اللہ تعالیٰ نے پانی کے فوائد گناتے ہوئے اس کا ایک اہم مقصد یہ بھی بتایا ہے کہ اس سے انسان طہارت حاصل کرتا ہے:

”وینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ“ (سورة الانفال، ۱۱)۔

(اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے)۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سمندر کے پانی کا حکم پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: ”هو الطهور ماء“ (رواہ مالک: ۱۳، والترمذی: ۱۱۶۹، والنسائی: ۵۹۵، وابن ماجہ: ۳۸۶، مشکوٰۃ: کتاب الطہارۃ، باب احکام البیاء: ۵۱) (اس کا پانی پاک کرنے والا ہے)۔
فقہاء نے اسی حکم میں کنویں، چشمہ اور تالاب وغیرہ کے پانی کو بھی قرار دیا، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

”الطہارۃ من الاحمات جائزۃ بماء السماء والأودیۃ والعیون والآبار والبحار“ (ہدایہ، کتاب الطہارۃ، باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء جلا یجوز بہ: ۳۳)۔
(حدیثوں سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے، بارش، دریاؤں، چشموں، کنوئوں اور سمندروں کے پانی سے)۔

پھر اگر وضو یا غسل کرنا ہے تو اس کے لئے پانی کو ضروری قرار دیا گیا، کسی دوسرے سیال سے وضو یا غسل کر کے نجاست حکمیہ کو دور کرنا بالاتفاق درست نہیں ہے، ہاں اگر پانی موجود نہ ہو تو تیمم کو اس کا بدل البتہ بنایا گیا ہے:

”فإن لم تجملوا ماء، فتیمموا صعیباً طیباً“ (سورۃ المائدہ: ۶)۔

(پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو)۔

اور اگر حقیقی نجاست دھونا ہے تو احناف کے یہاں کسی دوسرے مانع سے بھی اس کا ازالہ کیا جاسکتا ہے جس سے اس کا ازالہ ممکن ہو۔

”وبکل مانع طاهر یمکن إزالتها به كالخل وماء الورد ونحو ذلك“
(ہدایہ، طہارات، باب الامناس وطمیر: ۱۷۱)۔

(نجاست حقیقیہ کا ازالہ پانی کے ساتھ ساتھ ہر ایسے سیال سے بھی کیا جاسکتا ہے جس کے ذریعہ اس کا ازالہ ممکن ہو جیسے سرکہ اور عرق گلاب وغیرہ)۔

پانی میں اسراف:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسراف سے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے:

”وكلوا واشربوا ولا تسرفوا“ الآیة (سورة الاعراف، ۳۱)۔

(اور کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے

والوں کو)۔

اور حدیث شریف میں ہے:

”عن عبد الله بن مغفل عن رسول الله ﷺ قال: إنه سيكون في هذه

الامة قوم يعتلون في الطهور والدعاء“ (بوراۃ کتاب الطہارۃ، باب فی الاسراف فی الوضوء: ۹۶)۔

حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عنقریب اس امت میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگی جو طہارت کے حصول اور دعائیں حدود سے

تجاوز کرے گی)۔

اسراف حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں، مثلاً وضو یا غسل کرتے ہوئے پانی کثرت سے

بھائے، یا وضو کرتے ہوئے تین سے زیادہ بار دھوئے، بذل الجہود میں ہے: ”قد أجمعت

الامة على كراهة الإسراف في الطهور وضوء كان أو غسلًا أو طهارة عن

النجاسات وإن كان على شط نهر جار كما ورد في الحديث“ (بذل الجہود، ۸۸۳،

تحقیق الدكتور علی الدین الندوی تحت حدیث: ۹۶)۔

(طہارت حاصل کرنے میں اسراف کرنے کی کراہت پر امت کا اتفاق ہے، خواہ وضو

ہو یا غسل یا نجاستوں سے پاکی حاصل کرنا، اگرچہ وہ رواں دریا کے کنارہ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ

حدیث میں وارد ہوا ہے)۔

آنحضرت ﷺ کا وضو اور غسل:

”عن أنس رضي الله عنه أن النبي ﷺ يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد“ (بخاری: کتاب الوضوء، باب الوضوء بالمد، رقم الحدیث: ۲۰۱، مسلم: کتاب الطہارۃ، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة: ۳۲۵)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مد سے وضو کرتے تھے اور ایک صاع سے لیکر پانچ مد پانی تک سے غسل فرماتے تھے)۔

مد دروطل کا ہوتا ہے، اور ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے جس کی مقدار کے سلسلہ میں خاصا اختلاف ہے، البتہ علماء ہند کے نزدیک ایک صاع ۹۴۱ء ۹۴۱ء ۳ کیلوگرام کا، اور ایک صاع لیٹر میں ۰۳۱۶۰۳۱۶ لیٹر کا ہوتا ہے، اور چونکہ ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں لہذا گرام کے اعتبار سے ایک مد ۰۲۳۱۶۰۳۱۶ گرام کا اور لیٹر کے حساب سے ۵۲۸۰۶۱۳۰۶ کا ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ ایک صاع چار لیٹر سے کچھ زیادہ اور ایک مد ایک لیٹر سے کچھ زیادہ ہوتا ہے (الاوزان محمودہ ص ۳۲)۔

اب آج کل استنج خانے، وضو خانے اور غسل خانے میں جس طرح پانی کا استعمال ہوتا ہے اس تفصیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناجائز اور اسراف میں داخل ہے۔

پانی میں پیشاب وغیرہ کی ممانعت:

(۱) ”عن أبي هريرة عن النبي ﷺ: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم الذي لا يجري ثم يغتسل فيه“ (بخاری: کتاب الوضوء، باب البول في الماء الدائم: ۲۲۹، مسلم: کتاب الطہارۃ، باب من البول في الماء الراكد: ۲۸۲)۔

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے

فرمایا: تم میں سے کوئی اس ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے جو جاری نہ ہو کہ پھر اس میں غسل کرے۔

(۲) ”وَعَنْهُ: لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جَنْبٌ، قَالُوا: كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا“ (مسلم: کتاب الطہارۃ باب ائسی عن الاعسال فی الماء المراکۃ: ۲۸۳)۔

(تم میں سے کوئی حالت جنابت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے، لوگوں نے کہا: اے ابو ہریرہ! وہ کیا کرے گا؟ فرمایا: پانی لے کر غسل کر لے)۔

۲: پانی میں فضول خرچی:

اسلام ہر چیز میں توازن اور اعتدال کو پسند کرتا ہے، چاہے وہ مال و دولت کو صرف کرنے میں ہو، چاہے زندگی کے دوسرے امور میں، اسی طرح پانی کے خرچ کرنے میں بھی اسراف ممنوع اور مکروہ ہے، اس کے بارے میں سوال نمبر ۱ کے تحت حدیث اور اسراف کی کراہت سے متعلق صاحب بذل کی تحقیق کہ امت کا اس پر اتفاق ہے، گزر چکی ہے، صاحب بذل نے اسراف کی حد بندی کرتے ہوئے فرمایا:

”وَهَنَّا يَتَحَقَّقُ إِذَا بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثَّلَاثِ فِي غَسْلِ الْأَعْضَاءِ أَوْ بِإِرَاقَةِ الْكَثِيرِ مِنَ الْمَاءِ“ (بذل الجہون، تحقیق الدكتور علی الدین الندوی، ۱/۵۸۳)۔

یہاں اسراف یا تو اعضاء کو دھونے میں تین کے عدد پر زیادتی سے متحقق ہوگا یا بہت سارا پانی بہانے سے)۔

اس عبارت سے اسراف کی دو قسمیں معلوم ہوتی ہیں:

۱- ایک تو وضو غسل اور تطہیر نجاسات میں اگر کوئی عدد متعین کیا گیا ہے تو اس کو تجاوز کرنا اسراف میں داخل ہوگا، مثلاً وضو میں اعضاء کو چار بار یا اس سے زیادہ دھوئے، چنانچہ

حدیث شریف میں ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: جاء أعرابي إلى النبي ﷺ يسأله عن الوضوء فأراه ثلاثاً ثلاثاً ثم قال: هكذا الوضوء فمن زاد علي هذا فقد أساء وتعدى وظلم (رواه النسائي وابن ماجه ورواه ابوداؤد ومعهنا، مشکوٰۃ باب سنن الوضوء، ۱/ ۳۷)۔

(عمرو ابن شعيب اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ سے وضو کے متعلق سوال کرنے آیا، تو آپ نے اس کو تین تین بار دکھلایا، پھر فرمایا: وضو اسی طرح ہوتا ہے، تو اگر کوئی اس پر اضافہ کرے گا تو وہ گناہ کرے گا، حد سے تجاوز کرے گا اور ظلم کرے گا)۔

۲- اسراف کی دوسری قسم یہ معلوم ہوئی کہ معینہ عدد کا تو خیال رکھے لیکن جتنے پانی سے کام چل سکتا تھا اس سے زیادہ بہائے، جیسا کہ آج کل ٹوٹی پوری کھول دی جاتی ہے، اس سے بغل والوں پر چھبھیس بھی پڑتی ہیں اور بلاوجہ پانی بھی ضائع ہوتا ہے، اسی طرح نجاست کے ازالہ میں جس قدر پانی سے کام چل سکتا تھا اس سے زیادہ صرف کیا تو وہ بھی اسراف میں داخل ہے، حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن النبي ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال: ما هذا السرف يا سعد!؟ قال: أفي الوضوء سرف؟ قال: نعم! و إن كنت على نهر جار“ (رواه احمد وابن ماجه، مشکوٰۃ باب سنن الوضوء، ۱/ ۳۷)۔

(حضرت عبد اللہ ابن عمرو سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت سعد کے پاس سے گزرے وہ وضو کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: اے سعد! یہ اسراف کیسا؟ حضرت سعد نے کہا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں، اگرچہ تم رواں دریا کے کنارہ ہو)۔

ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”فإن فيه إسراف الوقت وتضييع العمرا وتجاوزاً عن الحد الشرعي“
(مرقاۃ ۳/ ۲۲۱ باب سنن الوضوء، الفصل الثالث، طبعہ علیہ بیروت)۔

(اس لئے کہ اس میں وقت کا اسراف ہے، عمر کو ضائع کرنا ہے یا یہ کہ شرعی حد سے تجاوز کرنا ہے)۔

احادیث کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ اس طرح اسراف کرنا مکروہ تحریمی ہے، الدر المختار میں اس کی تصریح بھی موجود ہے:

”ومكروهه والإسراف، ومنه الزيادة على الثلاث فيه تحريما لو بماء النهر والمملوك له، أما الموقوف على من يتطهر به ومنه المدارس فحرام“ (الدر المختار علی ہاشم رد المحتار کتاب الطہارۃ فیہما فی السجود ص ۱۷۹، طبع فی القرآن)۔

(وضو میں مکروہ اور اسراف کرنا ہے، اور اسی میں سے مکروہ تحریمی تین پر زیادتی کرنا بھی ہے اگر نہر یا اپنے مملوک پانی سے ہو، رہا وہ پانی جو طہارت کرنے والوں پر وقف ہو تو اس سے تین پر اضافہ حرام ہوگا، مدارس کا پانی بھی اسی میں سے ہے)۔

لیکن علامہ شامی نے طویل بحث کر کے اس کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، البتہ موقوف پانی میں اسراف کی حرمت کی انہوں نے بھی توثیق کی ہے (رد المحتار ۱/ ۹۷، ۹۸)۔

خلاصہ کلام یہ کہ ذاتی اور مباح الاصل پانی میں اسراف کرنا شرعاً کم از کم مکروہ تنزیہی ہے، بعض علماء نے اسے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، احادیث میں بھی اس سے سختی سے روکا گیا ہے، اور اگر موقوفہ پانی ہو (جیسا کہ مساجد وغیرہ میں ہوتا ہے) تو اس میں اسراف کرنا حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

۳: پانی آلودہ کرنا ممنوع ہے:

سوال نمبر ۱ کے ذیل میں احادیث نقل کی گئی ہیں کہ پانی میں پیشاب کرنے کو منع کیا گیا ہے، اس انداز سے ممانعت کا مطلب ہی یہی ہے کہ یہ حکم صرف اخلاقی نہیں ہے، بلکہ اس سے روکنا مطلوب ہے، اسی لئے فقہاء نے صراحت سے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، ہند یہ میں ہے:

”البول فی الماء الجاری مکروه کذا فی الخلاصۃ، ویکره البول فی

الماء الراكد وهو المختار“ (ہندیہ ۲۵۱، الباب الثالث، فی الیاء کتاب الطہارۃ)۔
(ماء جاری میں پیٹاب کرنا مکروہ ہے، الخلاصہ میں اسی طرح ہے، اور زہر کے پانی میں
پیٹاب کرنا مکروہ ہے، یہی مختار ہے)۔

اور ثامی میں ہے: ”فحينئذ إذا ذكروا مكروها فلا بد من النظر في دليله،
فإن كان نهيا ظنيا يحكم بکراهة التحريم، إلا لصارف للنهي عن التحريم إلى
الندب، فإن لم يكن اللليل نهيا، بل كان مفيداً للترك الغير الجازم فهي
تنزيهية“ (رد المحتار ۷۹۱)۔

(فقہاء جب کسی مکروہ کا ذکر کریں تو اس کی دلیل پر غور کرنا ضروری ہے، اگر وہ نہی ظنی
ہو تو کراہت تحریم کا حکم لگایا جائے گا الا یہ کہ تحریم سے ندب کی طرف پھیرنے والی کوئی دلیل ہو،
اور اگر دلیل نہی نہ ہو بلکہ غیر حتمی ترک کا فائدہ دے رہی ہو تو کراہت تنزیہی ہوگی)۔
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہاں کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔

۲- ایک دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ پانی وغیرہ کے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھا جائے:
”خمر و الأنية، و أو كوا الأسقية“ (رواہ البخاری و مسلم، مشکوٰۃ، باب مغطية الاواني، ص ۳۷۲)۔
(برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو اور مشکیزوں کا منہ باندھ دیا کرو)۔

۳- تیسرا حکم برتن میں سانس لینے کی ممانعت کا ہے:

”عن ابن عباس قال: نهى رسول الله ﷺ أن يتنفس في الإناء أو ينفخ
فيه“ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ، مشکوٰۃ، باب الاثرية، ص ۳۷۱)۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے برتن میں سانس
لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے)۔

۴- کئی ایسی جگہیں ہیں جہاں بول و براز سے منع کیا گیا ہے، ان جگہوں میں ایک پانی

کی گزرگا ہیں ہیں، عام طور سے اس کی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے کہ ممانعت کی علت گزرنے والوں کی پریشانی ہے، لیکن اس کی ایک وجہ پانی وغیرہ کو آلودگی سے بچانا بھی ہو سکتی ہے:

”عن معاذ قال: قال رسول الله ﷺ: اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز في الموارد وقارعة الطريق والظل“ (رواه ابوداؤد رقم: ۲۸۰، وابن ماجہ، رقم: ۳۲۸، مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ، باب آداب الخلاء ۳۵۵)۔

(حضرت معاذ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لعنت کی تین جگہوں سے بچو: پانی کی گزرگا ہوں، راستہ کے درمیان اور سایہ میں (بول و) براز سے)۔ اور شامی کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس کے اعتبار سے ان جگہوں پر اس آلودگی پھیلانے کا شرعی حکم کراہت تحریمی یا کم از کم کراہت تنزیہی کا ہونا چاہئے۔

۴: کیمیاوی طریقہ سے فلٹر کئے ہوئے پانی کا حکم:

عین نجاست کے اندر طہارت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ہے، مثلاً شراب، پیٹاب یا خون وغیرہ کے پاک کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ انقلاب ماہیت ہو جائے اور شراب سرکہ اور خون مشک بن جائے ہشامی میں ہے:

”وكذا يطهر محل نجاسته، أما عينها فلا تقبل الطهارة“ (قوله اما عينها) ولا يرد طهارة الخمر بانقلابها خلا، والدم بصيرورته مسكا، لأن عين الشيء حقيقته، وحقيقة الخمر والدم ذهب، وخلفتها أخرى، وإنما يرد ذلك لو قلنا ببقاء حقيقة الخمر والدم مع الحكم بطهارتها“ (ہشامی ۱/۲۳۰، باب الانجاس، طمکتہ فیض القرآن دیوبند)۔

(اسی طرح اس کا محل نجاست بھی پاک ہو جاتا ہے، رہی عین نجاست تو وہ طہارت کو قبول نہیں کرتی ہے (قوله اما عينها)..... اور سرکہ میں تبدیل ہو کر شراب کے اور مشک میں تبدیل

ہو کر خون کے پاک ہو جانے سے اعتراض وارد نہیں ہوتا، اس لئے کہ عین شئی نام ہے اس کی حقیقت کا، اور شراب اور خون کی حقیقت جا چکی ہے، اور اس کی جگہ دوسری حقیقت لے چکی ہے، اعتراض تو اس وقت ہوتا جب ہم خمر اور خون کی حقیقت باقی رہتے ہوئے ان کی طہارت کا حکم لگاتے۔

اس لئے فلٹر کرنے کا یہ عمل عین نجاست پیشاب، پاخانہ میں کیا جائے تو وہ پاک نہیں ہوں گے، مولانا نظام الدین صاحب پیشاب کے فلٹر کئے جانے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”اس کشیدگی کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ پیشاب کے اندر سے اس کے متعفن اور ضرر رساں اجزاء کو نکال دیا گیا، اور باقی جو اجزاء سچے وہ اسی پیشاب کے اجزاء ہیں، اور پیشاب مجموعہ اجزاء نجس العین اور نجس نجاست غلیظہ ہے، اس لئے یہ باقی ماندہ اجزاء بھی نجس العین اور نجس نجاست غلیظہ ہی رہیں گے، اس میں تھلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی، اس کو قلب ماہیت نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ تجزیہ و تخریج ہوا الخ“ (منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/۶۳، ۷۲)۔

نجس پانی کو فلٹر کیا جائے تو اس پر بھی یہ تمام بحث صادق آتی ہے، سوائے اس کے کہ وہ نجس العین نہیں ہے جبکہ پیشاب نجس العین ہے، اس طرح کے پانی کے نجس العین نہ ہونے کی دلیل بدائع کی یہ عبارت ہے:

”أما غسالة النجاسة الحقيقية، وهي ما إذا غسلت النجاسة الحقيقية ثلاث مرات فالمياه الثلاث نجسة (التي) وهل يجوز الانتفاع بالغسالة فيما سوى الشرب والتطهير (التي) لأنه لما لم يتغير دل أن النجس لم يغلب على الظاهر، والانتفاع بما ليس بنجس العین مباح في الجملة“ (بدائع: کتاب الطهارة احکام النجاسة ۱/۲۰۶، ۲۰۷ وکذا فی اشہد ۱/۱۹ کتاب الطهارة الباب الثالث فی المياه الغسل الثانی)۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ پانی نجس پھیرہ ہوتا ہے اور کئی صورتیں ایسی ہیں کہ نجس پانی کو پاک تسلیم کر لیا جاتا ہے:

۱- علامہ شامی ایک خاص مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”لأن الماء النجس لا يطهر بتغيره بنفسه إلا إذا جرى بعد ذلك

بماء صاف“ الخ (شامی ۱۳۹/۱، باب البیاء، سببیہ مہم فی طرح الثرمل الخ)۔

(اس لئے کہ نجس پانی خود سے تغیر ہو جانے پر پاک نہیں ہوتا، الا یہ کہ اس کے بعد

صاف پانی کو لیکر ہے)۔

۲- زمین پر طرح طرح کی گندگیاں رہتی ہیں، جن کو زمین جذب کرتی ہے، پھر کویا

قدرتی فلٹر کے ذریعہ صاف ہو کر نیچے کے پانی میں مل جاتا ہے، پھر بورنگ وغیرہ کے ذریعہ نکالا

جاتا ہے اور اگر رنگ، بو اور مزے میں فرق نہ ہو تو عرفاً و شرعاً پاک سمجھا جاتا ہے۔

۳- پانی جیسے بعض دوسرے سیال بھی اگر نجس ہو جائیں تو فقہی کتابوں میں پوری

تفصیل سے ان کے پاک کرنے کا طریقہ درج ہے:

”ویطهر لبن ودبس یغلی ثلاثا قوله: ویطهر لبن وعسل الخ) قال فی

الدرر: لو تنجس العسل فتطهره الخ (ایضاً)۔

(دودھ، شہد اور شیرہ پاک ہو جائے گا، جسے تین بار کھولا گیا ہو) قوله ویطهر الخ

الدرر میں فرماتے ہیں: اگر شہد نجس ہو جائے تو اس کی تطہیر یوں ہوگی کہ اس میں اسی کے بقدر پانی

ڈالا جائے اور کھولا جائے یہاں تک کہ الخ)۔

پہلے زمانہ میں پانی میں مٹی ہوئی گندگی کو دور کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں تھا، لہذا اس

طرح کی کوئی بحث بھی نہیں ملتی ہے، آج گندگی دور کرنے کے طریقے موجود ہیں، لیکن ان

طریقوں سے انقلاب ماہیت تو ہوتا نہیں، صرف مضر اور بدبودار اجزاء الگ کئے جاسکتے ہیں،

میرے علم کے مطابق ایسا کوئی طریقہ آج بھی موجود نہیں ہے کہ پانی میں ملے ہوئے پیٹاب اور دوسری گندگیوں کو پورا کا پورا نکالا جاسکے، پوری صفائی کر لینے کے باوجود اس میں پیٹاب ملا ہوا ہوگا لہذا اس پر وہی بحث صادق آئے گی جو مولانا نظام الدین صاحب کے حوالہ سے گزر چکی ہے، وہ پاک تبھی ہوگا جب اس پر پاک پانی کا جریان ہو جیسا کہ بشامی کے حوالہ سے گزرا، تو یہ پاکی صفائی کے بجائے جریان کے سبب ہو رہی ہے اور جریان سے تو غیر فلٹر پانی بھی پاک ہو جاتا ہے، اس میں فلٹر سے کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ اس طرح کیماوی طریقہ سے صاف کرنے سے پانی پاک نہیں ہو سکتا، الا یہ کہ کوئی ایسی تکنیک وجود میں آجائے جس کے ذریعہ پیٹاب وغیرہ نجاستوں کے تمام اجزاء کو نکالا جاسکے، ایسا ہو جائے تو اس کی پاکی کا حکم لگایا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اس کی نجاست لعینہ نہیں ہے، لعیرہ ہے، جب وہ ”غیر“ زائل ہو جائے، تو جس طرح دودھ تیل اور شہد نجاست دور کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں، اسی طرح یہ پانی بھی شرعاً پاک ہوگا۔

۵: حکومت کی طرف سے پانی کے بعض استعمالات پر پابندی:

۱- اگر ان استعمالات کی وجہ سے عوام کو ضرر پہنچ رہا ہے، یا ضرر پہنچنے کا ظن غالب ہے، تو حکومت کے لئے اس طرح کے استعمالات پر پابندی لگانا جائز ہوگا۔

”فكان كل أحد بسبيل من الانتفاع لكن بشرط عدم الضرر بالنهر كالانتفاع بطريق العامة، وإن أضر بالنهر فللكل واحد من المسلمين منعه، لما بينا انه حق لعامة المسلمين، وإباحة التصرف في حقهم مشروطة بانتفاع الضرر كالالتصرف في الطريق الاعظم“ (بدائع المنافع: کتاب اشرب ۵/ ۲۷۹، مکتبہ زکریا، ہدایہ ۴۸۳۳، ۴۸۵، کتاب احياء الموات، فصول فی مسائل اشرب، رد المحتار ۵/ ۳۱۱، کتاب احياء الموات فصل اشرب)۔

(تو بڑی ندیوں سے) ہر شخص کو انتفاع کا حق ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ دریا کو ضرر نہ پہنچے جیسے عوام کے راستے سے انتفاع کا حکم ہے، اور اگر دریا کو ضرر ہو تو مسلمانوں میں سے ہر شخص کو روکنے کا حق ہوگا، اس لئے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہے، اور ان کے لئے تصرف کی اباحت ضرر نہ ہونے پر مشروط ہے جیسے بڑی شاہراہ میں تصرف کا حکم ہے)۔

۲- اگر اسلامی مملکت ہو تو اس آیت اور اس کے ہم معنی نصوص سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے:

”یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم“
(سورہ نسا: ۵۹)۔

(اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی)۔

۳- اگر غیر اسلامی ملک میں قیام ہو تب بھی ایک تو وہاں کا قیام ایک طرح کا معاہدہ ہے کہ قوانین پر عمل کریں گے اس لئے حکم قرآنی کے مطابق اس معاہدہ کی پابندی ضروری ہے، دوسرے عمل نہ کرنے پر سزا ہو سکتی ہے جس سے ایک مسلمان (یعنی خود) کی توہین کرنے کا سبب بننے کا گناہ ہوگا۔

لہذا ایک مسلمان کے لئے شرعاً بھی اس طرح کے احکام کی پابندی ضروری ہوگی،
واللہ اعلم۔

۶: مملوکہ زمین کا پانی:

انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، اس کا وہ انسان مالک ہوتا ہے، خواہ تالاب یا جھیل ہو، یا کنواں اور بورنگ وغیرہ، اس میں انسان کو ہر طرح کا تصرف کرنے کا حق

ہے، ثامی میں ہے:

”اعلم أن الماء أربعة أنواع والثالث ما دخل في المقاسم ای
المجارى المملوكة بجماعة مخصوصة وفيه حق الشفة، والرابع المحرز في
الأواني ينقطع حق غيره عنه وتمامه في الهداية وحاصله وفي الثالث حق
الشفة فقط ولاحق في الرابع لأحد“ (رد المحتار ۵/۳۱۱، کتاب احیاء الموات، فصل اشرب)۔
(جان لو کہ پانی کی چار قسمیں ہیں اور تیسری قسم اس پانی کی ہے جو حصوں یعنی
مخصوص جماعت کی مایوں میں داخل ہو جائے، اس میں پانی پینے کا حق ہوتا ہے، اور چوتھی قسم
برتنوں میں محفوظ کر دیئے جانے والے پانی کی ہے اس سے دوسرے کا حق ختم ہو جاتا ہے الخ)۔
اور ہدایہ میں ہے:

”ولو كان البئر أو العين أو الحوض أو النهر في ملك رجل له أن
يمنع من يريد الشفة من الدخول في ملكه“ الخ (ہدایہ کتاب احیاء الموات، فصول فی مسائل
اشرب ۳۸۶/۳)۔

(اور اگر کنواں یا چشمہ یا حوض یا نہر کسی شخص کی ملکیت میں ہو تو اسے اختیار ہے کہ جو
پانی پینا چاہتا ہو اسے اپنی ملکیت میں داخل ہونے سے روک دے الخ)۔
لیکن اگر خصوصی حالات پیدا ہو جائیں، اور ماہرین کا مشورہ ہو کہ فلاں فلاں تصرفات
کئے گئے مثلاً بورنگ کثرت سے کی گئی تو زمین کا پانی نیچے چلا جائے گا اور لوگ پریشانی میں مبتلا
ہوں گے تو حکومت اس طرح کے خاص حالات میں جب تک یہ حالات رہیں اس وقت تک کے
لئے پابندی لگا سکتی ہے، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- القاعدة الخامسة: الضرر يزال، أصلها قوله عليه السلام لا ضرر
ولا ضرار أخرج مالک فی الموطأ وبتنی علی هذه القاعدة كثير من

أبواب الفقه، فمن ذلك: الرد بالعيب وجميع أنواع الخيارات والحجر بسائر أنواعه على المفتي به والشفعة فإنها للشريك لدفع ضرر القسمة وللجار لدفع ضرر الجار الخ (الاشباه والنظائر لابن نجيم، الفن الاول، القاعدة الخامسة ص ۱۳۹)۔

(پانچواں قاعدہ: ضرر زائل کیا جائے گا، اس کی اصل آنحضرت ﷺ کا قول ہے: نہ ضرر پہنچایا جائے نہ خود ضرر اٹھایا جائے، اس کی تخریج امام مالک نے موطا میں کی ہے..... اس قاعدہ پر بہت سے فقہی ابواب کی بناء ہے، اس میں سے عیب کی بنیاد پر سامان واپس کرنا اور ہر طرح کے خیاریں اور مفتی بقول کے مطابق اپنی تمام اقسام سمیت حجر ہے، اور شفیعہ ہے، اس لئے کہ وہ شریک کو ضرر قسمت دور کرنے کے لئے اور جار کو ضرر جو اردفع کرنے کے لئے ملتا ہے)۔

۲- ”يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام ومنها وجوب نقض حائط مملوك مال إلى طريق العامة على مالکها دفعا للضرر العام الخ (ایضاً، ص ۱۳۲، ۱۳۳)۔

(ضرر عام دور کرنے کے لئے ضرر خاص برداشت کر لیا جائے گا..... اس کی مثالوں میں یہ بھی ہے کہ عوام کے راستہ کی طرف جھک جانے والی دیوار کا توڑنا مالک پر واجب ہے، ضرر عام کو دور کرنے کے لئے..... الخ)۔

۳- ”إذا تعارض مفسلتان روعی أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما“ (ایضاً، ص ۱۳۵)۔

(جب دو مفسد میں نکر او ہو جائے تو زیادہ ضرر والے کی رعایت کی جائے گی ہلکے ضرر کا ارتکاب کر کے)۔

۷: پانی کی فراہمی کس کے ذمہ ہے؟

چھوٹے پیمانہ پر پانی کے حصول کی کوشش انسان کا انفرادی معاملہ ہے جس کے لئے

اسے ہینڈ پمپ وغیرہ کے ذریعہ کوشش کرنی چاہئے، جس طرح کہ غذا وغیرہ کی فراہمی اس کا انفرادی مسئلہ ہوتا ہے، چنانچہ قرون اولیٰ میں مدینہ منورہ اور دوسرے اسلامی شہروں میں حکومت کی طرف سے گھر گھر پانی پہنچانے کا نظم نہیں کیا جاتا تھا، اگرچہ کنوئیں فراہم کرنے اور بعض نہروں کی صفائی کروانے یا کھدوانے کی مثالیں ملتی ہیں، البتہ بڑے پیمانہ پر اس طرح کی کوششیں عوام کے لئے ممکن نہیں ہوتیں، لہذا بڑے دریاؤں کی درنگی، بڑی بڑی نہروں کا قیام اور آب موجودہ دور میں پانی کی بڑی تنکیاں بنوانا، یا جن علاقوں میں پانی کافی نچلی سطح میں ہوتا ہے، اور عام انسان کے لئے وہاں کنواں کھودنا یا بورنگ کرانا ممکن نہیں ہوتا ہے وہاں پانی کی فراہمی بلاشبہ حکومت کی ذمہ داری ہے، اس کا استدلال اس عبارت سے کیا جاسکتا ہے:

”ولو احتاجت هذه الأنهار إلى الكرى فعلى السلطان كراها من بيت المال، لأن منفعتها لعامة المسلمين، فكانت مؤنتها من بيت المال لما قلنا“
(بدائع ۵/۲۸۰، کتاب اشرب)۔

(اگر ان (بڑے) دریاؤں کو کھدائی صفائی کی ضرورت ہو، تو سلطان پر بیت المال سے ان کی کھدائی ضروری ہے، اس لئے کہ ان کی منفعت عام مسلمانوں کے لئے ہے، لہذا اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا اس دلیل سے جو ہم دے چکے ہیں)۔

ہدایہ میں ہے: ”فالاول كرىه على السلطان من بيت مال المسلمين
فإن لم يكن في بيت المال شيء فالإمام يجبر الناس على كرىه“ (بدائع کتاب اشرب،
فصول فی مسائل اشرب فصل فی)۔

(تو پہلے (بڑے دریاؤں) کا کھدوانا سلطان کے ذمہ ہے مسلمانوں کے بیت المال سے، اور اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو تو امام لوگوں کو اس کی کھدائی پر مجبور کرے گا)۔
اور اگر کسی علاقہ میں خشک سالی کے سبب بڑے پیمانہ پر پانی ذخیرہ کرنے کی ضرورت ہو، ورنہ خطرہ ہے کہ پانی زمین کی نچلی سطح پر چلا جائے گا، اور پورا ملک دشواری میں پڑے گا، تو

اصلاً تو حکومت ہی کو اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، لیکن مسئلہ اتنا سنگین ہو کہ صرف حکومتی سطح کی کوشش نا کافی ہو رہی ہو تو حکومت بلاشبہ لوگوں پر بھی اس طرح کی ذمہ داری ڈال سکتی ہے، اور اس حکم کی تعمیل کرنا عوام پر واجب اور ضروری ہوگا، دلائل پیچھے لکھے جا چکے ہیں، ایک عبارت مزید درج کی جاتی ہے، الاشباہ والنظائر لابن نجیم میں ہے:

”إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأمر العام لم ينفذ حكمه شرعاً إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ (قال الحموي) قوله فإن خالفه لم ينفذ، قال المصنف في شرح الكنز ناقلاً عن امتنا: إطاعة الإمام في غير المعصية واجبة، فلو أمر الإمام بصوم يوم وجب“ (الاشباہ مع شرحه للحموي: الفن الاول، القاعدة الخمسة تصرف الامام على الرعية منوطاً بالمصلحة، ص ۹۸)۔

(جب امور عامہ سے متعلق چیزوں میں امام کا فعل مصلحت پر مبنی ہو تو وہ شرعاً اسی وقت نافذ ہوگا جب شریعت کے موافق ہو اور اگر اس کے مخالف ہو تو نافذ نہیں کیا جائے گا، (اس کی شرح میں حموی کہتے ہیں: مصنف نے کنز کی شرح میں ہمارے ائمہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ معصیت کے علاوہ میں امام کی اطاعت واجب ہے تو اگر امام کسی دن کے روزہ کا حکم دے تو روزہ رکھنا واجب ہوگا)۔

خلاصہ یہ کہ خاص حالات میں حکومت کو اس طرح کا حکم دینے کا اختیار ہے، اور اس کی پابندی عوام پر ضروری ہوگی، بڑے پیمانہ پر پانی کی ذخیرہ اندوزی اصلاً حکومت کا کام ہے لیکن خاص حالات میں عوام پر بھی یہ ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے۔

۸: لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور کرنے کا حکم:

کسی بھی حکومت کے لئے عام حالات میں یہ جائز نہیں ہے کہ عوام سے ان کی زمینیں اور جائیدادیں چھین لے۔

”قال الإمام أبو يوسف في كتاب الخراج من باب إحياء الموات:
”وليس للإمام أن يخرج شيئاً من يد أحد إلا بحق ثابت معروف“ (الاشباه لابن نجيم:
المجلد الأول، القاعدة الخمسة تصرف الامام على الرعيه منوطاً بالمصلحة، ص ۱۸۹)۔

(امام ابو یوسف کتاب الخراج کے باب احیاء الموات میں فرماتے ہیں: اور امام کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی کے قبضہ سے کوئی بھی چیز حق ثابت معروف کے بغیر نکال لے)۔

لیکن اگر سڑک، ڈیم، مسجد یا اسی جیسی عوامی فائدہ کی کوئی چیز بنوائی ہو تو جبری طور پر بھی کسی سے اس کی ملک لی جاسکتی ہے، اس کا استدلال درج ذیل عبارت سے ممکن ہے:

”تؤخذ أرض و دار و حانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة
کرھا (قوله بالقيمة کرھا) لما روى عن الصحابة رضى الله تعالى عنهم لما
ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة“ (بخاری ۴۲۱۳،
کتاب الوقف)۔

(مسجد کے بغل کی زمین، گھر اور دوکان بہ قیمت جبراً لے لی جائے گی جب مسجد لوگوں
پر تنگ ہوگئی ہو) (قوله بالقيمة) اس لئے کہ صحابہ کرام سے مروی ہے کہ جب مسجد حرام میں تنگی
ہوگئی تو انہوں نے مالکوں سے بال قیمت جبراً زمین لے لی)۔

۹: باندھ کھولنے کا حکم:

اگر باندھ کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے، اسے کھول دیا جائے تو قریبی آبادی بچ سکتی
ہے، لیکن دور دراز کے علاقے ڈوب جائیں گے، اور ان کی جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جائے گا، تو
اس طرح اپنے کو ضرر سے بچانے کے لئے دوسروں کو ضرر میں مبتلا کرنا جائز نہیں، ”الضرر
لا يزال بالضرر“ کا عام قاعدہ فقہیہ اس پر دلالت کر رہا ہے، اور بعض فقہی روایات سے بھی یہی
معلوم ہوتا ہے:

۱- ”خرب رجل ضفة نهر، والماء فى ذلك الوقت منقطع، ثم وصل الماء فوصل من موضع التخريب فى أرض رجل فأضر بالأرض أو أفسد زرعاً فى الأرض قال: ينظر، إن جرى الماء بنفسه يضمن المخرب إذا كان النهر للعامّة لأنه مسبب متعمد“ (ہندیہ کتاب المشرّب، الباب الثالث فیما یحدث الانسان الخ ۳۰۰/۵)۔

(ایک شخص نے نہر کا پاٹ خراب کر دیا، اس وقت پانی منقطع تھا، پھر پانی پہنچ گیا اور خراب کرنے کی جگہ سے کسی شخص کی زمین میں پہنچ گیا، اور اس نے زمین بے کار کر دی یا زمین کی کھیتی برباد کر دی فرمایا: دیکھا جائے، اگر پانی خود سے بہتا ہے تو اس صورت میں خرابی پیدا کرنے والا ضامن ہوگا جب نہر عوام کی ہو، اس لئے کہ وہ مسبب اور تعدی کرنے والا ہے)۔

۲- فى فتاوى أبى الليث رحمه الله تعالى: نهر عظيم لأهل قرية، يشعب منه نهران، وعلى كل واحد من النهرين طاحونة، فخربت إحدى الطاحونة، فأراد صاحبها أن يرسل الماء كله فى النهر الآخر الذى عليه الطاحونة الأخرى حتى يعمر طاحونته، وذلك يضر بالطاحونة الأخرى لم يكن له ذلك، لأنه يريد..... دفع الضرر عن نفسه بالإضرار بغيره“ (ایضاً)۔

(ابو الیث رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے: ایک بستی والوں کا بڑا دریا ہے، جس سے دو دریا نکلتے ہیں، ہر دو نہروں پر پن چکی ہے اور ایک پن چکی خراب ہو گئی اور اس کے مالک نے چاہا کہ پورا پانی دوسرے دریا (نہر) میں ڈال دے جس میں دوسری پن چکی ہے تاکہ اپنی چکی کی مرمت کر لے اور اس سے دوسری چکی کو ضرر ہوگا تو اسے اس کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ دوسروں کو ضرر پہنچا کر اپنے سے ضرر دور کرنا چاہتا ہے)۔

البتہ اگر صورت حال یہ ہو کہ باندھ کھولنے میں توجان و مال کا معمولی نقصان ہوگا، نہ

کھولنے پر غیر معمولی نقصان ہوگا، ماہرین باقاعدہ اس کی یہی رپورٹ دیں تو حتی الامکان آبادیوں کی حفاظت کا انتظام کر کے حکومتی سطح پر ایسا کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ اہون البلیغین ہے، اشباہ میں ہے:

”إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتکاب أخفهما“
(الاشباہ لابن کثیر: قاعدہ رابعتہ القاعدة الخمسة: المشریزال، ص ۱۳۵)۔

(جب دو مفاسد میں تعارض ہو جائے تو دونوں میں سے اخف کا ارتکاب کر کے ضرر میں بڑھے ہوئے مفسدہ کی رعایت کی جائے گی)۔

۱۰: عوامی آبی وسائل سے عوام کے استعمال کی حد:

دریا، ندی عوامی چشمے اور سرکاری تالاب سے پیاس بجھانے کے لئے پانی لیماہر حال میں جائز ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ بڑے دریاؤں سے نہر وغیرہ بنا کر کھیتوں کی سیرپائی کرنا درست ہے بشرطیکہ مفاد عام کے خلاف نہ ہو، ورنہ اس سے روک دیا جائے گا:

(قوله فی کل ماء لم یحوز) اعلم أن الماء أربعة أنواع: الأول: ماء البحار، ولكل أحد فيها حق الشفة وسقى الأراضی فلا يمنع من الانتفاع علی أى وجه شاء، والثانی: ماء الأودية العظام كسیحون وللناس فيها حق الشفة مطلقا وحق سقى الأراضی إن لم یضر بالعامه والثالث: ما دخل فی المقاسم أى المجاری المملوكة لجماعة مخصوصة وفيه حق الشفة، والرابع: المحرز فی الأوانی ینقطع حق غیره عنه وتماامه فی الهلاية وحاصله أن لكل أحد من الاولین حق الشفة والسقى لأرضه وفي الثالث حق الشفة فقط ولاحق فی الرابع لأحد“ (رد المحتار ۵/۳۱۱، کتاب احياء الموات، فصل الشرب، بداية کتاب احياء الموات....)۔

(قوله فی کل ماء لم یحوز) جان لو کہ پانی کی چار قسمیں ہیں: پہلی قسم: سمندروں

کا پانی، اس میں ہر ایک کو پینے اور زمین سیراب کرنے کا حق ہے، تو اسے جس طرح چاہے انتفاع کرنے سے نہیں روکا جائے گا، دوسری قسم: بڑے دریاؤں کا پانی جیسے سیون، اور اس میں لوگوں کو پینے کا حق مطلق طور پر ہوتا ہے اور اگر عام لوگوں کو ضرر نہ ہو تو زمینوں کی سیرابی کا بھی حق ہوتا ہے، تیسری قسم: جو حصوں یعنی کسی مخصوص جماعت کی مملوک مالیوں میں داخل ہو جائے اس میں پینے کا حق ہوتا ہے، چوتھی قسم: جسے برتنوں میں محفوظ کر لیا جائے اس سے دوسروں کا حق ختم ہو جاتا ہے، پوری تفصیل ہدایہ میں ہے، اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ پہلی دو قسموں میں ہر ایک کو پینے اور سینچنے کا حق ہوتا ہے، تیسری قسم میں صرف پینے کا، اور چوتھی قسم میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے)۔

(قوله إن لم يضر بالعامۃ) فإن أضر بأن يفيض الماء ويفسد حقوق الناس أو ينقطع الماء عن النهر الأعظم أو يمنع جريان السفن تتارخانية، فلکل واحد مسلما کان أو ذمیا أو مکاتبا منعه بزازیہ“ (۳۱/۵، کتاب احیاء الموات فصل الشرب)۔

((مصنف کا قول کہ اگر عام لوگوں کو ضرر نہ ہو) اور اگر ضرر ہو اس طور پر کہ پانی گھٹ جائے اور لوگوں کے حقوق ناسد ہو جائیں یا بڑے دریا سے پانی رک جائے یا کشتیوں کے چلنے سے مانع بن جائے تو ہر ایک کو اسے روکنے کا حق ہوگا خواہ مسلمان ہو یا ذمی ہو یا مکاتب ہو)۔

جب نہر خاص سے پینے کے لئے پانی لیما درست ہے تو عوامی تالاب وغیرہ سے اس مقصد سے لیما بدرجہ اولیٰ درست ہوگا، جہاں تک تالاب اور جھیل سے سینچائی کا تعلق ہے، تو اگر عرف میں رائج ہو، اور لوگوں کا اس سے کوئی نقصان بھی نہ ہو تو دریا ہی پر قیاس کر کے اس سے سینچائی کرنا بھی جائز ہوگا، لیکن اگر ایسا کرنا مفاد عامہ کے خلاف ہو تو ظاہر ہے جب اس صورت میں ندی سے سینچائی کرنے سے ہر ایک کے لئے روکنا جائز ہے تو تالاب وغیرہ سے تو بدرجہ اولیٰ روکنے کا حق ہوگا، حدیث شریف میں ہے:

”الناس شرکاء فی ثلاث: الماء والکلاء والنار“ (ابوداؤد اجارہ، باب فی منع الماء، حدیث نمبر: ۳۳۷۷ و اسنادہ صحیح، احمد فی المسند ۵/ ۳۶۳، ابن ماجہ کتاب الریون، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث، حدیث نمبر: ۳۳۷۷)۔

(لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ)۔

دوسری حدیث میں ہے:

”لا یمنع عن فضل الماء“ (مسلم: باب تحریم فضل الماء)۔

(فالتو پانی سے نہیں روکا جائے گا)۔

ایک اور حدیث میں ہے:

”ما الشیء الذی لا یحلل منعه قال: الماء“ (ابوداؤد اجارہ، باب فی منع الماء، حدیث

نمبر: ۳۳۷۶)۔

(آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا: کس چیز سے روکنا حلال نہیں ہے؟ فرمایا:

پانی سے)۔

اس حدیث کے تحت صاحب بذل فرماتے ہیں: ”أی إذا لم یکن فی الأوانی

والصهاریح والحصاوض، وأما إذا کان فیہا فہو مملوک لہ یحلل منعه“ (بذل الجہود ۱/ ۸۵، تحقیق دکتور تقی الدین الندوی)۔

(یعنی یہ حکم اس وقت ہے جب پانی برتنوں اور حوضوں میں نہ ہو، رعبی وہ صورت جب

پانی ان چیزوں میں ہو تو وہ اس کے زیر ملکیت ہے اس سے روکنا حلال ہے)۔

۷: دریا وغیرہ سے استفادہ کی صورتیں:

دریا وغیرہ سے استفادہ کی صورتیں جو اب نمبر ۱۰ کے تحت گزر چکی ہیں، اور اس سے

متعلق نصوص بھی احادیث اور عبارات فقہیہ سے درج کی جا چکی ہیں، نہر بھی حکومت عوام کے

استعمال ہی کے لئے کھودواتی ہے، اور اس کا اصل مقصد کھیتوں کو سیراب کرنا اور ان سے بھرپور پیداوار لینا ہی ہوتا ہے، لہذا احکام میں ان کا حکم بھی انہیں دریاؤں جیسا ہوگا۔

لیکن اب عصر حاضر میں حکومتوں نے نہروں کے نظام کو پوری طرح منضبط کر دیا ہے، اس کا پورا محکمہ موجود ہے، کھیتوں کا سروے کیا جاتا ہے، اور اسی کی روشنی میں استفادہ کا کچھ عوض سینچائی کے نام سے مقرر کیا جاتا ہے، لہذا ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے یہ ضروری ہے کہ مسلمان ان ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے ان نہروں سے استفادہ کریں، قانونی طور پر کوئی چیز ممنوع ہو تو اس کا کرنا شرعاً بھی ناجائز ہوگا، اس سے متعلق تفصیلات اوپر کے سوالوں کے جوابات کے تحت گزر چکی ہیں۔

۱۲- پانی پر ذاتی ملکیت کب ہوتی ہے:

انسان جب دریا یا کسی عوامی جگہ سے پانی لے کر اپنے ذاتی برتن ٹنگی یا حوض وغیرہ میں کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، اس سلسلہ کی عبارات پچھلے سوالات کے تحت گزر چکی ہیں، ایک عبارت یہاں بھی نقل کی جاتی ہے:

”أما الأول (وهو الماء الذي يكون في الأواني والظروف فهو مملوك لصاحبه لاحق لأحد فيه، لأن الماء وإن كان مباحا في الأصل، لكن المباح يملك بالاستيلاء إذا لم يكن مملوكا لغيره كما إذا استولى على الحطب والحشيش والصيد“ (بدائع المنابع: کتاب اشرب ۵/ ۲۷۴، طمکتہ زکریا)۔

(رعی پہلی قسم (یعنی وہ پانی جو برتنوں اور ظروف میں ہو) تو وہ اس کے مالک کے زیر ملکیت ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے، اس لئے کہ پانی اگرچہ مباح الاصل ہے، لیکن قبضہ سے اس صورت میں مباح پر ملکیت ہو جاتی ہے جب وہ دوسرے کی ملکیت میں نہ ہو جیسے کہ وہ لکڑی، گھاس اور شکار پر قابض ہو جائے تو ملکیت ہو جاتی ہے)۔

۱۳: پانی کی تجارت کا حکم:

آدمی جب مندرجہ بالا صورت میں پانی کا مالک ہو جائے، تو اس کے لئے اس کی خرید و فروخت اور تجارت جائز ہے، اوپر بدائع کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس کے معا بعد صاحب بدائع فرماتے ہیں:

”فيجوز بيعه كما يجوز بيع هذه الأشياء، وكذا السقاؤون يبيعون المياه المحروزة في الظروف، به جرت العادة في الأمصار وفي سائر الأعصار بغير تكبير، فلم يحل لأحد أن يأخذ منه فيشرب من غير إذنه“ (بدائع: کتاب اشرب ۲۷۳/۵، مکتبہ زکریا)۔

(لہذا جس طرح ان اشیاء کی بیع جائز ہے اسی طرح اس پانی کا بیچنا بھی جائز ہے، اسی طرح سقاء لوگ ظروف میں محفوظ پانی کی بیع کرتے ہیں، تمام شہروں میں ہر زمانہ میں بغیر تکبیر کے اس کا عرف رہا ہے، لہذا کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ اس میں سے لے کر اس کی اجازت کے بغیر پئے)۔

اور ثامی میں ہے:

”لا ينتفع به إلا بإذن صاحبه لملكه ياحرازه“ (قولہ لملكه ياحرازه)“
 فله بيعه ملتقى“ (ثامی ۳۱۳/۵، کتاب احياء الموات، فصل اشرب، مکتبہ فیض القرآن)۔

(محفوظ کر لینے کے سبب اس کے مالک ہو جانے کی وجہ سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اس سے انتفاع نہیں کیا جائے گا) (قولہ لملكه ياحرازه) تو اس کو اس کے فروخت کرنے کی اجازت ہوگی)۔

۱۴: نشیبی علاقوں میں آبادی کا حکم:

لوگ جن زمینوں اور علاقوں کے مالک ہیں ان میں ان کا ہر طرح کا تصرف کرنا جائز

ہے، لہذا اگر کوئی زمین کا مالک ہے، اور پلاننگ کر کے زمین فروخت کرتا ہے، تو یہ اپنے مال میں تصرف کرنا ہے جس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ اگر ماہرین کی رپورٹ یہ ہے کہ اس طرح آبادی بڑھنے سے مفاد عام کو نقصان پہونچے گا، اور حکومت اس کے پیش نظر اس سے منع کرتی ہے تو عوام کو حکومت کے احکام کی پابندی کرنی چاہئے اور اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- جواب نمبر ۷، ۸ کے تحت گزرنے والے دلائل۔

۲- حکومت کا حکم نہ ماننے پر اس پر پولیس کی طرف سے جبر ہوگا، بعض اوقات گرفتاری اور سزا ہوگی جس سے اپنے کو بچانا ضروری ہے۔

۱۵: آب رسائی کس کی ذمہ داری ہے:

بہت سی چیزوں کے احکام زمانہ کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں، پہلے زمانہ میں پینے کے پانی کے لئے افراد خود کوشش کرتے تھے، اور کنویں یا ہینڈ پمپ وغیرہ کا نظم کرتے تھے، آج بھی ہندوپاک کے بہت بڑے رقبہ میں خاص طور سے دیہاتوں میں یہی انتظام چل رہا ہے، جہاں سہولت سے یہ انتظام چل رہا ہے وہاں کے بارے میں پہلے بھی یہی حکم تھا اور آج بھی یہی حکم ہے کہ یہ انسان کا اپنا ذاتی مسئلہ ہے کہ جس طرح اپنے کھانے کا نظم کرے اسی طرح اپنے پینے کا بھی نظم کرے۔

البتہ جہاں کنویں اور ہینڈ پمپ کے ذریعہ پانی حاصل کرنا ممکن نہیں، بلکہ اس کے لئے بڑے پیمانہ پر کوشش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ مثلاً ہندوستان کے بڑے شہروں ممبئی اور حیدرآباد وغیرہ میں ہے کہ پانی کی فراہمی کے لئے بڑی جھیلیں ہیں، پھر اس کی سپلائی کا پورا انتظام ہے جس کو صرف حکومتی سطح پر ہی انجام دینا ممکن ہے، انفرادی طور پر یہ نظام چلانا آسان نہیں ہے، وہاں کے نظام کو فقیہی کتابوں میں موجود بڑے دریاؤں کے حکم میں قرار دیا جاسکتا ہے، جس

کے بارے میں تمام کتابوں میں موجود ہے کہ ان کی اصلاح اور دیکھ بھال حکومت بیت المال کے صرفہ سے انجام دے گی اور بیت المال میں رقم نہ ہو تو حکومت اپنی نگرانی میں عوام سے اصلاح کرائے گی (عبارتوں کی تفصیل جواب نمبر ۷ کے تحت گزر چکی ہے)۔

موجودہ دور میں جن بڑے شہروں اور علاقوں میں پانی کی فراہمی کے لئے بڑے پیمانہ پر کام کی ضرورت ہوتی ہے وہاں بلاشبہ یہ نظام قائم کرنا اسی طرح حکومت کی ذمہ داری ہے جس طرح ان بڑے دریاؤں کی اصلاح حکومت کی ذمہ داری ہے، اور حکومت ذمہ داری پوری نہ کرے تو عوام اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

اور چونکہ حکومتوں کو اس کے لئے مستقل عملہ رکھنا پڑتا ہے، پانی پہنچانے کے لئے انجن یا پانی کا موٹر لگانا پڑتا ہے، جس میں ڈیزل یا بجلی کے مستقل مصارف ہوتے ہیں، لہذا ”الغنم بالغرم“ کے اصول کے مطابق حکومت کچھ اجرت بھی متعین کر دے تو شرعاً غلط نہ ہوگا، خاص طور سے جب حکومتی خزانے سے دوسری فلاحی اسکیمیں چلانے کی زیادہ ضرورت ہو، یا خزانہ میں اس کے لئے رقم ہی موجود نہ ہو۔

اس طرح پانی کی اجرت لینے کو اگر چہ منع کیا گیا ہے جیسا کہ جواب نمبر ۱۰ کے تحت گزر چکا ہے، لیکن یہاں ایک تو ماہر خریدا جاتا ہے، دوسرے یہ عوض پانی کا نہیں بلکہ پانی کی سپلائی پر آنے والے مصارف کا ہے۔

اور جب ہم اتنی بات تسلیم کر لیں تو جس طرح پانی کو ظرف میں رکھ لینے والا عوض کے بغیر دینے سے انکار کر سکتا ہے اسی طرح مخصوص اجرت نہ دینے پر حکومت پانی کی سپلائی بند کر سکتی ہے، لیکن اس طرح کرنا ہو تو حکومت کو چاہئے کہ محلہ میں ایک دو نلکے مفت بھی فراہم کرے تاکہ غریبوں اور اتفاتی طور پر فیس جمع نہ کر پانے والوں کو حرج عظیم نہ ہو۔

جہاں تک ان علاقوں کا تعلق ہے جہاں پرانے نظام کے تحت لوگ پانی کا بندوبست

خود کرتے ہیں، وہاں پانی کی فراہمی حکومت کے واجبات میں سے نہیں ہے، لیکن حکومتیں صاف پانی فراہم کرنے کے لئے عمدہ قسم کے پینڈ پمپ لگوانے کی اسکیمیں چلا رہی ہیں، اور خود ہی اس کو عوام کے حقوق میں سے قرا رہی ہیں، لہذا اگر کسی علاقہ میں ضرورت ہو تو وہاں کے عوام بلاشبہ ان اسکیموں کے نفاذ کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

۱۶: پانی کی نکاسی کا نظام:

اس سول کا تعلق بھی تغیر زمان سے ہے، پہلے یہ انسان کا انفرادی معاملہ تھا، لیکن اب بڑے پیمانہ پر نظم قائم کئے بغیر پانی کی نکاسی بھی آسان نہیں ہے، اور جیسا کہ جواب نمبر ۱۵ اور جواب نمبر ۷ کی عبارتوں کے بین السطور سے واضح ہوتا ہے اس طرح کے امور کی انجام دہی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔

اس نظام کی بھی اہمیت کسی طرح کم نہیں قرا دی جاسکتی، جس طرح پانی کے بغیر انسان کا جینا محال ہے، اسی طرح نکاسی کا نظم نہ ہو تو وبائی امراض پھوٹ پڑیں گے، راستے بند ہو جائیں گے، لوگوں کی صحت خراب ہوگی، اور عوامی زندگی میں خلل پڑے گا، لہذا اس کا نظم بنانا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آبی وسائل اور ان کے شرعی احکام

مولانا روح الامین ☆

۱- پانی کے عمومی احکام:

پانی انسان کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت ہے، بلکہ اس پر اس کی زندگی کا مدار ہے، اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں خود اس کے نزول کا اہتمام فرمایا، وہیں اس کی حفاظت کے انتظامات بھی فرمائے، اور کچھ عمومی اور بنیادی ایسے احکامات دیئے، جن کے التزام سے ہر کس و ناکس اپنی ضرورت پوری کر سکے، اور ہر قسم کی آلودگی سے بھی اس کی حفاظت ہو سکے۔ ذیل میں کچھ ایسے بنیادی احکامات ذکر کئے جاتے ہیں۔

(الف) پانی پر کسی کی اجارہ داری نہیں:

اسلام کا اصل منشا یہ ہے کہ پانی ایک عام اور بنیادی ضرورت کی چیز ہے، اور اس کا وجود محض قدرت کا کرشمہ ہے، انسانی صنعت کو اس میں کوئی دخل نہیں، لہذا ہر شخص پانی سے فائدہ اٹھائے اور کوئی بھی اپنی اجارہ داری قائم نہ کرے۔ مندرجہ ذیل روایات سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے:

۱- المسلمون شركاء في ثلاث: في الماء والكلا والنار (ابوداؤد: ۳۳۷۷)۔

مسلمانوں کے درمیان تین چیزیں مشترک ہیں: پانی، گھاس اور آگ۔

۲- عن امرئى يقال له بهيسة عن أبيها قال: يا نبي الله! ما الشبيبي الذي

لا يحل منعه؟ قال الماء (ابوداؤد: ۳۳۷۶)۔

☆ استاذ حدیث، جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات۔

آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا، ایسی کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا حلال نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسی چیز پانی ہے۔

۳- لا یمنع فضل الماء لیمنع بہ الکلاً (بخاری ۵۳۵۳، ابوداؤد ۴۳۷۳)۔

فاضل پانی سے نہ روکو کہ (مباح) گھاس سے روکنا لازم آئے۔

۴- ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ تین اشخاص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے، ان میں سے ایک وہ ہے جو زائد از ضرورت پانی سے مسافر کو روکے۔

رجل کان له فضل ماء بالطریق فمنعه من ابن السبیل (صحیح بخاری ۵۸۵۲)۔

بلکہ ایک حدیث میں یہ وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں آج اپنا فضل تجھ سے روک دوں گا جیسا کہ تونے اس چیز کے فاضل حصہ سے روکا، جس کے وجود میں تیرے ہاتھوں کا دخل نہ تھا۔

الیوم أمنعک فضلی کما منعت فضل ما لم تعمل یداک (صحیح بخاری ۲۳۶۹)۔

۵- أن رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع فضل الماء (ابوداؤد ۴۸۵۸)۔

زائد از ضرورت پانی کو فروخت کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

(ب) پانی کے استعمال میں اسراف نہ ہو:

عبادات کے لیے بھی پانی کے استعمال میں شریعت فضول خرچی کو پسند نہیں کرتی، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”لا تسرف لا تسرف“ یعنی زیادہ پانی استعمال نہ کرو (سنن ابن ماجہ ۳۲۳)، بلکہ ایک روایت میں یہاں تک آیا ہے: ”من الوضوء إسراف ولو كنت علی شاطئ نهر“ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۶۸/۱) یعنی نہر کے کنارے بیٹھ کر زیادہ پانی بہانا بھی اسراف میں داخل ہے، حالاں کہ وہ پانی نہر ہی میں داخل ہوگا۔ جب عبادات میں شریعت کو اسراف کو ارہ

نہیں تو عام استعمالات میں کیسے کوارہ ہو سکتا ہے؟ مزید تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

(ج) آلودگی سے پانی کی حفاظت ہو:

پانی آلودگی سے محفوظ رہنا، اس لیے شریعت ہر ایسے طریقہ استعمال سے روکتی ہے جو اس کی تطہیری و تنظیمی صلاحیت کو متاثر کرے۔ جس کی کچھ تفصیل ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

(د) پانی کی ذخیرہ اندوزی:

پانی کی ایسی ذخیرہ اندوزی جو دوسرے کی حق تلفی کا سبب بنے درست نہیں ہے، چنانچہ ایک دریا کے پانی کے سلسلہ میں ممانعت ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے یوں فیصلہ فرمایا: ”إن الماء إلى الكعبين لا يحبس الأعلى على الأسفل“ (ابوداؤد: ۳۶۳۸) یعنی ٹخنوں تک پانی بھرنے کے بعد اوپر والا نیچے والے سے پانی کو روک کر نہ رکھے۔ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کے درمیان ممانعت ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا: ”اسق یا زبیر ثم أرسل إلى جارك“ (بخاری: ۲۳۵۹) یعنی سیرابی کے بعد اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو۔

۲- پانی میں اسراف اور اس کی صورتیں:

بے محل اور حاجت ضروریہ و شرعیہ سے زائد بے دریغ پانی کا استعمال اسراف اور فضول خرچی میں داخل ہے۔ چنانچہ ابن عابدین شامی اسراف کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:

والإسراف أي بأن يستعمل منه فوق الحاجة الشرعية (رد المحتار: ۲۵۸)۔

اسراف یہ ہے کہ حاجت شرعیہ سے زائد پانی کا استعمال ہو۔

صاحب معجم المصطلحات والالفاظ الفقہیہ دکتور محمود عبد الرحمن عبد المنعم فرماتے ہیں:

الإسراف هو ما يزيد بعد تيقن الواجب أو المطلوب وهو مكروه بخلاف الإسباغ، ومثله إطالة الغرة تكون بالزيادة على المحدود وفوق الواجب في الوضوء، فهي إسباغ وزيادة (۱۷۳)۔

اسراف وہ مقدار ہے جو مقدار واجب یا مقدار مطلوب کے تيقن کے بعد زائد ہو اور یہ

مکروہ ہے، بخلاف اسباغ کے، جیسے اطالعہ نغره، یہ محدود اور وضو میں واجب مقدار پر زیادتی ہے (لیکن مطلوب ہے، بعض روایات کی بناء پر) اس لیے یہ اسباغ ہے اور زیادتی ہے، یعنی اسراف میں داخل نہیں ہے۔

اس مذکورہ حقیقت کے پیش نظر بہت سی صورتیں اسراف میں داخل ہو سکتی ہیں۔ ذیل میں کچھ صورتیں ذکر کی جاتی ہیں، جن میں بعض صورتیں خود فقہاء نے ذکر کی ہیں:

(۱) اعھائے وضو کو تین سے زائد مرتبہ دھونا۔

(۲) اعھائے وضو پر ضرورت سے زائد پانی بہانا، جب کہ آپ ﷺ وضو میں ایک مد کا استعمال منقول ہے، جس کی مقدار ایک لیٹر سے کچھ زائد ہوتی ہے۔

(۳) بلا فصل وضو کی تجدید کرنا۔

(۴) استعمال کے دوران نل کو مسلسل جاری رکھنا۔

(۵) چوراہوں پر لگے ہوئے فواروں سے من و چہ پانی کا اسراف ہوتا ہے، چاہے وہ

پانی ضائع نہ جاتا ہو، کیوں کہ حدیث میں ہے: ”لو كنت على شاطئ نهر“۔

(۶) Swimming Pool میں غسل کرنے سے بظاہر زائد پانی استعمال ہوتا ہے، اور

آپ ﷺ غسل میں عموماً ایک صاع کے بقدر پانی استعمال فرماتے ہیں، جس کی مقدار چار لیٹر سے کچھ زائد ہوتی ہے، نیز یہ طریقہ انعماس فی الماء کی ممانعت کو بھی شامل ہے۔

(۷) پینے کے لیے ضرورت سے زائد پانی لے کر مابقیہ کو پھینک دینا۔

یہ چند جزئیات بطور مثال ذکر کی گئیں ورنہ اصول وہی ہے جس کا ذکر سابق میں آیا۔

اسراف کا حکم:

اسراف کے نتیجے میں اگر پانی بالکل ضائع ہو جاتا ہے اور کسی طرح قابل استعمال نہیں رہتا تو ایسا اسراف مکروہ تحریمی ہے، اور اگر پانی کا ضیاع نہیں ہوتا، جیسے نہر کے کنارے پر ہو اور

پانی بہہ کر نہری میں گر رہا ہے تو یہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:

ويؤيد ما قدمه الشارح عن الجواهر من أن الإسراف في الماء الجاري جائز لأنه غير مضيع، وقد منا أن الجائز قد يطلق على ما لا يمتنع شرعا فيشمل المكروه تنزيها (رد المحتار، ۱/۲۵۹)۔

شارح نے سابق میں جوہر سے نقل کیا کہ ماء جاری میں اسراف جائز ہے، اس لیے کہ وہاں پانی ضائع نہیں ہوتا، اور ہم ماقبل میں کہہ چکے ہیں کہ جائز کا اطلاق کبھی اس امر پر بھی ہوتا ہے جو شرعاً ممتنع نہ ہو، لہذا جائز اس معنی کے لحاظ سے مکروہ تنزیہی کو بھی شامل ہے۔

پھر یہ اس صورت میں جب کہ پانی اپنی ملک ہو ورنہ اگر وقف کا پانی ہو تو اسراف حرام ہے۔

أما الموقوف على من يتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام (درمغ الثانی، ۱/۲۵۹)۔

بہر حال وہ پانی جو طہارت حاصل کرنے والوں کے لیے وقف ہو، اور مدارس کا پانی بھی اسی قبیل سے ہے، تو پھر اسراف حرام ہے۔

۳- پانی کی آلودگی سے متعلق احکام:

شریعت نے پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے جو احکام دیئے ہیں، ان میں بعض وجوب کے درجہ میں ہیں، اور بعض صرف اخلاقی نوعیت کے ہیں، اگر کسی تصرف سے پانی کی تطہیر متاثر ہوتی ہے تو اس تصرف سے پانی کی حفاظت وجوب کے درجہ کی ہوگی، اور اگر منطیف متاثر ہوتی ہے تو پھر ایسے تصرف سے پانی کی حفاظت اخلاقی نوعیت کی ہوگی، ہاں بعض اسباب جیسے ایذا کا باعث وغیرہ کی وجہ سے شرعاً حکم میں شدت یعنی خلاف اولیٰ سے کراہت اور کراہت سے تحریم ہو سکتی ہے۔

(الف) پانی میں بول وبرا کی ممانعت:

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم، ثم يغتسل منه (ابوداؤد: ۶۹۵)۔

تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی سے اسے غسل بھی کرنا ہے۔

(ب) پانی میں داخل ہو کر غسل کرنے کی ممانعت:

عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم ولا يغتسل فيه من الجنابة (ابوداؤد: ۷۰۵)۔

تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں داخل ہو کر غسل نہ کرے۔

(ج) سو کر اٹھنے کے بعد پانی میں ہاتھ داخل کرنے کی ممانعت:

عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: إذا قام أحدكم من الليل فلا يغمس يده في الإناء حتى يغسلها ثلاث مرات فإنه لا يدري أين باتت يده (مسلم: ۶۳۲)۔

تم میں سے کوئی شخص رات میں سو کر بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے، یہاں تک کہ ہاتھ کو تین مرتبہ دھو لے اس لیے کہ معلوم نہیں رات میں ہاتھ کہاں تھا۔

(د) پانی کے گھاٹ پر بول وبرا کی ممانعت:

عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله ﷺ: اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز في الموارد، وقارعة الطريق، والظل (ابوداؤد: ۲۶۵)۔

لعنت کے تین کاموں سے بچو: پانی کی گزرگاہوں یا پانی کے گھاٹ پر، اور درمیان راہ میں، اور سایہ میں بول وبرا کرنے سے۔

في البذل: البراز في الموارد أي قضاء الحاجة فيها واحده موردة وهي

طرق الماء أو منهل الماء الذي يرد عليه الناس من عين أو نهر (بذل الجہود ۱/۲۵۶)۔
برازنی الموارو کا مطلب ہے ان جگہوں پر قضائے حاجت کرنا، اور اس کا واحد مورود
ہے، اور وہ پانی کے راستوں کو یا چشمہ و نہر کے گھاٹ کو کہتے ہیں، جہاں لوگ پانی کے لیے آتے
ہیں۔

(ہ) پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے کی ممانعت:

عن ابن عباس قال: نهى رسول الله ﷺ أن يتنفس في الإناء أو ينفخ

فيه (ابوداؤد ۳۷۲۸)۔

آپ ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ”لأنه ربما حصل له تغير من النفس أما
لكون المتنفس كان متغير الفم بما كؤل مثلاً أو لبعده عهد باللسواك
والمضمضة أولاً لأن النفس يصعد ببخار المعلة والنفخ في هذه الأحوال كلها
أشد من النفس“ (فتح الباری ۳/۴۰۳، مطبع عباس باز)۔

ممانعت اس لیے ہے کہ تنفس کی وجہ سے مشروب میں تغیر ہو جاتا ہے، یا تو اس بنا پر کہ
سانس لینے والے کا منہ کسی چیز کے کھانے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ مسواک و کلی کئے ہوئے
کافی وقت ہو چکا تھا، یا اس لیے کہ سانس معدہ کے بخارات کے ساتھ چڑھتی ہے، اور ان تمام
احوال میں پھونک سانس سے زیادہ مؤثر ہے۔

(و) مشکیزہ یا چھاگل وغیرہ سے منہ لگا کر پینے کی ممانعت:

نهى النبي ﷺ أن يشرب من في السقاء (بخاری ۵۶۳۸)۔

نبی کریم ﷺ نے مشکیزہ کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا۔

ابن حجر عسقلانی نبی کی علت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اختلف في علة النهي فقول يخبس أن يكون في الوعاء حيوان أو ينصب

بقوة فيسرق به أويقطع العروق الضعيفة التي يازاء القلب فر بما كان سبب الهلاك أو بما يتعلق بغم السقا من بخار النفس أو بما يخالط الماء من ريق الشارب فيتقدره غيره أولأن الوعاء يفسد بذلك في العادة فيكون من إضاعة المال، قال والذي يقتضيه الفقه أنه لا يبعد أن يكون النهي لمجموع هذه الأمور وفيها ما يقتضيه الكراهة وفيها ما يقتضيه التحريم، والقاعدة في مثل ذلك ترجيح القول بالتحريم“ (فتح الباري ۳/۳۳۰)۔

نبی کی علت میں اختلاف ہے: (۱) اس بات کا اندیشہ ہے کہ برتن میں کوئی جانور ہو۔ (۲) یا پانی قوت کے ساتھ اُٹلے جس سے کپڑے اور بدن بھیگ جائے۔ (۳) یا وہ باریک رگیں کٹ جائیں جو دل کے محاذی ہیں اور یہ کبھی بلاکت کا سبب بن سکتا ہے۔ (۴) یا سانس کی تپش سے مشکیزہ کا منہ متاثر ہو جائے۔ (۵) یا پینے والے کا تھوک پانی میں مل جائے اور دوسرے کے لیے گھن کا باعث بنے۔ (۶) یا کبھی مشکیزہ خراب بھی ہو جاتا ہے تو یہ اضاحت مال کا سبب ہوگا۔ فرماتے ہیں (محمد بن ابی جمرہ) کہ عقل اس بات کی مقتضی ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ ممانعت ان تمام ہی امور کی بنیاد پر ہو اور ان میں بعض امور کراہت کا تقاضہ کرتے ہیں اور بعض تحریم کا تقاضہ کرتے ہیں، اور ایسے موقع پر ضابطہ کے مطابق حرمت کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔

(ز) برتن کو ڈھانکنے کا حکم:

عن جابر أن رسول الله ﷺ قال: أطفئوا المصابيح إذا رقدتم، وغلقوا الأبواب، وأوكوا الأسقية، وخمروا الطعام والشراب (بخاری ۵۶۳۳)۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سونے کے وقت چراغ گل کر دو، دروازے بھیڑ دو، مشکیزوں کے منہ باندھو اور کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانک دو۔

(ح) پانی میں تھوکنے اور کھٹکھارنے اور ناک کی ریزش ڈالنے کی ممانعت:

في الدر "وإلقاء النخامة والامتخاط في الماء" (درمخ الثانی ۶۶/۱)۔

(مکروہات میں سے ہے) پانی میں بلغم اور ناک کی ریزش ڈالنا۔

۴- ناپاک پانی کی تطہیر

ناپاک پانی کی تطہیر کے سلسلہ میں حنابلہ کے یہاں تین طریقے ہیں:

(۱) مکاثرہ یعنی پاک پانی شامل کر کے اضافہ کر دینا۔

(۲) زول تغیر یعنی پانی متغیر ہو گیا تھا، کسی طرح اس کا تغیر زائل ہو گیا تو یہ پانی پاک

سمجھا جائے گا۔

(۳) اس قدر پانی نکال دیا جائے کہ تغیر زائل ہو جائے اور اس کے بعد دو قلم کے بقدر

پانی رہے تو وہ پاک ہے۔

معنی کی ایک عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

فصل ناپاک پانی کو پاک کرنے کے بیان میں: اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) پانی دو قلم سے کم ہو، تو اس کی تطہیر دو پاک قلم کے بقدر اضافہ سے ہوگی، یا تو پانی

اس میں ڈالا جائے یا اس کے چشمہ سے اہل پرے اور اس کی وجہ سے اس کا تغیر زائل ہو جائے

اگر وہ متغیر تھا، اور اگر متغیر نہیں تھا تو محض پانی کے اضافہ سے پاک ہو جائے گا، اس لیے کہ دو قلم

پانی تغیر ہی سے ناپاک ہوتا ہے۔

(۲) پانی دو قلم کے بقدر ہو تو (دو حال سے) خالی نہیں ہے کہ (۱) اگر نجاست کی وجہ

سے متغیر نہ ہو تھا تو مذکورہ طریقہ پر اضافہ سے پاک ہو جائے گا۔ (۲) اگر متغیر تھا تو پھر

دو طریقوں میں سے ایک سے پاک ہو جائے گا۔ مذکورہ طریقہ پر اضافہ سے جب کہ یہ اضافہ

تغیر کو زائل کر دے یا ایسے ہی چھوڑ دینے سے یہاں تک کہ طول مکث کی بناء پر اس کا تغیر زائل

ہو جائے۔

(۳) پانی دو قلم سے زائد ہو، تو اس کی دو حالتیں ہیں: (۱) بغیر تغیر کے ناپاک ہو اور ہو تو

اس کی تطہیر کے لیے مکاثرہ (اضافہ) کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ (۲) نجاست کی وجہ سے

متغیر ہو گیا ہو، تو اس کی تطہیر کے تین طریقے ہیں: (۱) مکاثرہ یا طول مکث کی بناء پر تغیر کا زائل

ہو جانا، (۲) اس قدر پانی نکال دینا جس سے اس کا تغیر زائل ہو جائے اور اس کے بعد دو قلمہ یا زائد باقی رہے، اس لیے کہ اگر زوال تغیر سے پہلے دو قلمہ سے کم باقی رہا تو پھر ناپاک ہونے کی علت ”تغیر“ نہیں رہے گی، کیوں کہ وہ تو اس کے بغیر بھی ناپاک ہے، لہذا اب تغیر کے زوال سے ناپاک کی زائل نہ ہوگی، اسی وجہ سے کثیر پانی نزع اور طول مکث سے پاک ہو جاتا ہے، اور قلیل پانی پاک نہیں ہوتا، اس لیے کہ کثیر کے ناپاک ہونے کی علت جب تغیر ہے تو اس کی ناپاک کی علت کے زوال سے زائل ہو جائے گی، جیسے شراب جب سرکہ سے بدل جائے، اور قلیل کے ناپاک ہونے کی علت نجاست کا ملنا ہے، تغیر نہیں، تو تغیر کا زوال ناپاک کی کے ازالہ میں مؤثر نہ ہوگا (المغنی علی مختصر الخرقی لابن قدامہ ۱/۵۳)۔

حاصل یہ ہے کہ حنا بلہ کے نزدیک جب ناپاک کی علت تغیر ہے تو تغیر کے زائل ہونے سے پانی پاک ہو جائے گا، اب چاہے تغیر کا زوال مکاثرہ سے ہو یا نزع سے ہو یا طول مکث کی بناء پر ہو، اور اگر علت قلت مایعہ محض اختلاط نجاست (تغیر کے بغیر) ہو تو پھر مکاثرہ سے پاک ہو جائے گا۔

مسک شافعی:

یہی مسک تقریباً شافعیہ کا بھی ہے، البتہ ان کے نزدیک اضافہ کردہ پانی کا ظاہر ہونا بھی شرط نہیں بلکہ ناپاک پانی بھی شامل کر دیا جائے اور کثیر کی بنیاد پر تغیر زائل ہو جائے تو پانی پاک ہو جائے گا، نیز دو قلمہ سے کم پانی قلت کی بناء پر ناپاک ہو تو دو قلمہ کا اضافہ شرط نہیں بلکہ اتنا اضافہ بھی کافی ہے کہ کل پانی دو قلمہ کے بقدر ہو جائے۔

شرح مہذب کی عبارت ملاحظہ ہو:

إذا زال تغیر الماء النجس وهو أكثر من قلتین نظر إن زال بإضافة ماء آخر طهر بلا خلاف سواء كان الماء المضاف ظاهراً أو نجساً قليلاً أو كثيراً وسواء صب الماء عليه أو نبع عليه وإن زال بنفسه بأن لم يحدث فيه شینا بل زال تغیره بطلوع الشمس أو الريح أو مرور الزمان طهر أيضا علی المذهب وبه

قطع الجمهور..... وإن كان نجاسته بالقللة بأن يكون دون القلتين طهر بأن
ينضاف إليه ماء حتى يبلغ قلتين (المجموع شرح المہذب ۱/۱۳۲-۱۳۵)۔

جب ناپاک پانی کا تغیر زائل ہو جائے اور وہ دو قلمہ سے زائد ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر
دوسرے پانی کے اضافہ سے زائل ہو تو بغیر کسی اختلاف کے وہ پانی پاک ہے، خواہ اضافہ کردہ پانی
پاک ہو یا ناپاک، قلیل ہو یا کثیر، اور خواہ اوپر سے ڈالا گیا ہو یا نیچے سے ابلا ہو، اور اگر تغیر خود زائل
ہو جائے بایں طور کہ اس میں اور کوئی چیز شامل نہ ہو بلکہ اس کا تغیر سورج کی تپش سے یا ہوا سے
یا مرور زمان سے، تو بھی اصل مذہب کے مطابق پاک ہو جائے گا، اسی پر جمہور نے جزم کیا ہے
..... اور اگر اس کی ناپاکی قلت کی بناء پر ہو بایں طور کہ دو قلمہ سے کم ہو تو پاک ہو جائے گا جب
کہ اس میں اس قدر پانی شامل کر دیا جائے کہ وہ دو قلمہ ہو جائے۔

ابتداءً یہ پانی مطہر ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ان کے یہاں تفصیل بھی ہے اور کچھ
اختلاف بھی، تاہم راجح یہ ہے کہ وہ مطہر ہے (تفصیل کے لیے مراجعت کریں المجموع ۱/۱۳۸)۔

ان ائمہ کے مذہب کی رو سے ناپاک اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیائی طریقہ سے
تامل استعمال بنا لیا جائے، اور اس کی بدبو و آلودگی دور کر دی جائے اور کسی قسم کا تغیر باقی نہ رہے تو
ایسا پانی نہ صرف صاف بلکہ پاک سمجھا جائے گا، کیوں کہ ان کے نزدیک جب ناپاکی کی علت تغیر
ہے اور تغیر کا ازالہ کر دیا جائے تو وہ پانی پاک ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ حنفی:

حنفیہ کے یہاں ناپاک پانی کے پاک ہونے کی ایک ہی شکل ملتی ہے، وہ یہ کہ پانی
جاری ہو جائے، یعنی ایک جانب سے پانی داخل ہو اور دوسری جانب سے خارج ہو تو وہ پانی پاک
ہو جائے گا، کیوں کہ جاری ہونے کی صورت میں شک پیدا ہو گیا کہ نجاست بھی اسی کے ساتھ نکل
چکی ہو، لہذا اب نجاست کا بقاء مشکوک ہو گیا اور شک کی بناء پر پانی کے ناپاک ہونے کا یقین نہ
رہا، اس لیے اسے پاک سمجھا جائے گا۔

ثم المختار طهارة المتنجس بمجرد جريانه أي بأن يدخل من جانب
ويخرج من آخر حال دخوله وإن قل الخارج (درمغ الشافعي ۳۲۵/۱)۔
پھر مختار قول محض جاری ہونے سے ناپاک کی طہارت کا ہے، بایں طور کہ ایک طرف
سے داخل ہو اور داخل ہونے کے دوران ہی دوسری طرف سے خارج ہو، اگرچہ نکلنے والا پانی
قلیل ہو۔

في البدائع: ومنها تطهير الحوض الصغير إذا تنجس قال الفقيه
أبو جعفر الهندي إذا دخل فيه الماء وخرج بعضه يحكم بطهارته بعد ألا
تستبين فيه النجاسة، لأنه صار ماء جاريا ولم يستيقن ببقاء النجس فيه وبه أخذ
الفقيه أبو الليث (بدائع المنابع ۱/۳۳۷، مطبع بيروت)۔

تطہیر کے طریقوں میں سے، چھوٹے حوض کو پاک کرنا ہے جب کہ وہ ناپاک
ہو جائے..... فقہ ابو جعفر نے کہا کہ جب پاک پانی اس میں داخل ہو اور کچھ پانی نکل جائے تو اس
کی طہارت کا حکم لگایا جائے گا، بشرطیکہ اس میں نجاست ظاہر نہ ہو، اس لیے کہ اس کا پانی جاری
ہو گیا اور نجاست کے باقی رہنے کا یقین نہ رہا، اسی کو فقہ ابو الیث نے اختیار کیا ہے۔

دوسری شکل

حنفیہ کے یہاں ناپاک شی کی تطہیر کا ایک عام ضابطہ استحالہ اور تبدیلی ماہیت بھی ہے،
یعنی جب شی کی اپنی حقیقت اور ماہیت ختم ہو جائے تو شی کا سابق حکم باقی نہیں رہتا، چنانچہ جب
کٹانمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے اور کوہر آگ میں جل کر راکھ ہو جائے تو شرعاً وہ پاک
سمجھا جاتا ہے، یہ امام محمد کا مذہب ہے اور حنفیہ کے یہاں یہی مفتی بقول ہے۔ صاحب بدائع اس
کی نکت یوں بیان کرتے ہیں:

وجه قول محمد أن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها
خرجت عن كونها نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة، فتعدم بانعدام الوصف،

و صارت كالخمر اذا تخللت (بدائع الصنائع ۱/۳۳۲)۔

امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب نجاست کی حالت تبدیل ہوگئی اور اس کے اپنے اوصاف اور خواص جاتے رہے تو وہ شی نجاست ہونے سے نکل گئی، اس لیے کہ نجاست نام ہے ذات موصوف کا، لہذا وصف کے معدوم ہو جانے سے وہ معدوم ہو جائے گی، جیسے شراب سرکہ بن جائے۔

محل بحث صورت کا حکم:

حنفیہ کی بیان کردہ مذکورہ دونوں شکل کو پیش نظر رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیائی طریقہ پر فلٹر کر کے بدبو اور آلودگی کو دور کر دیا جائے تو پانی صاف ہونے کے ساتھ شرعاً پاک بھی سمجھا جائے۔

اولاً اس لیے کہ شکل اول میں پانی کے پاک ہونے کی بنیاد اور علت یہ پیش کی گئی کہ جب پانی کا ایک حصہ خارج ہو گیا تو نجاست کے اس کے ساتھ نکل جانے کے امکان کی بناء پر بقائے نجاست کا یقین نہ رہا تو اب اس کو پاک سمجھا جائے گا، بعینہ یہی صورت حال یہاں بھی ہے، کیوں کہ فلٹر کے ذریعہ پانی کا ایک حصہ بلکہ خاص طور پر آلودہ حصہ کو علیحدہ کر دیا جاتا ہے، اور اس کے بعد ما بقیہ پانی صاف شفاف نظر آتا ہے، کسی قسم کی بدبو اور آلودگی نظر نہیں آتی اور کثیر پانی کی ناپاکی کا مدار تو تغیر ہی پر ہے، تو اب جب کہ تغیر باقی نہ رہا تو پاک تصور کرنا چاہئے، جیسے کہ جاری پانی اور کنویں کے پانی کو بظاہر اسی بنیاد پر پاک تصور کر لیا جاتا ہے۔

ثانیاً اس لیے کہ شکل ثانی کے مطابق جب نجس العین شی بھی اپنی ماہیت اور حقیقت کھو بیٹھتی ہے تو وہ پاک ہو جاتی ہے، اور محل بحث صورت میں تو نجاست عارضی ہے اس لیے کہ پانی میں اصل طہوریت ہے، تو اگر کیمیائی طریقہ کے طور پر اس عارض کو ختم کر دیا جائے اور اس کی خوبو بھی باقی نہ رہے، حتیٰ کہ تکلیکی طریقہ پر اس کا ٹیسٹ نجاست کے اجزاء کے بقاء کا انکار کرتا ہے، تو

پھر ظاہر یہ ہے کہ ایسے پانی کو شرعاً بھی پاک تصور کیا جائے گا۔ ہذا ما آری وما آبری نفسی۔

۵- پانی کے استعمال پر حکومت کی پابندی:

حکام کے تصرفات اور ان کے فرائض بنیادی طور پر دو شرطوں کے ساتھ نافذ اور واجب التعمیل ہوتے ہیں: (۱) شریعت کے کسی حکم کے متناقض نہ ہو۔ (۲) مصلحت عامہ پر مبنی ہو۔ مزید یہ ہے کہ اس حکم سے کسی پر ظلم نہ ہو اور مستقل قانون کے طور پر نہ ہو بلکہ عارضی طور پر ہو، کیوں کہ جس چیز کو شرع نے حلال و مباح قرار دیا ہو، اسے مستقل طور پر ممنوع یا حرام قرار دینے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

ارشاد ہے: ”قل أرأيتم ما أنزل الله لكم من رزق فجعلتم منه حراما وحلالا، قل آله أذن لكم أم على الله تفترون“ (پولس: ۵۹)۔
آپ کہہ دیجئے کہ ذرا بتاؤ تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تھا پھر تم نے اس میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال بنا ڈالا، آپ کہئے کہ اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔

فی الأشباه ”إذا كان فعل الإمام مبني على المصلحة فيما يتعلق بالأمر العام لم ينفذ أمره شرعا إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ“ قال المصنف في شرح الكنز ناقلًا عن أنمتنا إطاعة الإمام في غير المعصية واجبة فلو أمر الإمام بصوم يوم وجب (الاشباه والنظائر مع شرحه الخموي ۱/۲۱۳)۔

جب امام کا فعل مصلحت پر مبنی ہو، ان امور میں جن کا تعلق عام لوگوں سے وابستہ ہے، تو اس کا حکم شرعاً نافذ نہ ہوگا الا یہ کہ شرع کے موافق ہو، لہذا اگر اس کے مخالف ہو تو نافذ نہ ہوگا، مصنف نے شرح کنز میں ائمہ احناف سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ امام کی اطاعت معصیت کے علاوہ میں واجب ہے، اگر امام ایک دن کے روزہ کا حکم دے تو روزہ رکھنا واجب ہوگا۔

مذکورہ اصول کے پیش نظر اگر حکومت مصلحت عامہ کی خاطر پانی کی قلت کی بناء پر کسی استعمال پر کوئی عارضی اور وقتی پابندی عائد کرتی ہے، تو یہ پابندی بجا ہے، اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہے۔

نیز اس خاص مسئلہ میں ایک روایت سے بھی استدلال ممکن ہے کہ غزوہ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا: ”إنکم ستأتون غمدا إن شاء اللہ عین تبوک وإنکم لن تأتوها حتی یضحی النہار، فمن جاءها منکم فلا یمس من ماءها شیئاً حتی آتی“ (صحیح مسلم: ۵۹۰۶، کتاب المغاٹل باب فی معجزات النبی ﷺ)۔

تم لوگ آئندہ کل انشاء اللہ تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے، اور تم نہیں پہنچ سکو گے یہاں تک کہ دن روشن ہو جائے گا، لہذا تم میں جو بھی وہاں پہنچ جائے تو اس کے پانی کو ذرا بھی مس نہ کرے، یہاں تک کہ میں پہنچ جاؤں۔

علامہ ابو الولید باجی مالکی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں:

فیه دلیل علی أن الإمام أن یمنع من الأمور العامة کالماء والکلاء من المنافع التي یشرک فیها المسلمون لما یراه من المصلحة (مجموعہ فتح الہام ۲۲۰/۱۰)۔

اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ امور عامہ جیسے پانی، گھاس سے منع کر دے، جس میں مسلمانوں کی منفعت مشترک ہو، جب کہ وہ کوئی مصلحت دیکھے۔

مذکورہ روایت میں آگے یہ بھی ہے کہ دو شخص پہلے پہنچ گئے اور آپ ﷺ کو محسوس ہوا کہ انہوں نے پانی کو مس کیا، دریافت کرنے پر انہوں نے اعتراف کیا تو آپ ﷺ نے اس پر ان کی سرزنش کی (دیکھئے مفصل روایت بحوالہ مذکورہ بالا)، اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے ایسے احکام واجب التعمیل ہیں۔

۶۔ مملوکہ زمین میں پانی کس کی ملکیت؟

زیر زمین پانی مباح الاصل ہے، اس پر کسی کی ملکیت نہیں حتیٰ کہ مملوکہ زمین میں واقع کنویں کا پانی بھی حنفیہ کے مشہور قول اور حنابلہ و شافعیہ کے ظاہر مذہب کے مطابق مملوک نہیں، ہاں عام لوگوں کے مقابلہ میں اس کا حق مقدم ہے، جس کی کچھ تفصیل آئے گی۔

اگر حکومت مصلحت عامہ کی خاطر بورنگ وغیرہ پر پابندی عائد کرتی ہے، تو شرعا اس کی گنجائش ہے، چنانچہ فقہاء نے یہ چیز لکھا ہے کہ ایک شخص نے ارض موات میں کنواں کھودا، تو اس کے حریم میں دوسرے شخص کو کنواں کھودنا جائز نہیں، کیوں کہ اس میں اول شخص کا ضرر ہے کہ اس کے کنویں کا پانی ختم ہو جائے یا کم ہو جائے۔

”فمن اراد أن يحفر في حریمها منع منه لئلا يؤدي إلى تفويت حقه والإخلال به“ قال العيني لأنه ربما يذهب ماء البئر الأول أو ينقص ففي الأول فوات حقه وفي الثاني الإخلال بحقه وكلاهما لا يجوز لأن به ضررا به (بداية مع ۲۸۱)۔

پھر کوئی شخص اس کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے تو اسے منع کیا جائے گا، تاکہ یہ اس کے حق کو فوت کرنے کا یا اس میں خلل اندازی کا سبب نہ بنے۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ اس لیے کہ کبھی پہلے کنویں کا پانی ختم ہو سکتا ہے یا کم ہو سکتا ہے، پہلی صورت میں اس کا حق فوت ہوتا ہے اور دوسری صورت میں اس کے حق میں خلل اندازی، اور یہ دونوں امر جائز نہیں کیوں کہ اس میں ضرر ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب متوقع ضرر خاص کو دفع کرنے کے لیے کنواں کھودنا جائز نہیں ہے، تو متوقع ضرر عام سے تحفظ کی خاطر حکومت اس قسم کی پابندی عائد کرتی ہے، تو شرعا اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور جب شرعا مباح ہے تو پھر واجب التعمیل بھی ہوگی۔

البتہ حکام کے تصرفات کے سلسلہ میں اوپر ذکر کئے گئے شرائط عامہ کے علاوہ یہاں ایک اور شرط ملحوظ ہوگی، اور وہ یہ کہ حکومت عوام تک آب رسانی کا معقول نظم کرے اور منظم منصوبہ بندی کے تحت لوگوں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کی ذمہ داری لے، ورنہ حکومت کی یہ پابندی حق تلفی پر مبنی ہونے کی وجہ سے ظلم ہوگی، جس کی شرعا گنجائش نہیں، اور پھر یہ ضابطہ بھی ہے: "الضرر لا یزال بالضرر" (ایک ضرر کے ذریعہ دوسرے ضرر کو دور نہیں کیا جائے گا) (الاشاہ وانظار ص ۱۰۸، مطبع بیروت)۔

۷۔ پانی کی حفاظت کس کے ذمہ؟

پانی ایک قدرتی شے ہے، جس سے ہر ایک کی ضرورت وابستہ ہے، اور ہر شخص کو انتفاع کا حق ہے، لہذا اخلاقی طور پر ہر فرد ذمہ دار ہے کہ اس کی حفاظت کرے، لیکن ہر فرد کا دائرہ اختیار محدود ہے اور دوسری طرف ہر ایک کی سوچ مختلف، لہذا حکومت اپنی ولایت عامہ اور وسیع اختیارات کی حامل ہونے کی بناء پر مکلف ہے کہ مفاد عامہ کی خاطر اپنے وسائل کو پانی کے ذخائر کی حفاظت کے لیے استعمال کرے۔

اگر حکومت اس غرض سے لوگوں کے لیے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لیے مخصوص کریں تو شرعا اس کی گنجائش ہے اور اس کی تعمیل واجب ہے، البتہ یہ حکم علی العموم نافذ نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ ہر صاحب مکان اس کا متحمل نہیں ہو سکتا، اس کے لیے جائیداد کے تناسب سے کوئی معیار ہو، جس کے تحت اتنی جائیداد کے مالک کو اس کی ذمہ داری دی جائے، ورنہ علی العموم یہ حکم ظلم پر مبنی ہونے کی وجہ سے واجب التعمیل نہ ہوگا، جیسا کہ تصرف امام کی شرائط میں گزر چکا۔

۸۔ پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لیے آبادیوں کا انتقال:

اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) بلا معاوضہ مجبور کرنا (۲) جبراً معاوضہ دے کر حاصل کرنا۔

بلا معاوضہ تو انتقال مکانی پر مجبور کرنا شرعاً جائز نہیں مگر آن مجید کا ارشاد ہے:
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً
 عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (النساء: ۲۹)۔

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ، لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو تو مضائقہ نہیں۔
 اس آیت میں یہ اصول واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے، کسی بھی شخص کا کوئی مال اس کی مرضی اور معاوضہ کے بغیر کسی کے لیے حلال نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ”بالباطل“ کی تفسیر اس طرح منقول ہے: ”الباطل
 هو كل ما يؤخذ من الإنسان بغير عوض“ (التفسیر الکبیر: ۱۰/ص: ۶۹)۔

باطل ہر وہ مال ہے جو کسی انسان سے بلا معاوضہ (زبردستی) لیا جائے۔
 دوسری صورت اور وہی محل بحث ہے کہ معاوضہ دے کر انتقال مکانی پر مجبور کرنا، آیا
 شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

یہ درحقیقت بیع بالا کراہ (جبری بیع) ہے، شرعاً بیع کے باب میں اصل حکم یہ ہے کہ
 فریقین کی باہمی رضامندی سے ہو، کوئی فریق دوسرے فریق کو مجبور نہیں کر سکتا، چنانچہ مذکورہ بالا
 آیت میں تجارت (بیع) کے ساتھ رضی کی بھی شرط مذکور ہے، اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

إنما البيع عن تراض (ابن ماجہ کتاب التجارات: ۱۲۳۸)۔

بیع تو باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔

فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ علامہ حاکمیؒ فرماتے ہیں ”بیع المضطر

وشرأؤہ فاسد“ (درمخ الثانی ۲/ص: ۲۳۷)۔

الغرض اصل حکم یہی ہے، نہ کسی فرد کے لیے اس کی گنجائش ہے اور نہ حکومت کے لیے۔
 البتہ بعض ناگزیر حالات میں فقہاء نے استثنائی صورتیں بھی ذکر کی ہیں، اور جبری بیع

کی اجازت دی ہے، اور اس اجازت کا ماخذ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے:

قلت: يا رسول الله! انا نمر بقوم فلا هم يضيغون ولا هم يؤدون مالنا عليهم من الحق ولا نحن نأخذ منهم، فقال رسول الله ﷺ: إن أبوا إلا أن تأخذوا كرها فخذوا۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں، تو نہ وہ ہماری مہمان داری کرتے ہیں، اور نہ وہ حقوق ادا کرتے ہیں، جو ہمارے ان پر واجب ہیں، اور نہ ہم ان سے لیتے ہیں، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: اگر وہ زبردستی کئے بغیر انکار ہی کرتے رہیں تو ان سے زبردستی لے لو۔

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
و كذلك إذا نزلت بالناس مخصصة، وعند بعضهم طعام لزمهم البيع منهم، فإن أبوا أجبروا عليه (مارفعة الاحوذی ۷/۸۷)۔

اسی طرح جب لوگوں پر بھوک کی حالت مسلط ہو اور بعض لوگوں کے پاس کھانا موجود ہو، تو ان پر اس کھانے کی بیع لازم ہو جاتی ہے، اگر وہ انکار کریں تو انہیں اس پر مجبور کیا جائے گا۔
چنانچہ فقہائے کرام نے ضرورت کی بناء پر جبری خریداری کو جائز قرار دیا ہے۔
فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

قالوا: وللسلطان أن يجعل ملك الرجل طريقا عند الحاجة۔
فقہاء نے کہا ہے کہ سلطان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ضرورت کے وقت کسی شخص کی ملکیت کو اسے مترادف دے (فتاویٰ قاضی خاں، کتاب الزکوٰۃ، فصل فی احياء الموات ۱/۱۳۳)۔
در مختار میں ہے:

تؤخذ أرض ودار وحنوت بجانب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها۔
جو مسجد لوگوں کے لیے تنگ ہو گئی ہو اور اس کے قریب کوئی زمین یا گھریا دکان ہو تو اس

کو قیمتہ زبردستی لیا جاسکتا ہے (درمخ اثنای کتاب الوقف ۵۷۶/۱)۔

جبری بیع کی یہ اجازت ضرورت کی بناء پر ہے، لیکن اجتماعی حاجت بھی کبھی ضرورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے، چنانچہ فقہاء کے یہاں یہ قاعدہ مشہور ہے:

الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة الخاصة في حق أحاد الناس۔

عمومی حاجت کو اس انفرادی ضرورت کے قائم مقام قرار دیا جاسکتا ہے جو افراد کو پیش

آتی ہے (موسوعہ القواعد الفقہیہ ۶۷/۵)۔

نیز مذکورہ بالا جزئیات (مسجد یا راستہ کی توسیع کے لیے جبری بیع کی اجازت) سے بھی

اس کی تائید ہوتی ہے کہ عمومی حاجت بھی ضرورت کے حکم میں ہے۔

محل بحث صورت کا حکم:

تفصیل بالا کے پیش نظر اجتماعی مصلحت کی خاطر حکومت کے لیے شرعا اس کی گنجائش

ہے کہ وہ لوگوں کی املاک کو ڈیم تعمیر کرنے کے لیے جبراً حاصل کرے، اور انہیں انتقال مکانی پر

مجبور کرے، بشرطیکہ متبادل زمین فراہم کرے یا بازاری نرخ (Market Value) کے مطابق

اس کا معاوضہ ادا کرے، کیوں کہ شرعاً جبری خریداری کی اجازت اسی وقت ہے جب کہ اس کی

قیمت یا ضمان ادا کیا جائے، جیسا کہ اوپر گزرا، اور قیمت سے مراد بازاری نرخ ہی ہے، محض کسی

حاکم کی طرف سے استبدادی طور پر معاوضہ کا تعین قیمت یا ضمان نہیں۔

۹- سیلاب آنے پر باندھ کو کاٹ دینا:

شریعت اسلامی سرپا رحمت ہے، اس کا منشاء مصالح کی تکمیل اور مضرتوں کا ازالہ ہے،

اس کے تمام احکامات اسی منشاء کی عکاسی کرتے ہیں، اسی کے پیش نظر فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے:

”الضرور یزال“ یعنی نقصان کو دور کیا جائے گا (الاشباہ والنظائر ص ۱۰۵)۔

یہی قاعدہ ”الضرور مدفوع فی الشروع“ کے الفاظ سے بھی ذکر کیا جاتا ہے (دیکھئے

موسمہ القواعد الفہمیہ ۶/۲۵۹)۔

پھر اس قاعدہ کی حدود و قیود متعین کرنے کے لیے اور اس کی تنقیح کے طور پر اصولیین نے مختلف ضابطے ذکر کئے ہیں:

(۱) الضرر لا يزال بالضرر أو بمثله (ایضاً ۶/۲۵۷)۔

نقصان کا ازالہ نقصان سے نہیں کیا جائے گا۔

یعنی ضرر کا ازالہ اگرچہ شروع ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ازالہ کسی اور ضرر کا سبب نہ بنے، اگر اسی کے مثل کسی اور ضرر کا سبب بنتا ہے تو اس کا ازالہ جائز نہیں، اس لیے کہ یہ تحصیل حاصل اور اشتغال بمالاً یعنی ہے، چنانچہ کسی مضطر کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی بھوک کو دور کرنے کے لیے اپنے ہی جیسے کسی اور مضطر کا مال لے لے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ ہلاک ہو جائے۔

(۲) الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف (ایضاً ۶/۲۵۳)۔

شدید نقصان کو خفیف نقصان کے ذریعہ زائل کیا جائے گا۔

یعنی معاملہ دو ضرر کے درمیان دائر ہو، لیکن ایک ضرر نسبتاً خفیف ہے، اور دونوں سے کوئی مفر نہیں تو خفیف کو اپنا کر شدید کو دور کیا جائے گا، جیسے حاملہ عورت کے بطن میں بچہ مر جائے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو کہ اسے لکڑے لکڑے کر کے نکالا جائے ورنہ ماں کی جان کے لیے خطرہ ہو تو ایسا کرنا درست ہے۔

(۳) الضرر الخاص يتحمل للمنع ضرر عام (ایضاً ۶/۲۵۳)۔

عام ضرر کو دفع کرنے کے لیے خاص ضرر کا تحمل کیا جائے گا۔

یعنی ایک ضرر کا متعلق فرد خاص سے ہو یا معدود چند افراد سے ہو، اور دوسرے ضرر کا تعلق جماعت سے یا مجموعہ افراد سے ہو، اور دونوں سے کوئی چارہ نہیں تو ضرر عام کو دفع کرنے کے لیے ضرر خاص کو اپنا لیا جائے گا، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کفار اگر مسلمان قیدیوں یا بچوں کو ڈھال بنائیں تو بھی تیر اندازی جائز ہے۔

(۴) الیقین مقدم علی الظن والظن مقدم علی الشک (موسوعۃ القواعد

المقہرہ ۱۲/۲۳۳)۔

یقین گمان پر مقدم ہے اور گمان شک پر مقدم ہے۔

اس ضابطہ کے پیش نظر اگر ایک طرف ضرر یقینی یا مظنون ہو اور دوسری طرف موہوم ہو تو مظنون ضرر کو دفع کیا جائے گا اور موہوم کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا اصول کے پیش نظر مسئلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل ہوگی:

الف- باندھ کاٹنے کے نتیجے میں بتلا بستی کا تحفظ ہو، اور کسی بستی کو کوئی جانی و مالی خطرہ لاحق نہیں ہو تو ”الضرر یزال“ کے تحت باندھ کاٹنا جائز ہے۔

ب- اگر اگلی بستی کے ڈوبنے کا خطرہ یقینی نہیں بلکہ موہوم ہو، اور بتلا بستی کا تحفظ یقینی تو بھی باندھ کاٹنا جائز ہے۔

ج- اگر اگلی بستی کے نقصان کا ظن غالب ہو، لیکن نقصان کا تخمینہ نسبتاً کم ہو، تو بھی باندھ کاٹنا جائز ہونا چاہئے، کیوں کہ ”الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف“۔

د- اگر اگلی بستی کے نقصان کا ظن غالب ہو، اور اس کے نشیبی علاقہ میں واقع ہونے کی وجہ سے وہاں زیادہ نقصان کا خطرہ ہو تو باندھ کاٹ دینے اور پانی کو آگے بڑھانے کی شرعا گنجائش نہ ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۰- دریا، ندی وغیرہ سے استفادہ:

اس سلسلہ میں فقہاء کے کلام سے مندرجہ ذیل تفصیل معلوم ہوتی ہے:

الف- سمندر کے پانی سے ہر شخص کو پانی لینے، جانور کو پلانے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہے، بلکہ ہر طرح کے انتفاع کی اجازت ہے۔

ب- دریاؤں اور بڑی نہروں و چشموں کے پانی سے پانی لینے اور جانوروں کو پلانے کا

حق حاصل ہے، البتہ کھیتوں کو سیراب کرنے کی وجہ سے عام لوگوں کو ضرر لاحق ہو تو اس کی گنجائش نہیں ہے۔

ج- عوامی کنویں اور چشمے وغیرہ جو مخصوص جماعت کی ملک ہوں تو عرف کے مطابق اس سے اپنی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، جانوروں کو بھی پلایا جاسکتا ہے، البتہ بلا اجازت کھیت و باغ سیراب نہیں کیا جاسکتا۔

سرکاری تالاب بھی اسی حکم میں ہے؛ کیوں کہ وہ مخصوص علاقے کے لیے ہوتے ہیں، مزید یہ ہے کہ سرکاری ضابطہ کے مطابق ہی اس سے استفادہ کی اجازت ہوگی۔

اعلم أن المياہ أربعة أنواع: الأول ماء البحار ولكل أحد فيهما حق الشفة وسقي الأراضي فلا يمنع من الانتفاع على أي وجه شاء۔
والثاني ماء الأودية العظام كسيحون ولناس فيه حق الشفة مطلقا
وحق سقي الأراضي إن لم يضر بالعامه۔

والثالث ما دخل في المقاسم أي المجاري المملوكة لجماعة
مخصوصة وفيه حق الشفة۔

والرابع المحرز في الأواني ينقطع حق غيره عنه (رد المحتار ۱۰/۱۲)۔
پانی کی چار قسمیں ہیں: (۱) سمندروں کا پانی: اس میں ہر ایک کے لیے حق شہہ (آدمی اور جانوروں کے لیے پینے کا حق) اور زمینوں کو سیراب کرنے کا حق ہے، لہذا انتفاع ممنوع نہیں ہے، چاہے جس طریق پر ہو۔ (۲) بڑے دریاؤں کا پانی، جیسے یخون: اس میں تمام کے لیے حق شہہ علی الاطلاق ہے، اور زمین سیراب کرنے کا حق اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ عام لوگوں کو ضرر نہ ہو۔ (۳) وہ پانی جو (مشترک ہونے کی وجہ سے) لوگوں کے درمیان تقسیم ہو یعنی ایسے کنویں و تالاب وغیرہ کا پانی جو مخصوص جماعت کی ملک ہو، اس میں حق شہہ ہے۔ (۴) جو برتنوں میں محفوظ کر لیا گیا ہو، اس سے دوسرے کا حق منقطع ہو جاتا ہے۔

جس پانی میں حق شفعہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ پینے، کھانا پکانے، وضو، غسل، کپڑے دھونے وغیرہ کے لیے پانی استعمال کیا جاسکتا ہے اور ایسے ہی جانوروں کی ضروریات کے لیے بھی لے سکتے ہیں۔

في الدر: والشفة شرب بني آدم والبهائم (قال الشامي) هذا أصله والمراد استعمال بني آدم لدفع العطش أو للطبخ أو للوضوء أو الغسل أو غسل الثياب ونحوها كما في المبسوط، والمراد في حق البهائم الاستعمال للعطش ونحوه مما يناسبها (درمخ الثانی ۱۰/۱۲)۔

شفعہ: بنی آدم اور بہائم کے پینے کا حق ہے، (شامی نے کہا) یہ اس کی اصل ہے، اور مراد ہے انسان کا پیاس بجھانے کے لیے، پکانے کے لیے، وضو و غسل کے لیے، کپڑے دھونے وغیرہ کے لیے اس کا استعمال کرنا، جیسا کہ مبسوط میں ہے، اور جانوروں کے حق سے مراد پیاس اور اس کے مانند مناسب ضروریات کے لیے استعمال کرنا ہے۔

۱۱- نہروں سے کھیتوں کو سیراب کرنا:

جونہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہے، ایسے نہر کے پانی میں حق شفعہ ہے، جس کی تفصیل اوپر گزری، اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے باب میں تفصیل یہ ہے کہ جہاں سے پہلے گزرتی ہے ان کا حق مقدم ہوگا اور پھر اس کے بعد والوں کا حق ہوگا، اور اس کی حد عموماً فقہاء نے احادیث کی روشنی میں یہ متعین کی ہے کہ کھیت کی منڈیوں تک پانی بھر سکتے ہیں، جس کو حدیث میں ”حتی یرجع الی الجدر“ یا ”حتی یربع الی الجدر“ سے تعبیر کیا گیا ہے، البتہ علامہ ابو الحسن ماوردی فرماتے ہیں کہ یہ تحدید ہر زمانہ اور ہر علاقے کے اعتبار سے عام نہیں ہے، بلکہ حاجت پر دائر ہے، اور حاجت زمین، اس میں لگی کھیتی، یا درخت، کھیتی کے وقت اور سیرابی کے وقت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔

لہذا ضرورت کے بقدر اسراف اور دوسرے کی حق تلفی اور ضرر سے اجتناب کرتے ہوئے اس قسم کی نہروں سے استفادہ کیا جائے گا۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

إن ماء الأودية التي لا تستنبط بعمل فيما مباح، ومن سبق إليه فهو أحق به، وفيه أن أهل الشرب الأعلى يقدم على من هو أسفل منه ويحبس الأول الماء حتى يبلغ إلى جدار حائطه، ثم يرسل الماء إلى ما هو أسفل منه فيسقي كذلك ويحبس الماء كذلك، ثم يرسله إلى من هو أسفل منه وهكذا، وفي حديث الباب احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر وفي حديث عبد الله بن عمرو الذي أخرجه أبو داؤد وابن ماجه من رواية عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى في سيل المهزور أن يمسك حتى يبلغ الكعبين ثم يرسل الأعلى إلى الأسفل..... وقال الرافعي لا مخالفة بين التقديرين لأن الماء إذا بلغ الكعب بلغ أصل الجدار..... وقال أبو الحسن الماوردي ليس التقدير بالبلوغ إلى الكعبين على عموم الأزمان والبلدان لأنه يدور بالحاجة، والحاجة تختلف باختلاف الأرض وباختلاف ما فيها من زرع وشجر وبوقت الزراعة ووقت السقي، الخ (عمدة القاري ۱۲/۲۸۵، مکتبہ عباس باز)۔

دریاؤں کا پانی جسے کسی عمل کے ذریعہ نکالا نہ گیا ہو مباح ہے، جس تک پہلے پہنچے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، اور اس میں اوپر والا حصہ دارمقدم ہوگا نیچے والے سے، اور اوپر والا پانی روک سکتا ہے، یہاں تک کہ اپنے باغ کی منڈیر تک پانی پہنچالے، پھر وہ نیچے والے کے لیے پانی چھوڑ دے گا، پھر وہ اسی طرح سیراب کرے گا، روکے گا پھر نیچے والے کی طرف چھوڑ دے گا، اسی طرح ہر حقدار کرے گا۔ حدیث باب میں ”حتیٰ يرجع إلى الجدر“ ہے اور عبد اللہ بن عمرو کی حدیث میں جس کی تخریج ابو داؤد و ابن ماجہ نے کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مہرور کی نہر میں

یہ فیصلہ فرمایا کہ رو کے رکھے حتیٰ کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے، پھر اوپر والا نیچے کی طرف چھوڑ دے،.....
 رافعی کہتے ہیں کہ دونوں تحدید میں کوئی مخالفت نہیں ہے، اس لیے کہ پانی جب ٹخنہ تک پہنچے گا تو
 دیوار کی جڑ تک پہنچ ہی جائے گا،..... اور ابو الحسن ماوردی کہتے ہیں کہ ٹخنوں تک پہنچنے کی تحدید زمانہ
 و مکان کے عموم پر نہیں ہے، اس لیے کہ حاجت پر مدار ہے، اور حاجت زمین، اس میں لگی کھیتی،
 درخت اور زراعت و سیرابی کے وقت کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے۔

۱۲- پانی پر ملکیت:

الف- جس پانی کو کسی نے اپنے خاص برتن، حوض، ٹینک، ٹنکی یا پائپ لائنوں میں
 محفوظ کر لیا ہو، وہ پانی خاص اس کی ملک ہے۔
 ب- مملوک زمین یا مباح زمین میں کسی نے کنواں کھود یا ٹیوب ویل لگایا، تو حنفیہ کے
 نزدیک یہ پانی خاص اس کی ملک نہیں، یہی حنابلہ کا مسلک ہے، البتہ مالکیہ کا مشہور قول، شافعیہ کا
 اصح مسلک اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر مملوک زمین ہو یا مباح زمین میں مالک بننے کی
 غرض سے کنواں کھودا تو یہ پانی بھی اس کی خاص ملک ہے۔

الماء المحرز في أوان خاصة: هو ما حازه صاحبه في أنية أو ظروف
 خاصة كالجرار والصحاريج والحياض والأنابيب..... هذا الماء ملك خاص
 لمن أحرزه، الخ-

ماء العيون والآبار والحياض وهو الذي يستخرجه الشخص لنفسه،
 وحكمه عند الحنفية أنه ليس بمملوك لصاحبه بل هو مباح في نفسه ولصاحبه
 حق خاص فيه سواء أكان في أرض مباحة أو مملوكة..... وقال الشافعية في
 الأصح عندهم، يملك الشخص ماء البئر المحفورة في الأرض الموات
 للتملك أو المحفورة في ملك خاص، لأنه نما ملكه (نعم الإسلام والدين ۵/ ۵۴۳)۔

وہ پانی جو برتنوں میں محفوظ کر لیا گیا ہو، یہ وہ پانی ہے جس کو آدمی نے کسی برتن یا مخصوص ظرف جیسے گھڑے، ٹینک، حوض، پائپ وغیرہ میں محفوظ کر لیا ہو، یہ پانی محفوظ کرنے والے کی ملک ہے۔

چشموں، کنوؤں اور حوض کا پانی، جس کو کسی نے اپنے لیے نکالا ہو، اس کا حکم حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ اس کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ وہ اس کے لیے اور اس کے شریک کے لیے مباح ہے اور اس میں ان کا خاص حق ہے، خواہ ارض مباح میں ہو یا ارض مملوکہ میں۔ اور اصح قول کے مطابق شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ انسان ارض موات میں تملک کی غرض سے اور ملک خاص میں کھودے گئے کنویں کے پانی کا مالک ہے، کیوں کہ یہ اس کی ملک کی فزائش ہے۔

۱۳۔ مملوکہ پانی کی تجارت

سابق میں پانی پر ملکیت حاصل کرنے کی دو صورتیں ذکر کی گئیں، ان میں سے پہلی صورت میں بالاتفاق پانی کو فروخت کرنا جائز ہے۔
ابن قدامہ فرماتے ہیں:

أما ما يحوزه من الماء في إنائه أو يأخذه من الكلاً في حبله، أو يحوزه في رحله، أو يأخذه من المعادن، فإنه يملكه بملك، وله بيعه بلا خلاف بين أهل العلم، فإن النبي ﷺ قال: "لأن يأخذ أحدكم حبلًا، فيأخذ حزمة من حطب، فيبيع، فيكف الله به وجهه، خير له من أن يسأل الناس، أعطى أو منع، رواه البخاري" وروى أبو عبيد في "الأموال" عن المشيخة أن النبي ﷺ نهى عن بيع الماء إلا ما حمل منه، وعلى ذلك مضت العادة في الأمصار ببيع الماء في الروايا والحطب والكلاً من غير تنكير (المغني ۱۴۶/۶)۔

جس پانی کو اپنے برتن میں محفوظ کر لیا ہو، یا جس گھاس کو اپنی رسی میں باندھ لیا ہو، یا

اپنے کجاوہ میں جمع کر لیا ہو، یا جو چیز کانوں سے لے لی ہو، تو وہ اس کی ملک ہے، اور اس کے لیے اس کا بیچنا اہل علم کے درمیان بلا کسی اختلاف کے جائز ہے، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”تم میں سے کسی شخص کا ریشی لے کر ایندھن کی لکڑیوں کا گٹھر بنانا اور پھر اس کو بیچنا، جس سے اللہ تعالیٰ اس کی آبرو کو (سوال کی ذلت سے) بچالے بہتر ہے اس سے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے، پھر اس کو دیا جائے یا منع کر دیا جائے“ بخاری نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور ابو عبید نے کتاب الاموال میں مشیحہ سے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو بیچنے سے منع فرمایا، مگر جس پانی کو اٹھالیا گیا ہو، اور شہروں میں یہی عادت جاری ہے کہ مشکیزوں کے پانی کو اور ایندھن کی لکڑیوں کو اور گھاس کو بیچا جاتا ہے اور اس پر نکیر نہیں کی جاتی۔

دوسری صورت میں تو جمہور کے یہاں ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اس لیے فروختگی جائز نہیں، ہاں شافعیہ اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، لہذا فروختگی جائز ہے، تاہم امام احمد بن حنبل پانی کی فروختگی کو مستحسن نہیں قرار دیتے تھے۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں:

والوجه الآخر يدخل في الملك لأنه نماء الملك وقد روى عن
أحمد ما يدل على أنه يملك، والصحيح أن الماء لا يملك، قال أحمد
لا يعجبني بيع الماء البتة (المغنی ۱۳۵/۱)۔

(اصحاب شافعی کی) دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا پانی ملکیت میں داخل ہو جائے گا اس لیے کہ ملک کا نمو ہے، اور امام احمد سے ایک قول ایسا منقول ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ پانی مملوک ہے، اور صحیح یہ ہے کہ پانی مملوک نہیں ہوگا، اور امام احمد فرماتے ہیں کہ میں بہر حال ایسے پانی کی فروختگی کو پسند نہیں کرتا۔

یہ تو اصل حکم ہے، لیکن شریعت کا اصل منشا یہ ہے کہ پانی کی تجارت نہ کی جائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، آگ اور گھاس (ابوداؤد ۳۳۷۷)۔

ایک روایت میں ہے کہ ضرورت سے زائد پانی سے منع نہ کیا جائے (بخاری ۲۳۵۳)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ تین اشخاص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے، ان میں سے ایک وہ ہے جو زائد از ضرورت پانی سے مسافر کو منع کرے (بخاری ۲۳۵۸)۔ بلکہ پانی پلانے کے مستقل فضائل احادیث میں آئے ہیں، امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا: ”باب فضل سقي الماء“ اور اس کے تحت یہ واقعہ درج کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کی مغفرت اس وجہ سے کر دی کہ اس نے پیا سے کتے کو پانی پلایا، اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت اس لیے جہنم رسید ہوئی کہ اس نے ایک بلی کو پیاسا اور بھوکا مار ڈالا (صحیح بخاری ۲۳۶۳، ۲۳۶۴، ۲۳۶۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ پانی کا انتظام بڑے اجر ثواب کا سبب ہے، اسی لیے اس کو صدقہ جاریہ قرار دیا گیا ہے، حضرت سعدؓ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ ”آي الصدقة اعجب إليك“ (کونسا صدقہ آپ کے نزدیک پسندیدہ ہے؟)، آپ نے فرمایا: ”الماء“ (ابوداؤد ۱۶۷۹)۔

مذکورہ روایات سے یہ امر بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی تجارت پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

۱۴- تالاب میں آبادیاں بسانا:

عن عمر بن المنكدر أن رسول الله ﷺ قال: كل ذي مال أحق بماله، قال ابن وهب يضع به ما يشاء (سنن البكري للبيهقي ۱/۶۸، بیروت)۔

ہر مال والا اپنے مال کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہے، حدیث کے راوی ابن وهب کہتے ہیں: وہ اپنے مال میں جو چاہے تصرف کریں۔

تصرف الإنسان في خالص حقه إنما يصح إذا لم يتضرر به سواه وفي لفظ تصرف المالك في ملكه لا يتقيد بشرط السلامة۔

الأولى أصل عند أبي حنيفة، والثانية أصل عند صاحبيه رحمهما الله۔

وقيل إن الثانية هي قول المتقدمين وهو القياس، والمتأخرون على
استثناء ما إذا كان الضرر بينا (سوسجہ القواعد الفقہیہ ۳۰۹، بحوالہ بسوط)۔

انسان کا اپنے خالص حق میں تصرف اسی وقت صحیح ہے، جب کہ اس کی وجہ سے کسی کو
ضرر نہ ہو۔ (دوسرا ضابطہ) انسان کا اپنی ملکیت میں تصرف سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید
نہیں ہے۔ اول اصول امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور دوسرا اصول صاحبین کے نزدیک ہے۔
اور بعض نے کہا کہ دوسرا اصول متقدمین کا قول ہے اور یہی قیاس کا مقتضی ہے، اور متأخرین نے
اس عموم سے اس تصرف کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، جس سے کوئی واضح ضرر لازم آئے۔

مذکورہ عبارات کے پیش نظر اگر تالاب انسان کی اپنی ملک ہے، تو وہ اس میں پلاننگ
کر کے فروخت کر سکتا ہے اور اس میں اس کے لیے آب دیاں بسانا درست ہے، خصوصاً جب کہ
حکومت کی طرف سے کوئی ممانعت بھی نہ ہو، کیوں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مالک کا تصرف
سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ نیز محض ضرر کے احتمال کی بنیاد پر انسان کو اپنے حق سے منع
نہیں کیا جاسکتا۔

والحنفية والشافعية يرون أن الفعل مشروع في أصله، واحتمال
الضرر لا يصلح دليلاً على الضرر المتوقع فلا يمنع حق لمجرد احتمال الضرر
(فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۲۳)۔

حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ فعل اصلاً مشروع ہے، اور ضرر کا احتمال متوقع ضرر کی
دلیل نہیں بن سکتا، لہذا انہیں احتمال ضرر کی بنیاد پر حق سے نہیں روکا جائے گا۔
اسی طرح نادر الوقوع ضرر یا ضرر قلیل کا بھی اعتبار نہیں ہے، اور اس بنیاد پر کسی کو اپنے
حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

الضرر القليل وهو أن يكون الضرر المرتب على استعمال الحق
المأذون فيه نادر الوقوع، أو كان في ذاته قليلاً، وهو لا يلتفت إليه لقلته، إذ

العبرة بأصل الحق الثابت فلا يعمل عنه إلا لعارض الضرر الكثير بالغير (ایضاً)۔
ضرر قلیل اور وہ ایسا ضرر ہے جو کسی جائز حق کے استعمال پر مرتب ہو، لیکن مادہ
القوع ہو، یا فی نفسہ قلیل ہو، جس کی طرف قلت کی بناء پر التفات نہ کیا جاتا ہو، اس لیے کہ
ثابت شدہ اصل حق کا اعتبار ہے، اس سے عدول اسی وقت کیا جائے گا جب کہ غیر کو ضرر کثیر
لاحق ہو۔

حتی کہ جائز تصرف کے نتیجے میں کوئی ضرر لاحق ہو جاتا ہے، تب بھی صاحب حق اس کا
ذمہ دار نہیں، ہاں! دیانتہ اور اخلاقی طور پر مکلف ہے کہ ایسے تصرف سے باز رہے، جس سے
دوسروں کو واقعی ضرر لاحق ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لو حفر نهرا أو بشرأ في داره فنزت من ذلك أرض جاره لا يضمن ولا
يؤمر في الحكم أن يحول ذلك عن موضعه، وفيما بينه وبين الله عليه أن
يكف عن ذلك إذا كان يتضرر به غيره كما في فتاوى قاضیخان۔

اگر کسی نے اپنے احاطہ میں کوئی نہریا کنواں کھودا، جس کے نتیجے میں پانی اپنے پڑوسی کی
زمین میں پہنچ گیا، تو ضامن نہیں ہوگا، اور اس کو قضاء حکم نہیں دیا جائے گا کہ اسے اپنی جگہ سے
ہٹالے، اور دیانتہ اس پر لازم ہے کہ ایسے تصرف سے رُکے، جب کہ اس کی وجہ سے دوسرے کو
ضرر ہو (فتاویٰ عالمگیری ۷/۱۶۷، کوئٹہ)۔

الغرض حکومت کی طرف سے کوئی ممانعت نہ ہو، تو ایسے علاقہ میں پلاننگ جائز ہے،
تاہم کوئی مجبوری نہ ہو تو مستقبل کے متوقع ضرر عام کے پیش نظر دیانتہ ایسا نہ کرے۔
ہاں اگر حکومت نے عمومی حالات کے پیش نظر مصلحت عامہ کی غرض سے ممانعت کر دی
ہو، تو پھر یہ عمل شرعاً بھی جائز نہ ہوگا، جیسا کہ اس سے پہلے حکومت کے تصرفات کے سلسلہ میں
تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۵- آب رسائی کا انتظام:

جن علاقوں میں سہولت پانی دستیاب ہے، اور ہر شخص کی اپنی ضروریات پوری ہو جاتی ہے، ظاہر ہے کہ ان علاقوں میں آب رسائی کے انتظام کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، ہاں جن علاقوں میں پانی دستیاب نہیں اور لوگوں کو اپنی بنیادی ضروریات کے لیے بھی پانی سہولت میسر نہیں ہوتا، ان علاقوں میں آب رسائی کا انتظام حکومت کے وظائف میں سے ہے، اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے، اولاً تو اس لیے کہ رعایا کی ضروریات کو فراہم کرنا اور مصالح عامہ کا تحفظ حکومت کے وظائف میں سے ہے۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں:

أن يباشر بنفسه مشاركة الأمور وتصفح الأحوال، لينهض بسياسة الأمة وحراسة المصلحة (فقه الاسلامي وادلته ۷/۱۶۷)۔

حاکم کے وظائف میں سے یہ بھی کہ حاکم بذات خود تمام امور کی نگرانی کرے اور احوال کا تنقید کرے، تاکہ امت کی مصالح اور ملت کے تحفظ کے لیے مستعدی کے ساتھ قدم اٹھائے۔

حاصل یہ ہے کہ قومی مصالح کا انتظام اور ملی مفادات کا تحفظ بھی حکومت کے وظائف میں سے ہے، اس لیے ایسے علاقوں میں آب رسائی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہوگا۔ دوسرے اس لیے کہ جو چیز شخصی ملکیت نہ ہو، بلکہ قومی ملکیت ہو، اس کا تحفظ اور اس کو کارآمد بنانا قومی حکومت کی ذمہ داری ہے، فقہاء کا ذکر کردہ یہ چیز سب اس پر دلیل ہے:

النهر العظيم الذي لم يدخل في المقاسم كالفرات ودجلة وجيحون وسيحون والنيل، إذا احتاج إلى الكرى وإصلاح شطه يكون على السلطان من بيت المال (فتاویٰ ماٹگیری ۳۸۱/۵)۔

بڑے دریا جو لوگوں کی قسمت میں داخل نہیں (یعنی ہر ایک اس سے مستفیع ہو سکتا ہے)

جیسے فرات، دجلہ وغیرہ، جب اس کی مٹی نکالنے اور کناروں کو مرمت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو حاکم کی ذمہ داری ہے کہ بیت المال سے اس ضرورت کو پورا کرے۔

پھر اگر حکومت انتظام کرے اور اس کی کوئی اجرت مقرر کرے تو یہ جائز ہے، کیوں کہ حکومت احراز کے بعد اس کو سپلائی کرے گی، اور احراز سے پانی پر ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، جس پر معاوضہ لینا درست ہے، نیز یہ فقط پانی کا عوض نہیں ہے، کیوں کہ اس کی سپلائی میں بہت سے دیگر اخراجات ہوتے ہیں، لہذا ان تمام کی اجرت ہوگی، جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ نیز انتظام کی غرض سے اجرت ادا نہ کرنے پر حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۶- پانی کی نکاسی کا انتظام:

مذکورہ بالا تفصیل سے اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ حاصل یہ ہے کہ اخلاقی طور پر ہر شخص مکلف ہے کہ مستعمل پانی کی نکاسی کا ایسا انتظام کرے کہ پڑوسی، محلہ اور آبادی کی فضا آلودہ نہ ہو، پھر مفادات عامہ کے خاطر اس سلسلہ میں حکومت بھی اپنے وسائل کو بروئے کار لانے کی شرعا مکلف ہوگی، اور حکومت اس کے لیے جو معقول نظم کرے، اس کو اپنا شہریوں کی ذمہ داری ہوگی۔

واللہ اعلم بالصواب۔

آبی وسائل- شریعت کی روشنی میں

مفتی عبدالرحیم کشمیری ✽

نَحْمَلُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ!

اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق کو جن عظیم الشان نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے ان میں سے ایک اہم ترین اور حیات افزا نعمت پانی ہے، یہ پانی جہاں بیشمار مخلوقات کی حیات و تندرستی کیلئے تحفظ و بقا کا ذریعہ ہے وہیں اس کے ذریعہ سے اشرف المخلوقات انسان اپنی عبادت کی صحیح ادائیگی، اپنے سماجی تشخص و رتبے کی حفاظت، اپنے تمدن کو بام عروج تک پہنچانے، اپنے ظاہر، باطن اور گرد و پیش کی طہارت و نظافت کیساتھ اپنے مذہب و ملن اور ملک و قوم کی نیک نامی و مہر بندی کا کارنامہ بھی انجام دیتا ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی کسی کیلئے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ اگر اس عظیم نعمت کے تئیں انسان مجرمانہ غفلت و بے توجہی، فضول خرچی و بے اعتدالی کا طرز اپنائے اور اسکے پاکیزہ و میٹھے ذخائر کے ساتھ ظالمانہ دست درازی کر کے انہیں نجس و ناپاک کر دینے کا خوف ناک جرم کرنے پر عمل جائے تو یہ صحت عامہ اور عبادات و اخلاقیات کیلئے ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام تر شعبوں کیلئے ہمہ گیر تباہی اور زوال کا ایسا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے جس کی تلافی بھی نہایت مشکل ہوگی، اسلئے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس عظیم نعمت کے سلسلہ میں خالق کائنات کی مقدس شریعت میں جو حیات بخش احکامات انسانوں کے دنیوی و آخروی نفع کیلئے دئے گئے ہیں ان کو اچھی طرح معلوم کر کے ان پر پوری دیانت داری و اخلاص کے ساتھ عمل

کرے؛ چنانچہ زیر نظر مقالہ میں ان میں سے چند اہم احکام پیش خدمت ہیں۔

۱- پانی کے استعمال سے متعلق احکام شریعت:

افتخار علی المداہب الاربعہ سے ایک طویل عبارت کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں پانی کے استعمال سے متعلق احکامات ایک نظر میں آگئے ہیں:

رہا پاکیزہ پانی کا حکم تو اسکی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم تو وہ اثر ہے جسکو شارع نے اسپر مرتب کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ پاکیزہ پانی حدث اصغر (وہ حدث جس کی بنا پر وضو کرنا لازم ہو جاتا ہے) اور حدث اکبر (وہ حدث جس کی وجہ سے غسل فرض ہو جاتا ہے) کو دور کر دیتا ہے؛ چنانچہ اس پانی سے وضو کرنا، غسل جنابت کرنا، غسل حیض کرنا اور محسوس ہونے والی نجاست کو زائل کرنا درست ہے، اسی طرح اس پاکیزہ پانی کو استعمال کر کے فرائض، واجبات، مستحبات اور تمام قسم کی نقلی عبادتیں (جو تقرب الی اللہ کا باعث بنتی ہیں) مثلاً جمعہ و عیدین کا غسل کرنا اور اسکے علاوہ باقی عبادات بھی اس سے شرعاً ادا کی جاتی ہیں۔ نیز پینے، پکانے، آنا کوندھنے، کپڑا دھونے اور زمین کو سیراب کرنے کے لئے بھی اسکا استعمال شرعاً درست اور صحیح ہے۔ دوسری قسم اس پاکیزہ پانی کے استعمال کے احکام سے متعلق ہے یعنی اسکا استعمال کب واجب ہے اور کب حرام، کہاں مستحب ہے، کہاں جائز اور کہاں مکروہ۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مستحب سے مراد ہمارے نزدیک وہ صورت بھی ہے جو سنت کو شامل ہے؛ کیوں کہ بعض ائمہ کے نزدیک مستحب و مسنون ایک ہی چیز ہیں اور بعض کے نزدیک دونوں الگ چیزیں ہیں۔ بہر حال جہاں پر پانی کا استعمال کرنا واجب ہے تو اس سے مراد وہ فرض عبادت ہے جس کی ادائیگی حدث اکبر اور حدث اصغر سے پاک ہونے پر موقوف ہو جیسے نماز (کہ وہ دونوں قسم کے حدثوں سے پاک ہوئے بنا ادا نہیں ہوگی) اور وقت نماز کی گنجائش و تنگی کے لحاظ سے پاکیزہ پانی کے مذکورہ استعمال کا حکم بھی وسعت و تنگی پر مشتمل ہوگا (مثلاً اگر نماز کا وقت ختم ہونے میں کافی وقت ہے تو ادائیگی نماز کے لئے

پانی کے استعمال کا وجوب بھی گنجائش کے ساتھ لاگو ہوگا اس طور پر کہ وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے ایک مکلف مسلمان پر ادائیگی نماز کے لئے پانی کا استعمال لازم ہوگا فی الفور نہیں لیکن اگر وقت تک ہو اور ختم ہونے کے قریب ہو تو فی الفور ہی نماز کی ادائیگی کے لئے پاکیزہ پانی کا استعمال واجب ہوگا۔

باقی جن صورتوں میں پانی کا استعمال حرام و ناجائز ہے تو ان میں سے چند صورتیں یہ ہیں:

۱۔ جس پانی کو استعمال کیا جا رہا ہے وہ دوسرے کی ملکیت ہو اور اس نے استعمال کی اجازت نہ دی ہو۔

۲۔ سبیلوں میں جو پانی پینے کی غرض سے مخصوص کر کے رکھا جاتا ہے اس سے بھی وضو (وغسل) کرنا حرام ہے۔

۳۔ پانی کے استعمال کی وجہ سے اگر شدید ضرر اور تکلیف میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً کوئی شخص جو یا غسل کرنے کی وجہ سے بیمار ہو جائے (یا اگر پہلے سے بیمار ہے) تو اسکی بیماری و مرض میں پانی کے استعمال سے اضافہ ہو جائے۔

۴۔ اسی طرح پانی استقدر شدید گرم یا سرد ہو جسکی وجہ سے اس کے استعمال سے سخت تکلیف یا ضرر پہنچے۔

۵۔ یا جو پانی کوئی شخص استعمال کرنے جا رہا ہے اسکے استعمال کی وجہ سے کسی ایسے جاندار کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو جسکا ہلاک کرنا یا ضائع کرنا شرعاً ناجائز ہو (مثلاً گائے، بکری، بھینس وغیرہ) تو ان سب صورتوں میں بھی پانی کا استعمال کرنا حرام و ناجائز ہوگا۔

رہیں وہ صورتیں جن میں پانی کا استعمال کرنا مستحب ہے تو جیسے وضو پر وضو کرنا اور جمعہ کا غسل (اور عیدین نیز دیگر وہ مواقع جن میں غسل کرنا مستحب ہے) اس کے تحت آتے ہیں، رہی وہ صورت جس میں پانی کا استعمال کرنا مباح و جائز ہے، تو اسکا اطلاق پانی پینے، اس سے آنا کوندھنے اور اسکے علاوہ پانی کے دیگر جائز استعمال پر ہوگا۔ اور جہاں تک پانی کے استعمال کرنے

کی وہ صورتیں ہیں جو شرعاً مکروہ ہیں تو ان میں پانی کے ایسے شدید گرم یا شدید سرد ہونے کے دوران اسکا استعمال ہے جو بدن کے لئے مضر نہ ہو، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسا پانی اگرچہ بدن کے لئے مضر نہیں ہے تاہم شدید سرد یا شدید گرم ہونے کی وجہ سے اسکے استعمال کی صورت میں وضو کے اندر مطلوبہ عبدیت اور خشوع و خضوع کی شان جو شرعاً وضو کرنے والے سے مطلوب ہے وہ جلد بازی میں وضو کرنے یا ناپسندیدگی کے ساتھ وضو کرنے کی وجہ سے فوت ہو جاتی ہے (کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ ۲۹۱-۳۰۰)۔

اس کے علاوہ احناف کے یہاں سورج کی تپش سے گرم شدہ پانی سے بھی وضو غسل کرنا مکروہ ہے جبکہ یہ پانی سونے و چاندی کے برتن کے علاوہ کسی دوسرے برتن میں رکھا ہو، یا ایسے ہی شرابی شخص کا جھوٹا پانی بھی مکروہ ہے جبکہ شراب سے ملا ہوا لعاب وہن اس شرابی کے جھوٹے پانی سے مل جائے نیز چیل، کولے اور آوارہ پھرنے والے مرغ وغیرہ اور بلی کا جھوٹا پانی بھی مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ جانور عموماً نجاست سے کم ہی پرہیز کرتے ہیں (کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ ۲۹۱-۳۰۰)۔

۲- پانی میں فضول خرچی کی صورتیں اور فضول خرچی کا شرعی حکم:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ولا تسرفوا..... الایة“ (الانعام: ۱۳۱) (اور بیجا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنے والے)، اور حضرت عطاءؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں لوگوں کو ہر چیز میں فضول خرچی سے روکا گیا ہے، اور حضرت یاس بن معاویہؓ نے فرمایا: جس چیز میں تو اللہ کے حکم سے تجاوز کرے وہی اسراف ہے۔ اور مشہور مفسر قرآن امام ابن جریرؒ کے نزدیک حضرت عطاءؓ کا یہ قول ہی پسندیدہ ہے کہ اس آیت میں ہر چیز کے اندر اسراف و فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے اور کوئی شک نہیں ہے کہ یہ بات بالکل درست ہے (مختصر تفسیر ابن کثیر ۱۳۵/۱)۔

وأما بیان مقدار الماء الذی یغتسل به فقد ذکر فی ”ظاهر الروایة“
وقال: أدنی ما یکفی فی الغسل من الماء صاع وفی الوضوء مد، لما روی عن

جابرؓ ”أن النبي ﷺ كان يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع، فقیل له: إن لم يكفنا، فغضب وقال: لقد كفى من هو خير منكم وأكثر شعراً“ (بخاری ۱/۳۰۳، مسلم ۱/۲۵۸، بدائع الصنائع ۱/۱۳۳)۔

(اور پانی کی اس مقدار کے متعلق کہ جس سے غسل کیا جائے وضاحت یہ ہمیکہ ظاہر روایت کے اندر اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہمیکہ غسل کے اندر ادنیٰ ترین مقدار بھی آدمی کو کافی ہو سکتی ہے ایک صاع ہے، اور وضو کے اندر ادنیٰ ترین کفایتی مقدار پانی کی ایک مد ہے؛ جبکہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مد پانی سے وضو فرماتے اور ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے، اس پر حضرت جابرؓ سے کہا گیا: اگر یہ مقدار ہمیں کافی نہ ہو تو کیا کریں؟ یہ سن کر حضرت جابرؓ ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ مذکورہ مقدار اس ذات مقدس ﷺ کیلئے کافی ہو چکی ہے جو تم سے بہتر اور زیادہ موئے مبارک والے تھے)۔

(واضح رہے کہ ایک مد چھ سو گرام کے مساوی ہے آجکل کے لحاظ سے، اور ایک صاع دو ہزار چار سو گرام کے برابر ہے؛ کیونکہ ایک صاع چار مد پر مشتمل ہوتا ہے)۔

آگے چل کر لکھتے ہیں: ثم إن محمداً ذكر الصاع في الغسل، والمد في الوضوء مطلقاً عن الأحوال ولم يفسره۔

پھر امام محمدؒ نے غسل کے سلسلے میں ایک صاع اور وضو کے متعلق ایک مد کا مطلقاً بغیر کسی تفسیر کے ذکر فرمایا ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں: ثم هذا التقدير الذي ذكره محمدٌ من الصاع والمد في الغسل والوضوء ليس بتقدير لازم بحيث لا يجوز النقصان عنه أو الزيادة عليه، بل هو بيان مقدار أدنى الكفاية عادةً، پھر بھی یہ مقدار جو امام محمدؒ نے صاع اور مد کی غسل اور وضو کے سلسلے میں ذکر فرمائی ہے ایسی حتمی و لازمی نہیں ہے کہ اس مقدار سے کمی یا اس

پر زیادتی ناجائز ہو؛ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ عاۓہ پانی کے استعمال کے متعلق ادنیٰ کفایتی مقدار کا بیان ہے۔

والدلیل علیہ ما روی ”أن رسول اللہ ﷺ كان يتوضأ بشلبي مد (ابوداؤد، حدیث نمبر ۹۳، سنائی ۱/ ۵۸، ابن خزیمہ و ابن حبان)، لکن ینبغی أن یزید علیہ بقدر ما لا إسراف فیہ لما روی ”أن النبی ﷺ مر علی سعد بن أبی وقاص وهو يتوضأ ویصب صباً فاحشاً فقال: إياک والسرف، فقال: أو فی الوضوء سرف؟ قال: نعم لو كنت علی ضفة نهر جار“ وفی روایة: ”ولو كنت علی شط بحر“ (ابن ماجہ و احمد)۔

اور ہمارے اس دعوے پر یہ دلیل ہے کہ رسول کریم ﷺ مد (ایک خاص پیمانہ) کے دو تہائی پانی کے حصہ سے وضو فرماتے تھے؛ لیکن مناسب یہ ہے کہ یہاں بھی اس مقدار پر اس حد تک اضافہ کیا جائے جس میں اسراف نہ ہو، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گذر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر اس حال میں ہوا جبکہ وہ وضو کر رہے تھے اور وضو میں خوب پانی بہا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اسراف سے بچو، انہوں نے عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اگرچہ تم جاری درواں نہر کے کنارے پر وضو کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ تم سمندر کے کنارے وضو کرو (بدائع الصنائع ۱/ ۱۳۳-۱۳۵)۔

خلاصہ: اور جیسے وضو کے پانی میں اسراف کرنا مکروہ تفریحی ہے اسی طرح ضرورت سے کم پانی خرچ کرنا مکروہ تفریحی ہے، اور تقیر (ضرورت سے کم پانی کا استعمال کرنا) حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ دھلے ہوئے عضو سے وضو کے پانی کے قطرات نہ دکھائی دیں، اور یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ وضو میں استعمال ہونے والا پانی وضو کرنے والے کی ملکیت میں ہو، لیکن اگر یہ پانی وقف شدہ ہو جیسا کہ مساجد کے وضو خانوں وغیرہ میں ہوتا ہے تو ایسے پانی میں اسراف کرنا بہر صورت حرام ہے (لقد علیٰ ابن ماجہ الاربعہ ۱/ ۷۱-۷۲)۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے متعلق شریعت مقدسہ کے احکام:

ثالثاً: لا يجوز أن يقضى حاجته في الماء الراكد، و هذا أيضاً من الأمكنة التي لا يجوز قضاء الحاجة فيها، والماء الراكد هو الذي لا يجري، فقد روى جابر عن رسول الله ﷺ أنه نهى أن يبال بالماء الراكد، رواه مسلم وابن ماجه وغيرهما ويلحق بالبول التغوط، لأنه أقبح، والنهي عنه أشد (كتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ ۱/ ۸۷)۔

(اور قضاے حاجت کے آداب میں سے تیسرا آداب یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں قضاے حاجت کرنے والے کیلئے اپنی حاجت (بول و براز) پوری کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ موقع (ٹھہرا ہوا پانی) بھی ان مواقع میں سے ہے جن میں قضاے حاجت شرعاً درست نہیں۔ اور ٹھہرے ہوئے پانی سے مراد وہ پانی ہے جو جاری نہ ہو جیسا کہ حضرت جابرؓ نے جناب رسول ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور (یا در ہے کہ) اس ممانعت میں پاخانہ کرنا بھی داخل ہوگا؛ کیونکہ پاخانہ بہ نسبت پیشاب کے زیادہ گندی چیز ہے لہذا ممانعت بھی اس کے متعلق شدید ہوگی)۔

اسکے بعد تفصیل مذہب کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

حضرات احناف فرماتے ہیں کہ کم پانی میں قضاے حاجت سخت ناجائز اور حرام ہے اور اگر پانی زیادہ ہو تو بھی آئیں پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے اس معنی کر کہ سابقہ حرمت میں کثیر ہونے کی وجہ سے کچھ نرمی ہوئی (نہ کہ جائز ہو گیا)، اور اگر پانی جاری ہو تو بھی آئیں پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہوگا (یہ حکم تو اپنے مملوکہ پانی سے متعلق ہے) لیکن اگر پانی دوسرے کی ملکیت ہے اور وہ آئیں پیشاب کرنے کی اجازت نہ دے تو آئیں پیشاب کرنا ناجائز ہی رہیگا اگرچہ وہ کم ہونے کے بجائے زیادہ بھی ہو، یہی حکم اس صورت کا ہے جبکہ پانی وقف شدہ ہو یعنی اس میں بھی پیشاب کرنا حرام و ناجائز ہوگا (کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ ۱/ ۸۷)۔

(حضرات مالکیہ فرماتے ہیں کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں اگر وہ کم مقدار میں ہو تو قضائے حاجت (بول و براز) حرام ہے الا یہ کہ وہ کم مقدار کے بجائے بڑی مقدار میں ہو جیسے بڑے بڑے باغات کے اندر پائے جانے والے تالاب اور بڑے بڑے حوض ہوتے ہیں۔ تو ان میں پیشاب کرنا (جبکہ وہ اپنی ملکیت میں ہوں) حرام نہیں ہے، لیکن اگر یہی تالاب اور بڑے حوض دوسرے کی ملکیت میں ہوں اور وہ انکا پانی استعمال کرنے کی اجازت نہ دے، یا اجازت تو دے مگر ان میں پیشاب کرنے کی اجازت نہ دے تو ایسی صورت میں ان میں پیشاب کرنا حرام ہی ہوگا اور اگر پانی جاری ہو تو اپنی ملکیت میں ہونے کی صورت میں اس میں پیشاب کرنا جائز ہے لیکن اگر دوسرے کی ملکیت میں ہے تو اسکی اجازت نہ ہونے یا وقف شدہ ہونے کی صورت میں بھی اس جاری پانی میں پیشاب کرنا حرام ہی ہوگا (حوالہ سابق)۔

(حضرات حنابلہ فرماتے ہیں کہ رواں پانی میں پاخانہ پیشاب کرنا حرام و ناجائز ہے چاہے پانی کم ہو یا زیادہ، البتہ سمندر اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں بول و براز حرام نہیں؛ کیونکہ (سمندری راستوں سے) اسفار کے دوران سمندر میں بول و براز کرنے (یا ڈالنے کی) ضرورت پڑ جاتی ہے اور سمندر کی بے پناہ وسعت اور اس (بول و براز) کا سمندر کی وسعت و گہرائی میں دب جانا اس پر مستزاد ہے (لہذا جواز میں کوئی کلام نہیں) بہر حال جہاں تک پیشاب کا تعلق ہے تو ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے حرام نہیں بالکل اسی طرح جیسے رواں اور کثیر پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، اور جو پانی رواں ہو اور قلیل مقدار میں ہو تو اس میں پیشاب کرنا مکروہ نہیں (مذکورہ تمام احکام جو اوپر بیان کئے گئے) کا اطلاق وقف شدہ اور کسی کے ملکیتی پانی پر نہیں ہوگا جبکہ اس کی طرف سے پانی کے استعمال کی عام اجازت نہ ہو کیونکہ ایسے وقف شدہ اور ملکیتی پانی میں قضائے حاجت مطلقاً حرام ہے (حوالہ سابق)۔

(حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ پانی چاہے کم ہو یا زیادہ اس میں قضائے حاجت (بول و براز) کرنا حرام نہیں بلکہ صرف مکروہ ہے، ہاں اگر پانی دوسرے کی ملکیت میں ہو اور اس کی

طرف سے استعمال کی اجازت نہ ہو یا پانی کی چھوٹی مالی ہو تو ان دونوں صورتوں میں پانی میں قضاے حاجت کرنا حرام ہوگا مگر یہ بات بھی ہے کہ حضرات شوافع نے پانی کے اندر قضاے حاجت کے مکروہ ہونے کے معاملے میں رات اور دن میں فرق کیا ہے اور فرمایا ہیکہ کم پانی کے اندرون میں قضاے حاجت کرنا مکروہ ہے خواہ وہ کم پانی رواں ہو یا ٹھہرا ہوا ہو اور جہاں تک رات کا تعلق ہے تو فرماتے ہیں کہ رات کے وقت پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے چاہے وہ پانی کم ہو یا زیادہ (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ ۱/۸۷۱)۔

اس بحث میں اپنا قیمتی تبصرہ مذاہب اربعہ کی تفصیلات بیان فرمانے کے بعد علامہ عبد الرحمن الجزیری یوں رقم فرماتے ہیں:

وهذا الحكم الفقهي من أجمل الأحكام التي يقرها العلم، ويرضاها العقل السليم، فإن تلويث الماء المعد للانتفاء به غالباً من أقبح الخصال الذميمة فضلاً عما قد يترتب عليه من عدوى "البلهارسيا" ونحوها من الأمراض، فمن مكارم الإسلام ان جعل عبادة الله مرتبة دائماً على ما تقتضيه مصلحة الإنسان نفسه۔

اوپر حضرت جابرؓ کی روایت کردہ حدیث بحوالہ مسلم شریف، ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث نقل فرمانے کے بعد کہ جس میں آپ ﷺ نے ٹھہرے اور رکے ہوئے پانی میں پیشاب (اور پاخانہ) کرنے سے منع فرمایا ہے، علامہ جزیری فرماتے ہیں: ”اور شریعت اسلامیہ و فقہ اسلامی کا یہ حکم انتہائی خوبصورت اور عمدہ ترین احکام میں سے ایک حکم ہے، جن کی عمدگی و عظمت کا اعتراف علم جدید اور سائنس نے بھی کیا ہے اور عقل سلیم بھی بخوشی اس حکم کو قبول کرتی ہے، اس لئے کہ جو پانی خلق خدا کی مختلف ضروریات میں نفع اٹھانے اور اکثر اوقات فیضیاب ہونے کے لئے تیار کیا گیا ہے، اس کو گندگی سے ملوث کرنا بری عادتوں میں سے بدترین خصلت ہے، اس کے ساتھ ہی ایسا کرنے سے ”بلہارسیا“ (مثلاً کے اندر ایک مخصوص جرثومہ کی وجہ سے پیدا ہونے

والی بیماری) اور اس جیسے متعدی امراض پھیلتے ہیں۔ پس یہ اسلام کی عظمت و بزرگی ہے کہ اس نے ہمیشہ اللہ کی بندگی کو انہی قواعد و اصول پر استوار کیا ہے جن میں خود انسان کے لئے بیشمار مصلحتیں اور منفعتیں پوشیدہ ہیں (فقہ علی الحدیث، المجلد ۱، ص ۸۷)۔

پھر اس کے بعد اسی بحث ”آداب قضائے حاجت“ میں ادب نمبر (۴) کے تحت

فرماتے ہیں:

رابعاً يحرم قضاء الحاجة في موارد الماء، ومحل مرور الناس، و استظلالهم لقوله ﷺ ”اتقوا اللاعنين، قالوا: وما اللاعنان يا رسول الله قال: الذي يتخلى في طرق الناس، أو في ظلهم (رواه مسلم و ابوداؤد)۔

(چوتھا ادب یہ ہے کہ (قضائے حاجت کرنے والا اس بات کو دھیان میں رکھے کہ) پانی کے وسائل و موارد (آبگاہوں) لوگوں کی گذرگاہوں اور سایہ دار جگہوں پر قضائے حاجت (بول و براز) کرنا حرام ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لعنت کا سبب بننے والی دو باتوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت وہ دو باتیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک یہ کہ آدمی لوگوں کے راستہ میں قضائے حاجت کرے، اور دوسرے یہ کہ انکے سایہ کی جگہ میں ایسا کرے (صحیح مسلم بروایت ابومیرہ و ابوداؤد)، اس حدیث میں ”اللاعنان“ سے مراد ایسے دو کام ہیں جو اپنے کرنے والے کیلئے لعنت کا سبب بنتے ہیں وہ اس طرح کہ جو شخص لوگوں کے راستوں میں پیشاب یا پاخانہ کرتا ہے تو وہ اپنی ذات کو اس تکلیف دہ حرکت کی وجہ سے لعنت و گالی کا نشانہ بناتا ہے اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین لعنت کا سبب بننے والے کاموں سے بچو یعنی (آبگاہوں، لوگوں کی گذرگاہوں اور لوگوں کے سایہ میں بیٹھنے کی جگہ) پر قضائے حاجت اور پیشاب پاخانہ کرنے سے پرہیز کرو۔ اس حدیث میں ”الملاعن“ سے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں قضائے حاجت کرنے سے آدمی لعنت کا مستحق بن جاتا ہے کیونکہ جو شخص ان مذکورہ جگہوں میں قضائے حاجت کرے گا تو

یقیناً اس نے اپنے آپ کو لوگوں کی لعنت کا نشانہ بنا لیا۔ اسی طرح حدیث میں ”الظل“ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں لوگ سایہ میں بیٹھنے کی غرض سے قیام کرتے ہوں (کتب المفہوم علی المذہب

الاربعہ ۱/ ۸۸)۔

اسکے بعد نقل مذاہب کرتے ہوئے ارتقا فرماتے ہیں:

حضرات شوافع و احناف نے فرمایا ہے کہ آبگاہوں، گذرگاہوں اور سایہ کی تمام جگہوں (مثلاً عام تفریح گاہوں جس میں آج کل پارکیں، تفریحی باغات، بسوں اور چھوٹی گاڑیوں کے اڈے و اسٹاپس، ریلوے اسٹیشن، ہوائی اڈے اور عارضی اقامت گاہوں مثلاً ٹرمنل اور ویٹنگ رومز وغیرہ شامل ہیں) پر قضاے حاجت کرنا مکروہ ہے (انلب یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہو (لاطلاق لفظ الکراہۃ) اور یہ کراہت بھی جب ہے جبکہ مذکورہ جگہیں انہیں مقاصد کیلئے وقف شدہ نہ ہوں یا دوسرے کی ملک نہ ہوں لیکن اگر مذکورہ جگہیں مذکورہ اغراض کے لئے وقف شدہ ہوں یا دوسرے کی ملکیت میں ہوں تو ایسی صورت میں ان مذکورہ جگہوں پر قضاے حاجت کرنا حرام ہوگا، پس خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ عام پبلک مقامات کہ جن میں سے لوگ گذرتے ہیں اور آب گاہوں اور آرام و سایہ حاصل کرنے کیلئے مخصوص جگہوں پر قضاے حاجت کرنے کے حرام ہونے پر متفق ہیں۔ بس فرق اتنا ہے کہ حضرات شوافع و احناف تو اس عمل کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتے ہیں۔ اور حضرات مالکیہ اور حنابلہ اس کام (قضاے حاجت اندریں مقامات) کی حرمت کے قائل ہیں، اور (یہ بات قائل غور ہے) کہ مذکورہ دونوں فتوے اس اثر اور نتیجہ کے تابع رہیں گے، جو اس عمل یعنی مذکورہ جگہوں پر قضاے حاجت سے پیدا ہوگا پس اگر ان جگہوں پر قضاے حاجت کی وجہ سے لوگوں کو شدید قسم کی تکلیف پہنچتی ہو یا صحت عامہ پر برے اثرات مرتب ہوں تو ان جگہوں پر قضاے حاجت کرنا بالاجماع حرام ٹھہرے گا، اس لئے کہ لوگوں کو نقصان پہنچانا، ان کو تکلیف دینا اور (اس قسم کی حرکت سے) بیماریاں پیدا کرنا انتہائی سختی کے ساتھ شرعاً ممنوع ہیں، اور ایسا لگتا ہے کہ جن حضرات (شوافع، احناف) نے اس حرکت کو مکروہ

قراردیا ہے انہوں نے ان جگہوں کو پیش نظر رکھا ہے جہاں وسیع اور خالی جگہیں (جنگل وغیرہ) موجود ہوں اور قضاے حاجت کے لئے الگ سے انتظامات نہ ہوں جس کی وجہ سے ضرر شدید لاحق ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا ہے (کیوں کہ جنگل وسیع ہے اور انتظام بھی الگ سے نہیں ہے جسکی وجہ سے وہ معذور ہیں) (کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۸۸)۔

۴- گندے اور آلودہ پانی کو کیمیاوی طریقے پر قابل استعمال بنانے کا حکم:

الف- گندے پانی وغیرہ کے استعمال کا حکم:

نجس پانی کے احکام اور آئینہ مذاہب فقہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) حضرات حنفیہ نے فرمایا کہ نجس چیزیں یا تو سیال و بننے والی ہوگی جیسے پانی اور اس جیسی سیال چیزیں خون بھی اسی میں شامل ہے، یا پھر جامد و ٹھوس ہوگی جیسے خنزیر، مردار اور نجس کوہر، پس جہاں تک (ان دو قسموں میں سے) پانی اور اس جیسی سیال چیزوں کا تعلق ہے تو ان کا استعمال کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا حرام ہے، مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں:

۱- اس نجس پانی سے مٹی کا گارا بنانا اور اسی طرح اس پانی سے چونا، گچ اور سیمنٹ وغیرہ ملا کر استعمال کرنا، ۲- اس نجس پانی سے جانوروں کو سیراب کرنا اور انہیں پانی پلانا، لیکن یہ دونوں صورتیں اس شرط کے ساتھ جائز ہیں کہ نجاست کی وجہ سے اس نجس پانی کا رنگ، بو اور مزہ تبدیل نہ ہو۔

(۲) حضرات مالکیہ کے یہاں نجس پانی کو کھانے پینے وغیرہ میں استعمال کرنا تو ناجائز ہے لیکن اسکے علاوہ صورتوں میں نجس پانی استعمال کیا جاسکتا ہے (مثلاً گارا بنانا، جانوروں کو پانی پلانا وغیرہ) البتہ مساجد کی تعمیر میں یہ پانی استعمال نہیں ہو سکتا۔

(۳) حضرات شافعیہ کتر مانتے ہیں کہ پانی اور اس جیسی سیال نجس چیزوں سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں: ۱- اس نجس پانی وغیرہ سے آگ بجھانا

جیسے چولہوں میں جلنے والی آگ وغیرہ، ۲۔ جانوروں اور کھیتوں کو نجس پانی سے سیراب کرنا۔
 (۴) حضرات حنا بلہ فرماتے ہیں کہ نجس پانی کا استعمال جائز نہیں ہے مگر مٹی کا گارا بنانے اور چونے وغیرہ میں ملانے کے لئے نجس پانی کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ مسجد شریف یا نماز کیلئے عارضی جگہ (صفہ وغیرہ) اس گارے و چونے وغیرہ سے نہ بنائی جائے جس میں نماز پڑھی جائے۔ (کتاب الفقہ علی المذابب الاربعہ ج ۱ ص ۴۳-۴۴)

(ب) سیال اور جامد حلال چیزوں میں نجاست مل جانے کا حکم:

اور وہ نجاست جو حلال چیزوں سے مل جائے (خواہ سیال ہوں یا جامد) تو اسکے بارے میں اصل بنیاد وہ حدیث مشہور ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت میمونہؓ سے مروی ہے ”کہ نبی کریم ﷺ سے اس چوہے کے متعلق سؤل کیا گیا جو گھی میں گر جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر گھی جما ہوا ہو تو اس میں گرے ہوئے چوہے اور اس چوہے کے ارد گرد جو گھی ہے اسے پھینک دو اور باقی کھالو، اور اگر مذکورہ گھی پگھلا ہو سیال ہو تو سارے کو پھینک دو یا اسکے قریب مت جاؤ (بخاری ۲۹۶۱، موطا مالک ۹۷۱۲)۔

فقہاء امت کے کھانے پینے کی حلال چیزوں میں ملی ہوئی نجاست کے سلسلے میں دو موقف ہیں: ۱۔ ایک رائے ان حضرات کی ہے جن کے نزدیک کھانے پینے کی حلال چیزوں میں نجاست کا خالی مل جانا ہی اس حلال چیز کے حرام ہونے کیلئے کافی ہے اگرچہ اس نجاست کے مل جانے کی وجہ سے اس حلال چیز کا رنگ، بو اور مزہ بھی تبدیل نہ ہوا ہو، یہی اس سلسلے میں مشہور مذہب ہے اور جمہور فقہاء امت و ائمہ اربعہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ۲۔ دوسری رائے ان حضرات کی ہے جو ان حلال چیزوں کو اس وقت تک حرام قرار نہیں دیتے جب تک کہ ان میں ملی ہوئی نجاست کی وجہ سے ان حلال چیزوں کا رنگ، بو اور مزہ تبدیل نہ ہو جائے۔ یہ اہل ظاہر کا قول ہے۔ اور امام مالکؒ سے ایک روایت ہے (بدیہ المجہد ۲۱۲)۔

(ج) ناپاک پانی کو پاک کرنے کا طریقہ:

ومنها استحالة عين النجاسة إلى صلاح، كصيرورة الخمر خلاً، ودم الغزال مسكاً ومنها حرق النجاسة بالنار على اختلاف المذاهب الحنفية قالوا: حرق النجاسة بالنار مطهر، الشافعية والحنابلة لم يعلوه من المظہرات، فيقولون: ان رماد النجس ودخانه نجسان، المالكية قالوا: ان النار لا تزيل النجاسة، واستثنوا رماد النجس على المشهور۔

(اور ان امور میں سے (کہ جن سے نجاست زائل کر کے اسے پاک کیا جاتا ہے) عین نجاست کا پاک چیز میں تبدیل ہو جانا ہے جیسے مثلاً شراب کا تبدیل ہو کر سرکہ بن جانا اور ہرن کی جھلی میں موجود خون کا مشک میں بدل جانا اور نجاست کو جلا کر اس کی ماہیت بدل دینا، مثلاً کوہر کو جلا کر رکھ کر دینا)۔

اس سلسلہ میں ائمہ کے درمیان درج ذیل اختلاف ہے:

۱۔ حضرات احناف کے نزدیک نجاست کو آگ سے جلا کر اسے رکھ کر دینا اس نجاست کے لئے پاک ہو جانے کا باعث ہے، ۲۔ حضرات شافعیہ اور حضرات حنابلہ کے نزدیک یہ عمل باعث تطہیر نہیں ہے لہذا وہ فرماتے ہیں کہ نجس چیز (مثلاً کوہر وغیرہ) کی رکھ اور اسکا دھواں بدستور ناپاک ہیں، ۳۔ اور حضرات مالکیہ کے نزدیک بھی اگرچہ آگ کسی نجس چیز کی نجاست کو زائل نہیں کرتی تاہم ان کے مشہور قول کے مطابق نجس چیز کی رکھ پاک ہے (مذہب الفقہ علی المذہب الاربعہ ۱/۲۶۱-۲۷۰)۔

گذشتہ عبارتوں کا خلاصہ:

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرات مالکیہ اور حنفیہ سرکہ میں تبدیل شدہ شراب کی پاک پر متفق ہیں خواہ یہ تبدیلی (شراب کا سرکہ میں بدل جانا) از خود ہو جائے یا کسی کے کرنے سے، البتہ دونوں

مذہب کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ شراب کے سرکہ میں تبدیل ہو جانے سے قبل ہی اگر مذکورہ شراب میں کوئی نجاست گر جائے تو کیا اب بھی (مذکورہ شراب جو کہ سرکہ میں تبدیل ہوگئی ہے) پاک ہوگی یا نہیں؟ چنانچہ مالکیہ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مذکورہ تبدیل شدہ شراب پاک نہیں ہوگی (کیونکہ اس میں نجاست گر گئی ہے) لیکن حضرات احناف کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ (مثلاً اگر چوہا گر جائے تو) اگر پھولنے و پھٹنے سے قبل ہی وہ مذکورہ تبدیل شدہ شراب میں سے نکال کر پھینک دیا جائے اور اسکے بعد وہ شراب سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو اس صورت میں وہ شراب پاک ہو جائے گی (لیکن اگر شراب سرکہ میں تبدیل ہو چکی ہے اور اس کے بعد چوہا گر جائے تو مذکورہ شراب سرکہ میں تبدیل ہو جانے کے بعد بھی نجس ہی رہے گی)، اور جہاں تک حضرات شافعیہ و حنابلہ کا تعلق ہے تو ان کا موقف یہ ہے کہ سرکہ میں تبدیل شدہ شراب اگر از خود شراب سے سرکہ میں بدل گئی ہو تو پاک ہے، لیکن اگر کسی کے تبدیل کرنے سے یہ شراب سرکہ میں بدل گئی ہے تو بدستور نا پاک رہے گی اسی طرح اگر شراب کے سرکہ میں بدلنے سے قبل اس میں کوئی نجاست گر جائے تو اس شراب کے سرکہ میں بدل جانے کے باوجود بھی وہ بدستور نا پاک ہی رہے گی (کتاب الفقہ علی المذہب الرابع ص ۱۱۱)۔

اس مسئلہ میں فقہ اکیڈمی ملکہ کی قرارداد:

نالیوں میں بہنے والے پانی سے اسکے فلٹر کرنے کے بعد پانی حاصل کرنے کا حکم:
 انجم کے اس اجلاس میں اس سوال پر غور کیا گیا کہ جاری پانی کی صفائی کر دی جائے تو اس سے وضو اور غسل کیا جاسکتا ہے اور نجاست کا ازالہ اس پانی سے ہو جاتا ہے کہ نہیں؟
 کیمیاوی طریقہ پر پانی کی صفائی کے ماہرین سے رجوع کیا گیا، انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس صفائی میں پانی سے نجاست کو چار مرحلوں میں دور کیا جاتا ہے، پہلا مرحلہ ترسیب ہے یعنی پانی کو اس طرح جمع کرنا کہ اس کی کدورتیں نیچے بیٹھ جائیں، دوسرا مرحلہ اوپر کے پانی کو چھان کر

الگ کر لینا، تیسرا مرحلہ بیکٹریا کو مار دینا، اور چوتھا مرحلہ کلورین کے ذریعہ بیکٹریا زد دوبارہ پیدا ہونے سے روک دینا۔ ان مرحلوں کے بعد پانی کا مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے، پھر مہرین مسلمان، عادل اور صدق و امانت میں قابل اعتماد ہیں۔

لہذا مجمع الفقہی طے کرتا ہے کہ جاری پانی کو اگر مذکورہ بالا یا اس جیسے عمل کے ذریعہ صاف کر دیا جائے اور اس کے مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جائے گا اور اس پانی سے رفع حدث (پاکی کا حکم) اور نجاست کا ازالہ اس فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہو جائے گا کہ زیادہ پانی جس میں نجاست گر گئی ہو اگر نجاست کا ازالہ اس طرح ہو جائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جاتا ہے (مجمع الفقہی الاسلامی کے دسویں اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ مؤرخہ ۱۹۵۳ء رجب ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۶ تا ۲۷ مئی ۱۹۸۹ء کا پانچواں فیصلہ بحوالہ مکہ فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے ص ۲۶۲)۔

مذکورہ فیصلہ سے اختلاف کا نقطہ نظر:

نالے کے صاف کئے گئے پانی کا مباح اور شرعی استعمال:

الحمد للہ وبعد

نالے دراصل اس غرض سے تیار کئے جاتے ہیں کہ لوگوں کیلئے دینی اور جسمانی اعتبار سے ضرر رساں چیزیں وہاں ڈال دی جائیں تاکہ پاکی حاصل رہے اور ماحول آلودگی سے محفوظ رہے۔

اب ایسے جدید وسائل پیدا ہو گئے ہیں کہ جن کے ذریعہ نالوں کے گندے پانی کو صاف و شیریں پانی میں تبدیل کر کے اسے مختلف شرعی اور مباح استعمال کے قابل بنا دیا جاتا ہے جیسے اس پانی سے پاکی حاصل کرنا، اس کو پینا، اسی سے سینچائی کرنا، اس ترقی کے پیش نظر جب نالے کے پانی کی ان علتوں اور اوصاف کی تحقیق کی جائے جن کی وجہ سے اس پانی کے استعمال کی ہر صورت یا بعض صورتیں ممنوع تھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نالے کے پانی میں درج

ذیل علتیں ہوتی ہیں۔

اول: مزہ، رنگ اور بو والی نجس فضلات

دوم: متعدی امراض کے فضلات اور دواؤں و جرّاشیم کی کثافت،

سوم: گندگی اور خباثت جو مالے کے پانی میں اپنی اصل کے اعتبار سے ہوتے ہیں، اور اس میں پیدا ہو جانے والے کیڑوں اور حشرات جو طبعاً اور شرعاً گندے ہوتے ہیں، ایسے پانی کی صفائی کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان علل اور اسباب کا ازالہ کس حد تک ہو جاتا ہے؟ اس لئے کہ اس پانی کا نجاست سے اس طرح تبدیل ہو جانا کہ اس کا رنگ، مزہ اور بو بدل جائے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں تمام علتیں اور نقصان وہ جرّاشیم بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

زرّعتی محکمیں برابر یہ آگاہی دیتے رہتے ہیں کہ صاف کئے گئے اس پانی سے ان کھیتوں کو سیراب نہ کیا جائے جن کی سبزیاں بغیر پکائے کھائی جاتی ہیں، تو ایسے پانی کو براہ راست استعمال کرنا کیسا ہو سکتا ہے، جسم کی محافظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے، اس لئے کسی بیمار کو صحت مند کے ساتھ نہیں رکھا جاتا ہے اور جس طرح دین کی اصلاح کے ضرور رساں چیزوں کی ممانعت ہے جسم کی اصلاح کے لئے بھی مضر چیزوں کی ممانعت واجب ہے، اور اگر یہ علتیں زائل بھی ہو جائیں تو اپنی اصل کے اعتبار سے اس کی خباثت اور گندگی کی علت باقی رہتی ہے کیونکہ یہ پانی پیشاب اور پاخانہ سے کشید کیا جاتا ہے تاکہ اسے شریعات اور عادات میں برابر طور پر استعمال کیا جائے۔

یہ معلوم ہے کہ بشافعی مذہب میں اور حنابلہ کے معتمد مذہب میں استحالہ کی وجہ سے یہ طہارت کی طرح منتقل نہیں ہوتی۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں جلالہ (نجاست کھانے والے) پر سواری کرنے اور اس کا دودھ دوہنے سے منع کیا گیا ہے، یہ حدیث اصحاب سنن وغیرہ نے روایت کی ہے نیز دیگر علتیں بھی ان فقہاء کے پیش نظر ہیں۔

یہ بھی واضح ہے کہ نجاست سے طہارت میں تبدیل ہوتے ہوئے مسئلہ پر علماء متقدمین

میں جو اختلاف جاری ہے اس کا تعلق چند خاص چیزوں سے ہے اور بالیقین انہوں نے تبدیلی کے حکم کو ان موجودہ مالوں پر منطبق نہیں کیا ہے جس میں نجاستیں، گندگیاں، ڈپنٹری اور ہاسپٹل کے گندے کوڑوں کا ڈھیر ہوتا ہے، اور آج کے مسلمان ابھی اضطرار کی اس حالت کو نہیں پہنچے ہیں کہ پاخانہ کو صاف کر کے اسے طہارت حاصل کرنے اور اسکو پینے کیلئے دیا جائے، کافر ملکوں میں اسکو دولت سمجھنے کا تصور ہمارے لئے قابل اعتبار نہیں کہ ان کے طبائع کفر کی وجہ سے فاسد ہو چکے ہیں، ہمارے یہاں یہ متبادل موجود ہے کہ سمندر کے پانی کو صاف کیا جائے اور اخراجات کے ایک بڑے حصہ کو اسطرح پورا کیا جائے کہ پانی کے استعمال کی قیمت اتنی بڑھا دی جائے جس میں ضرر نہ ہوتا کہ پانی کے بے جا خرچ کی ممانعت کا قاعدہ شرعی جاری کیا جائے (بکر ابو زید، رکن الجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ)۔

اس مسئلہ میں صاحب بدائع الصنائع کی جامع تحریر:

إن النجاسة إذا تغيرت بمضى الزمان و تبدلت أوصافها تصير شيئاً آخر، عند محمد فيكون طاهراً، وعند أبي يوسف لا يصير شيئاً آخر فيكون نجساً، و على هذا الأصل مسائل بينهما منها: الكلب إذا وقع في الملاحاة والجمد والعنبرة إذا أحرقت بالنار وصارت رماداً، وطين بالوعة إذا جف وذهب أثره، والنجاسة إذا دفنت في الأرض وذهب أثرها بمرور الزمان وجه قول أبي يوسف: إن أجزاء النجاسة قائمة فلا تثبت الطهارة مع بقاء العين النجسة، والقياس في الخمر إذا تخلل أن لا يظهر لكن عرفناه نصاً بخلاف القياس، بخلاف جلد الميتة، فإن عين الجلد طاهرة، وإن من نجس ما عليه من الرطوبات وإنها تنزل بالدباغ، وجه قول محمد: إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة، فتتعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر إذا تخللت (بواع الصنائع ۱/۲۳۳ بیان ما يقع به التطهير)۔

(پیشک نجاست جب وقت گزرنے کے ساتھ تبدیل ہو جائے اور اسکے اوصاف بدل جائیں تو وہ (پہلی حقیقت سے) بدل کر دوسری چیز بن جاتی ہے امام محمد کے نزدیک (یعنی اس کی حقیقت بدل جانے کی وجہ سے اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے) لہذا امام محمد کے نزدیک ایسی نجاست پاک ہو جاتی ہے، اور امام ابو یوسف کے یہاں (مذکورہ نجاست تبدیل ہو کر دوسری چیز نہیں بنتی) لہذا گندی ہی رہتی ہے پاک نہیں ہوتی اور اس اصولی اختلاف کی بنا پر ان دونوں حضرات کے درمیان چند مسائل میں اختلاف ہے جن میں سے ایک اختلاف کتے کے بارے میں ہے جبکہ وہ نمک کی کان اور برف میں گر جائے، اسی طرح پاخانہ جبکہ اسے جلا کر راکھ کر دیا جائے، بدر و (نجاست کا گڑھایا مالی) کی مٹی خشک ہو کر نجاست کا اثر اس میں سے ختم ہو جائے۔ زمین میں مدفون نجاست کا مور زمانہ کی وجہ سے اثر ختم ہو جانے کے بارے میں ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف کے نزدیک مذکورہ چیزیں بدستور نجس رہیں گی کیونکہ نجاست کے اجزاء بالکل ختم نہیں ہوئے ہیں (صرف نجاست کا اثر ختم ہوا ہے) لہذا عین نجاست کے باقی رہنے کی وجہ سے پاک ثابت نہیں ہوگی اور جہاں تک شراب کے سرکہ بن جانے کی صورت پر قیاس کا تعلق ہے تو اگرچہ قیاس کی رو سے وہاں بھی مذکورہ شراب ناپاک ہی رہتی ہے اور پاک نہیں ہوتی لیکن نص شرعی کی وجہ سے ہم وہاں قیاس پر عمل کو چھوڑ دیتے ہیں اور مردار کی کھال جو دباغت کی وجہ سے پاک ہو جاتی ہے وہاں بھی ہمارا جواب یہ ہے کہ عین مردار کی کھال نجس نہیں ہے بلکہ اس کھال کے اوپر جو رطوبتیں خون وغیرہ ہے وہ ناپاک ہیں تو جب دباغت کی وجہ سے کھال سے وہ زائد رطوبتیں ختم ہو گئیں تو مردار کا چہرہ اپنی اصل پاکی کی حالت پر واپس آ کر پاک ہو گیا۔ حضرت امام محمد کے نزدیک مذکورہ اشیاء (کتے کا نمک کی کان میں گر جانا، پاخانے کا جل کر راکھ ہو جانا) میں استحالہ (انقلاب عین) (کسی چیز کی حقیقت کا بدل جانا) پایا جا رہا ہے، نیز ان چیزوں کے بنیادی اوصاف و معانی بھی بدل چکے ہیں لہذا وہ نجس ہونے کی صفت سے نکل جاتے ہیں کیونکہ جن اوصاف کی وجہ سے ان کی ذات قائم تھی وہ اوصاف ہی منعدم ہو چکے ہیں لہذا یہ چیزیں بھی اس شراب کی مانند اپنی حقیقت و

حکم بدل چکے ہیں جو سرکہ میں تبدیل ہو گیا ہو)۔

مسئلہ ہذا پر علامہ حصکفیؒ و علامہ شامیؒ کے موقف کا خلاصہ:

(لا) یكون نجساً (رماد قدر) وإلا لزم نجاسة الخبز في سائر الأمصار
(و) لا (ملح كان حماراً) أو خنزيراً ولا قدر وقع في بئر فصار حمأة لانقلاب
العين، به يفتى قوله: (لانقلاب العين) علة للكل، وهذا قول محمد، وذكر معه
في الذخيرة والمحيط أبا حنيفة 'حليه' قال في الفتح: وكثير من المشايخ
اختاروه، وهو المختار لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة
وتنتفى الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل؟ فإن الملح غير
العظم واللحم فإذا صار ملحاً ترتب حكم الملح ونظيره في الشرع النطفة
نجسة وتصير علقة وهي نجسة وتصير مضغة فتطهر، والعصير طاهر فيصير
خمرًا فينجس ويصير خلًا فيطهر، فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال
الوصف المرتب عليها [تنبيه] يجوز أكل ذلك الملح والصلوة على ذلك
الرماد كما في المنية وغيرها۔

(نجس چیزوں کی راکھ نجس نہیں ہے ورنہ تو تمام شہروں کی پکی ہوئی روٹیوں کا نجس ہونا
لازم آئے گا) یعنی جب وہ روٹیاں سوکھے ہوئے کویر کے ٹکڑوں اور اوپلوں کی آگ سے پکائی
جاتی ہیں تو ظاہر ہیکہ راکھ کو نجس ماننے کی صورت میں وہ روٹیاں بھی نجس ہو جائیں گی) نہ وہ نمک
نجس ہے جو پہلے گدھا تھا (پھر نمک میں گر کر وہ گدھا بھی نمک بن گیا) یا خنزیر تھا لیکن پھر نمک کی
کان میں گر کر وہ بھی نمک بن گیا، اور نہ وہ نجاست ناپاک ہے جو کنویں میں گر کر کچڑ یا کالی بدبو
دار مٹی بن گئی ہو کیونکہ ان سب صورتوں میں انقلاب عین ہو گیا ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے (یعنی
نجاست کی ذات و صفات بالکل بدل گئے ہیں جسکی وجہ سے حکم بھی بدل گیا) اس کے تحت علامہ
شامیؒ فرماتے ہیں (لانقلاب العين) تمام مذکورہ صورتوں کے لئے علت (اور وجہ پاکی) ہے، یہ

حضرت امام محمد کا قول ہے، اور ”ذخیرہ“ و ”محیط“ نامی فقہی کتابوں میں امام ابو حنیفہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے (حلیہ) اور صاحب فتح القدر (علامہ ابن ہمام) نے فرمایا کہ بہت سارے مشائخ رحمہم اللہ نے اس قول کو پسند کیا ہے اور یہ قول ہے بھی لائق پسندیدگی، اس لئے کہ شریعت نے مذکورہ چیزوں میں نجاست کے حکم کو ان چیزوں کی بنیاد و حقیقت یعنی گندگی و ناپاکی کی وجہ سے نجس قرار دیا ہے اور جب اس بنیاد و حقیقت (نجاست) کے بعض اجزاء اسکے مفہوم سے خارج ہو جائیں تو پھر یہ حقیقت (نجاست) ختم بھی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ اسکے سارے اجزاء ہی اسکے بنیادی مفہوم سے نکل جائیں (اس صورت میں تو بدرجہ اولیٰ اس نجاست پر پاکی کا حکم لگائیں گے) پس بیشک جو نمک مذکورہ صورت میں گدھے اور خنزیر کی ہڈیوں اور گوشت سے تبدیل ہو کر نمک بن چکا ہے وہ بہر حال اب نمک ہی ہے (نہ کہ مذکورہ ہڈیوں و گوشت و پوست پر مشتمل نمک میں تحلیل ہونے سے پہلے والا گدھا و خنزیر) لہذا اب اس تبدیل شدہ گدھے اور خنزیر پر موجودہ بدلی ہوئی شکل یعنی نمک ہی کا حکم مرتب ہوگا اور اسکی مثال شریعت مقدسہ میں ”نطفہ“ ہے جو ابتدا میں نجس تھا پھر ”علقہ“ خون کا لٹھڑا بناتا ہے نجس بھی تھا پھر جب تبدیل ہو کر ”مضغہ“ گوشت کا ٹکڑا بن گیا تو پاک ہو گیا۔ ایسے ہی انگور کا شیرہ پہلے پاک تھا پھر شراب بن کر نجس ہو گیا پھر یہی شراب جب سرکہ میں تبدیل ہوئی تو پاک ہو گئی۔ اس سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کی حقیقت بدل جانے سے اس چیز پر مرتب شدہ سابق حکم کا بدل جانا بھی لازمی بات ہے (لہذا اگر پہلے وہ نجس تھی تو اب حقیقت بدل جانے کی وجہ سے پاک ہو جائے گی)۔

انتباہ: اوپر ذکر کئے گئے نمک (یہاں گدھے اور خنزیر کے نمک بن جانے کی مذکورہ بحث کی طرف اشارہ ہے) کا کھانا جائز ہے اور مذکورہ راکھ پر بھی نماز پڑھنا درست ہے جیسا کہ منیہ وغیرہ میں ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۵۳۳-۵۳۴)۔

تقریباً اسی جیسے مسئلہ میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کی اہم راہ نمائی بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے:

(الف) تجزیہ کی صورت کا حکم

ایک چیز ہے کسی شی کی ماہیت اور حقیقت کو تبدیل کر دینا اور دوسری اس کا تجزیہ کر گزرنے (decompose)، اگر کسی چیز کی حقیقت ہی یکسر بدل دی جائے تو اس کے احکام بھی بدل جائیں گے، اور اگر محض اس کے بعض اجزاء کسی طرح الگ کر لئے جائیں تو اسکی وجہ سے اسکے احکام نہیں بدلیں گے۔ مثلاً پانچ خانہ جلا کر راکھ بنا دیا جائے تب وہ راکھ پاپاک شمار نہ ہوگی۔ شراب میں نمک ڈال کر سرکہ بنا دیا جائے تو اسکی حرمت اور پاپاک کی ختم ہو جائے گی لیکن اگر کسی طرح سائنٹیفک طریقے پر اس کے بعض اجزاء نکال لئے جائیں جس سے بو ختم ہو جائے گی تو اسکے باوجود وہ پاپاک رہے گا۔

پیشاب فلٹر (Filter) کرنے کی وجہ سے غالباً اپنی حقیقت نہیں کھوتا بلکہ محض اس کے بدبودار اجزاء نکال لئے جاتے ہیں اس لئے وہ پاپاک ہی رہے گا، اس کا پینا یا وضو و غسل وغیرہ کیلئے اس کا استعمال جائز نہ ہوگا اور وہ جسم کے جس حصہ کو لگ جائے گا اسے پاپاک سمجھا جائے گا (جدید فقہی مسائل ص ۱۰۸)۔

(ب) پیشاب کا نمک

پیشاب کو پکا کر اس کی ”شوریت“ کو نکال کر نمک بنا دیا جاتا ہے۔ اس نمک کا کھانا درست ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے ایک اصول سمجھ لینا چاہئے دو چیزیں ہیں، اور دونوں کے احکام جدا گانہ ہیں۔ ایک ہے حقیقت کا بدل جانا، جس کو فقہاء ”استحاله“ وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں، دوسرے ایک شی کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینا جس کو ”تجزیہ“ کہا جاسکتا ہے۔ کسی شی کی حقیقت بدل جائے تو احکام بدل جاتے ہیں۔ مگر محض ”تجزیہ“ سے احکام نہیں بدلتے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں حقیقت ہی بدل گئی ہے یا صرف مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے نمک کو بھی الگ کر دیا گیا ہے۔ زیر بحث مسئلہ میں اس کا کوئی قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو پاپاک اور حرام ہی سمجھا جائے (جدید فقہی مسائل ص ۱۱۳)۔

خلاصہ کلام: گزشتہ تمام مباحث کی روشنی میں کیمیاوی طریقہ سے قابل استعمال بنائے گئے پانی کے متعلق کوئی واضح حکم سامنے نہیں آیا ہے لہذا یہ ”مشکوٰۃ“ کے حکم میں داخل ہونا چاہئے: ”والقول بالتوقف فی مثل هذا لتعارض الأدلة دليل العلم وغاية الورع“ (حامیہ نور الايضاح ص ۲۷)، لیکن پانی کی قلت اور شدید ضرورت و حاجت کی صورت میں اس پانی سے پینے کے علاوہ دیگر استفادہ درست ہوگا، البتہ حالت اضطرار میں پینے کی بھی اجازت ہوگی چنانچہ شامی کی درج ذیل عبارت اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہے:

(وطین شارع) ”عفو“ وفي الفيض: طين الشوارع عفو وإن ملأ الثوب للضرورة ولو مختلطاً بالعذرة وتجاوز الصلوة معه والحاصل ان الذي ينبغي انه حيث كان العفو للضرورة وعدم إمكان الاحتراز أن يقال بالعفو وإن غلبه النجاسة ما لم ير عينها ولو أصابه بلا قصد و كان ممن يذهب ويجيء، وإلا فلا ضرورة۔

(اور راستے کا کچھڑ (نماز کے جواز کے سلسلے میں) معاف ہے اور ”فیض“ میں ہے کہ راستوں کا کچھڑ معاف ہے اگرچہ اس سے کپڑے بھی بھر جائیں ضرورت شرعیہ کی وجہ سے، اگرچہ یہ کچھڑ گندگیوں کے ساتھ بھی خلط ملط ہوتے بھی اس کے ہوتے ہوئے نماز درست و جائز ہے، اور اس سلسلے میں مناسب بات یہ ہے کہ جب تک ضرورت شرعیہ ہو اور راستوں کی نجاست سے بچنا ممکن نہ ہو تو معاف ہونے کا موقف اپنایا جائے اگرچہ اس کچھڑ پر نجاست کا غلبہ ہو جب تک کہ عین نجاست کو نہ دیکھے، اگر یہ کچھڑ بلا قصد و ارادہ اس کے کپڑوں میں لگ جائے اور وہ شخص جس کو کچھڑ لگا ہے ایسے کچھڑ والے راستوں سے آنے جانے والا ہو اور نہ ضرورت متحقق نہ ہوگی (رد المحتار مع الدر المختار ۱/ ۵۳۰-۵۳۱)۔

۶- انسان کی مملو کہ زمین میں موجود پانی کا حکم:

انسان کی مملو کہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) جمع کیا ہوا پانی خواہ وہ بارش و برف کا جمع کیا ہوا ہو یا کسی حوض یا ٹنکی وغیرہ میں یا سرکاری سپلائی سے آیا ہوا

پانی ہو جسے حوض یا کنویں وغیرہ میں جمع کیا ہو، اس صورت کا حکم تو اوپر تفصیلاً گزر چکا ہے، (۲) مملوک زمین میں پانی کنویں، چشمے یا حوض کی شکل میں ہو تو اس کا حکم درج ذیل ہے:

چشموں، کنوؤں اور حوضوں کے پانی کی ملکیت کا حکم:

ماء العيون والآبار والحياض : وهو الذي يستخرجه الشخص لنفسه، وحكمه عند الحنفية انه ليس بمملوك لصاحبه، بل هو مباح في نفسه ولصاحبه حق خاص فيه، سواء اكان في أرض مباحة، أو مملوكة، لأن الماء في الأصل مباح لجميع الناس، لقوله ﷺ: "الناس شركاء في ثلاث: الماء والكلاء والنار" وعليه فانه يثبت فيه حق الشفة، دون حق الشرب، فالأول لا يختص بشخص دون آخر، فهو لمستحقه، ولغيره من الناس، يأخذون منه حاجتهم لشربهم وشرب دوابهم استعمالهم المنزلي، فإن أبي صاحبه كان للمحتاج أخذه جبراً، ولو بالقوة، وله أن يقاتله بسلاح، لأن الماء في البئر مباح غير مملوك، ولكن يشترط أن لا يجد المحتاج ماء آخر قريباً منه. والدليل لحق المحتاج: إن قوماً سفراً وردوا ماءً، فطلبوا من أهله السماح لهم بالشرب منه ويسقى دوابهم التي كادت أن تهلك من العطش، فأبوا، فذكروا ذلك لعمر ابن الخطاب فقال: "هلا وضعتم فيهم السلاح" (الخروج لأبي يوسف).... وقال الشافعية في الأصح عندهم: (مغنى المحتاج) يملك الشخص ماء البئر المحفورة في الأرض الموات للتملك، أو المحفورة في ملك خاص، لأنه نماء ملكه، كالثمرة واللبن والشجر النبات في ملكه ولا يلزم المالك عند الشافعية بذل ما فضل عن حاجته لزرع وشجر، ويجب بذل الفاضل منه عن شربه وشرب ماشيته، وزرعه لشرب غيره من الآدميين ولماشية غيره على الصحيح (فتاوى الإسلام والحدود ۶/۶۶۲-۶۶۳)۔

(چشموں، کنوؤں اور حوضوں کے پانی سے مراد وہ پانی ہے جس کو کوئی شخص اپنے ذاتی استعمال کی غرض سے نکالے اور اس پانی کا حکم حضرات احناف کے یہاں یہ ہے کہ یہ پانی اپنے لئے نکالنے یا نکلوانے والے کی ملکیت نہیں ہے بلکہ فی نفسہ (ہر ایک کے لئے) مباح ہے؛ البتہ مذکورہ شخص کو اس پانی میں خاص حق حاصل ہے اور مذکورہ حکم بہر حال واجب العمل ہے خواہ یہ پانی مباح (افتادہ) زمین (جو کسی کی ملکیت نہیں ہوتی) میں ہو یا کسی کی ملکیتی زمین میں۔ اس لئے کہ پانی بنیادی طور پر شرعاً سب لوگوں کیلئے مباح ہوتا ہے وکیل اسکی و فرمان رسول ﷺ ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”سب لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں: ۱۔ پانی ۲۔ گھاس (خودرو) ۳۔ آگ“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، طبرانی و احمد) چنانچہ اس حدیث کی بنا پر مذکورہ پانی اپنے لئے نکالنے یا نکلوانے والے کیلئے اس پانی میں ایک مخصوص حق ہوگا اور وہ ہے ”حق شرب“ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اس پانی سے اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد اپنی زمین، بھیتی و درختوں کی سیچائی و سیرابی کیلئے بھی اس کا استعمال کر سکتا ہے جبکہ دیگر لوگ اس مخصوص حق میں اس کے شریک نہیں ہونگے بلکہ صرف اپنے پینے، اپنے جانوروں کو پلانے اور اپنے ضروری گھریلو استعمال کے لئے ہی اس پانی سے استفادہ کر سکتے ہیں تاہم لوگوں کا یہ حق (حق شہہ) مذکورہ پانی میں استدر مؤکد ہے کہ اگر اس پانی کو اپنے لئے نکلوانے والا شخص لوگوں کو یہ حق دینے سے انکار کر دے تو واقعی ضرورت مند شخص کیلئے جبراً اپنا یہ حق وصول کرنا جائز ہے اگرچہ اس سلسلے میں اسے اپنی طاقت و اسلمہ کا بھی استعمال کرنا پڑے کیونکہ مذکورہ کنوئیں (یا حوض و چشمہ) کا پانی سب کیلئے شرعاً مباح ہے اور کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہے لیکن (جبراً اپنا حق قوت و اسلمہ کے عمل پر حاصل کرنے کے لئے) یہ شرط ہے کہ واقعی ضرورت مند شخص اس پانی کے علاوہ کوئی ایسا دوسرا پانی نہ پائے جو اسکے قریب ہو اور اس واقعی محتاج شخص کیلئے اس حق کو ثابت کرنے کیلئے یہ دلیل ہے کہ (عہد فاروقی میں) ایک مسافر قوم کا گذر (اسی قسم کے) ایک پانی پر ہوا چنانچہ انہوں نے اس پانی سے وابستہ لوگوں سے اپنے پینے اور اپنے جانوروں کو پلانے کیلئے جو

پیاں کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ چکے تھے پانی طلب کیا مگر انہوں نے انکار کر دیا، بعد میں جب ان پانی مانگنے والے لوگوں نے حضرت عمر فاروقؓ سے اسکا تذکرہ کیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ جب انہوں نے انکار کیا تھا تو تم لوگوں نے اس موقع پر اپنے ہتھیار کیوں نہ اٹھا لئے؟ (الخراج لابن یوسف)، اور اس مسئلہ میں حضرات شافعیہ کے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے (معنی المحتاج) کہ افتادہ زمین میں کھودے ہوئے کنویں کا پانی کھودنے و کھدوانے والے کی ملکیت بن جاتا ہے اسی طرح اپنی خاص ملکیتی زمین میں کنواں بنانے کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ پانی کنواں بنانے والے کی ملکیت ہے؛ کیونکہ جس طرح سے زمین کی پیداوار پھل، درخت وغیرہ اور اپنی ملکیتی گائے کا دودھ آدمی کی اپنی ملکیت میں ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ کنوؤں کے پانی کا بھی حکم ہے، تاہم صحیح قول کے مطابق شوائع کے یہاں بھی اگرچہ پانی کی ملکیت کی بنا پر اپنی ضروریات سے زائد پانی دوسروں کو (حق شرب) کھیتی و درختوں کو سیراب کرنے کیلئے دینا مذکورہ شخص پر لازم نہیں ہے لیکن اسپر واجب ہیکہ اپنے پینے کی ضروریات پوری کر کے، اپنے جانوروں کو سیراب کرنے اور اپنی زمین وغیرہ کو سیراب کرنے کے بعد جو پانی بچا رہے اسے انسانوں اور جانوروں کے پینے کیلئے خرچ کرے)۔

فقہاء امت کی ان تصریحات سے مندرجہ ذیل احکام معلوم ہوتے ہیں:

چونکہ مملوکہ زمین میں پانی جس صورت میں بھی ہو بہر حال مذکورہ بالا احادیث مبارکہ و آثار صحابہؓ اور فقہاء امت کی تصریحات کے مطابق مالک زمین کو اس پانی میں (حق شفعہ) اپنے پینے، جانوروں کو پلانے اور گھر کی ضروریات پوری کرنے کا حق اور (حق شرب) اپنی کھیتی، اور درختوں کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہے لہذا وہ اسی کی ملکیت ہے نہ کہ حکومت کی اور جب اسکی ملکیت ہے تو حکومت اس مالک کو اپنی زمین میں بورنگ کرانے سے قطعاً منع نہیں کر سکتی نہ شرعاً حکومت کو اس منع کرنے کا اختیار ہے اور نہ ہی یہ حکم حکومت کا واجب العمل ہے۔

باقی جہاں تک پانی کی سطح نیچے چلے جانے کا معاملہ ہے تو حکومت اسکے لئے مفاد عامہ

کے تحت کوئی دوسری قسم کی جائز کاروائی یا اقدامات کر سکتی ہے اور لوگوں کے واجب حقوق میں مداخلت کئے بغیر ہی اس کے لئے ایسا کرنا ضروری ہوگا تاکہ انفرادی املاک کا تحفظ بھی ہو جائے اور مفاد عامہ و صحت عامہ بھی متاثر نہ ہوں۔

۸- مفاد عامہ اور اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا:

انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ نے اپنے چوتھے اجلاس منعقدہ جدہ، سعودی عرب مورخہ ۱۸ تا ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۶ تا ۱۱ فروری ۱۹۸۸ء میں اس موضوع پر پیش کئے گئے مقالات کو بغور دیکھا، چونکہ انفرادی ملکیت کا احترام شریعت میں ایک مسلمہ اصول ہے، بلکہ اسے دین کے ناقابل انکار قطعی احکام میں شمار کیا گیا ہے، مال کی حفاظت ان پانچ ضروریات میں سے ہے جن کی رعایت شریعت کے مقاصد میں داخل ہے، اور ان کی حفاظت پر قرآن و سنت کی متعدد نصوص وارد ہیں، دوسری جانب سنت نبوی، صحابہ گرامم اور ان کے بعد آنے والوں کے عمل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مفاد عامہ کے پیش نظر عوامی املاک کو حاصل کیا جاسکتا ہے، نیز یہ مصالح کی رعایت کے سلسلہ میں شریعت کے عمومی قواعد، اجتماعی حاجت کو ضرورت کا درجہ حاصل ہونے اور اجتماعی ضرر کو دور کرنے کیلئے انفرادی ضرر کو گوارا کرنے سے متعلق اصول پر مبنی ہے، ان تفصیلات کی روشنی میں اکیڈمی طے کرتی ہوئی کہ:

اول: انفرادی ملکیت کی رعایت اور کسی بھی زیادتی سے اس کا تحفظ ضروری ہے، انفرادی ملکیت کے دائرے میں تنگی پیدا کرنا یا اسے ختم کر دینا جائز نہیں ہے، مالک کو اپنی املاک پر اختیار حاصل ہے، اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اسے ہر طرح کے تصرف اور انتفاع کا حق ہے۔

دوم: مفاد عامہ کی خاطر عوامی اراضی کا حصول صرف درج ذیل شرعی شرائط اور ضوابط کی رعایت کرتے ہوئے ہی جائز ہو سکتا ہے:

۱- املاک کا فوری اور ایسا عادلانہ معاوضہ دیا جائے جسکی تعیین ماہرین و واقف کار کریں

اور جو اسکی بازاری قیمت سے کم نہ ہو۔

۲- سربر ادیا اسکے نائب ہی کو املاک کے حصول کا اختیار ہوگا۔

۳- یہ حصول کسی ایسے مفاد عام کے لئے ہو جو اجتماعی حاجت کے درجہ کی ہو، کہ یہ بھی ضرورت کے حکم میں ہوتی ہے جیسے مساجد، راستے اور پل۔

۴- مالک سے حاصل کی جانے والی املاک کو عمومی یا خصوصی سرمایہ کاری میں نہ لگایا جائے اور یہ کہ اسے وقت سے پہلے حاصل نہ کیا جائے۔

اگر یہ شرائط یا ان میں سے بعض شرائط بھی نہ پائے جائیں تو اراضی کا حصول ظلم ہوگا اور غضب قرار دیا جائے گا، جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

اگر حاصل شدہ املاک کو مذکورہ مفاد عام میں استعمال کرنے کی رائے باقی نہ رہے تو اصل مالک یا اس کے ورثاء ہی مناسب معاوضہ پر اس کو واپس لینے کے زیادہ حقدار ہوں گے۔ واللہ اعلم... درج بالا فیصلہ کی رو سے چونکہ ڈیم کی تعمیر بھی مفاد عام اور اجتماعی حاجت کے درجہ کی چیز ہے لہذا درج بالا شرائط کے ساتھ حکومت وقت تعمیر ڈیم کیلئے کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کر سکتی ہے۔

۹- تباہ کن سیلاب کی صورت میں باندھ کو کاٹ دینے کا حکم:

للانتفاع بالمیاء أحكام عامة أهمها ما يأتي:

۱- المحافظة على حافة البر أو العين أو النهر (مجري الماء مطلقاً) فإن لم يفعل كان لصاحب المجري منعه من الانتفاع دفعاً للضرر عنه، عملاً بالحديث النبوي: "لا ضرر ولا ضرار" ومن الضرر تسرب الماء إلى أرض الجار على وجه غير معتاد، وعليه الضمان إذا كان متعمداً. قال الحنفية: ولا يضمن من ملأ أرضه ماء فنزلت أرض جاره أو غرقته، أي في حال سقى المعتاد الذي تتحمله الأرض عادةً لأنه متسبب غير معتاد، فإن كان سقى غير معتاد، ضمن وعليه الفتوى (تكملة الفتح، الدر

البحار، وأصول الفقهية الحنفية في الفقه الإسلامي، بحواله الفقه الإسلامي وأدواته ۶/۲۶۶-۲۶۷)۔

(پانی سے نفع اٹھانے کے سلسلے میں شریعت کے کچھ عام احکام ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

۱- کنویں، چشمے اور نہر و دریا کی منڈیر اور پانی گزرنے کی جگہوں کی حفاظت کرنا ان چیزوں کا پانی استعمال کرنے والے پر لازم ہے، اگر وہ حفاظت نہیں کرتا (بلکہ النقصان کرتا ہے) تو پانی کے مالک (فرد، فرد یا قوم) کے لئے ضرر اور نقصان کو دور کرنے کی غرض سے ایسے شخص کیلئے پانی سے استفادہ کرنے میں رکاوٹ بننے کی اجازت ہے اور اس کا مقصد حدیث نبوی ”لا ضرر ولا ضرار“ نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نقصان اٹھاؤ پر عمل کرنا ہوگا، پھر نقصان پہنچانے کی ایک خاص صورت پڑوسی کی زمین میں عام معمول سے زیادہ مقدار میں پانی بھر دینا ہے اور مذکورہ صورت میں پڑوسی کے خلاف زیادتی ثابت ہو جانے پر ضمان لازم ہوگا، حضرات احناف نے یہی حکم بیان فرمایا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

عبارت مذکورہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تباہ کن سیلاب آنے کی صورت میں جبکہ کوئی بستی غرق ہونے کے قریب ہو اپنے طور پر اس بستی والوں کا پانی ذخیرہ کرنے اور روکنے کے لئے تعمیر شدہ باندھ کوشگاف وغیرہ ڈال کر کاٹ دینا شرعاً درست نہیں ہے اس لئے کہ ”لا ضرر ولا ضرار“ کے اصول کے تحت اگر پڑوسی کی زمین میں دوسرے پڑوسی کا غیر معتاد اور معمول سے زائد پانی بھر دینا ایسا جرم ہے جس کی وجہ سے ضمان لازم آتا ہے حالانکہ یہاں صرف مالی انفرادی نقصان کا خطرہ ہے یعنی پڑوسی کی پیداوار وغیرہ کا نقصان اور باندھ کاٹ دینے کی صورت میں بستیوں کی بستیاں ویران اور برباد ہو جاتی ہیں، بیشمار جانی و مالی نقصانات ہوتے ہیں، وبائی بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں اور لاکھوں انسان اور جانور بے خانماں، برباد اور بے سہارا ہو کر در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں لہذا مذکورہ بستی والوں کا از خود ایسا اقدام کرنا قطعاً درست نہیں ہے؛ کیونکہ اگر اس بات کی اجازت دی جائے تو بہت زیادہ مفسد پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے خصوصاً جب کہ خیر

اقرون سے بعد کی بنا پر خوفِ خدا، تصورِ آخرت اور ایثار و ہمدردی کے مبارک جذبات میں نمایاں کمی آچکی ہے البتہ حکومت کی اہم ذمہ داری ہے کہ ایسے موقعہ پر نہایت دیانتداری، انسان دوستی اور خوفِ خدا کے ساتھ سنجیدہ کوششیں کر کے زیرِ آب آنے والی پہلی بستی کے انخلاء، ان کی باعزت بازآباد کاری اور تمام علاقہ کو سیلاب سے بچانے کی خاطر نہایت حکیمانہ و عادلانہ منصوبہ بندی اور اس پر فوری و دیانت دارانہ عمل آوری کو یقینی بنائے، اس سلسلہ میں اگر حکومت کو اجتماعی مصالح اور مفاد عامہ کے تحت کوئی بھی بستی خالی کر کے شکاف ڈال کر باندھ کا پانی اس بستی کی طرف پھیرنا پڑ جائے تو حکومت ایسا کر سکتی ہے اس سلسلہ میں درج ذیل عبارت قابلِ غور ہے:

يجب على المنتفع إمرار الماء من طريق عام إن وجد، فإن لم يوجد، كان على صاحب الطريق الخاص الإذن بإمرار الماء، أو إخراج حاجته من الماء لقول عمر لمحمد بن مسلمة حينما شكاه الضحاک بن خليفة الذي أراد إمرار ماء من أرض بن مسلمة: "والله ليمرّن به ولو على بطنك" (تجویر الحوائک شرح سوطی بحوالہ ۱۷۷ علی المذہب الاربعہ ۶/۳۶۶۶-۳۶۶۷)۔

(پانی سے نفع اٹھانے والے کے لئے پانی کے لئے مقرر شدہ عام گذرگاہ (نالی، نالہ وغیرہ) سے ہی پانی گزارنا ضروری ہے لیکن اگر وہ موجود نہ ہو تو اگر اس پانی کو کسی خاص آدمی کے ملکیتی راستے سے گزارنا ضروری ہو تو اس آدمی کو اپنے خاص راستے سے پانی گزارنے کی اجازت دینا لازم ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ سے فرمایا تھا کہ خدا کی قسم یہ پانی ضرور گزرے گا اگرچہ تمہارے پیٹ پر سے ہی ہو کر گزرے، اور یہ آپؐ نے اس وقت فرمایا تھا جب ضحاک بن خلیفہ نے آپؐ سے محمد بن مسلمہ کی یہ شکایت کی کہ وہ اسے اپنے خاص راستے سے پانی گزارنے کی اجازت نہیں دے رہا ہے)۔

الغرض باندھ میں شکاف ڈال کر کسی بستی کا اپنے کو بچانا اور اپنے سے کئی گنا بڑے نشیبی علاقے کو ہلاکت میں ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے اور اس مصیبت سے نمٹنے میں حکومت وقت ہی مفاد عامہ کے پیش نظر اس قسم کا کوئی بھی مناسب و ضروری قدم اٹھا سکتی ہے۔

۱۰، ۱۱، ۱۳ - دریا، ندی، عوامی تالاب اور چشموں سے استفادہ کی حدود اور خشک شدہ تالاب وغیرہ میں پلائٹنگ کرنے کا حکم:

عام نہروں کا پانی: اس سے مراد وہ پانی ہے جو عام آبی گذرگاہوں میں جاری و رواں ہوتا ہے، جو کسی کی خاص ملکیت میں نہیں ہوتا بلکہ ساری قوم کی ہی ملکیت ہوتا ہے، مثلاً نیل، دجلہ فرات اور اسطرح کی عظیم ندیاں اور دریا (گنگا، جمنا، برہم پتر، راوی، جہلم وغیرہ)، اور اس پانی کا حکم یہ ہے کہ ان نہروں اور دریاؤں میں کسی کی ملکیت ثابت نہیں ہے، نہ ان کے پانی میں اور نہ اس پانی کی گذرگاہوں میں بلکہ اس پانی میں تمام جماعت اور قوم کا حق ہے اور ہر فرد کے لئے فائدہ اٹھانا درست و جائز ہے خواہ یہ فائدہ خود پینے اور جانوروں کو پلانے کے طور پر اٹھائے یا اپنی کھیتوں اور درختوں کی سیچائی کر کے یہ نفع حاصل کرے، اسی طرح ان دریاؤں کے پانی میں سے چھوٹی چھوٹی نہریں کاٹنے، اور اپنی زمین کو سیراب کرنے کے لئے پانی کھینچنے کے آلات (مثلاً موٹر، جنریٹر وغیرہ) ان پر نصب کرنے، اور اسی طرح کے دیگر نفع بخش طریقے اپنا کر ان دریاؤں سے پانی حاصل کرنے کی بھی شرعاً اجازت ہے اور کسی حاکم و افسر کے لئے ان مذکورہ صورتوں میں پانی سے نفع اٹھانے پر کسی شخص کے حق میں پابندی لگانا اور منع کرنا اس وقت تک قطعاً ناجائز ہے جب تک کہ اس کا کوئی کام متعلقہ نہر و دریا کسی دوسرے شخص یا پوری قوم کیلئے ضرر رساں نہ ہو، لہذا اگر واقعی اس شخص کا کوئی فعل دریا، کسی فرد یا پوری قوم کیلئے مضر ثابت ہو جائے تو مسلمانوں میں سے ہر فرد کے لئے ایسے شخص کو اس مضر کام سے روکنا اور اسکے اس ناجائز تصرف میں ضرر عام کو دور کرنے کے لئے رکاوٹ ڈالنا جائز و درست ہے؛ کیونکہ بنیادی طور پر یہ پانی عام مسلمانوں (اور لوگوں) کا حق ہے اور جو شریعت کی طرف سے مذکورہ بالا تصرفات اور نفع اٹھانے کی صورتیں جائز قرار دی گئی ہیں وہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ ایسا کرتے ہوئے کسی دوسرے کو یا پوری قوم کو ضرر لاحق نہ ہو جیسا کہ ”مرافق عامہ“ (عمومی مفادات و حقوق) سے نفع اٹھانے کے بارے میں شریعت نے ہدایت دی ہے اس لئے ”نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ خود

نقصان اٹھاؤ“ کے شرعی اصول کے تحت ہی ان چیزوں سے نفع اٹھانا ضروری ہے، اور ان نہروں وغیرہ کے کسی کی خاص ملکیت نہ ہونے نیز ان میں سب کا مشترک حق ہونے کے سلسلے میں ہمارے پاس حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ مبارک فرمان بطور دلیل موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں: (۱) پانی (بشرطیکہ جمع کرنے کی وجہ سے کسی کی ملک خاص نہ بن گیا ہو)، (۲) (خودرو) گھاس (نہ کہ جو انسان نے اگائی ہو)، (۳) آگ (جبکہ کسی کے مالکانہ قبضہ میں نہ ہو) اور ایک روایت میں ”نمک“ کا ذکر بھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہاں حدیث شریف میں شرکت سے مراد مالکانہ شرکت نہیں ہے (کہ ہر ایک مذکورہ چیزوں کا اپنے کو مالک سمجھنے لگے) بلکہ شرکت باحت (مالک بنے بغیر فائدہ اٹھانے کی شرکت) ہے؛ کیونکہ جب تک آدمی ان چیزوں کو جمع کر کے قبضہ میں نہ لے لے اس وقت تک مالکانہ حقوق بھی حاصل نہ ہونگے لہذا موجودہ صورت میں سب لوگ برابری کی بنیاد پر ان چیزوں پانی، گھاس اور آگ سے نفع اٹھائیں گے اور عام نہروں و دریاؤں کا پانی بھی اس میں شامل ہے لہذا سب کیلئے اس پانی میں پینے، پلانے اور زمین کی سیرابی وغیرہ کا حق ثابت ہوگا (العقد الاسلامی وادلہ ۶/۱-۳۶۶۵-۳۶۶۶)۔

اوپر درج شدہ عبارت فقہیہ سے مندرجہ ذیل احکام نکلتے ہیں:

۱- بہت سے نشیبی علاقوں (جو تالاب کی صورت میں تھے) میں پائنگ کر کے انہیں فروخت کرنا اور آبادیاں بسانا جائز ہے کیونکہ ان تالابوں کا پانی اور پانی جمع ہونے کی جگہ دونوں ہی قومی ملکیت ہیں نہ کہ کسی خاص فرد و چند افراد کی ملکیت، تو اس قومی ملکیت کو فروخت کرنا ملکیت غیر میں تصرف ہے جو قطعاً حرام ہے، نیز اس غیر شرعی حرکت کی وجہ سے پھر یہ تالاب کا پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے جس سے ضرر عام واقع ہوتا ہے اور ”لا ضرر ولا ضرار“، المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، اور ”واللہ لا یؤمن ثلاث مرآت فقال من لا یؤمن جارہ بوائقہ“ کہ مسلمان کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہیں

پہنچی چاہئے، ایسا ہی مسلمان اصل میں مسلمان کہلانے کا مستحق ہے، اور نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کے فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں جس کی تکلیفوں سے اسکا پرہیزی محفوظ نہ ہو، تو ان احادیث و ہدایات شریعت مقدسہ کی روشنی میں مسلمانوں یا غیر مسلم پرہیزیوں کو کونا کون قسم کی تکالیف میں مبتلا کرنا مثلاً جیسا کہ سول نمبر ۱۴ میں درج ہے کہ مذکورہ پلاننگ اور تالاب کی زمین فروخت کرنے سے پانی کا آبادیوں میں پھیل جانا، بارش کی ذخیرہ اندوزی کا متاثر ہو جانا اور بحیثیت مجموعی سطح آب کا گر جانا جو بجائے خود مجموعہ مصائب و آلام ہے جیسے انتہائی مضرت رساں نتائج سامنے آتے ہیں لہذا خواہ حکومت منع کرے یا نہ کرے بہر صورت اس قسم کی پلاننگ کرنا اور تالابی زمین فروخت کرنا شرعاً حرام و ناجائز ہے، اسی طرح مذکورہ عبارت فقہیہ سے دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے ”لا ضرر ولا ضرار“ کے اصول کے تحت افراد و اشخاص کے استفادے و نفع اٹھانے کی حدود بھی واضح ہو جاتی ہیں جو کہ سوال (۱۰) کا مکمل جواب ہے، ساتھ ہی ساتھ اسی عبارت فقہیہ سے مختلف لوگوں کے کھیتوں سے گزرنے والی نہر سے ان کے نفع اٹھانے اور اس کی مختلف شکلوں کی بھی ”لا ضرر ولا ضرار“ کے تحت پوری وضاحت ہو چکی ہے جو کہ سوال نامہ میں موجود سوال (۱۱) کا جواب ہے۔

۱۲- کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟

مخصوص برتنوں میں جمع کئے ہوئے پانی کا حکم:

الماء المحرز فی أوان خاصة: هو ما حازه صاحبه فی آنية أو ظروف خاصة كالجرار والصهاريج والحياض والأنابيب، ومنه مياه الشركات فی المدن المتخصصة لتأمين ماء الدور، وهذا الماء ملك خاص لمن أحرزه، بالاستيلاء عليه ككل مباح يمتلك بأحراره فليس لأحد حق الانتفاع به إلا

یاذن صاحبه ولصاحبه بیعه أو التصرف به كما يشاء (البدائع، تبیین الحقائق، تکملة الفتح، الدرالمختار، القوانین الفقہیة، المہذب، المغنی، کشاف القناع، الخراج لابن یوسف)، فقد روی عن النبی ﷺ أنه ”نهى عن بيع الماء إلا ما حمل منه“ (الأموال لابن السلام) وخصص حدیث المنع من بیع فضل الماء (رواه أحمد وأصحاب السنن إلا ابن ماجه وصححه الترمذی عن ایاس ابن عبد) بالقیاس علی جواز بیع الحطب إذا أحرزه الحاطب، لحدیث الرجل الذی أمره النبی ﷺ بالاحتطاب لیستغنی به عن السؤال (متفق علیہ)۔

(مخصوص برتنوں میں جمع کئے ہوئے پانی سے مراد وہ پانی ہے جس کو جمع کرنے والے نے کسی برتن یا خاص برتنوں میں جمع کیا ہو جیسے پانی کے گھڑے (مٹکے) پانی جمع کرنے کے لئے بنائے گئے حوض اور تالاب اور پانی کے پائپ اور اسی قبیل سے بعض شہروں میں گھروں کو لفر اہم کرنے والی پانی کی کمپنیاں ہیں، (ان سب صورتوں کا حکم یہ ہے کہ) اوپر درج صورتوں میں جمع کیا ہو پانی جمع کرنے والے کی خاص ملکیت ہے کیونکہ وہ اس پر اچھی طرح قابض ہو چکا ہے تو جیسے دوسری مباح چیزیں (مثلاً جانے کے لئے جنگل کی لکڑی وغیرہ) جمع کرنے کی وجہ سے جمع کرنے والے کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہیں ایسے ہی یہاں بھی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے لہذا اب مذکورہ جمع کردہ پانی سے اس جمع کرنے والے شخص کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا نفع اٹھانا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے اور اس جمع کرنے والے کے لئے اس پانی کا لفر وخت کرنا اور اس پانی میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا درست ہے)۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے پانی کو لفر وخت کرنے سے منع فرمایا ہے ماسوائے اس مقدار کے جو اس پانی سے اٹھالی گئی ہو۔

جس کا مطلب بظہر یہ ہوا کہ جو پانی اٹھالیا گیا اور جمع کیا گیا ہو تو جمع کرنے والا اسے بیچ سکتا ہے باقی جس حدیث میں ضرورت سے زائد پانی کو لفر وخت کرنے سے روکا گیا ہے (یہ

حدیث شریف مسند احمد، سنن ابو داؤد، سنن نسائی اور سنن ترمذی میں ہے اور امام ترمذی اس کو یاس بن عبد سے صحیح قرار دیا ہے) اس کو عام حکم کے بجائے کسی خاص موقع سے متعلق سمجھا گیا ہے، کیونکہ ایک دوسری حدیث جس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک بھیک مانگنے والے شخص کو جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے فروخت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ (اس قسم کی مباح عام چیزیں مثلاً لکڑی و پانی جن میں حدیث کے مطابق سب کا حق ہے) لکڑی جمع کرنے کی وجہ سے جمع کرنے والا اس لکڑی کا مالک بن گیا جب ہی تو اس کا یہ لکڑیاں فروخت کرنا شرعاً درست ہو لہذا سوال (۱۲) کا جواب بھی ہو گیا کہ کن صورتوں میں امر اوکو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے۔

مذکورہ احادیث مبارکہ و آراء فقہاء کرام سے مندرجہ ذیل احکام ثابت ہو سکتے ہیں۔

۵- پانی کی قلت کے پیش نظر حکومتوں کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانے اور ان پر عمل کرنے کا شرعی حکم

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ شرعاً مذکورہ صورتوں میں پانی کو جمع کرنے والا اس پانی کا مالک بن گیا تو صاف ظاہر ہے کہ پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومت عموماً گھروں میں جانے والے سپلائی کے پانی پر سوائے فضول خرچی روکنے کے کسی قسم کی قدغن و پابندی نہیں لگا سکتی کیونکہ مالک ہونے کی وجہ سے شخص مذکور اس پانی کو اپنی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے۔ البتہ "الضرر یزال" اور "لا ضرر ولا ضرار" کے محکم اصولوں کے تحت اگر کوئی شخص اس مالکانہ حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر حدود اللہ کو پامال کرے اور دیگر لوگوں کے واقعی ضروریات سے خود غرضانہ انداز میں صرف نظر کرتے ہوئے پانی کو ضائع کرے مثلاً بڑے پائپ سے جو پانی کسی علاقے میں آرہا ہے اگر اسکی مقدار بھی کم ہے اور سپلائی کے اوقات بھی محدود ہیں تو اب مجموعی قلت آب کی صورت میں جہاں عام لوگوں کو بمشکل کھانے، پکانے اور نہانے دھونے کیلئے

پانی مل پاتا ہے وہاں یہ شخص اسی سپلائی کے پانی سے (۱) اپنی گاڑی دھوتا ہے (۲) اپنی کھیتی سیراب کرتا ہے (۳) طاقت و موٹر نصب کر کے دیگر ہمسایوں کا پانی بھی ہڑپ کرنے کی کوشش کرتا ہے (۴) اپنی ضروریات مثلاً نہانے دھونے میں بھی حد ضرورت و اعتدال سے شدید تجاوز کرتا ہے (۵) گھر کے نلکوں کو بلاوجہ کھلا رکھتا ہے جس کی وجہ سے قیمتی و کمیاب پانی فضول ضائع ہو رہا ہے (۶) یا خوش حال و مستغنی ہونے کے باوجود اس سپلائی کے پانی کو محض دولت بڑھانے کی غرض سے باقی لوگوں کو ان کے شدید ضرورت مند ہونے کے باوجود قیمتاً فروخت کرتا ہے حالانکہ مذکورہ حدیث میں ”أمرہ النبی ﷺ بالاحتطاب لیستغنی عن السؤال“ یہ خط کشیدہ جملہ خاص معنی و افادیت رکھتا ہے، تو ان سب صورتوں میں بندے کی ناقص رائے یہ ہے کہ پانی کے استعمال پر حکومت کی طرف سے پابندی درست ہے اور منفا و عامہ، مقاصد شریعت نیز اطاعت فی المعروف کے تحت ان پابندیوں پر عمل بھی واجب ہوگا البتہ درج بالا صورتوں میں پانی جمع کرنے کی وجہ سے جمع کرنے والا اس پانی کا مالک ہو چکا ہے۔

۱۳- کیا اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے؟

ولا يجوز لصاحبه عند الحنفية بيع حق الشرب منفرداً لكنهم أجازوا بيع الماء المعلوم القدر المحرز أو المملوك، للشرب، لا للشفة شرب الإنسان والحيوان كذلك... أجاز المالكية والشافعية والحنابلة بيع الماء المملوك مستقلاً عن الأرض ولكن يستحب لصاحبه أن يبذله بغير ثمن۔

(احناف کے یہاں اگرچہ خاص ملکیتی نہروں کے پانی کا حق شرب (یعنی زراعت و باغات وغیرہ کی سیرابی کا حق) الگ کر کے مستقلاً فروخت کرنا جائز نہیں ہے لیکن احناف نے ایسے جمع کئے ہوئے پانی اور وہ مملوکہ بھی ہو کی مستقلاً بیع کرنا بغرض شرب (زراعت و باغات کی سیرابی و سیرابی) جائز قرار دیا ہے نہ کہ بغرض شفة یعنی (انسان اور جانور کے پینے کے لئے)، لہذا اچھی طرح واضح ہو گیا کہ احناف کے نزدیک انسانوں اور جانوروں کے پینے کا پانی فروخت کرنا جائز

نہیں ہے جبکہ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک یہ پانی اگرچہ فروخت کرنا جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں ہے اور شوافع کے یہاں فروخت کرنے کی صورت میں پانی کا کسی وزن اور ماپ سے فروخت کرنا بھی ضروری ہے؛ البتہ احناف کے نزدیک حق شرب (زراعت و باغات کی سیرجائی) کیلئے پانی کا مستقلاً فروخت کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس پانی کی مقدار بھی معلوم و متعین ہو نیز وہ پانی بائع کا مملوک و ملکیتی بھی ہو۔

۱۵-۱۶- کیا آب رسانی کا انتظام کرنا اور پانی کی نکاسی کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری اور شہریوں کا حق ہے؟

النهر العام غير المملوك لأحد، كالفرات والنيل: نفقة كربة وإصلاحه من بيت مال المسلمين، من الخراج والجزية، دون العشور الصدقات، لأنه للمصلحة العامة، فيختص بنفقة بيت المال، عملاً بالحديث النبوي: "الخراج بالضممان" (تكملة الفتح، الدر المختار، البدائع، تبیین الحقائق) فإن لم يكن في بيت المال شيء، أجبر الحاكم الناس على إصلاح النهر، إن امتنعوا عنه دفعاً للضرر، وتحقيقاً للمصلحة العامة، قال عمر في مثله "لو تركتم لبعتم أولادكم" (العهد الإسلامي وادلائه ۶/۱۶۷۰)۔

(نہر عام جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو (بلکہ عوامی ملکیت ہو) جیسے نیل، فرات وغیرہ ایسی نہر کی اصلاح مثلاً کھدائی، اس کے دونوں کناروں کی اصلاح و مرمت اور اس میں سے مٹی اور کچھڑ و کوڑا وغیرہ نکالنے کا خرچہ مسلمانوں کے بیت المال سے نکالا جائے گا اور وہ بھی خراج اور جزیہ کی مدد سے نہ کہ عشر و صدقات کی مدد سے کیونکہ (ان میں تملیک فقرہ ضروری ہے) اور ندی و نہر کی اصلاح مصلحت عامہ سے تعلق رکھتی ہے لہذا یہ خرچہ بیت المال کے ساتھ مخصوص ہوگا حضرت نبی کریم ﷺ کی اس مبارک حدیث پر عمل کرتے ہوئے جس میں آپ نے فرمایا کہ "الخراج بالضممان" یعنی خراج وصول کر کے بیت المال و حکومت ان ذمہ داریوں کے مکلف بن جاتے

ہیں جو رعایہ کے مفاد عامہ سے تعلق رکھتی ہیں (جیسے اوپر ذکر شدہ ذمہ داریاں ہیں) لیکن اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو تو حاکم وقت لوگوں کو زہر و دریا وغیرہ کی اصلاح و درستگی کرنے پر مجبور کرے گا اگر وہ اس کے لئے آمادہ نہ ہوں اور حاکم وقت کا یہ اقدام ضرر عامہ کو دور کرنے (جو کہ نہر کی درستگی و اصلاح نہ کرنے سے پیدا ہوگا) اور عام لوگوں کے فائدہ و مصلحت کی خاطر ہوگا، ایسی ہی صورتوں کے متعلق سیدنا عمرؓ نے لوگوں سے فرمایا تھا کہ اگر تم نے مصالح عامہ کی رعایت ترک کر دی تو اپنی اولاد کو بیچ کھاؤ گے۔

حق المسيل: هو حق تصريف الماء الزائد عن الحاجة أو غير الصالح، إلى المصارف والمجاري العامة، بواسطة مجرى سطحي أو أنبوب مستور، سواء من أرض أو دار أو مصنع..... وتجب نفقة إصلاح المسيل، على المنتفع به إذا كان في ملكه، أو في ملك غيره فإن كان في أرض عامة فنفقة الإصلاح على بيت المال“ (فقہ الاسلامی وادلائہ ۶/۶۷۶-۶۷۷)۔

(پانی کی نکاسی اور اخراج کا حق: اس سے مراد ضرورت سے زائد اور گندے و مستعمل پانی کو عام ڈرنیج، عام نالیوں اور گندے نالیوں کی طرف پھیر دینا ہے، چاہے یہ سطح زمین پر ہوں یا زیر زمین پائپوں کی شکل میں، اور چاہے یہ گندا اور مستعمل پانی کسی زمین کا ہو یا گھر و فیکٹری وغیرہ کا..... اسکے بعد تحریر ہے..... اور ڈرنیج و گندی نالیوں کی اصلاح و مرمت کا خرچہ ان سے نفع اٹھانے والے پر لازم ہے جبکہ یہ نفع اٹھانے والے یا کسی دوسرے کی ملکیت میں ہوں، لیکن اگر کسی کی ملکیت خاص میں یہ ڈرنیج و نالیاں نہ ہوں بلکہ عام سرکاری یا افتادہ زمین سے گذر رہی ہوں تو ایسی صورت میں انکی اصلاح و مرمت کا خرچہ بھی بیت المال (حکومت کے خزانہ) پر واجب ہے)۔

اگر اوپر لکھی ہوئی دونوں عبارتوں پر غور کیا جائے تو ان سے درج ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

حکومت کا عوام تک پہنچانے اور استعمال کے لئے شہر و دیہات کے اندر پانی پہنچانے کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری بھی ہے اور ہر شہری کا حق بھی ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث شریف ”الخراج بالضمنان“ سے ثابت ہے، یہی حکم استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی وغیرہ کا بھی ہے، وہ بھی حکومت کی ذمہ داری اور عوام کا حق ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پرانے زمانے میں آب رسانی کا کام حکومت نہروں اور چھوٹی جھولوں و کولوں کے ذریعہ کرتی تھی اور آج جدید دور میں واٹر پلانٹ، چھوٹی و بڑی پائپوں کی تنصیب اور دیگر جدید ذرائع اور وسائل کی مدد سے یہ کام کرتی ہے، اسی طرح پرانے زمانے میں جیسے بھی پانی کا اخراج و نکاسی ہوتی ہو مگر آج آبادی بڑھنے، صحت عامہ کی حفاظت اور ماحول کو پاک و صاف رکھنے کے لئے جدید طرز کا ڈریج سسٹم لوگوں کی ضرورت بن چکا ہے، لہذا یہ حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں داخل ہے کہ وہ آب رسانی و نکاسی آب کا انتظام کرے اور حکومت اس سلسلہ میں ہر قسم کا ٹیکس بھی شہریوں سے وصول کرتی ہے جو کہ شہریوں کو بہر حال ادا کرنا ضروری ہے ”لأن الحق لهم والمنفعة تعود إليهم ولأن الغنم بالغرم“، کیونکہ آب رسانی و نکاسی آب کا جو نظام ہے اسکے منافع بھی لوگوں کیلئے ہیں لہذا اگرچہ بھی لوگ ہی برداشت کرنے پر مجبور کئے جائیں گے اگر حکومت کو اثر چہ کی ضرورت پڑے ورنہ تو حکومتی خزانہ سے ہی یہ مہم سرانجام دینی ضروری ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ حفظان صحت اور صحت عامہ کا تحفظ کہ جس پر بظاہر اہم ترین مقاصد شریعت کا دار و مدار ہے مذکورہ نظام کے بغیر وجود میں نہیں آسکیں گے؛ کیونکہ عام طور پر بیماریاں پانی کے صحیح طور پر استعمال نہ کرنے اور نکاسی و اخراج آب یعنی استعمال شدہ پانی کے مناسب ڈریج سسٹم نہ ہونے سے ہی پیدا ہوتی ہیں جبکہ تناسب ماہرین و اطباء کی رائے میں تقریباً ۸۰ فی صد ہے لہذا ایک ذمہ دار حکومت اس قدر اہم معاملہ سے اپنا پہلو کیسے چھڑا سکتی ہے، باقی عوام کو بھی اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں دیا ننداری سے پوری کرنا ضروری ہے۔ هذا ما عندى فقط والله تعالى اعلم

آبی وسائل اور شرعی احکام

مولانا رحمت اللہ ندوی ✽

پانی کے اقسام اور ان کے احکام:

فقہاء نے پانی کی تقسیم نجاست کے ازالہ اور عدم ازالہ کے اعتبار سے حسب ذیل کی ہے:

(۱) ماء طہور یا طاہر فی نفسہ، مطہر غیرہ، غیر مکروہ استعمال: (جو بذات خود پاک ہو اور دوسرے کو پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اس کا استعمال کسی بھی کراہت سے خالی ہو)۔
(۲) طاہر، مطہر، مکروہ: (خود پاک، دوسرے کو پاک کرنے والا، لیکن اس کا استعمال مکروہ)۔

(۳) طاہر غیر مطہر: (خود پاک لیکن دوسرے کے لئے پاک کرنے والا نہیں)۔

(۴) ماء متنجس (ناپاک پانی)

حنفیہ کے یہاں مزید ایک قسم:

(۵) ماء مشکوک ہے، (وہ پانی جس کی طہوریت میں شک ہے نہ کہ اس کی طہارت

میں) یعنی اس کے پاک ہونے میں شک نہیں بلکہ پاک کرنے کی صلاحیت رکھنے میں شک و شبہ

ہے۔

مذکورہ بالا اقسام میں سے ہر ایک کی مختصر وضاحت اور اس کا حکم ذیل کی سطروں میں درج کیا جاتا ہے:

پہلی قسم (ماء طہور):

تعریف: وہ پانی جو اپنی اس خلقت پر باقی رہے جس پر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے یا بالفاظ دیگر ماء مطلق۔

حکم: اس پانی کا حکم یہ ہے کہ وہ حلت رفع کرنے والا اور نجس سے پاک کرنے والا ہے، اس سے وضو و غسل کرنا اور نجاسات اور ناپاکیوں کو دھونا اور زائل کرنا جائز ہے۔

پانی کی اس قسم کو مندرجہ ذیل دو قسموں میں سمیٹا جاسکتا ہے:

۱- آسمان سے نازل شدہ پانی، جیسے بارش کا پانی، یا اولہ اور برف کا پگھلا ہوا پانی۔

۲- زمین میں ٹھہرا ہوا پانی، جیسے دریا، سمندر، نہر، چشمے، اور کنویں وغیرہ کا پانی۔

دوسری قسم (ماء طاہر مطہر، مکروہ):

اس کی تعریف و تحدید میں فقہاء کا اجتہادی اختلاف ہے۔

(الف) حنفیہ کے خیال میں یہ وہ پانی ہے جس سے ایسا جانور پی لے جو عام طور پر نجاست سے دور نہیں رہتا یا اس سے عموماً نہیں بچتا۔ جیسے بلی یا اس سے کمتر گھروں میں رہنے والے جانور، آوارہ مرغی، اور نجاست خور اونٹ یا گائے، شکاری پرندے جیسے شکرہ اور چیل وغیرہ۔

اسی طرح اس سے شراب نوشی کرنے والے کے جھوٹے کا حکم بھی جوڑ دیا گیا ہے جس کی شراب نوشی پر اتنا وقفہ گزر چکا ہو کہ اس کا لعاب اس کے منہ میں پہنچ چکا ہو پھر اس نے برتن سے پانی پیا ہو۔

حکم: اس پانی کا حکم حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ پاک ہے لیکن ماء مطلق کی موجودگی میں اس سے وضو کرنا مکروہ ہے، اور ماء مطلق کی عدم موجودگی کی صورت میں اس کا استعمال مکروہ نہیں لیکن صحیح قول کے مطابق مکروہ تفریحی ہے۔

(ب) بہت سے شوافع کا رجحان یہ ہے کہ ماء طاہر مطہر جس کا استعمال مکروہ ہے، وہ پانی ہے جو سونے چاندی کے علاوہ دیگر معدنی برتنوں میں رکھ کر دھوپ کے اندر گرم کیا ہوا ہو، اور اس کے استعمال کی کراہیت کی علت یہ بتائی ہے کہ اس سے برص (کوڑھ) ہوتا ہے، کیونکہ برتن کا زنگ سورج کی تپش کے اثر سے پانی میں تحلیل ہو جاتا ہے اور یہ زنگ جسم کے لئے مضر ہے، البتہ غیر بدن میں مکروہ نہیں ہے۔

تیسری قسم (طاہر فی نفسہ غیر مطہر لغیرہ):

اس بحث کے تحت درج ذیل قسمیں آتی ہیں:

(الف) ماء مستعمل، (ب) وہ پانی جس میں تبدیلی غیر مطہر شئی کے اختلاط سے آئی ہو اور اس اختلاط سے پانی کو محفوظ رکھنا ممکن ہو، (ج) طاہر مانعات (دیگر سیال پاک چیزیں)۔
ماء مستعمل۔ اس کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

(الف) حنفیہ اور شافعیہ میں امام احرار میں کارہجان یہ ہے کہ ماء مستعمل وہ ہے جس کے ذریعہ کوئی حدث رفع کیا گیا ہو یا بدن کی طہارت میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کا استعمال کیا گیا ہو، اگرچہ اس سے کوئی حدث رفع نہ ہوا ہو، جیسے وضو کی تجدید یا وضو میں دوسرا اور تیسرا غسل یا جمعہ وغیرہ کا غسل مسنون۔

ان کے نزدیک استعمال کا سبب رفع حدث یا تقرب الی اللہ ہے، علت یہ ہے کہ جس پانی کا استعمال تقرب کی غرض سے ہوا ہے وہ طہارۃ مشروعہ میں استعمال ہوا اور اس سے عبادت

ادا کی گئی تو وہ رفع حدث کے استعمال شدہ پانی کی طرح ہو گیا۔

(ب) شوافع اور حنفیہ میں امام زفر کا خیال ہے کہ ماء طہر غیر مطہر وہ ہے جس سے حدث رفع کیا گیا ہو یا اس سے نجاست زائل کی گئی ہو۔

ان حضرات کے نزدیک استعمال کا سبب رفع حدث یا ازالہ نجاست ہے، غسالہ جب عضو سے الگ ہو جائے تو پاک ہے۔

نفل طہارت وضو یا غسل میں استعمال شدہ پانی ان حضرات کے اجتہاد میں اپنی طہوریت پر باقی رہے گا؛ کیونکہ اس سے کوئی فرض ادا نہیں ہوا ہے، لہذا نہ کسی حدث کو رفع کیا اور نہ نجاست کو زائل کیا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس کے ذریعہ کوئی پاک کپڑا دھویا گیا ہو یا کسی شخص نے ٹھنڈک حاصل کی ہو۔

اگر طہارت مشروع نہ ہو جیسے وضو میں چوتھا غسالہ تو پانی بلا اختلاف مطہر ہے۔

ماء مستعمل کا حکم:

اکثر فقہاء کا اجتہاد اس پر متفق ہے کہ وضو یا غسل میں ماء مستعمل پاک ہے، بشرطیکہ غسل یا وضو کرنے والے کے اعضاء پاک ہوں، البتہ ان کا اجتہاد طہارت فقیرہ (مطہر) ہونے میں مختلف ہے:

(الف) حنفیہ کا قول مختار یہ ہے کہ وہ بذات خود طہر ہے، صرف حدث کے لئے غیر مطہر ہے، برخلاف ازالہ نجاست کے کہ ان کے نزدیک اس سے تطہیر جائز ہے؛ کیونکہ وہ نجاست حسیہ کے ازالہ کی صلاحیت و قدرت رکھتا ہے۔

(ب) شافعیہ کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ ماء مستعمل طہر غیر مطہر ہے؛ کیونکہ وہ ماء مطلق نہیں ہے لہذا نہ حدث رفع کرے گا اور نہ نجس کو پاک کرے گا؛ کیونکہ وہ ماء مطلق نہیں ہے۔

دلائل مختلف حدیثیں ہیں (تفصیل کے لئے فقہ الطہارۃ صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۹ ملاحظہ ہو)۔

احکام القرآن میں ابن العربی لکھتے ہیں: (الحنفية والشافعية قالوا: "إن الماء المستعمل في رفع الحدث لا يجوز الوضوء به مرة أخرى لأن المنع الذي كان في الأعضاء انتقل إلى الماء") (حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ رفع حدث میں استعمال شدہ پانی سے دوبارہ وضو جائز نہیں؛ کیونکہ اعضاء کی ممانعت پانی میں منتقل ہوگئی (احکام القرآن لابن العربی ۳۳۸)۔

چوتھی قسم - مائنجس (ناپاک پانی):

مائنجس کی تعریف و تحدید:

- اگر پانی میں نجاست گر جائے اور اس کے اوصاف ثلاثہ ذائقہ، رنگ، بو میں سے کسی ایک وصف کو بدل دے خواہ معمولی تبدیلی ہی کیوں نہ ہو تو وہ بالاجماع ناپاک ہے، خواہ پانی قلیل ہو یا کثیر۔

بعض فقہاء نے اس پر استدلال حضرت ابو امامہ الباہلی کی اس حدیث سے کیا ہے: "إن الماء لا ينجسه شيء، إلا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه" (أخرجه الترمذي وابن ماجه والبيهقي والدارقطني والعمري والحاكم وصححه) (پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی سوائے اس کے کہ وہ پانی کی بو، ذائقہ اور رنگ پر غالب آجائے)۔

- اگر پانی میں نجاست گرے اور اسے تبدیل نہ کرے تو مائنجس کی صورت میں بالاجماع پانی ناپاک نہ ہوگا؛ کیونکہ مائنجس تغیر آجانے سے ہی نجس ہوتا ہے۔ اور اگر مائنجس قلیل ہے تو جمہور فقہاء کے نزدیک وہ پاک ہے، ان میں حنفیہ اور صحیح قول کے مطابق شافعیہ اور حنابلہ کی کثیر تعداد، امام مالک اپنے ایک قول میں اور بعض مالکیہ شامل ہیں۔

چنانچہ جمہور نے پانی میں قلیل کے درمیان جسے نجاست مطلقاً نقصان پہنچاتی ہے خواہ اسے تبدیل کرے یا نہ کرے اور کثیر جو تغیر آنے سے ہی ناپاک ہوتا ہے، دونوں کے درمیان فرق کیا ہے، دلائل میں کئی احادیث ہیں۔

ماء قلیل و کثیر کی تعریف:

حنفیہ کے نزدیک ماء قلیل وہ ہے جس کے استعمال سے نجاست کے استعمال کا گمان ہو، اور اس کی تحدید پانی میں نجاست سرایت کرنے اور نہ کرنے سے کی ہے۔ اور ان کے خیال کے مطابق نجاست کا پانی کے تمام اجزاء میں سرایت کرنا حرکت کے سرایت کرنے سے ہوگا، چنانچہ اگر پانی اتنا ہو کہ ظن غالب یہ ہو کہ نجاست کا پورے پانی میں سرایت کرنا ممکن نہیں تو پانی کثیر اور طہر ہے، اور اگر نجاست سرایت کر جائے تو قلیل اور ناپاک ہے۔

شافعیہ نے قلتین سے تحدید کی ہے کہ اگر پانی دو گھڑے کی مقدار یا اس سے زیادہ ہو تو کثیر ہے، تغیر آنے سے ہی ناپاک ہوگا، اور اگر قلتین سے کم ہے تو قلیل ہے، نجاست گرنے سے ناپاک ہو جائے گا، اگر چہ تبدیلی نہ آئے۔

ماء نجس کا حکم:

طہارت میں ماء نجس کا استعمال مطلقاً حرام ہے جس طرح اس کا پینا اور بلا ضرورت پکانے میں استعمال کرنا، یہ حکم بالا جماع ہے۔

پانچویں قسم ماء مشکوک:

حنفیہ کا رجحان یہ ہے کہ ماء قلیل سے جب کوئی گدھایا خچر پی لے تو وہ ماء مشکوک ہے

(اس کی طہوریت مشکوک ہے نہ کہ اس کی طہارت میں شک ہے) لہذا قطعی طور پر اس کی طہارت یا نجاست کی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، یعنی نہ وہ کسی طاہر کو ناپاک کرے گا اور نہ کسی نجس کو پاک کرے گا۔

وجہ شک:

شک کا سبب اس کی اباحت و حرمت کے سلسلہ میں وارد و نونوں طرح کی احادیث میں تعارض ہے، لہذا طہارت حاصل کرنے والا ماء مشکوک سے اجتناب کرے گا جبکہ دوسرا پانی موجود ہو، اور اگر ماء مشکوک کے علاوہ کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو تو احتیاطاً عہدہ برآ ہونے کے لئے اس سے وضو اور تیمم کرے گا، یا اس پانی کو انڈیل دے اور صرف تیمم کر لے۔

پانی کی یہ قسم صرف احناف کے یہاں ہے، جمہور (جن میں شافعیہ بھی ہیں) کے نزدیک اس قسم کا وجود نہیں ہے، بلکہ ان کے اجتہاد میں گدھے کا جھوٹا طاہر مطہر ہے۔

کن نجاستوں سے پانی ناپاک نہیں ہوتا؟

(۱) نجاست غیر مرئیہ (وہ نجاست جو نظر نہ آئے):

اگر پانی یا کپڑے کو ایسی نجاست لگ جائے کہ نگاہ اس کا ادراک نہ کر سکے، معمولی ہونے کی وجہ سے نظر نہ آئے، بایں طور کہ کپڑے وغیرہ کے رنگ کے مخالف ہو اور اس میں نجاست پڑ جائے، اور قلت کی وجہ سے نظر نہ آئے۔ جیسے مکھی نجاست پر بیٹھے پھر پانی پر بیٹھ جائے یا پیشاب کی وہ چھینٹ جو سوئی کی نوک کے مثل اڑے، یا ہوا میں کوہر کا غبار، تو احناف و شوافع کے صحیح و مختار مذہب میں وہ معاف ہے، اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اگرچہ پانی قلیل کیوں نہ ہو، اور نہ کپڑا ناپاک ہوتا ہے کیونکہ احترام از دشوار ہے، اور اس سے بچنے اور اسے زائل کرنے میں حرج ہے اور شریعت نے حرج کو ختم کیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ”ما جعل علیکم فی الدین من“

حرج“ (اللہ نے دین میں تم پر تنگی نہیں رکھی ہے)۔

نجاست کی اس مقدار کے معاف ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پانی میں اپنے آپ سے اور دوسرے سے نجاست دور کرنے کی قوت ہے، جہاں تک کپڑے کا تعلق ہے وہ نجاست میں حکماً ہلکا ہے، چنانچہ چھروں کا خون تھوڑی پیپ، چھر کا وہ خون جو اس نے چوسا ہو اور اس طرح کے دیگر بہت معمولی نجاست معاف ہیں۔

۲- دم سائل نہ رکھنے والا میتہ:

اگر ایسا کیڑا مکوڑا جس میں دم سائل نہ ہو۔ جیسے مکھی، شہد مکھی، چیونٹی یا اس سے ملتی جلتی چیزیں جن میں بہتا خون نہیں ہے جبکہ ان کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے یا ذبح کر دیا جائے، ماء قلیل یا سیال چیز یا کھانے میں گر جائے تو پانی اور کھانا ناپاک نہیں ہوگا۔ دلیل حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث ہے:

”إذا وقع الذباب بآناء أحدكم فليغمسه كله ثم لينزعه فإن في أحد جناحيه داءً وفي الآخر دواءً“ (رواه البخاری وأبو داؤد والترمذی وابن ماجہ)۔ وزاد أبو داؤد: ”وإنه يتقى بجناحه الذي فيه الداء“ (اگر تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس کو پورا ڈبو لے پھر نکال کر پھینک دے، کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفاء ہے۔ ابو داؤد شریف میں اتنا اضافہ ہے کہ اس طرح کرنے سے آدمی مکھی کے اس پر سے بچ جائے گا جس میں بیماری ہے)۔

اس حدیث کا حکم ہر اس چیز کو متعدی ہے جس میں دم سائل نہ ہو؛ کیونکہ عموم نلت کی وجہ سے حکم عام ہوتا ہے اور انتفاء سبب سے اس کی نفی ہوتی ہے۔

دوسری دلیل حضرت سلمان فارسی سے مروی یہ حدیث ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا:

”یا سلمان! ایما طعام أو شراب ماتت فيه دابة ليس لها نفس سائلة، فهو الحلال آكله و شربه و وضوئه“ (أخرجه ابن ماجه والدارقطني)۔ (اے سلمان! جس کھانے یا پینے میں کوئی ریٹکنے والی ایسی چیز جس میں بہتا خون نہ ہو مر جائے تو اس کا کھانا اور پینا اور وضو کرنا جائز ہے)۔

لیکن شوافع کے نزدیک تمام میتات کی طرح یہ میتات بھی نجس ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ اگر یہ پانی یا سیال چیز میں مر جائیں تو وہ عموم بلوی کی وجہ سے ناپاک نہ ہوگا۔ اگر مرنے کے بعد پانی میں ڈالا جائے تو نجس ہو جائے گا، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب پانی میں مرے اور اس کو تبدیل کر دیں۔

حنفیہ کے نزدیک یہ پاک ہیں، موت سے نجس نہیں ہوتیں، اسی لئے وہ پانی میں مرے یا مرنے کے بعد پانی میں ڈالا جائے دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۳) پانی کا وہ میتہ جس میں دم سائل نہ ہو:

حیوان کی چند قسمیں:

- وہ حیوان جس کا میتہ حلال ہے، جیسے مچھلی اور وہ تمام چیزیں جو اس جنس کی پانی میں رہتی ہیں وہ موت و حیات دونوں حالتوں میں پاک ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث ”هو الطهور ماؤه الحل ميتته“ (أخرجه البخاري) سمندر کا پانی پاک اور اس کا میتہ حلال ہے) دلیل ہے، لہذا پانی ناپاک نہیں ہوگا اگرچہ عمد پانی میں ڈالا جائے۔

- وہ حیوان جس کا میتہ مباح نہیں ہے (آدمی کے علاوہ) جیسے خشکی کے ماء کول اور غیر ماء کول حیوان، یہ مرنے سے ناپاک ہو جاتے ہیں، اگر ماء قلیل ہو تو اس میں مر جانے سے پانی بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔

- پانی کے اس جانور میں فقہاء کا اجتہادی اختلاف ہے جو خشکی میں رہتا ہے جیسے

مینڈک یا اس سے مشابہ دم ساکل رکھنے والا جانور۔

(الف) حنفیہ اور بعض شوافع کا کہنا ہے کہ ان جانوروں سے پانی خراب (ناپاک) نہیں ہوگا، کیونکہ وہ پانی میں رہتے ہیں لہذا مچھلی کے مشابہ ہیں اور ”هو الطهور ماؤه الحل ميتته“ میں شامل ہیں، حنفیہ کا قاعدہ ہے جو جانور مائی المولد ہے (پانی میں پیدا ہوتا ہے) اس کے پانی میں مرجانے سے پانی خراب نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس میں حقیقتہً خون نہیں ہے اس لئے کہ اس کا خون جب دھوپ میں ڈال دیا جائے تو دوسرے حقیقی خون کی طرح کالا نہیں ہوتا، بلکہ سفید ہوتا ہے۔

(ب) شوافع کے یہاں صحیح اور مشہور مذہب اور احناف میں امام ابو یوسف بھی یہی خیال رکھتے ہیں کہ جانور کی یہ قسم مرنے سے ناپاک ہو جاتی ہے اور ان کی موت ماء قلیل کو ناپاک کر دیتی ہے اگرچہ تغیر نہ ہو، اور ماء کثیر تغیر کی صورت میں ناپاک ہوگا؛ کیونکہ یہ میتہ غیر ماء کول ہے تو وہ خشکی کے جانور کی طرح ہے کہ وہ موت سے ناپاک ہو جاتا ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ اس میں دم ساکل ہے، اس لئے آبی پرندہ کے مشابہ ہے۔

- وہ جانور جو خشکی میں پیدا ہوتا ہے اور پانی میں رہتا ہے جیسے بٹخ، بگلا اور دیگر آبی پرندے تو وہ مرنے سے ناپاک ہو جائے گا، اور صحیح قول کے مطابق اگر ماء قلیل میں مرجانے تو اسے بھی ناپاک کر دے گا (ترجمہ و تخریص از فقہ الطہارۃ لعبد الوہاب عبدالسلام طویلہ از صفحہ ۵۲۱۳، نیز فقہ الاسلامی وادلہ ۱/ ۲۲۶۳، ۸۰ پر انواع السیاء کا ذکر ملاحظہ ہو)۔

پانی کے اقسام اور اس کے احکام:

فقہاء کرام نے آبی مسائل کا تذکرہ عموماً ”کتاب الشرب“ کے تحت کیا ہے۔ اور اس مسئلہ کی تقریباً تمام شق کو سمیٹنے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے اور متنوع گوشوں کو اجاگر کرنے کی قابل قدر اور لائق تحسین کوشش کی ہے۔

شرب لغت میں ”النصیب من الماء“ (پانی سے حصہ لینے اور فائدہ اٹھانے سے

عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے ان کی زبانی فرماتا ہے: "قال هذه ناقة لها شرب ولكم شرب يوم معلوم" (شعر: ۱۵۵)۔
اس آیت کریمہ میں یام سے تقسیم آب پر دلالت موجود ہے۔
شریعت کے عرف میں شرب کا اطلاق پینے اور آبیاری کرنے کے حق پر ہوتا ہے۔
ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

شریعت میں دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ النصیب من الماء لسقوى الزرع والأشجار (فصل اور درختوں کی سیرپائی کے لئے پانی کا حصہ) یہ اکثر فقہاء کے نزدیک ہے، اور کبھی کبھار پانی سے انتفاع کی باری یا درخت یا فصل کی آبیاری کے لئے زمانہ انتفاع میں استعمال ہوتا ہے۔

پانی کے اقسام:

حق شرب اور شفعہ کے اعتبار سے پانی کی چار قسمیں ہیں:

(۱) برتنوں میں محفوظ کیا ہوا پانی۔

(۲) کنویں، حوض اور چشموں کا پانی۔

(۳) ان چھوٹی نہروں کا پانی جو نہریں کچھ مخصوص لوگوں کی ہوتی ہیں یا خاص مالے۔

(۴) بڑی نہروں اور ندیوں کا پانی جیسے جیحون، بیجون، دجلہ اور فرات کا پانی، یا

ہندوستان میں گنگا، جمنا اور گھاگھرا، شاردہ اور راپتی ساگر وغیرہ کا پانی جو انہار عامہ میں آتی ہیں اور کسی کی ملکیت نہیں ہیں۔ پانی کی ان چار قسموں کے احکام حسب ذیل ہیں:

پہلی قسم کا پانی

محفوظ کرنے والے کی ملکیت ہے، کسی دوسرے کا اس میں حق نہیں: کیونکہ پانی اگرچہ

اپنی اصل کے لحاظ سے مباح ہے لیکن جب مباح شئی پر غلبہ اور بالادستی کے ذریعہ قبضہ کر لیا جائے تو وہ ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے بشرطیکہ پہلے سے کسی دوسرے کی ملکیت میں نہ ہو۔ جیسے لکڑیاں، گھاس اور شکار کیا ہو پرندہ ہے کہ یہ اشیاء قبضہ کرنے سے قابض کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہیں اور ان کا بیچنا جائز ہوتا ہے، اسی طرح پانی کی اس قسم کو بیچنا جائز ہے۔ جیسا کہ بغیر کسی تکیر کے ہر دور میں شہروں میں اس قسم کے پانی کو بیچنے کا رواج رہا ہے؛ لہذا کسی کے لئے اس پانی کو بغیر مالک کی اجازت کے لیما اور پیما درست نہیں۔

ہاں اگر پیاس سے بلاکت کا اندیشہ ہے اور پانی مانگتا ہے اور وہ دینے سے انکار کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں اگر پانی والے کے پاس زائد پانی نہیں ہے تو پیاس سے لڑنا، جھگڑنا اور مقابلہ کرنا سرے سے درست نہیں؛ کیونکہ یہ دوسرے کو ہلاک کر کے اپنے کو بلاکت سے بچانا ہے؛ لیکن اگر پانی والے کے پاس اس کی ضرورت سے زائد پانی ہے تو پیاس میں مبتلا شخص کو پانی دینے سے انکار کرنے والے سے بغیر ہتھیار کے لڑ جھگڑ کر زائد پانی لیما جائز ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی بھوک سے دوچار ہو اور اس کے ساتھی کے پاس کھانا موجود ہو، بھوکا اس سے سوال کرے اور وہ دینے سے انکار کر دے اور اس کو کسی اور کے پاس کھانا نہ ملے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

پہلی قسم وہ ہے جسے کسی برتن یا مخصوص ظرف جیسے گھڑے، صراحیوں، حوض اور ٹوٹیاں اور تنکیاں ہیں ان میں محفوظ کر لیا، اسی قبیل سے وہ شہروں میں جل گم اور جل سنسٹھا اور کمپنیوں کے پانی بھی ہیں جو گھروں میں پینے کا پانی سپلائی کرتے ہیں۔ یہ پانی مالک کی اجازت کے بغیر لیما اور اس کا استعمال کرنا جائز نہیں؛ البتہ مضطر شخص کے لئے جسے پیاس سے بلاکت کا اندیشہ ہو، اس سے پیما یا اپنی ضرورت پوری کرنا اگر چہ بزور قوت ہو جائز ہے؛ تاکہ اپنے کو بلاکت سے بچا سکے جبکہ پانی اس کے مالک کی ضرورت سے زائد ہو اور مضطر کو دوسرا پانی نمل رہا ہو لیکن قیمت

کی ادائیگی واجب ہے، ”الاضطرار لا يبطل حق الغير“ کے قاعدہ کی رو سے، یا اس وجہ سے کہ حالت اضطرار میں لینے کی حلت ضمان کے منافی نہیں ہے۔

دوسری قسم کا حکم:

یہ ہے کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں بلکہ فی نفسہ مباح ہے خواہ پانی مباح زمین میں ہو یا ارض مملوکہ میں ہو؛ البتہ مملوکہ زمین میں ہونے کی صورت میں اسے خصوصی اور اسپیشل حق ملے گا؛ کیونکہ یہ حکم اس لئے ہے کہ پانی اپنی خلقت کے اعتبار سے اصلاً مباح ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ”الناس شركاء في ثلاث: الماء والكلاء والنار“ (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ) اور عمومی شرکت لباحث کی متقاضی ہے، الا یہ کہ وہ کسی برتن میں رکھ کر محفوظ کر لے تو اب تمام مباحات غیر مملوکہ کی طرح یہ بھی اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا۔

پانی کی اس قسم کو بغیر اپنی تحویل اور ملکیت میں لئے ہوئے بیچنا جائز نہیں؛ کیونکہ بیع کا محل وہ مال ہے جو بائع کی ملکیت میں ہو۔ اسی طرح لوگوں کو خود پینے اور اپنے جانوروں کو پلانے سے روکنے کا بھی حق نہیں، حدیث میں ہے: ”ان رسول اللہ ﷺ نهى عن منع بيع البشر“ (رسول اللہ ﷺ نے منع بشر سے منع فرمایا ہے) اور ”بيع البشر“ کنویں کے پانی کا وہ زائد حصہ ہے جو کنویں سے نکلتا ہے۔

کھیتوں کی سیچائی اور درختوں کی آبیاری سے روک سکتا ہے؛ کیونکہ مطلقاً اجازت میں اصلاً اس کا حق مارا جائے گا۔

ہاں! اگر کنواں کسی کی زمین میں ہے تو مالک کو اپنی زمین میں داخل ہونے سے روکنے اور پابندی لگانے کا اختیار ہوگا جبکہ لوگ مجبور نہ ہوں اور انہیں دوسری جگہ پانی مل رہا ہو؛ کیونکہ دخول کی صورت میں مالک زمین کا بغیر کسی ضرورت کے ضرر اور نقصان ہے اس لئے وہ اپنے

آپ سے ضرر کا دفاع کر سکتا ہے۔ لیکن اگر لوگ مجبور ہوں، پانی کہیں اور نہ پارہے ہوں اور بلاکت کا اندیشہ ہو تو مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو تم انہیں داخل ہونے کی اجازت دو یا از خود انہیں پانی دو، پھر بھی اگر ان کو پانی نہ دے اور داخل ہونے سے روکے تو ہتھیار سے انہیں لڑ کر اتنی مقدار میں پانی لے لینے کی اجازت ہے جس سے وہ تباہی سے بچ سکیں اور بلاکت کو دفع کر سکیں۔ موجودہ دور میں ہینڈ پمپ اور ٹیوب ویل کا بھی یہی حکم ہوگا۔

اس کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ کچھ لوگ پگھٹ پر پہنچے اور پانی والوں سے کنویں میں ڈول ڈالنے کی درخواست کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے ان سے ایک ڈول پانی مانگا، اسے بھی رو کر دیا تو انہوں نے لجاجت اور عاجزی کے ساتھ کہا کہ ہماری گردنیں اور ہماری سواریوں کی گردنیں کٹنے سے بلاکت کے قریب ہیں۔ پھر بھی پانی والوں نے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کا ذکر جب ان حضرات نے حضرت عمرؓ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ”هلا وضعتم فيهم السلاح“ (بدائع جلد ۶، فقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۶۶۳، کتاب الخراج لابن یوسف، ۱۰۵) (انہیں تہ تیغ کیوں نہیں کر دیا؟)۔

تیسری قسم:

اس کے احکام میں ذرا تفصیل ہے، ان میں بعض کا تعلق خود پانی سے ہے، بعض کا پینے سے اور بعض کا نہر سے۔

نفس پانی سے یہ حکم وابستہ ہے کہ وہ اپنی اصل خلقت کے لحاظ سے مباح ہے کسی کی ملکیت نہیں۔ اگر برتنوں میں محفوظ کر لیا جائے تو ملکیت میں ہو جائے گا۔ اگر یہ کہے کہ مجھے اپنی نہر سے ایک دن پانی پلاؤ اس شرط کے ساتھ کہ میں ایک دن فلاں نہر کا پانی پلاؤں گا تو یہ جائز نہیں؛ کیونکہ یہ پانی کا پانی سے مبادلہ ہے تو بیع کی شکل بن جائے گی، یا شرب کا شرب سے اجارہ ہوگا،

اور یہ دونوں جائز نہیں۔

صاحب نہر کو لوگوں اور جانوروں کو پینے سے روکنے کا حق نہیں۔ البتہ کھیت، فصل کی سیچائی اور درختوں کی آبیاری سے منع کر سکتا ہے؛ کیونکہ اس کا اس میں خاص حق ہے اور سیچائی کو مطلق کر دینے میں اس کے حق کا ابطال ہے اس لئے کہ ہر فرد اپنے کھیت اور فصل کی سیچائی کے لئے عجلت مچائے گا اور مالک کا حق تلف ہوگا۔ لیکن اگر نہر اس کی مخصوص ہو اور وہ سیچائی کی اجازت دے دے تو درست ہے؛ کیونکہ وہ خود اس اجازت سے اپنے حق کو باطل کر رہا ہے۔

شرب سے متعلق حکم یہ ہے کہ وہ منفرداً نہیں بیچ سکتا اس طور پر کہ ایک یا اس سے زیادہ دن کا شرب فروخت کر دے؛ کیونکہ شرب، پینے اور سینچنے کے حق سے عبارت ہے اور حقوق بیع و شراء میں افراد (الگ کئے جانے یا علاحدگی) کا احتمال نہیں رکھتے۔ اس قسم کی نہر اصلاً جماعت کی خاص ملک ہے۔ بغیر بقیہ لوگوں کی رضامندی کے کوئی اس میں تصرف نہیں کر سکتا خواہ تصرف نقصان دہ ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ جب نہر مملوک میں تصرف کی حرمت مالک کے اصرار پر موقوف نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شریک مشترک نہر سے کوئی چھوٹی نہر نکال کر اپنی آبادی کی ہوئی زمین تک پانی لے جانا چاہتا ہے جبکہ اس زمین کا حق شرب اس نہر سے وابستہ ہو تو بغیر شرکاء کی رضامندی کے وہ ایسا نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ مشترک ملکیت والی زمین میں کھدائی تصرف ہے لہذا اگر انکی رضا کے بغیر ہے تو روک دیا جائے گا، اسی طرح اگر اس نہر کا پانی بڑی نہر سے لیا جائے اور کوئی اس میں شرکاء کی رضامندی کے بغیر مالے کا اضافہ کرنا چاہے تو اسے ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے اگرچہ یہ ان کے لئے مضر نہ ہو؛ کیونکہ یہ نہر میں شرکاء کی مرضی کے بغیر زیادہ پانی لا کر تصرف کرنا ہو اس لئے منع کر دیا جائے گا۔

اگر اس پر چکی نصب کرنا چاہے تو اگر عمارت کی جگہ اس کی ملکیت ہے اور پانی چکی کو اس کے برابر گھمائے تو اسے اس کا اختیار ہے اور اگر عمارت کی جگہ مشترک ہے یا پانی اوپر چڑھانے

پھر لوٹانے اور واپس کرنے کی ضرورت ہے تو اس کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں شرکاء کا نقصان ہے کہ اوپر پانی چڑھانے سے ان کا حق انہیں تاخیر سے ملے جس طرح اپنی زمین میں نہر کھود لے اور اس میں پانی چڑھائے پھر نہر میں پانی واپس کر دے۔ اس نہر پر بغیر شرکاء کی مرضی کے پل نہیں بن سکتا ہے؛ کیونکہ پل نہر کے دونوں کناروں میں تصرف ہے حالانکہ یہ سب مشترک ہے۔ اگر نہر دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور نہر اعظم سے اسکے پانچ مالے ہوں اور ان دونوں شریکوں میں سے ایک کی زمین نہر کے بالائی حصہ میں ہو اور دوسرے کی زمین نہر کے نچلے حصہ میں ہو، اور بالائی حصہ کا مالک ان مالوں میں سے کچھ بند کرنا چاہے جس سے اس کی زمین میں نقصان در کر آئے تو بغیر شریک کی رضامندی کے ایسا نہیں کر سکتا؛ کیونکہ اس طرح کرنے سے اس کا شریک ضرر میں مبتلا ہوگا؛ لہذا اپنے کو ضرر سے بچا کر دوسرے کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے، اگر وہ مصالحت کرنا چاہے یہاں تک کہ جب تک چاہے اپنے حصہ میں بند کرے اور روکے تو شریک کی رضامندی کے بغیر وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر ایک عرصہ تک دونوں باہم اس پر رضامند ہو گئے پھر نچلے حصہ کے مالک کو اسے ختم کرنے کا خیال ہو تو ایسا کر سکتا ہے؛ کیونکہ مراضاة (باہم رضامندی) ان چیزوں پر ہوتی ہے جو تملیک کا احتمال نہیں رکھتی ہیں، وہ مصالحت ہوگی اور لازم نہیں ہوگی۔

اگر نہر دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور اس کے کئی مالے ہوں، کوئی اجنبی شخص اس میں کسی مالے کا اضافہ کر لے اور بغیر ان دونوں شریکوں کی رضامندی کے اس سے نہر کھود کر اپنی زمین تک لے جائے اور اس پر ایک زمانہ گزار چکا ہو، پھر ان دونوں شریکوں میں سے کسی کو اسے ختم کرنے کا خیال آیا تو اسے اس کا حق ہوگا؛ کیونکہ عاریت لازم نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر وہ مرجائے تو ان دونوں کے وارثین کو اسے ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔

اگر نہر کسی جماعت کے درمیان مشترک ہے، اس کا پانی بڑی نہر سے آتا ہے اور

جماعت کے ہر فرد کی اس نہر سے کوئی نہر ہے۔ ان میں سے بعض کے دو مالے، بعض کے تین مالے ہوں، نیچے والا شخص بالائی حصہ کے مالک سے شکایت کرے کہ آپ حضرات کو اپنا حصہ زیادہ ملتا ہے؛ کیونکہ پانی کا زور اور کثرت نہر کے ابتدائی حصہ میں ہوتا ہے، ہمارے پاس پانی کم پہنچتا ہے، اس پر وہ لوگ کچھ متعین ایام کے لئے سمجھوتہ کر لیں تو انہیں اس کا اختیار نہیں بلکہ نہر کو علی حالہ رکھتے ہوئے پانی کو چھوڑ دیا جائے گا؛ کیونکہ ان کی ملکیت نہر کے اوپر ہے نہ کہ نفس پانی پر۔ اگر ان میں سے کوئی اپنی نہر کی مالی کشادہ کرنا چاہے تو اسے اس کا حق نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں پانی اس کے حق سے زائد آئے گا اس لئے وہ اس کا مختار نہیں، اگر نہر کے نچلے حصہ میں کھدائی کرے تو جائز اور اگر اس کے عرض میں اضافہ کرے تو جائز نہیں؛ کیونکہ مالے حقوق نہر میں سے ہیں تو نہر کی ملکیت کے ذریعہ اس کا مالک ہوگا۔

اگر کوئی نہر ایسی ہو کہ اس میں پانی سب سے بڑی نہر سے آتا ہو اور وہ بڑی نہر کچھ لوگوں کے مابین مشترک ہو۔ انہیں اس کے پھٹ پڑنے کا اندیشہ ہو اور اسے مضبوط اور محفوظ کرنا چاہیں، ان میں سے کچھ اس پر آمادہ نہ ہوں تو اگر نہر کے پھٹ پڑنے سے ضرر عام ہو تو انہیں حصوں کے بقدر نہر باندھنے اور مضبوط کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر ضرر عام نہ ہو تو جبر نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ ضرر کے عموم کی صورت میں انتفاع دشوار ہے لہذا حصوں کے بقدر جبر لوگوں سے ضرر کو دفع کرنے میں شامل ہوگا اس لئے جائز ہے۔ جب ضرر عام نہ ہو تو نہر سے انتفاع ممکن ہے اس لئے حصوں کے بقدر جبر نہر سے مزید انتفاع کے لئے ہے اور یہ جائز نہیں۔

چوتھی قسم:

بڑی نہروں کا حکم یہ ہے کہ نہ ان کے پانی میں کسی کی ملکیت ہے اور نہ نہر کے رقبہ میں، اسی طرح کسی کو نہ ان نہروں میں حق خاص حاصل ہے اور نہ شرب میں بلکہ وہ عامۃ المسلمین کا حق

ہے؛ لہذا ہر ایک کو ان نہروں سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے، خود بھی پی کر، اپنے جانوروں اور مویشیوں کو پلا کر، کھیتوں اور باغات کی آبیاری کر کے نیز ان سے اپنی زمین تک نہر نکال اور پھاڑ کر جس طرح سے چاہے استفادہ کرے، اگر نہر نکالنے سے اصل نہر کا نقصان نہ ہو تو کسی کو روکنے اور منع کرنے کا حق نہیں حتیٰ کہ امام وقت کو بھی اس کا حق نہیں۔

اسی طرح وہ اس پر چکی اور رہٹ نصب کر سکتا ہے بشرطیکہ نہر کو نقصان نہ پہنچے؛ کیونکہ یہ نہریں کسی کے زیر دست نہیں اس لئے وہ کسی کے لئے نہ ہوں گی، اور ان نہروں میں تمام کے تمام لوگ حقوق میں یکساں اور استفادہ میں برابر ہوں گے جیسے شارع عام سے انتفاع بشرطیکہ نہر کو نقصان نہ پہنچے، اگر نہر کو کوئی ضرر پہنچانا ہے تو مسلمانوں میں سے ہر ایک اسے منع کرنے کا مجاز ہوگا؛ کیونکہ وہ عامۃ المسلمین کا حق ہے اور ان کے حق میں تصرف کی اباحت انتفاء ضرر سے مشروط ہے جیسے شاہ راہ عام میں تصرف (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع لکھنؤی ۶/۲۸۵)۔

اگر ان نہروں کو کھدائی، صفائی اور اصلاح و مرمت کی ضرورت ہو تو یہ سلطان کی ذمہ داری ہے کہ بیت المال (سرکاری بجٹ) سے یہ کام انجام دے، کیونکہ ان کی منفعت عوام الناس کے لئے ہے تو لاگت بھی بیت المال سے ہوگی، حدیث شریف میں ہے: "الخروج بالضممان" (ٹیکس بقدر ضمان ہوگا)۔ اسی طرح اگر غرقابی کا اندیشہ ہو تو اس کے بندھ اور ڈیم کی اصلاح و مرمت اور درستگی بھی بیت المال سے کرنا سلطان (حکمران) کی ذمہ داری ہے۔

انہار عامہ کا حکم ڈاکٹر و بہہ زحیلی یوں تحریر فرماتے ہیں:

"لا ملک لأحد فی هذه الأنهار، لافی الماء ولا فی المجری بل هو حق للجماعة کلها، فلکل واحد حق الانتفاع بها بالشفقة (سقی نفسه ودوابه) والشرب (سقی زروعہ وأشجاره) وشق الجداول منها، ونصب

الآلات علیہا لجر الماء لأرضه، ونحوها من وسائل الانتفاع بالماء وليس للحاکم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه، إذا لم يضر الفعل بالنهر أو بالغير أو بالجماعة كما هو الحكم المقرر بالانتفاع في الطرق أو المرافق العامة، (فقہ اسلامی وادلہ ۶/۲۶۵)۔

(ان نہروں میں کسی کو ملکیت حاصل نہیں، نہ پانی میں اور نہ مالی میں؛ بلکہ وہ پوری جماعت کا حق ہے، لہذا ہر ایک کو اس سے انتفاع کا حق ہے، شفعہ (خود سیراب ہونا اور اپنے جانوروں کو پلانا) اور شرب (اپنی کھیتوں اور درختوں کو سیراب کرنا اور سینچنا) اور ان سے مالیات نکالنے کے ذریعہ سے اور اپنی زمین کے لئے پانی کھینچنے کے لئے ان پر آلات اور مشینیں فٹ کر کے اور اسی طرح پانی سے استفادہ کے دیگر وسائل اختیار کر کے، ان تمام صورتوں سے انتفاع کرنے سے حاکم کسی کو نہیں روک سکتا، جبکہ یہ فعل نہر یا دوسرے شخص یا جماعت کو نقصان نہ پہنچائے جیسا کہ راستوں اور مرافق عام میں انتفاع کا طے شدہ حکم ہے)۔

حق شرب اور پانی سے استفادہ کے عمومی احکام:

استفادہ آب اور پانی سے انتفاع کے کچھ عمومی احکام ہیں، ان میں سے چند اہم احکام اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل سطور میں درج کئے جاتے ہیں:

۱- کنویں یا چشمہ یا نہر کے کنارے کی نگرانی اور دیکھ بھال: اگر پانی کی مالی کی نگرانی پانی لے جانے والا نہ کرے تو مالی والے کو دفع ضرر کے لئے انتفاع سے روکنے کا حق ہے۔ حدیث نبوی ہے: "لا ضرار ولا ضرار" (نہ ضرر میں پڑو نہ کسی کے لئے باعث ضرر بنو)۔ ضرر کی بات یہ بھی ہے کہ پانی پڑوسی کی زمین میں معمول سے زیادہ سرایت کر جائے، تعدی کی صورت میں اس پر ضمان ہوگا۔

احناف کے نزدیک اگر کسی نے اپنی زمین میں پانی بھرا، پھر برس کر پڑوسی کی زمین یا

کھیت میں پہنچ گیا یا اس کا کھیت ڈوب گیا جبکہ اس نے معتاد طریقہ پر سیچائی کی تھی جو عادیہ زمین کے لئے قابل تحمل ہے تو اس صورت میں وہ ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ سبب ضرور بنا ہے لیکن تعدی نہیں پائی گئی ہے، لیکن اگر آبیاری غیر معتاد طریقہ پر ہو تو ضامن ہوگا، اسی پر فتویٰ ہے۔

۲- پانی سے استفادہ کرنے والے پر پانی کو عام راستہ سے گزار کر لے جانا واجب ہے اگر عام راستہ موجود ہو، ورنہ خاص راستہ کے مالک پر پانی گزارنے اور لے جانے یا پانی سے اپنی ضرورت نکالنے کی اجازت دینا واجب ہے۔ وجوب کی دلیل حضرت عمرؓ کا حضرت محمد بن سلمہ سے قول ہے جس وقت ان کی شکایت ضحاک بن خلیفہ نے کی تھی جو ابن سلمہ کی زمین سے پانی گزار کر لے جانا چاہتے تھے: ”والله لیسمن به، ولو علی بطنک“ (فقہ الاسلامی وأدبہ ۶/۶۶۳، بحوالہ توہد لجانک شرح المنوط ۲/۸۱۲ وما بعدہا) (قسم بخدا پانی ضرور جائے گا خواہ تمہارے پیٹ پر سے گزار کر جائے)۔

۳- حق شرب مورث ہے اس میں وراثت چلے گی، اس حق سے انتفاع کی وصیت کرنا درست ہے، حتیٰ کہ حنفیہ کے نزدیک بھی جو حقوق اور منافع میں عدم توارث کا نظریہ رکھتے ہیں، سوائے ان کے جن کا استثناء کر لیا جائے، تو اسکی بیع زمین کے ضمن میں جائز ہے نہ کہ مستقلاً اور زمین سے الگ کر کے۔ وجہ یہ ہے کہ کمیت مجہول ہے اور مجہول کی بیع ضرر یا ظلم کی وجہ سے درست نہیں ہے، اس وجہ سے بھی کہ ظاہر الروایتہ کے مطابق حنفیہ کے نزدیک حقوق مال متقوم نہیں ہیں؛ اسی لئے بیع، یا ہبہ یا اجارہ یا صدقہ میں وہ ایذا اور علاحدگی قبول نہیں کرتے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے نزدیک ترجیح احناف کے علاوہ کی رائے کو ہے۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں: ”والأولی الأخذ برأی غیر الحنفیة القائلین بجواز التصرف فی الحقوق والمنافع، لأنها أموال متقومة، فی عرف الناس“ (ایضاً)۔

(اولی غیر حنفیہ کی رائے کو اختیار کرنا ہے جو حقوق اور منافع میں تصرف کے جواز کے

قائل ہیں؛ اس لئے کہ لوگوں کے عرف میں حقوق اور منافع مال منقسم ہیں)۔

۴- جب پانی کسی ایک شخص کی ملکیت ہو تو اسے اس سے استفادہ کا حق حاصل ہے جس طرح وہ چاہے، اگر پانی ایک مشترک جماعت یا بہت سے لوگوں کی ملکیت ہے تو ان سب میں عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا، یا تو زمانی باری کے ذریعہ اس طور پر کہ ایک شخص ایک متعین زمانہ میں پانی کا مالک ہے، یا یہ تقسیم کھیتوں، فصلوں اور نالیوں کی طرف جانے والے پانی کے مالے کے ذریعہ مناسب طریقہ پر اور اس پانی سے ہر فائدہ اٹھانے والے کی زمین کی مساحت کے لحاظ سے ہوگی، یہی شافیہ کی بھی رائے ہے۔

تقسیم آب میں عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جب نہر کسی قوم کے درمیان مشترک ہو اور شرب میں ان کا جنگڑا ہو تو ان کے مابین شرب ان کی زمینوں کی مساحت کے بقدر ہوگا؛ کیونکہ مقصد زمینوں کی سیرجائی کے ذریعہ انتفاع ہے۔ اس لئے ان کا حق زمین کی مقدار کے لحاظ سے ہوگا، برخلاف راستہ کے کہ اس سے مقصود مور (گزرنا) ہے۔ اور تنگی اور وسعت (کشادگی) کے لحاظ سے اس کی مقدار مختلف نہیں ہوتی، اس میں گھر کی وسعت اور تنگی کا اعتبار نہ ہوگا؛ کیونکہ مقصد استطر اق (راستہ ملنا) ہے۔

عدل و انصاف کا تقاضا یہ بھی ہے کہ سب کی رضامندی سے تقسیم میں تبدیلی کر لی جائے۔ لہذا کسی شریک کو بغیر دوسروں کی رضامندی کے نہر سے مالی پھاڑنے یا اس پر چکی نصب کرنے یا پانی کھینچنے کی مشین فٹ کرنے یا پل تعمیر کرنے یا نہر کے منہ کو کشادہ کرنے یا ایام (دنوں) کے ذریعہ تقسیم کرنے جب کہ نالیوں کے ذریعہ تقسیم ہو چکی ہو یا اپنا حصہ آب کسی ایسی دوسری زمین میں لے جانے جس کا اس میں حق شرب نہ ہو، ان تمام چیزوں کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ قدیم کو ظہور حق کی وجہ سے اپنی اسی پرانی حالت پر رہنے دیا جائے گا اور اس لئے بھی کہ دوسروں سے ضرر کو روکا جائے گا، اور توسیع وغیرہ میں دوسروں کو ضرر پہنچانا ہے۔

۵- زمین نہ ہوتی بھی شرب کا دعویٰ حنفیہ کے نزدیک استحساناً پیش کرنا صحیح ہے؛ کیونکہ شرب مرغوب اور قابل انتفاع شئی ہے، اور بغیر زمین کے وراثت یا وصیت کے ذریعہ اس کا مالک بنا ممکن ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ کبھی صرف زمین ہی فروخت کر دی جاتی ہے، شرب تنہا باقی رہتا ہے تو جب اس پر دوسرا حاوی اور غالب ہو جائے تو اسے بینہ کے ذریعہ اپنے حق کو ثابت کر کے اپنی ذات سے دفعِ ظلم کرنے کا حق ہے۔

۶- بارش یا سیلاب کا اکٹھا پانی یا وہ چھوٹی نہر جس پر عوام کا ازدحام ہوتا ہے اس سے لوگ اس طرح استفادہ کریں گے کہ اوپری حصہ سے شروع کیا جائے کہ بالائی حصہ والا اپنی زمین کی سینچائی کر لے یہاں تک کہ کھیت کے آخری سرے تک پانی پہنچ جائے، پھر وہ پانی اپنے بعد والے کے لئے چھوڑ دے گا، وہ پانی روک کر سینچائی کرے گا تا کہ آنگہ ٹخنوں تک پہنچ جائے۔ پھر بعد والے کے لئے چھوڑ دے گا، اس طرح یہ سلسلہ آخر تک جاری رہے گا، یہاں تک کہ کھیت کے باغات مکمل ہو جائیں یا پانی ختم ہو جائے۔ دلیل حضرت عبادہ کی یہ حدیث ہے:

”أن النبی ﷺ قضی فی شرب النخل من السیل: أن الأعلى یشرب قبل الأسفل، ویترک الماء إلى الکعبین، ثم یرسل الماء إلى الأسفل الذی یلیہ، وکذلک حتی تنقضی الحوائط، أو یفنی الماء“ (رواہ ابن ماجہ ابوداؤد ابی یوسف ابن ماجہ)۔
حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے:

”أن الزبیر ورجلاً من الأنصار تنازعا فی شراج الحررة، التی یسقی بہا النخل، فقال الأنصار للزبیر سرح الماء، فأبى الزبیر، فاخصما إلى رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ للزبیر: اسق أرضک، ثم أرسل الماء إلى جارك، فقال الأنصاری: أن کان ابن عمک یا رسول الله، فتلون وجه رسول ﷺ، فقال: یا زبیر! اسق أرضک إلى أن یبلغ الجدر“ (متفق علیہ، ورواہ مالک فی الموطأ)۔

(حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری صحابی کا حرہ کی مالیوں میں تنازع ہو گیا جس سے کھجور کے باغات کی وہ سینچائی کرتے تھے۔ انصاری نے حضرت زبیرؓ سے کہا، پانی چھوڑو، حضرت زبیر نے انکار کیا تو دونوں نے رسول ﷺ کے پاس مقدمہ پیش کیا، آپ ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا: اپنی زمین کی سینچائی کرو، پھر پانی اپنے پرہی کے لئے چھوڑ دو، انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے ان کے حق میں فیصلہ اپنے پھوپھی زاد بھائی کے ماتے کیا ہے۔ حضور ﷺ کا چہرہ انور بدل گیا، آپ نے فرمایا: اے زبیر! اپنی زمین سینچو یہاں تک کہ پانی کھیت کی دیواروں تک پہنچ جائے)۔

نہروں کی کھدائی اور ان کی درستگی کا مسئلہ:

نہر کی زمین سے مٹی نکالنا، اس کی کھدائی کرنا، اس کے دونوں کناروں کی اصلاح و درستگی، پلوں وغیرہ کی اصلاح و مرمت کا خرچ اور اخراجات نہر کی نوعیت کے حساب سے ہوگا، اور ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عام نہر جو کسی کی ملکیت نہ ہو:

اس کی اصلاح وغیرہ کا خرچ بیت المال (سرکاری خزانہ)، خرچ اور جز یہ (ٹیکس) وغیرہ سے ہوگا، کیونکہ یہ مصلحت عامہ اور مفاد عام کے لئے ہے، اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو اور سرکاری خزانہ خالی ہو تو حاکم لوگوں کو نہر کی اصلاح پر مجبور کرے گا جبکہ لوگ اس کی اصلاح نہ کرتے ہوں، ایسا نفع ضرر اور مصلحت عامہ کے پیش نظر ہے۔ اسی تعلق سے حضرت عمرؓ کا قول ہے: "لو تروکتکم لبعث اولادکم" (اگر تم یہ کام چھوڑ دو گے تو میں تمہاری اولاد کو بیچ دوں گا)۔ البتہ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اصلاح کا خرچ ان خوشحال مالداروں کے ذمہ کیا جائے گا جو خود سے اصلاح نہ کر سکتے ہوں، اور جو خود سے کام کر سکتے ہوں ان کو کام کا مکلف بنا کر ان کا نفقہ

کئی صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہنچ جائے اور حرام چیزوں کو کھانے پینے اور برتنے لگے، اس کا احرام ہونا ظاہر ہے۔

دوسری یہ کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو بلاوجہ شرعی حرام سمجھ کر چھوڑ دے، جس طرح حرام کا استعمال جرم و گناہ ہے اسی طرح حلال کو حرام سمجھنا بھی قانونِ الہی کی مخالفت اور سخت گناہ ہے (تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، روح المعانی)۔

اسی طرح یہ بھی اسراف ہے کہ بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھائے پئے، اسی لئے فقہاء نے پیٹ بھرنے سے زائد کھانے کو ناجائز لکھا ہے (احکام القرآن وغیرہ)۔

اسی طرح یہ بھی اسراف کے حکم میں ہے کہ باوجود قدرت و اختیار کے ضرورت سے اتنا کم کھائے جس سے کمزور ہو کر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہے۔

الغرض کھانے پینے میں اعتدال ہی دین و دنیا میں مانع ہے۔ ابو نعیم نے حضرت عمرؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”یا کم والبطنۃ من الطعام والشراب فإنہا مفسدة للجسد مورثة للسقم مکسلة من الصلاة وعلیکم بالقصد فیہا فإنه أصلح للجسد وأبعد من السرف وإن الله تعالیٰ لیبغض الحبر السمین وإن الرجل لن یہلک حتی یؤثر شہوتہ علی دینہ“ (حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: بہت کھانے پینے سے بچو، کیونکہ وہ جسم کو خراب کرتا ہے، بیماریاں پیدا کرتا ہے، عمل میں سستی پیدا کرتا ہے؛ بلکہ کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو کہ وہ جسم کے لئے زیادہ درست اور اسراف سے بعید تر ہے، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ فرہ جسم عالم کو پسند نہیں فرماتے (مراد یہ کہ جو زیادہ کھانے سے اختیاری طور پر فرہ ہو گیا ہو) اور فرمایا کہ آدمی اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنی نفسیاتی خواہشات کو دین پر ترجیح نہ دینے لگے (روح من نعیم ۳۲۹/۳)۔

سلف صالحین نے اس بات کو اسراف میں داخل قرار دیا ہے کہ آدمی ہر وقت کھانے پینے ہی کے دھندے میں مشغول رہے یا اس کو دوسرے اہم کاموں میں مقدم جانے، جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا مقصد زندگی یہی کھانا پینا ہے۔

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے اس کو بھی اسراف میں داخل فرمایا ہے کہ جب کسی چیز کو جی چاہے اس کو ضروری پورا کر لے ”إن من الإسراف أن تآكل كل ما اشتھیت“ (ابن ماجہ عن انس) (سحارف القرآن ۳/۳۴۵)۔

نامور فقیہ ڈاکٹر و بہ ذیلی اپنی تفسیر میں کلووا واشربوا ولا تسرفوا الخ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: ”الإسراف: تجاوز الحد في كل شيء، والله تعالى يحب إحلال ما حل، وتحريم ما حرم، وذلك العمل الذي أمر به، فلا يصلح تجاوز الحد الطبيعي كالجوع والعطش والشبع والرى، ولا المادى بأن تكون النفقة بنسبة معينة من الداخل لا تستأصله كله، ولا الشرعى فلا يجوز تناول ما حرم الله من الميتة والدم ولحم الخنير وما ذبح لغير الله والخمر إلا للضرورة الخ“ (التفسیر المیر ۷-۱۸۳/۸)۔

(اسراف ہر شئی میں حد سے تجاوز کرنے کا نام ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی حلال کردہ چیز کو حلال کرنا اور حرام کردہ شئی کو حرام سمجھنا پسند فرماتا ہے، یہی وہ عدل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے، لہذا حد طبعی اور فطری جیسے بھوک، پیاس، آسودگی اور سیرابی سے تجاوز کرنا درست نہیں اور نہ مادی و اقتصادی حد سے تجاوز صحیح ہے اس طور پر کہ خرچ آمدنی کے تناسب سے متعین ہوتا کہ اس کا استحصال نہ ہو، اور نہ حد شرعی سے تجاوز جائز ہے، لہذا جو اللہ تعالیٰ نے میتہ (مردار)، خنزیر کا گوشت، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ اور شراب حرام کی ہے، ان کا استعمال بلا ضرورت جائز نہیں)۔

علامہ طبری کلووا واشربوا الخ کے ذیل میں یوں رقم طراز ہیں:

وظاهر هذا يقتضى الأكل والشرب فى المأكولات والمشروبات إلا أن يخطره دليل أن لا يكون مسرفاً فيما يأتیه من ذلك فإنه أطلق الأكل والشرب على شرط أن لا يكون مسرفاً فيهما..... والإسراف مذموم، ونقيضه الإقتار وهما مذمومان، والاقتصاد والتوسط هو المشروع، ومنه قيل دين الله تعالى بين المقصر والغالى، وقد قال تعالى: ”والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواماً“،ومن الإسراف فى الأكل، الأكل فوق الشبع، وكل ذلك محظور (احكام القرآن للطبري ۳-۱۳۸/۳)۔

(اس حکم کے ظاہر کا مقتضی ماکولات اور مشروبات کا کھانا پینا ہے جب تک کہ کوئی دلیل اسے ممنوع نہ کرے، البتہ اس میں اسراف سے کام نہ لے؛ کیونکہ کھانے پینے کی آزادی اسراف نہ کرنے کی شرط کے ساتھ ہے۔..... اسراف مذموم ہے، اس کی ضد اقتار (ضرورت سے کم خرچ) ہے، اور یہ دونوں ہی مذموم ہیں، میانہ روی اور اعتدال ہی مشروع ہے، اسی لئے مقولہ ہے اللہ کا دین نلوا اور کوتاہی کرنے والے کے درمیان ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ”اللہ کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے وقت اسراف اور اقتار نہیں کرتے بلکہ اس کے درمیان قائم رہتے ہیں“..... کھانے میں اسراف یہ بھی ہے کہ آسودگی سے زیادہ کھالے، یہ سب ممنوع ہے)۔

علامہ ابن عربی ”احکام القرآن“ میں اس مسئلہ کے حکم کے تعلق سے تحریر کرتے ہیں:

”الإسراف تعدی الحد، فنہام عن تعدی الحلال إلى الحرام، وقيل

ألا يزيدوا على قدر الحاجة.

وقد اختلف فيه على قولين: فقيل: هو حرام، وقيل: هو مكروه، وهو الأصح فإن قدر الشبع يختلف باختلاف البلدان والأزمان والأسنان والطعمان، وقد ثبت فى الصحيح أن النبى ﷺ أمر لرجل كافر بحلاب سبع شياه،

فشربها ثم آمن، فلم يقدر على أكثر من حلب شاة، قال النبي ﷺ: "المؤمن يأكل في معي واحد، والكافر يأكل في سبعة أمعاء" (متفق عليه) وذلك أن القلب لما تنور بالتوحيد نظر إلى الطعام بعين التقوى على الطاعة، فأخذ منه قدر الحاجة، وحين كان مظلماً بالكفر كان آكله كالبهيمة ترتع حتى تشلط" (احكام القرآن لابن العربي ۱۹۰/۳)۔

(اسراف حد سے تعدی کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حلال سے حرام کی طرف تعدی اور تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممانعت اس بات کی ہے کہ وہ قدر حاجت پر اضافہ نہ کریں۔

اسراف کے حکم میں اختلاف کی وجہ سے دو قول ہیں:

ایک قول اس کی حرمت کا ہے جبکہ دوسرا اور زیادہ صحیح قول اس کی کراہت کا ہے؛ اس لئے کہ ممالک، زمانے، عمر اور کھانے وغیرہ کے بدلنے اور مختلف ہونے سے آسودگی کی مقدار بھی بدل جاتی ہے۔ صحیح حدیث سے یہ واقعہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک کافر آدمی کے بارے میں سات بکریوں کے دودھ کا حکم فرمایا چنانچہ وہ پورا دودھ پی گیا، پھر ایمان لے آیا، اس کے بعد ایک بکری سے زیادہ کا دودھ نہ پی سکا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے جبکہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قلب نور تو حید سے منور ہو گیا تو اس نے کھانے کو طاعت پر تقویت حاصل کرنے کی نگاہ سے دیکھا اس لئے کھانا بقدر حاجت لیا، اور جس وقت اس کا دل کفر سے تاریک تھا تو اس کا کھانا چوپایہ کی طرح تھا جو چرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ پاخانہ کر دیتا ہے)۔

اس بات کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے: "ياكلون كما تاكل الأنعام والنار مثوى لهم" (کافر جانوروں کی طرح کھاتے ہیں اور آگ ان کا ٹھکانہ ہے)۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں:

”اسراف نام ہے صرف بے اندازہ یا صرف بے محل کا..... اور اندازہ معتبر اندازہ شرعی ہے، اور اس کے بعد اندازہ عقلی، نہ کہ اندازہ نفسیاتی یا جذباتی، اس لئے ”لاتسرفوا“ کے معنی یہ لئے گئے ہیں کہ کھانے پینے میں حدود سے تجاوز نہ کرو، نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ کمیت کے لحاظ سے“ (تفسیر ماجدی ۲/۱۵۰)۔

ترمذی شریف میں کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی الوضوء ثلاثا ثلاثا کی حدیث کی شرح میں صاحب تحفۃ لا حوذی لکھتے ہیں: ”العمل علیٰ ہذا عند عامة اهل العلم ان الوضوء یجزی مرة مرة، مرتین افضل، و افضلہ ثلاث، و لیس بعدہ شیء“ (اسی پر عام اہل علم کے نزدیک عمل ہے کہ وضو ایک ایک بار کافی ہے، دو مرتبہ بہتر اور افضل تین مرتبہ ہے، اس کے بعد کچھ نہیں) یعنی تین مرتبہ سے زیادہ کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ وہ فضول خرچی ہے اور موجب گناہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں: لا آمن إذا زاد فی الوضوء علی الثلاث أن یأثم (اگر کوئی شخص تین مرتبہ سے زیادہ وضو میں پانی صرف کرے تو میں اس کے گنہگار ہونے پر مامون نہیں ہوں)۔

حضرت امام احمد اور اسحاق فرماتے ہیں: ”لا یزید علی الثلاث إلا رجل مبتلی“ (تین پر اضافہ کوئی عقلی خلل میں مبتلا شخص ہی کر سکتا ہے) (ملاحظہ ہو: تحفۃ لا حوذی للمبارکھوری ۱/۱۳۱، رقم الحدیث: ۲۳)۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ غسل اعضاء میں واجب ایک ایک مرتبہ ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ تین دفعہ دھونا سنت ہے۔ ایک ایک، دو دو اور تین تین مرتبہ یا بعض کو تین اور بعض اعضاء کو دو مرتبہ دھونے کے سلسلہ میں صحیح احادیث آئی ہیں، اور

اختلاف ان سب کے جواز کی دلیل ہے اور اس بات کی بھی کہ تین کمال ہے اور ایک کفایتی ہے (تختہ لا حوذی ۱/۱۲۸)۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کو اسراف کرنے والوں کا طرز اپنانے اور ان کے معاملہ کی پیروی کرنے سے منع کیا گیا ہے، ”ولا تطیعوا أمر المسرفین“ (شعر ۱۵۱)۔ ایک جگہ تو تاکید کے ساتھ یہ بھی ذکر کر دیا گیا ہے کہ ”وأن المسرفین هم أصحاب النار“ (نافر ۴۳) (اسراف کرنے والے ہی دوزخی ہیں)۔

معلوم ہوا کہ اسراف کسی بھی چیز میں اور کسی بھی حالت میں محمود اور پسندیدہ نہیں، یہ بھی مشاہدہ ہے کہ دیگر امور کے مقابلہ میں انسان پانی کے استعمال میں فضول خرچی زیادہ کرتا ہے، جس فراوانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے اتنی ہی بے دردی کے ساتھ اسے خرچ کیا جا رہا ہے، گلی کوچوں اور اسٹیشنوں پر ٹوٹی سے پانی لینے کے بعد کھلی چھوڑ دینا اور اس طرح پانی کا گرنا اور ضائع ہونا کوئی نئی بات نہیں۔

پانی کی خرید و فروخت میں امام ابو یوسف کی رائے:

قال: ولا بأس ببيع الماء إذا كان في الأوعية، وهذا ماء قد أحرزه في وعائه فلا بأس ببيعه وإن كان في بئر أو عين يزداد ويكثر أو لا يزداد ولا يكثر فلا خیر فی بیعه ولو باعه لم یجز البیع۔

قال: وحملنا العلاء بن كثير عن مكحول قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ”لا تمنعوا كلاً ولا ماء ولا ناراً فإنه متاع للمقوين، وقوة للمستضعفين“ (الخراج لابن يوسف رحمه الله ۱۰۳)۔

پانی کی بیع اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”کتاب الخراج“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”پانی جب برتنوں میں محفوظ ہو تو اسکی بیج میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں؛ کیونکہ یہ ماء حرز ہے..... لیکن اگر کسی کنویں یا چشمہ میں بڑھتا گھٹتا رہتا ہو تو اس کے بیچنے میں کوئی خوبی نہیں، اور اگر بیج دے تو جائز نہیں۔“

فرماتے ہیں کہ ہم سے علاء بن کثیر نے مکحول کے واسطے سے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھاس، پانی اور آگ کو دینے سے نہ روکو، اس لئے کہ وہ جنگل والوں کے لئے برتنے کا سامان اور کمزوروں کے لئے تقویت ہے۔“

جنگل والوں اور مسافروں نیز معمولی اور کمزور لوگوں کو ان چیزوں سے بہت کام پڑتا ہے، اور یوں تو سبھی کا کام چلتا ہے۔

فلٹر کئے ہوئے پیشاب کا حکم:

پیشاب فلٹر کرنے کے باوجود ناپاک ہی رہے گا۔

پیشاب کے تمام اجزاء معفنہ و ضار یہ کو ایک مشین سے کشید کر کے ختم کرنے کے بعد اگر مثل پانی کر دیا جائے تو اس کا حکم کیا ہے؟ اور کیا یہ قلب ماہیت ہے؟ اس استفتاء کے جواب میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی صاحب مرحوم بڑی تحقیق و تدقیق اور انتہائی صراحت و وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

”اس کشید کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ پیشاب کے اندر سے اس کے متعفن اور مضرت رساں اجزاء کو نکال دیا گیا اور باقی جو اجزاء بچے وہ اسی پیشاب کے اجزاء ہیں، اور پیشاب کم جمع اجزاء نجس العین اور نجس نجاست غلیظہ ہے، اس لئے یہ باقی ماندہ اجزاء بھی نجس العین اور نجس نجاست غلیظہ ہی رہیں گے، اس میں تھلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی، اس کو قلب ماہیت نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ تجز یہ و تجز جہ ہوانہ کہ قلب ماہیت۔ قلب ماہیت تو یہ ہے کہ سابق حقیقت

معدوم ہو کر نئی حقیقت و نئی ماہیت بن جائے نہ پہلی حقیقت و ماہیت باقی رہے نہ اس کا نام باقی رہے، نہ اس کی صورت و کیفیت باقی رہے، نہ اس کے خواص و آثار و امتیازات باقی رہیں، بلکہ سب چیزیں نئی ہو جائیں، نام بھی دوسرا، صورت بھی دوسری، آثار و خواص بھی دوسرے، اثرات و علامات اور امتیازات بھی دوسرے پیدا ہو جائیں جیسے شراب سے سرکہ بنا لیا جائے (منتخبات نظام الفتاویٰ ۲۶/۱)۔

اسی کے مثل یہ سوال کہ اگر پیٹاب پکا کر اس کی شوریت کو نکال کر نمک بنا دیا جائے تو شرعی نقطہ نظر سے اس نمک کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ کے جواب میں حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”پیٹاب شوریت وغیر شوریت: مجموع اجزاء نجس بعینہ اور غیر مباح الشرب و لا کل ہوتا ہے اس لئے شوریت نکال دینے کے بعد بھی بقیہ اجزاء ناپاک و نجس ہی رہیں گے اور ان کا استعمال ناجائز ہی رہے گا، ہاں اگر پیٹاب نمک کی کان میں پر کر نمک بن جائے اور غیر متمیز ہو جائے تو ”اخلط استہلاک“ کے مطابق اس پر پیٹاب کا حکم باقی نہ رہے گا“ (ایضاً ۲۵)۔

محترم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

”ایک چیز ہے کسی شئی کی ماہیت اور حقیقت کو تبدیل کر دینا اور دوسری اس کا تجزیہ کر گزرا (Decompose)، اگر کسی چیز کی حقیقت ہی یکسر بدل دی جائے تو اس کے احکام بھی بدل جائیں گے، اور اگر محض اس کے اجزاء کسی طرح الگ کر لئے جائیں تو اس کی وجہ سے اس کے احکام نہیں بدلیں گے، مثلاً پاخانہ جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو اب وہ راکھ ناپاک شمار نہ ہوگی، شراب میں نمک ڈل کر سرکہ بنا دیا جائے تو اسکی حرمت اور ناپاکی ختم ہو جائے گی لیکن اگر کسی طرح سائنٹفک طریقہ پر اس کے بعض اجزاء نکال لئے جائیں جس سے بو ختم ہو جائے تو اس کے باوجود وہ ناپاک رہے گا۔

پیشاب فلٹر (Filter) کرنے کی وجہ سے غالباً اپنی حقیقت نہیں کھوتا بلکہ محض اس کے بدبودار اجزاء نکال لئے جاتے ہیں اس لئے وہ ناپاک ہی رہیں گے، ان کا پینا یا وضو و غسل وغیرہ کے لئے ان کا استعمال جائز نہ ہوگا اور وہ جسم کے جس حصے کو لگ جائے گا اسے ناپاک سمجھا جائے گا“ (جدید فقہی مسائل ۱۰۸/۱)۔

تالیوں کے فلٹر شدہ پانی کا حکم:

تالیوں میں بننے والے پانی کو فلٹر کرنے کے بعد اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلہ میں اجماع الفقہی مکہ مکرمہ کے گیارہویں سمینار کا پانچواں فیصلہ نقل کیا جاتا ہے:

اجماع کے اس اجلاس میں اس سوال پر غور کیا گیا کہ جاری پانی کی صفائی کر دی جائے تو اس سے وضو اور غسل کیا جاسکتا ہے اور نجاست کا ازالہ اس پانی سے ہو جاتا ہے یا نہیں؟

کیمیائی طریقہ پر پانی کی صفائی کے ماہرین سے رجوع کیا گیا، انہوں نے واضح کیا کہ اس صفائی میں پانی سے نجاست کو چار مرحلوں میں دور کیا جاتا ہے، پہلا مرحلہ ترسیب ہے یعنی پانی کو اس طرح جمع کرنا کہ اس کی کدورتیں نیچے بیٹھ جائیں، دوسرا مرحلہ اوپر کے پانی کو چھان کر الگ کر لینا، تیسرا مرحلہ بیکٹریا کو مار دینا، اور چوتھا مرحلہ کلورین کے ذریعہ بیکٹریا کو دوبارہ پیدا ہونے سے روک دینا، ان مرحلوں کے بعد پانی کا مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے، یہ ماہرین مسلمان، عادل اور صدق و امانت میں قائل اعتماد ہیں۔

لہذا اجماع الفقہی طے کرتا ہے کہ جاری پانی کو اگر مذکورہ بالا یا اسی جیسے عمل کے ذریعہ صاف کر دیا جائے اور اس کے مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جائے گا اور اس پانی سے رفع حدث (پاکی کا حکم) اور نجاست کا ازالہ اس فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہو جائے گا کہ زیادہ پانی جس میں نجاست گر گئی ہو اگر نجاست کا ازالہ اس طرح ہو جائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جاتا ہے (فقہی فیصلے - مکہ مکرمہ ۲۲۶)۔

اس فیصلے پر علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (صدر فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ) اور ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (نائب صدر) کے علاوہ اہم حضرات علماء کرام جیسے ڈاکٹر یوسف القرضاوی، شیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء، شیخ محمد بن عبداللہ بن السبیل (امام حرم) اور دیگر اہم ممبران مجلس کے دستخط ہیں۔

نالہ کے صاف کئے گئے پانی کا مباح اور شرعی استعمال:

نالہ کے صاف کئے گئے پانی کا مباح اور اس کے شرعی استعمال کے سلسلہ میں اجماع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کے ایک رکن شیخ بکر ابوزید یوں فرماتے ہیں:

”نالہ در اصل اس غرض سے تیار کئے جاتے ہیں کہ لوگوں کے لئے دینی اور جسمانی اعتبار سے ضرر رساں چیزیں وہاں ڈال دی جائیں تاکہ پاکی حاصل رہے اور ماحول آلودگی سے محفوظ رہے۔“

اب ایسے جدید وسائل پیدا ہو گئے ہیں جن کے ذریعہ نالوں کے گندے پانی کو صاف و شیریں پانی میں تبدیل کر کے مختلف شرعی اور مباح استعمال کے قابل بنا دیا جاتا ہے، جیسے اس پانی سے پاکی حاصل کرنا، اس کو پینا، اسی سے سینچائی کرنا۔

اس ترقی کے پیش نظر جب نالے کے پانی کی ان علتوں اور اوصاف کی تحقیق کی جائے جن کی وجہ سے اس پانی کے استعمال کی ہر صورت یا بعض صورتیں ممنوع تھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نالے کے پانی میں درج ذیل علتیں ہوتی ہیں:

اول: مزہ، رنگ اور بو والی نجس فضلات۔

دوم: متعدی امراض کے فضلات اور دواؤں و جراثیم کی کثافت۔

سوم: گندگی اور خباثت جو نالے کے پانی میں اپنی اصل کے اعتبار سے ہوتی ہے اور

اس میں پیدا ہوجانے والے کیڑے اور حشرات کیوجہ سے ہوتی ہے جو طبعاً اور شرعاً گندے ہوتے ہیں، ایسے پانی کی صفائی کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان علل اور اسباب کا ازالہ کس حد تک ہوجاتا ہے۔

اس لئے کہ اس پانی کا نجاست سے اس طرح تبدیل ہوجانا کہ اس کا رنگ، مزہ اور بو بدل جائے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں تمام علتنیں اور نقصان دہ جرثیم بھی ختم ہوجاتے ہیں۔

زراعتی محکمے برابر یہ آگاہی دیتے رہتے ہیں کہ صاف کئے گئے پانی سے ان کھیتوں کو سیراب نہ کیا جائے جن کی سبزیاں بغیر پکائے کھائی جاتی ہیں، تو ایسے پانی کو براہ راست پینا کیسا ہوسکتا ہے، جسم کی محافظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے، اس لئے کسی بیمار کو صحت مند کے ساتھ نہیں رکھا جاتا، اور جس طرح دین کی اصلاح کے لئے ضرر رساں چیزوں کی ممانعت ہے، جسم کی اصلاح کے لئے بھی مضر چیزوں کی ممانعت واجب ہے۔

اور اگر یہ علتنیں زائل بھی ہوجائیں تو اپنی اصل کے اعتبار سے اس کی خباث اور گندگی کی علت باقی رہتی ہے؛ کیونکہ یہ پانی پیشاب اور پاخانہ سے کشید کیا جاتا ہے تاکہ اسے شریعت اور عادات میں برابر طور پر استعمال کیا جائے۔

یہ معلوم ہے کہ ثنائی مذہب میں اور حنابلہ کے معتمد مذہب میں استحالہ کی وجہ سے یہ طہارت کی طرح منتقل نہیں ہوتی، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں جلالہ (نجاست کھانے والے) جانور پر سواری کرنے اور اس کا دودھ دینے سے منع کیا گیا ہے، یہ حدیث اصحاب سنن وغیرہ نے روایت کی ہے، نیز دیگر علتنیں بھی ان فقہاء کے پیش نظر ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ نجاست سے طہارت میں تبدیل ہوتے ہوئے مسئلہ پر علماء متقدمین میں جو اختلاف جاری ہے اس کا تعلق چند خاص چیزوں سے ہے اور بالیقین انہوں نے

تبدیل کے حکم کو ان موجودہ مالوں پر منطبق نہیں کیا ہے جس میں نجاستیں، گندگیاں، ڈپنٹری اور ہاسپٹل کے گندے کوڑوں کا ڈھیر ہوتا ہے، اور آج کے مسلمان ابھی خطرہ کی حالت کو نہیں پہنچے ہیں کہ پاخانہ کو صاف کر کے اسے طہارت حاصل کرنے اور اس کو پینے کے لئے دیا جائے، کافر ملکوں میں اس کو دولت سمجھنے کا تصور ہمارے لئے قابل اعتما نہیں کہ ان کے طبائع کفر کی وجہ سے فاسد ہو چکے ہیں، ہمارے یہاں یہ متبادل موجود ہے کہ سمندر کے پانی کو صاف کیا جائے اور اخراجات کے ایک بڑے حصہ کو اس طرح پورا کیا جائے کہ پانی کے استعمال کی قیمت اتنی بڑھا دی جائے جس میں ضرر نہ ہوتا کہ پانی کے بے جا خرچ کی ممانعت کا قاعدہ شرعی جاری کیا جائے۔“ (فقہی فیصلے مکہ مکرمہ ۲۰۰۷ء)۔

ماہیہ راقم الحروف بھی اس خیال سے مکمل اتفاق کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ نعمتیں انسان کو بڑی مقدار میں دی ہیں جن کی اسے ہر وقت ضرورت پڑتی ہے، البتہ اگر کسی علاقے اور جگہ میں گندے مالوں کا متبادل نہ ہو اور مسلمان خطرہ کی حالت کو پہنچ جائیں تو پھر جواز کی صورت میں کوئی کام نہ ہوگا۔

انقلاب ماہیت اور فقہ اکیڈمی ہند کا فیصلہ:

پچھلے صفحات میں انقلاب ماہیت کا بار بار تذکرہ آیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تعلق سے منعقد ہونے والے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے سمینار کی دو تجویزیں ذیل میں درج کر دی جائیں:

۱- وہ چیزیں جن کو اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور ان کی حرمت اور نجاست کا تعلق ان کی ذات سے ہے، اگر اس شے کی حقیقت اور ماہیت کسی انسانی عمل یا کیمیاوی وغیرہ کیمیاوی طریقہ یا فطری اور ماحولیاتی عوامل و محرکات کی وجہ سے تبدیل ہو جائے تو اس کا سابق حکم

باقی نہ رہے گا بلکہ اس کا نیا حکم ہو جائے گا، اس سلسلہ میں نجس العین اور غیر نجس العین میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

۲- تبدیل ماہیت سے مراد یہ ہے کہ شئی کے وہ مخصوص اوصاف جن کا تعلق اس کی ذات سے ہے، تبدیل ہو جائیں، اور اس کے غیر مؤثر اوصاف جن کا اس کی حقیقت میں کوئی دخل نہیں، باقی رہ جائے تو یہ تبدیل ماہیت میں رکاوٹ نہیں ہوگی (قرارات و توضیحات مجمع الفقہ الاسلامی بالہند للبروات ۱-۱۳)۔

نشیبی علاقوں میں آبادی اور اس کی پلاننگ کا حکم:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نشیبی علاقوں میں آبادی یا ان کی پلاننگ کر کے ان کو فروخت کرنے اور وہاں آبادیاں بسانے سے پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے اور اس سے بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی بھی متاثر ہوتی ہے، اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے۔ لہذا اجتماعی مصلحت اور ضرر عام سے حفاظت کے نقطہ نظر سے اس کی اجازت نہ ہوگی، اگر حکومت کی طرف سے ممانعت ہو تو حکم ظاہر ہے، اور اگر ممانعت نہ ہو اور صریح اجازت بھی نہ ہو تو آبادی بسانے یا پلاننگ کرنے کی اجازت اسی وقت ہوگی جب پانی کی نکاسی کا انتظام اور ذخیرہ اندوزی کا متبادل موجود ہو۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”فأما إذا نصب الماء عن جزيرة في دجلة فليس لأحد أن يحدث فيها شيئاً لا بناءً ولا زرعاً، لأن مثل هذه الجزيرة إذا حُصنت وزرعت كان ذلك ضرراً على أهل المنازل والمور.“

وقال: ولا يسع الإمام أن يقطع شيئاً من هذا، ولا يحدث فيه حدثاً“
(کتاب الخراج لابن یوسف، ۹۹)۔

(اگر دجلہ نہر میں کسی جزیرہ کا پانی خشک ہو جائے..... تو کسی کو اس میں کسی نئی چیز کے بنانے کا اختیار نہیں، نہ عمارت اور نہ کاشت، کیونکہ اس طرح کا جزیرہ جب محفوظ کر دیا جائے گا کاشتکاری کر دی جائے گی تو گھر والوں اور آبادیوں کو ضرر پہنچے گا۔
اور فرمایا: امام وقت کے لئے اس میں سے کوئی نکلنا دینے اور اس میں کوئی نئی آبادی بسانے کی گنجائش نہیں ہے۔)

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شرعی احکام:

پانی چونکہ انسانی زندگی کی بنیادی اور اہم ضرورت ہے بلکہ ہر شئی کی بقا اسی سے قائم ہے، اور اللہ کی انمول نعمت ہے، اس لئے اسلامی شریعت میں پانی کو آلودگی سے بچانے کی بہت تاکید کی گئی ہے اور وہ تمام صورتیں جن سے پانی براہ راست آلودہ ہو یا وہ آلودگی کا ذریعہ بنیں ممنوع قرار دی گئی ہیں اور عام طور پر اس تعلق سے دیئے گئے احکام و جوہ کی نوعیت کے ہیں؛ جب کہ ان میں بعض اخلاقی بھی ہیں، بطور مثال چند احادیث پیش کی جاتی ہیں کیونکہ سب کا احاطہ مشکل ہے:

عن ابی ہریرۃؓ أن رسول اللہ ﷺ قال: إذا استيقظ أحدكم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الإناء حتی یغسلہا ثلاثا، فإنہ لا یدری أين باتت یدہ (متفق علیہ)۔
(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں نہ ڈالے جب تک کہ تین بار دھو نہ لے؛ اس لئے کہ اسے معلوم نہیں سوتے میں اس کا ہاتھ کہاں گیا)۔

اس حدیث میں دیئے گئے حکم کی نوعیت و جوہ کی ہو سکتی ہے جبکہ قرینہ اور ظن غالب یا تجربہ سے ہاتھ کا ان مقامات پر جانا ثابت ہو جائے جن سے آلودگی ہوتی ہے یا طویل نیند کے

بعد بیدار ہوا ہو، اور اگر چند منٹ یا تھوڑی دیر کے لئے بطور قیلولہ وغیرہ کے سویا جس میں ظن غالب آلودگی کا نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ حکم اخلاقی ہوگا۔

پھر اس حدیث کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ اگر آلودگی ہو بھی تو ایک مرتبہ دھو لینے سے زائل ہو جائے گی، ایک سے زائد تین مرتبہ دھونے کا حکم اخلاقی معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی یہ حدیث: ”لایبولن أحدکم فی الماء الدائم ثم یغتسل منه“ (تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیٹا ب نہ کرے پھر اس سے غسل کرے)، بعض روایت میں ”ولا یغتسل فیہ من الجنابة“ ہے۔ اس حدیث کی شرح میں مؤلف عون المعبود لکھتے ہیں:

”فیہ صراحة فی المنع من کل واحد من البول والاغتسال فیہ علی انفرادہ“ (اس حدیث میں صراحت کے ساتھ پانی میں پیٹا ب اور اس میں غسل کرنے سے علاحدہ علاحدہ ممانعت ہے)۔

اس حدیث کی بعض روایتوں کے الفاظ میں ”تم یتوضاً منه“ ہے، صاحب تحفۃ الاحوذی اس حدیث کی شرح میں حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”نقل عن مالک أنه حمل النهی علی التنزیہ فیما لا یتغیر، وهو قول الباقین فی الكثير، وقال القرطبی یمکن حملہ علی التحریم مطلقاً علی قاعدة سد الذریعة لأنه یفضی الی تحلیل الماء انتھی“۔

(امام مالک سے منقول ہے کہ انہوں نے حدیث میں واروئی کو نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے جب کہ پانی میں تغیر نہ آئے، بقیہ دیگر حضرات کا بھی یہی قول ماء کثیر کے سلسلہ میں بھی ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں: اس حدیث کے حکم کو مطلقاً تحریم پر محمول کرنا سد ذریعہ کے قاعدہ پر ممکن ہے: اس لئے کہ یہ پانی کی نجیس اور اس کو ناپا کی تک پہنچانے والا عمل ہے)۔

اس تشریح سے یہ مسئلہ بالکل صاف اور غبار ہو جاتا ہے کہ پانی کی آلودگی سے متعلق احکام محض اخلاقی نہیں ہیں بلکہ وجوبی ہیں، کیونکہ اگر ماء کثیر کی صورت میں پیشاب کرنا یا کوئی بھی عمل پانی کو آلودہ کرنے والا اختیار کرنا اگرچہ براہ راست آلودگی نہیں ہے لیکن پھر بھی سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ہے؛ اس لئے کہ مفضی الی التنجیس ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز فی الموارد، وقارعة الطريق والظل“ (تین لعنت کے اسباب یعنی پانی کے راستہ یا گھاٹ، چالوراستہ اور سایہ میں پاخانہ کرنے سے بچو)۔ اس حدیث کا تاثر غور پہلو یہ ہے کہ پانی کے گھاٹ یا راستہ اور نالی میں پاخانہ کرنے سے ممانعت کی وجہ یہی ہے کہ وہ پانی کی ناپاکی کا ذریعہ ہے۔

خود قرآن کریم کی آیت: ”وأنزلنا من السماء ماءً طهوراً“ میں پانی کی صفت طہور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پانی کا نزول اور اس کی تخلیق وصف طہور کے ساتھ کی ہے، اور طہور کہتے ہیں جو خود ظاہر اور دوسرے کے لئے مطہر ہو، تو پانی کو اس صفت پر باقی رکھنا مطلوب ہے، اور ہر وہ چیز ممنوع ہے جو اسے اس وصف سے جدا کر دے یا کلی اور جزوی طور پر متاثر کر دے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

”ایسے مقامات پر بھی قضاء حاجت نہیں کرنی چاہئے جس سے دوسروں کو دقت ہو اور لوگ برا بھلا کہنے پر مجبور ہوں، رہ گزر پر کہ چلنے والوں کو پریشانی ہوگی، سایہ دار جگہ میں کہ مسافرین ٹھہر سکیں، تالاب، چشمے، حوض اور پانی کی جگہ (موارد) پر کہ یہ بھی عامۃ الناس کے لئے تکلیف کا باعث ہے، اسی طرح لوگوں کے بیٹھنے اور بیٹھ کر گفتگو وغیرہ کرنے کے مقامات پر بھی قضاء حاجت مکروہ ہے“ (حلال و حرام، ۸۶-۹۶)۔

حکومت کے واجبات اور اس کے ساتھ ہمارا تعاون:

ہمارا دین اور مذہب خیر اور تقویٰ کے کام میں تعاون، ذمہ داروں کی ہر جائز کام میں اطاعت اور ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی اور نصیحت اور باہمی خیر سگالی کا جذبہ رکھنے کی نہ صرف تعلیم دیتا ہے بلکہ اس پر زور دیتا اور تاکید کرتا ہے، زمین، زندگی اور سماج کے نظام کو درست کرنے اور اسے بگاڑ اور فساد سے بچانے، نیز اجتماعی مصلحت اور مفاد عامہ کو شخصی اور ذاتی منفعت پر ترجیح دینے اور ضرر عام کا دفاع کرنے کی نہ صرف تلقین کرتا ہے بلکہ اس پر ابھارتا اور اس کی ترغیب دیتا ہے، ارشاد باری ہے: ”تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان“ (خیر اور پرہیزگاری کے کاموں پر باہم ایک دوسرے کا تعاون کرو گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو)، فرمان الہی ہے: ”أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم“ (اللہ، رسول اور اپنے ذمہ داران کی اطاعت کرو)، یہ ذمہ داران خواہ کیسے بھی ہوں حق اور جائز کام میں نظام باقی رکھنے کے لئے ان کی بات سننا اور ماننا چاہئے، حدیث میں ہے: ”علیکم السمع والطاعة ولو تأمر علیکم عبد حبشی“ (تم پر بات سننا اور ماننا لازم ہے اگرچہ کسی کالے کلوٹے غلام کو تمہارا امیر بنا دیا جائے)، بعض روایات میں ہے کہ اگرچہ وہ ذمہ دار ناک کٹا ہوا اور اس کی دونوں آنکھیں کشمش کی طرح چھوٹی چھوٹی ہوں یعنی بد شکل اور بد صورت ہو۔

لیکن اگر امیر اور ذمہ دار کسی ایسے کام کا حکم دیتا ہے جس کی تعمیل میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو ہرگز وہ کام نہ کیا جائے گا اور نہ اس کی بات مانی اور سنی جائے گی، حدیث میں یہ مسئلہ بالکل واضح کر دیا گیا ہے: ”لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“ (کسی مخلوق کی اطاعت، خالق کی نافرمانی کے ساتھ نہیں کی جائے گی)۔ حدیث میں ”الدین النصیحة“ (دین ہر اچھے خیر خواہی ہے) آیا ہے، اس کے عموم پر نظر کرتے ہوئے اس خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ہر شخص یا

جماعت یا حکومت کے ساتھ ہمارا یہ خیر خواہانہ معاملہ ہو، بلکہ اسی حدیث میں ہے کہ جب صحابہؓ نے دریافت کیا خیر خواہی کن کن لوگوں کے ساتھ ہو تو آپ نے جملہ ان کے ”وَلَا نَمَّةَ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَتِهِمْ“ فرمایا کہ مسلمانوں کے امور کے ذمہ داران، حکمراں حضرات اور عوام الناس کے ساتھ خیر خواہی ہوگی، اور حکمراں کی خیر خواہی معاونت علی الحق ہے۔ لہذا حکومت اپنی رعایا اور عوام کو ہر طرح کی سہولت فراہم کرنے، اجتماعی مصلحت کا خیال رکھنے، اور ضرر عام پر پابندی عائد کرنے کی ذمہ دار ہے، ہر شہری اور ملک کے ہر باشندے کو زندگی گزارنے کی بنیادی ضروریات مہیا کرنا، ان کی نگرانی اور دیکھ ریکھ حکومت کی اولین ترجیح ہونی چاہئے، ہر صاحب حق کو اس کا حق دلانا، ظلم و جور کا خاتمہ کرنا، امن عامہ برقرار رکھنا، نظام میں اصلاح و درستگی پیدا کرنا، اور نظم و ضبط کے ساتھ ہر چیز کو قائم رکھنا، اس کے فرائض و واجبات میں شامل ہے۔

اسی طرح حکومت کے قوانین اور ملک کے آئین کا بشرطیکہ اسلام اور شریعت کے احکام سے متصادم و متعارض نہ ہوں، پالنا کرنا کہ نظام حیات ٹھیک سے چل سکے ہر باشندہ پر لازم ہے۔

خلاصہ بحث:

پانی اللہ کی ایک عظیم نعمت اور انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے، یہ پانی جہاں پیاس بجھانے اور تشنگی دور کرنے کا کام کرتا ہے اور اس سے انسان کی دیگر ضروریات پوری ہوتی ہیں، وہیں ظاہری اور حکمی نجاست دور کرنے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا اس انمول نعمت کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ قرآن میں ”ماء“ کا لفظ پانی کے معنی میں ۵۸ جگہ آیا ہے جبکہ یہ لفظ منیٰ کے معنی میں ۴ آیات میں استعمال ہوا ہے، اس لئے اس نعمت کی قدر دانی، حفاظت اور شکرگزاری ہر ایک پر لازم ہے، بطور امتنان اللہ فرماتا ہے:

”أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ، أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ

المنزلون، لو نشاء لجعلناہ اجاجا فلو لا تشکرون“ (الواقعة: ۶۸-۷۰)۔
 (کیا تم پینے والے پانی کو نہیں دیکھتے، کیا تم نے اسے بادلوں سے اتارا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اسے کھارا بنا دیں تو تم شکرگزار کیوں نہیں کرتے)۔
 ایک جگہ پانی کا اہم مقصد تطہیر کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وأنزلنا من السماء ماءً طهوراً“ (الفرقان: ۴۸) (ہم نے آسمان سے طاہر و مطہر پانی اتارا)۔
 سورہ انفال میں فرمایا:

”وینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ“ (انفال: ۱۱)۔

(وہ تم پر آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تاکہ تم کو اس کے ذریعہ پاک کرے)۔
 پانی کی اہمیت اور اس کی برتری سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، قرآن میں ”ماء طہوراً“، ”ماء مبارکاً“ اور ”ماء فراتاً“ کے وارد ہونے والے الفاظ اس کی مختلف حیثیتوں کی طرف توجہ مبذول کراتے اور دعوت غور و فکر دیتے ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے ”آبی وسائل اور ان کا شرعی حل“ جیسے اہم موضوع پر غور و فکر اور صحیح نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے جو سوانامہ تیار کیا ہے، اس کا جواب خلاصہ بحث کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

۱- پانی اپنی خلقت کے اعتبار سے مباح الاصل ہے، قدرت نے اس کی فطرت میں تطہیر کا مادہ رکھا ہے، پیاس بجھانا، کھیتوں اور باغات کو سیراب کرنا اس کے مقاصد میں شامل ہے، لہذا شریعت نے پانی کے استعمال کے متعلق عمومی احکام یہ دیئے ہیں کہ استعمال میں فضول خرچی یا بے جا خرچ سے پرہیز کیا جائے، اور استعمال کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے براہ راست یا بالواسطہ اس کی آلودگی نہ ہوتی ہو، اپنی ملکیت اور تحویل میں لینے اور برتن وغیرہ میں محفوظ کرنے کے بعد اسے جس طرح چاہے استعمال کرے فرسخت بھی کیا جاسکتا ہے۔

۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق ان تمام صورتوں پر ہوگا جن میں حد سے تجاوز اور قدر ضرورت سے زیادتی پائی جائے، اور فضول خرچی صحیح ترین قول کے مطابق مکروہ ہے، جبکہ ایک دوسرے قول حرام کا بھی ہے۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں وہ تمام صورتیں ممنوع قرار دی گئی ہیں، جن سے براہ راست پانی ناپاک اور آلودہ ہوتا ہے، یا وہ اس کی آلودگی کا سبب اور ذریعہ ہیں، عموماً یہ احکام وجوب کے درجہ میں ہیں، جبکہ بعض حالات میں وہ محض اخلاقی نوعیت کے حامل ہیں۔

۴- موجودہ دور میں کیمیاوی عمل کے ذریعہ پانی کی بدبو اور آلودگی دور کر کے آبی ذخیرہ کو جو صاف کیا جاتا ہے، اور اسے قابل استعمال بنایا جاتا ہے، تو پانی اسی صورت میں اس کیمیاوی عمل کے ذریعہ پاک ہوگا اور اس کا استعمال درست ہوگا، جبکہ پانی کے اجزاء ناپاک اجزاء پر غالب ہوں، اور کسی جگہ کے حالات ایسے ہوں کہ وہاں پانی کی اس قسم کے علاوہ اس کا متبادل فراہم نہ ہو۔

اگر پانی میں آلائشوں اور گندگیوں کا حصہ غالب ہو، یا حالت اضطراری نہ ہو یا متبادل موجود ہو تو پھر پانی راقم الحروف کے نزدیک کیمیاوی عمل سے بھی پاک نہ ہوگا، اور استعمال بھی اس کا درست نہ ہوگا، کیونکہ جب پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اور ہر شے کی زندگی اس سے قائم و باقی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں اسے پیدا فرمایا ہے، اور مختلف شکلوں میں اس کا ذخیرہ کر دیا ہے، چنانچہ دنیا کا ایک تہائی حصہ پانی ہی ہے۔

واضح رہے کہ پیٹاب فلٹرز کرنے اور کسی بھی کیمیاوی عمل سے پاک نہیں ہوگا، انقلاب ماہیت نہیں پایا جاتا۔

۵- اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بہت سے مقامات اور جگہوں پر پانی کی بڑی قلت ہے، اسی قلت کے پیش نظر حکومتیں بعض استعمالات پر پابندی عائد کرتی ہیں، تاکہ مفاد عامہ متاثر نہ ہو

اور عوام الناس کو ضرر لاحق ہونے سے بچایا جاسکے، اگر ایسا نہ ہو تو ضرر عام کا قوی اندیشہ ہے، اس لئے ایسی صورتوں میں حکومت ان ریاستوں اور مقامات پر پانی کے بعض استعمالات پر پابندی عائد کرنے کی مجاز ہے، اور اس کا حکم شرعاً واجباً تسلیم اور لائق عمل ہوگا۔

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں پایا جانے والا پانی عموماً اس کی ملکیت ہوتا ہے، لہذا یہ کہ کسی جگہ عرف عام یا ملک کے آئین یا بعض استثنائی مقامات پر اسے حکومت کی ملک سمجھا جاتا ہو، اگر مملوکہ زمین میں حکومت بورنگ کرانے سے منع کرے تو اسلامی نقطہ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش اسی صورت میں ہے جبکہ اس کا متبادل فراہم کرے، تاکہ اس شخص کی ضرورت پوری ہو سکے، اگر متبادل فراہم کرنے کے بعد ضرر عام سے تحفظ اور اجتماعی مصلحت کے حصول کے لئے حکومت بورنگ کرانے پر پابندی عائد کرے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

۷- پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت کے علاوہ شہریوں پر بھی ہے، ہر شہری کو اس سلسلہ میں حکومت کا تعاون کرنا چاہئے، لہذا اگر حکومت لوگوں پر حفاظت آب کے مقصد سے اپنے مکاناتوں کے ایک حصہ کو پانی کے لئے مختص کرنے کو لازم قرار دے تو ایسا حکم دینے کا اسے حق ہے، اور شرعاً اس کی تعمیل واجب ہوگی، پانی کی ذخیرہ اندوزی جہاں ایک طرف حکومت کی ذمہ داری ہے، وہیں دوسری طرف افراد کو بھی مکلف بنایا جاسکتا ہے؛ کیونکہ نظام حکومت بغیر افراد اور عوام کے تعاون کے نہیں چل سکتا ہے۔

۸- اجتماعی مصلحت کے پیش نظر متبادل زمین فراہم کر کے ڈیم تعمیر کرنے یا بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے وہاں سے آبادیوں کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔

۹- تباہ کن سیلاب میں بستی کے غرق ہونے کا اندیشہ سے باندھ کاٹ کر پانی آگے بڑھا دینا اس وقت جائز ہے جبکہ ضرر عام نہ پایا جائے، یا پانی کے رخ پر آبادی نشیب میں نہ ہو، اگر اگلی آبادی کم ہو اور جہاں باندھ کاٹا جا رہا ہے وہاں کی آبادی اس کی نسبت زیادہ ہو تو ضرر عام

سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو کوارہ کر لیا جائے گا۔

یا آبادی ایسے نشیبی علاقے میں ہو جہاں عام طور پر بارش کے ایام میں تباہی اور غرقابی کا اندیشہ رہتا ہے، تو ایسی صورت میں باندھ کانا جا سکتا ہے، کیونکہ ایسی نشیبی جگہوں میں آبادی اختیار کرنا درست نہیں ہے۔ ”لا تعلقوا بأیدیکم إلی التہلکة“۔

۱۰۔ جب پانی کسی ایک شخص کی ملکیت ہو تو اسے حق حاصل ہے کہ جس طرح اور جس قدر چاہے فضول خرچی سے بچتے ہوئے استفادہ کرے، لیکن اگر پانی مشترک ہے، جیسے دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب وغیرہ تو اس سے استفادہ عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کے ذریعہ ہوگا، خواہ یہ تقسیم زمانی باری کے ذریعہ ہو، اس طور پر کہ ایک شخص ایک متعین زمانہ میں پانی کا مالک ہو، یا یہ تقسیم کھیتوں، فصلوں اور نالیوں کی طرف جانے والے پانی کے مالوں کے ذریعہ مناسب طریقہ پر ہو، اور اس میں پانی سے استفادہ کرنے والے کی زمین کی مساحت کا لحاظ رکھا گیا ہو، یا عدل پر مبنی اور عرف عام میں رائج کوئی ایسا طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے جو قابل قبول ہو اور تنازع کا سبب نہ بنے۔

۱۱۔ اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں سے گذرتی ہو تو مختلف لوگوں کو اپنے کھیت اور زمین کی مساحت کے لحاظ سے استفادہ کا حق ہوگا، اور نہر کے بالائی حصہ سے اس کی شروعات ہوگی، جب وہ استفادہ کر لے گا تو اپنے مابعد والے کے لئے پانی چھوڑ دے گا، اس طرح آخر تک سلسلہ جاری رہے گا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ بیک وقت سب کو ضرورت پڑ جائے، لیکن اگر علاقوں کے لحاظ سے پانی تقسیم ہو یا کسی جگہ کا عرف یہ ہو کہ نیچے کے حصہ سے شروعات کرتے ہوئے بالائی حصہ کے کھیتوں تک پانی لایا جاتا ہے تو عرف عام کے مطابق عمل ہوگا، تقسیم میں عدل و انصاف ضروری ہے، خواہ زمانی اعتبار سے تقسیم ہو یا کھیتوں کی مساحت کے اعتبار سے۔

۱۲۔ جب پانی کا کنواں یا نہر یا ٹیوب ویل اور پینڈ پمپ وغیرہ اپنی مملوک زمین میں ہو

یا وہ پانی اصلاً مباح ہو لیکن اپنے برتن، گھڑے وغیرہ میں محفوظ کر لیا جائے تو اس پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے، جب ملکیت حاصل ہوگئی تو پھر جس طرح چاہے استفادہ کرے۔

۱۳- مملوکہ پانی کی تجارت جائز ہے اور پانی کی خرید و فروخت کو ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے، اس کا رواج ہر دور میں رہا ہے، آج کل اس نے نفع بخش تجارتی شکل اختیار کر لی ہے۔

۱۴- نشیبی علاقوں میں پلاننگ کر کے ان میں آبادیاں بسانا (جبکہ اس سے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہوتی ہو، اور سطح آب نیچے چلی جاتی ہو، اور پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہو، اور اس کا کوئی متبادل نظم بھی نہ ہو) جائز نہیں ہے، حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت اور عدم ممانعت کا حکم یکساں ہے، البتہ ممانعت کی صورت میں شناخت اور بڑھ جاتی ہے۔

۱۵- آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے خصوصاً اس وقت جبکہ عوام تک پینے اور دیگر استعمال کے لئے پانی پہنچانا، حکومت کے پروگرام میں شامل ہو، ایسی صورت میں حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا اور اجرت متعین کرنا درست ہے، اس لئے کہ پانی اس کی ملکیت میں ہے، اور اس کام کے نظام کو چلانے کے لئے مختلف افراد کی ضرورت ہے، اور ان کے لئے اخراجات درکار ہیں، لیکن اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل نہ ہوگا، بلکہ اس کے بجائے کوئی دوسری سزا یا مناسب تنبیہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

۱۶- استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کے لئے ڈریج کا نظام بنانا اور معقول نظم کرنا تاکہ پوری آبادی کی صحت محفوظ رہے اور نظام زندگی بہتر طریقہ پر چلے، حکومت کی ذمہ داری اور شہریوں کا حق ہے، ہذا عندی واللہ اعلم بالصواب۔

مصادر و ماخذ

- (۱) قرآن کریم
 - (۲) المعجم المہرس لالفاظ القرآن الکریم
 - (۳) احکام القرآن لابن العربی تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء
 - (۴) احکام القرآن للطبری۔ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء
 - (۵) روح المعانی للآلوسی۔ ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء
 - (۶) التفسیر المیر للذکور و مہرہ زحیلی، دار الفکر المعاصر، بیروت۔ ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء
 - (۷) معارف القرآن۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی
 - (۸) تفسیر ماجدی۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی
- حدیث نبوی
- (۹) عون المعبود شرح ابوداؤد، شیخ شمس الحق محمد اشرف الصدیقی العظیم آبادی، فیصل بکڈ پو، دیوبند۔ ۲۰۰۸ء
 - (۱۰) تحفۃ لاؤ حوذی للمبارکفوری
 - (۱۱) بذل الجہود
 - (۱۲) تہذیب لاؤ خلاق للعلامۃ عبدالحی الحسنی
 - (۱۳) ریاض الصالحین للإمام ابنووی
 - (۱۴) و دیگر کتب احادیث

فقہ و فتاویٰ

- (۱۵) الفتاویٰ الہندیہ
- (۱۶) بدائع الصنائع لکاسانی
- (۱۷) ہدایہ للعلامہ برہان الدین المرغینانی
- (۱۸) فتح القدر لابن الہمام
- (۱۹) المغنی لابن قدامة
- (۲۰) الفقہ الاسلامی وأولئہ للدکتور مہبہ الزحیلی
- (۲۱) کتاب أخریج لابی یوسف، المطبعة السلفية القاهرة - ۱۳۹۶ھ
- (۲۲) فقہ الطہارۃ لعبد الوہاب عبد السلام طویلۃ، دار السلام، بیروت - ۱۳۰۶ھ / ۱۹۸۶ء
- (۲۳) منتخبات نظام الفتاویٰ للمفتی نظام الدین اعظمی، اسلامک فقہ اکیڈمی، نئی دہلی - ۱۹۹۳ء
- (۲۴) جدید فقہی مسائل: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔
- (۲۵) حلال و حرام: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ۲۰۰۰ء۔
- (۲۶) فقہی فیصلے مکہ مکرمہ۔
- (۲۷) قرارات و توصیات مجمع الفقہ الاسلامی بالہند - ۱-۱۳، بیروت - ۱۳۲۵ھ / ۲۰۰۴ء۔

آبی وسائل - شرعی نقطہ نظر سے

مولانا محمد شاہ جہاں ندوی ✽

اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق اس طرح کی ہے کہ اس کے دو تہائی حصہ کو پانی سے ڈھانپ رکھا ہے، اور اشرف المخلوقات انسان کی تخلیق بھی اس طرح کی ہے کہ اس کے بدن کا تین چوتھائی حصہ پانی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر زندگی کا دار و مدار پانی پر رکھا ہے، جیسا کہ ارشاد الہی ہے: وجعلنا من السماء کل شیء حسی (الانبیاء: ۳۰) (اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی)۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پانی کو اس کیفیت سے بنایا ہے کہ وہ پاک اور پاک کرنے والا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: (وأنزلنا من السماء ماء طهورا) (الفرقان: ۴۸) (اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا)۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے بہت سی عبادتوں جیسے نماز وغیرہ کو اس سے مربوط کر دیا ہے، سو پانی ہی سے انسان پاک ہوتا ہے، اور اسی سے نجاستوں کو دور کرتا ہے، اور اپنے بدن، کپڑے اور چیزوں کو صاف کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زندگی کی شہ رگ پانی ہے، اور پانی کے بغیر زندگی قائم نہیں رہ سکتی ہے، اسی وجہ سے اسلام نے انسان کی صحت کے تحفظ اور انسانی سماج کے تحفظ کے لیے پانی اور اس کے

ذرائع کو آلودگی سے بچانے پر بڑا زور دیا ہے۔

اس تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ہیں:

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

الف- پانی کو اعتدال کے ساتھ خرچ کیا جائے، اور پانی کے استعمال میں حد معقول سے تجاوز نہ کیا جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت سعد کے پاس سے گزرے، جبکہ وہ وضو کر رہے تھے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”ما ہلنا السرف یا سعید؟“ قال: أفی الوضوء سرف؟ قال: نعم، وإن كنت علی نھر جار“ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۷۰۶۵، اس کی تخریج کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے نیز دیکھئے سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۳۲۵، اور ”الرواۃ“ میں بھیری نے کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، لیکن اس کی تائید آگے آنے والی حدیث سے ہو رہی ہے اسی لیے تمام اہل علم کا طہارت میں امراف کے ممنوع ہونے پر اتفاق ہے۔)

حضرت عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ ”اے اللہ! میں تجھ سے جنت کی داہنی جانب سفید محل کا طلب گار ہوں، اس پر انہوں نے کہا کہ اے پیارے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو اور اس سے جہنم سے پناہ طلب کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”إنہ سیکون فی هذه الأمة قوم یعتلون فی الطہور والدعاء“ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۹۶، والسنن رک للمحکم، حدیث نمبر: ۵۷۹، اور یہ حدیث صحیح ہے)، (اس امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے)۔

ب- پانی کا بے مقصد استعمال نہ کیا جائے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۹۲، عن عائشہ رضی اللہ عنہا، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۳۸۹۸، اور صحیح حدیث ہے) بلکہ کبھی اس سے کم مقدار سے

بھی غسل کرتے تھے (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۲۱)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا: وضو میں میرے لیے کتنا پانی کافی ہوگا؟ تو آپ نے جواب دیا: ایک مد، اس نے پھر پوچھا: غسل کے لیے مجھے کتنا کافی ہوگا؟ آپ نے جواب دیا: ایک صاع، اس شخص نے کہا: مجھے کافی نہ ہوگا، تو آپ نے کہا: تیری ماں بلاک ہو، تجھ سے بہتر ذات، رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ کافی تھا (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۶۲۸، اور یہ حدیث صحیح العمیرہ ہے)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی اس بات پر کہ مجھے کافی نہیں، اس کو اسی طرح جواب دیا، اور مزید فرمایا: جن کے بال بھی تم سے زیادہ تھے (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۵۳)۔

ج- پانی کو گند نہ کرے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۱، ابن جابر)۔

۲- ”سرف“ یا ”اسراف“ کے لغوی معنی ہیں: ”مجاوزه الحد ومجاوزه القصد“، یعنی حد اور اعتدال سے تجاوز کرنا، کہا جاتا ہے: ”أسرف فی مالہ“ اس نے اپنا مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کیا، اور ”أسرف فی الکلام وفی القتل“: ”أفرط: اس نے کلام یا قتل میں حد سے تجاوز کیا، قرآن کریم میں ہے: ”ومن قتل مظلوما، فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل“ (بنی اسرائیل: ۳۳) (اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو، اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا، سو چاہئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے)۔

اور قرآن پاک میں دوسری جگہ ہے: ”ولا تسرفوا، إنه لا یحب المسرفین“ (الانعام: ۱۳۱) (اور حد سے نہ گزر رو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

اور اصطلاح میں ”اسراف“ کی تعریف یہ ہے: ”صرف الشئ فیما ینبغی زائداً علی ما ینبغی“ (رد المحتار، کتاب لفرأف، ۱۰/ ۳۹۳، طبع دارالکتب العلمیہ، بیروت، الطبعة الأولى ۱۳۱۵ھ-۱۹۹۳ء)۔

(کسی چیز کا ایسے محل میں استعمال کرنا جو مناسب ہو، جبکہ مناسب مقدار سے زیادہ استعمال ہو)۔

طحاوی تحریر کرتے ہیں: قوله: ”الإسراف فی صب الماء“، الإسراف: العمل فوق الحاجة الشرعية، فی فتاوی الحجة: یکره صب الماء فی الوضوء زیادة علی العدد المسنون والقدر المعهود (حاشیہ الطحاوی علی مراتب الفلاح، فصل فی أوصاف الوضوء، ۵۳، طبع بولاق، مصر، ۱۳۱۸ھ)، (مصنف کا قول: ”پانی بہانے میں حد سے تجاوز کرنا ہے“۔ ”اسراف“ شرعی ضرورت سے زیادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ ”فتاوی الحجۃ“ میں ہے: وضو میں معلوم مقدار اور مسنون عدد پر پانی بہانے میں اضافہ کرنا مکروہ ہے)۔

”الدر المختار“ میں ہے: ”والإسراف“ ومنه زیادة علی الثلاث، (فیہ) تحریماً لو بماء النهر والمملوک له، أما الموقوف علی من یتطهر به، ومنه ماء المدارس، فحرام“ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطہارۃ، ۲۵۸)، (اور اسراف، اور اسی سے تین کی تعداد پر وضو میں اضافہ کرنا ہے، مکروہ تحریمی ہے، اگر نہر اور اپنے مملوکہ پانی سے ہو، رہا اس پانی میں اسراف جو وضو کرنے والے پر وقف ہو، اور اسی سے مدارس کا پانی ہے، تو وہ حرام ہے)۔

اور علامہ ثامی -رحمۃ اللہ علیہ- تحریر کرتے ہیں: ”قوله: ”ومنہ“ آی من الإسراف زیادة علی الثلاث، آی فی الغسلات مع اعتقاد أن ذلک هو السنة لما قدمناه من أن الصحیح أن النهی محمول علی ذلک، فإذا لم یعتقد ذلک، وقصد الطمأنینة عند الشک، أو قصد الوضوء علی الوضوء بعد الفراغ منه، فلا

کراهة إلى أن قال: "قد تقدم أن النهي عنه في حديث "فمن زاد علي هذا أو نقص، فقد تعدى وظلم" محمول على الاعتقاد عنلنا كما صرح به في الهداية وغيرها، وقال في "البدائع": إنه الصحيح، حتى لو زاد أو نقص واعتقد أن الثلاث سنة لا يلحقه الوعيد، وقدمنا أنه صريح في عدم كراهة ذلك: يعني كراهة تحريم، فلا ينافي الكراهة التنزيهية" (رد المحتار، كتاب الطهارة، ۱/ ۲۵۸-۲۵۹)، (اور مصنف کا قول: "اور اس سے" یعنی اسراف سے تین پر اضافہ کرنا ہے، یعنی دھونے میں اس بات کے اعتقاد کے ساتھ کہ یہی سنت ہے، اس بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ نبی اسی پر محمول ہے، تو اگر اس کا اعتقاد نہ رکھے، اور شک کے وقت اطمینان کا قصد کرے، یا وضو سے فارغ ہونے کے بعد وضو پر وضو کا قصد کرے، تو کراہت نہیں ہے، اس کے بعد ابن عابدین نے فرمایا: "اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ اس کی ممانعت اس حدیث میں: "تو جو اس پر اضافہ یا کمی کرے، سو اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا" ہمارے نزدیک اس کا اعتقاد رکھنے پر محمول ہے، جیسا کہ "ہدایہ" وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے، اور "البدائع" میں کہا ہے کہ یہی صحیح ہے، یہاں تک کہ اضافہ یا کمی کرے، اور اعتقاد رکھے کہ تین سنت ہے، تو اسے وعید لاحق نہ ہوگی، اور اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ اس کے مکروہ یعنی مکروہ تحریمی نہ ہونے میں صریح ہے، چنانچہ یہ کراہت تنزیہی کے منافی نہیں ہے)۔

"رد المحتار" میں ایک دوسری جگہ ہے: "فإذا لم يؤد به عمل مما هو المقصود من شرعيته كالصلاة وسجدة التلاوة ومس المصحف ينبغي أن لا يشرع تكراره قربة، لكونه غير مقصود لذاته، فيكون إسرافاً محضاً" إلى أن قال: "لكن ذكر سيدي عبد الغني النابلسي أن المفهوم من إطلاق الحديث مشروعيته، ولو بلا فصل بصلاة أو مجلس آخر، ولا إسراف فيما هو مشروع،

أما لو كرره ثالثا أو رابعا فيشترط لمشروعيته الفصل بما ذكر، وإلا كان إسرافاً محضاً“ (رد المحتار کتاب الطهارة ۱/۲۳۱) (سواگر وضو سے کوئی ایسا عمل جو وضو کی مشروعیت سے مقصود ہے ادا نہ کیا جائے، جیسے نماز، سجدہ، تلاوت اور مصحف کو چھونا، تو مناسب ہے کہ قرأت کے طور پر اس کو مکرر کرنا مشروع نہ ہو، اس لیے کہ وہ اپنی ذات کی بنا پر مقصود نہیں، تو یہ اسراف محض ہوگا) (اس کے بعد ابن عابدین نے کہا): ”لیکن ہمارے سردار شیخ عبدالغنی نابلسی نے ذکر کیا ہے کہ حدیث پاک کے اطلاق سے وضو کی مشروعیت سمجھی جاتی ہے، خواہ نماز یا دوسری مجلس کے ذریعہ فصل نہ ہو، اور مشروع میں اسراف نہیں ہے، رہا اگر تین یا چار بار مکرر کرے تو اس کی مشروعیت کے لیے ذکر کردہ امور کے ذریعہ فصل کرنا شرط ہوگا، ورنہ خالص اسراف ہوگا)۔

اور جس حدیث کی طرف علامہ نابلسی نے اشارہ کیا ہے وہ ہے: ”من توضأ علی طهر كتب الله له عشر حسنات“ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۶۲، سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۵۹، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۵۱۲، اور اس کی سند ضعیف ہے) (جو طہارت کے باوجود وضو کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا)۔

چنانچہ پیچھے ذکر کردہ فقہی نقول سے درج ذیل صورتیں واضح ہیں:

۱- تین مرتبہ اعضائے وضو کو دھونا سنت نہ جانتے ہوئے چوتھی یا پانچویں مرتبہ دھونا اسراف اور مکروہ تحریمی ہے۔

۲- اعضائے وضو دھوتے وقت مسجد کے حوض یا ٹنکی کی ٹوٹی یا نلکیاں کھولے رکھنا، جس سے بے مقصد پانی کا ضیاع ہو حرام ہے۔

۳- وضو رہتے ہوئے تیسری یا چوتھی بار وضو کرنا وضو سے مقصود عمل کی انجام دہی کے بغیر پانی میں فضول خرچی اور مکروہ تحریمی ہے جبکہ اپنے مملوک پانی سے ہو، اور اگر وقف کے پانی سے ہو تو حرام ہے۔

۴- غسل میں پورے بدن پر کامل تین بار سے زیادہ بے مقصد پانی ڈالنا مکروہ تحریمی ہے۔

اور ”تہذیر“ کی تعریف علامہ ابن عابدین نے کی ہے: ”صرفہ فیما لا ینبغی“ (رد المحتار کتاب الغرغض ۱۰/۳۹۳)، (تہذیر چیز کو ایسے محل میں خرچ کرنا ہے جو مناسب نہیں)۔ چنانچہ تمام وہ صورتیں جن میں پانی کو بے ضرورت اور بے مقصد یوں ہی ضائع کیا جائے وہ حرام ہیں۔

۵- کسی چیز میں ضرورت سے زیادہ بے وجہ پانی خرچ کرنا اسراف اور مکروہ تحریمی ہے۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے شریعت نے درج ذیل احکام دیئے ہیں:

۱- پانی کے ذخیرہ میں پیٹاب اور پاخانہ کی ممانعت:

پیٹاب اور پاخانہ چونکہ پانی کی آلودگی کے خطرناک ترین اسباب میں سے ہیں، کیونکہ ان کے سبب سے کالرا، ٹائفاؤڈ اور سوزش جگر اور معدہ جیسے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں، اس لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اتقوا الملائع الثلاث: البراز فی الموارد، وقارعة الطريق والظل“ (سنن ابی داؤد عن ساذ بن جبیل، حدیث نمبر: ۲۶، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۲۸، المستدرک للحاکم، حدیث نمبر: ۵۹۳، مسند احمد عن ابن عباس، حدیث نمبر: ۲۷۱۵، اور یہ سن درجہ کی حدیث ہے) (تین لعنت کا سبب بننے والی جگہوں سے بچو: (۱) پانی کے گھاٹ پر پاخانہ کرنے سے (۲) اور راستہ میں پاخانہ کرنے سے (۳) اور سایہ دار جگہوں میں پاخانہ کرنے سے)۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم ای لایجرى، ثم یغتسل فیہ“ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۳۹ عن ابی ہریرة، و مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۲) (تم لایجرى، ثم یغتسل فیہ) (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۳۹ عن ابی ہریرة، و مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۲) (تم

میں سے کوئی اس پانی میں پیشاب نہ کرے جو ٹھہرا ہو، بہتا نہ ہو، پھر اس میں غسل کرے۔
 چونکہ ٹھہرے ہوئے پانی میں آلودگی زیادہ ہونے کا امکان ہے، لہذا خاص طور سے اس کا ذکر فرمایا، ورنہ جاری پانی کو آلودہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے، اسی لیے یہ فرمایا کہ ایک عقلمند انسان ایسا کیوں کر کر سکتا ہے کہ اس پانی میں پیشاب کرے، جس پانی کا غسل وغیرہ میں وہ محتاج ہے، جبکہ طبع سلیم اس بات کو قبیح سمجھتی ہے، امام نووی تحریر کرتے ہیں: "فإن كان الماء كثيراً جارياً لم يحرم البول فيه لمفهوم الحديث، ولكن الأولى اجتنابه، وإن كان قليلاً جارياً، فقد قال جماعة من أصحابنا: يكره، والمختار أنه يحرم، لأنه يقره وينجسه على المشهور من مذهب الشافعي وغيره، وبغير غيره، فيستعمله مع أنه نجس وإن كان الماء كثيراً راءكلاً، فقال أصحابنا: يكره ولا يحرم، ولو قيل يحرم لم يكن بعيداً، فإن النهي يقتضي التحريم على المختار عند المحققين والأكثرين من أهل الأصول، وفيه من المعنى أنه يقره، وربما أدى إلى تنجيسه بالإجماع لتغيره، أو إلى تنجيسه عند أبي حنيفة ومن وافقه في أن الغدير الذي يتحرك طرفه يتحرك طرفه الآخر ينجس بوقوع نجس فيه، وأما الراكد القليل فقد أطلق جماعة من أصحابنا أنه مكروه، والصواب المختار أنه يحرم البول فيه، لأنه ينجسه ويتلف ماليته وبغير غيره باستعماله" (شرح النووي على صحيح مسلم ۱۹۲/۳، ط: مؤسسة البحث، القاهرة، المطبعة الأولى ۲۰۰۱ء)۔

(چنانچہ اگر پانی زیادہ اور بہتا ہوا ہو تو حدیث پاک کے مفہوم کی وجہ سے اس میں پیشاب کرنا حرام نہیں، لیکن اس سے بچنا زیادہ بہتر ہے، اور اگر پانی تھوڑا اور بہتا ہو، تو ہمارے علماء شوافع کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مکروہ ہے، اور مختار یہ ہے کہ حرام ہے، اس لیے کہ وہ اسے آلودہ، اور امام شافعی وغیرہ کے مذہب کے مشہور قول کے مطابق اسے ناپاک کر دے گا،

اور اپنے علاوہ دوسرے کو دھوکہ میں ڈال دے گا، چنانچہ وہ اسے استعمال کر بیٹھے گا، باوجودیکہ وہ ناپاک ہے، اور اگر پانی زیادہ اور ٹھہرا ہوا ہو تو ہمارے علماء شوافع نے کہا ہے کہ مکروہ ہے، اور حرام نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ حرام ہے تو بعید نہ ہوگا، کیونکہ محققین اور اکثر اصولیوں کے نزدیک مختار قول کے مطابق نبی تحریم کا تقاضا کرتی ہے، اور اس میں علت یہ ہے کہ وہ اسے آلودہ کر دے گا، اور بسا اوقات بالاتفاق اس کے متغیر ہونے کی وجہ سے اسے ناپاک کر دینے کا ذریعہ ہوگا، یا ناپاک کرنے کا سبب ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے موافقین کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ جس تالاب کا ایک کنارہ دوسرے کنارہ کے حرکت کرنے سے حرکت کرتا ہو، تو اس میں نجاست کے گرنے سے وہ ناپاک ہو جائے گا، اور رہا وہ پانی جو ٹھہرا اور کم ہو، تو ہمارے علماء شوافع کی ایک جماعت نے یہ بات کہی ہے کہ وہ مکروہ ہے، اور صحیح و مختار قول یہ ہے کہ اس میں پیشاب کرنا حرام ہے، اس لیے کہ وہ اسے ناپاک کر دے گا، اور اس کی مالیت کو ضائع کر دے گا، اور دوسرے کو اس کے استعمال کے سلسلہ میں دھوکہ میں ڈال دے گا۔

طبی اعتبار سے پانی میں پیشاب کرنے سے ”بلہارزیا“ (Bilharzia) نامی مرض کے جراثیم پانی میں پھیل جاتے ہیں اور خاص طور سے ٹھہرے ہوئے پانی میں، پھر وہ اپنے تکوینی مراحل طے کر کے دم دار جراثیم کی شکل میں پانی میں تیرنے لگتے ہیں، پھر جب اسے کوئی جسم مل جاتا ہے، تو وہ اس کے اندر گھس جاتے ہیں، اور سوزش جگر وغیرہ مختلف بیماریوں کا سبب بن جاتے ہیں (ڈاکٹر عبدالدین فرج ”الاسلام والوقایہ من الامراض“ ص ۵۵، ڈاکٹر محمد علی الباری ”مل ہناک طب نبوی“ ص ۲۸۹)۔

اس تفصیل کی روشنی میں پانی کو آلودہ ہونے سے بچانے کے احکام کا درجہ شرعی نقطہ نظر سے حسب ذیل ہے:

۱- اگر پانی تھوڑا ہے یعنی وہ درودہ سے کم اور ٹھہرا ہوا ہے، تو اس میں پیشاب کرنا

حرام ہے۔

۲- اگر پانی زیادہ ہے یعنی وہ درود یا اس سے زیادہ ہے اور ٹھہرا ہوا ہے تو اس میں پیشاب کرنا بھی حرام ہے۔

۳- اگر بہتا ہوا پانی تھوڑا ہے تو اس میں بھی پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

۴- دریا وغیرہ میں پیشاب کرنا مکروہ تفریہی ہے۔

۵- سمندر میں پیشاب کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

۶- ضرورتاً سمندر میں سفر کے دوران پیشاب کرنے کی گنجائش ہے۔

کنواں، حوض، نہر، نالہ کے قریب پیشاب پاخانہ کرنا کہ اس کے اندر جراثیم کے سرایت کرنے کا گمان غالب ہو، مکروہ تحریمی ہے۔

نجاح حلبی تحریر کرتی ہیں: ”یکرہ التخلی فی الماء الراکد وکذلک

یکرہ بقرب بشر أو نهر أو حوض“ (فقہ العبادات علی المذہب الحنفی ۱/۲۸، ط۱۱ شاملہ)۔

(ٹھہرے ہوئے پانی میں پاخانہ کرنا مکروہ ہے..... اور اسی طرح کنواں یا نہر یا حوض

کے قریب پاخانہ کرنا مکروہ ہے)۔

۲- نیند سے بیدار ہونے والے کو پانی میں اپنا ہاتھ ڈبو نے کی ممانعت:

ساج، خاندان اور فراد کے تحفظ کے پیش نظر آلودگی سے پانی کو بچانے کے طریقوں

میں سے ایک طریقہ شریعت نے یہ مقرر کیا ہے کہ نیند سے بیدار ہونے والے کو اپنا ہاتھ برتن میں

تین بار اسے دھونے سے پہلے رکھنے کی ممانعت کی ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”إذا استيقظ أحدكم من منامه، فلا يغمس

يدیه حتی يغسلها، فإنه لا يدری أين باتت يده“ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۶۲، صحیح مسلم، حدیث

نمبر: ۲۷۸، وسند احمد، حدیث نمبر: ۹۹۹۶)۔

(جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو، تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈبوئے، یہاں تک کہ اسے دھو لے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ جسم کے کس حصہ پر پڑا)۔

یعنی سونے کی حالت میں ہاتھ انسان کے مختلف حصوں پر پڑنے کی وجہ سے آلودہ ہو جاتا ہے، یا پیچھے کے مقام کی پھٹن پر پڑنے کی وجہ سے جراثیم کے انڈے اس کی انگلیوں سے چیک کر بیماری کا سبب بنتے ہیں (ڈاکٹر محمد زکی سویدان: "الصلاة والصحة ووقاية وعلاج" ص: ۸۳)۔

اور یہ حکم انتخابی ہے، کیونکہ آلودہ ہونے کا احتمال ہے یقین نہیں ہے، اور حدیث پاک میں نبی تزییہ ہے تحریمی نہیں ہے، جبکہ حسن بصری، اسحاق بن راہویہ اور محمد بن جریر طبری سے منقول ہے کہ دھونا فرض ہے، اور اگر رات کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد نہ دھوئے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ اگر رات کی نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ ڈالنا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر دن کی نیند سے بیدار ہو تو مکروہ تزییہ ہے، اور یہی داؤد ظاہری کا مذہب ہے) (دیکھئے البدائع، کتاب الطہارۃ، مطلب فی غسل الیدین ص: ۲۰، طہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، الطبعة الثالثة ۱۳۰۶ھ-۱۹۸۶ء "شرح النووی علی صحیح مسلم" ص: ۱۸۳-۱۸۵)۔

۳- پینے کے برتن کو ڈھانکنا:

پانی کو آلودگی سے بچانے اور انسان کی سلامتی اور صحت کے تحفظ کی خاطر، اسلامی شریعت نے پینے کے برتن کو ڈھانکنے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: غَطُّوا الْإِنَاءَ، وَأَوْكُوا السَّقَاءَ فَإِنَّ فِي السَّنَةِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيهَا وَبَاءٌ، لَا يَمُرُّ بِإِنَاءٍ، لَيْسَ عَلَيْهِ غَطَاءٌ، أَوْ سَقَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ وَكَاءٌ، إِلَّا نَزَلَ فِيهِ مِنْ ذَلِكَ الْوَبَاءُ" (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۱۳، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۹۸۲۹)۔

(برتن کو ڈھانک دو اور مشکیزہ کو بندھن سے باندھ دو، کیونکہ سال میں ایک ایسی رات ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے، جو کسی برتن سے نہیں گزرتی، جس پر ڈھکن نہ ہو، یا کسی مشک سے نہیں

گزرتی جس پر بندھن نہ ہو، مگر اس میں اس وبا سے کچھ اترتا ہے)۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے جو حضرت جابر سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”غظوا الإناء وأوكوا السقاء، وأغلقوا الباب وأطفئوا السراج، فإن الشيطان لا يحل سقاء، ولا يفتح بابا، ولا يكشف إناء، فإن لم يجد أحدكم إلا أن يعرض على إنائه عودا ويذكر اسم الله، فليفعل“ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۱۲)۔

(برتن کو ڈھانک دو اور مشکیزہ کو باندھ دو، اور دروازہ کو بند کر دو، اور چراغ کو بجھا دو، کیونکہ شیطان مشکیزہ کو نہیں کھولتا ہے، اور نہ ہی دروازہ کو اکرتا ہے، اور نہ ہی برتن کو کھولتا ہے، سو اگر تم میں سے کوئی نہ پائے، مگر یہ کہ اپنے برتن پر چوڑائی میں لکڑی رکھ دے، اور اللہ تعالیٰ کا نام لے تو وہ ایسا کر لے)۔

اور ایک دوسری حدیث پاک میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا تشربوا إلا فیما أوکى علیہ“ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۳۳۳۳، اور یہ حدیث سنغیرہ ہے) (ایسے مشکیزوں میں ہی پیو، جن کا منہ باندھ دیا گیا ہو)۔

چونکہ ان صورتوں میں بھی آلودگی کا احتمال ہے، لہذا یہ حکم بھی استنباطی ہے، نووی تحریر کرتے ہیں: ”فأمر ﷺ بهذه الآداب التي هي سبب سلامة من إيداء الشيطان“ (شرح النووی علی صحیح مسلم ۱/۱۳۱) (تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان آداب کا حکم دیا جو شیطان کی ایذا سے سلامتی کا سبب ہیں)۔

۴- برتن میں سانس لینے کی ممانعت:

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے شریعت نے چوتھا طریقہ یہ رکھا ہے کہ پینے کے برتن میں سانس نہ لے، کیونکہ یہ پانی کے آلودہ اور مرض کے انتقال کا سبب ہے، چنانچہ حضرت

ابوقادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ”نہی أن يتنفس في الإناء“ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۶۳۰، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۷، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۵۲۲) (برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا)۔

چونکہ اس صورت میں بھی آلودگی کا یقین نہیں ہے بلکہ احتمال ہے، لہذا یہ حکم بھی احتجابی ہے، نووی تحریر کرتے ہیں: ”قال العلماء: والنهي عن التنفس في الإناء هو من طريق الأدب، مخافة من تقذيره و نتنه وسقوط شيء من الفم والأنف فيه ونحو ذلك“ (شرح النووی علی صحیح مسلم ۱/۱۶۳) (اہل علم نے کہا کہ برتن میں سانس لینے کی ممانعت بطور ادب ہے، اس کے آلودہ اور بدبودار کرنے اور منہ اور ناک کی آلودگی میں سے کچھ اس میں گرنے کے اندیشہ کی وجہ سے اور اسی کی مانند دوسری چیزیں)۔

۵- مشکیزہ یا پانی کے برتن کے منہ سے پینے کی ممانعت:

پانی کے آلودہ اور بیماری کے جراثیم کے دوسروں کی طرف متعدی ہونے کے اندیشہ کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”نہی عن اختناث الأسقية: أن يشرب من أفواهها“ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۶۲۵، صحیح مسلم، ۲۰۳۳۲، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۱۰۲۶)۔

(نبی کریم ﷺ نے مشک کے منہ سے پینے سے منع فرمایا۔ ”اختناث“ کے اصلی معنی ہیں: مشکیزہ کے منہ کو اوپر کی جانب موڑ کر اندر کی جانب سے پانی پینا)۔

اور یہ حکم بھی احتجابی ہے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ مہلب سے نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ”معنى هذا النهي - والله أعلم - على وجه أدب“ (عمدة القاری ۱۳/۶۲۳، ط دار الفکر بیروت، الطبعة الأولى ۱۳۱۸ھ، ۱۹۹۸ء) (یہ ممانعت - اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ علم ہے - بطور ادب ہے)۔

نوی تحریر کرتے ہیں: ”واتفقوا علی أن النهی عن اختنائها نهی تنزیه لاتحریم، ثم قیل: سببه أنه لا یؤمن أن یكون فی السقاء ما یؤذیه، فیدخل فی جوفه ولا یدری، وقیل: لأنه یقدره علی غیره، وقیل: أنه ینتنه أولاً أنه مستقدر“ (شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۳/۱۹۹)۔

(اور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مشکیزہ کے منہ سے پینے کی ممانعت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے، پھر کہا گیا ہے کہ ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس بات کا خطرہ ہے کہ مشکیزہ میں کوئی ایسی چیز، کیڑا مکوڑا وغیرہ ہو جو اسے اذیت دے، سو وہ اس کے پیٹ میں داخل ہو جائے، اور اسے پتہ نہ چلے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس طرح پینا دوسرے کے حق میں پانی کو آلودہ کر دے گا، اور کہا گیا ہے کہ بدبودار کر دے گا، یا اس وجہ سے کہ اس طرح پینا قبیح سمجھا جاتا ہے)۔

۴- اگر کیمیاوی عمل کے ذریعہ گندے اور آلودہ پانی کی بدبو اور آلودگی مکمل طور سے زائل ہو جائے تو وہ پاک ہے، اور اس کا حکمی اور حقیقی نجاستوں کے ازالہ میں استعمال درست ہے، اور اگر اس کے پینے سے صحت کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، تو اس کا پینا بھی جائز ہے، لیکن جہاں تک ہو سکے پینے سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے، احتیاط کے طور پر تا کہ صحت پر کسی طرح کا ضرر مرتب نہ ہو، نیز اس لیے بھی کہ طبیعت سلیمہ کو ایسے پانی کے استعمال سے ناگواری ہوتی ہے، چنانچہ فقہاء کے کلام میں ”استحالة النجس إلى طاهر“ (ناپاک شئی کا پاک شئی کی طرف بدل جانا) کی تصریح ملتی ہے، اس لیے میرے لیے مناسب ہے کہ پہلے ”استحالة“ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم واضح کروں، پھر اس موضوع سے متعلق فقہاء کا کلام پیش کروں، چنانچہ لغت میں ”استحالة“ کے معنی ہیں: کسی چیز کا سیدھا ہونے کے بعد ٹیڑھا ہو جانا، کہا جاتا ہے: ”حال الشئ واستحال: أي تغیر عن الاستواء إلى العوج“ (یعنی سیدھے پن سے ٹیڑھے پن کی

طرف بدل جانا، نیز ”استحالة“ کے معنی ہیں ”بدل جانا“ اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹ جانا (لسان العرب ۴/۲۷۳)۔

اصطلاح میں ”استحالة“ کے معنی ہیں: ”انقلاب حقيقة إلى حقيقة أخرى“ (رد المحتار کتاب الطہارة، باب لا نجاس ابرہ ۵۱۹) (کسی حقیقت کا دوسری حقیقت میں پلٹ جانا)۔

مسائل فقہیہ:

۱- امام ابو حنیفہ اور محمد اور اکثر حنفیہ و مالکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ ناپاک شئی اگر دوسری حقیقت میں بدل جائے، تو وہ شئی پاک ہو جائے گی، خواہ وہ شئی اپنی ذات کے اعتبار سے نجس ہو یا خارجی نسلت کی بنا پر نجس ہو، اور یہی ظاہر یہ کا مذہب ہے، اور یہی حنا بلہ کا ایک قول ہے، جسے علامہ ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے، علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان امور میں سے جن سے طہارت حاصل ہوتی ہے ”انقلاب عین“ (حقیقت بدل جانا) کا بھی ذکر کیا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں: ”وإن كان في غيره - أي الخمر - كالخنزير والميتة تقع في المملحة فتصير ملحا يوكل، والسرقين والعدرة تحترق فتصير رمادا تطهر عند محمد خلافا لأبي يوسف، وضم إلى محمد أبا حنيفة في المحيط، وكثير من المشايخ اختاروا قول محمد، وفي ”الخلاصة“: وعليه الفتوى، وفي ”فتح القدير“: أنه المختار، لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، وتنتفي الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها، فكيف بالكل؟ فإن الملح غير العظم واللحم، فإذا صار ملحا ترتب حكم الملح، ونظيره في الشرع: النطفة نجسة، وتصير علقة، وهي نجسة، وتصير مضغة فتطهر، والعصير طاهر فيصير خمرا، فينجس، ويصير خلا فيطهر، فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف

المرتب علیہا“ (امام زین الدینؑ اور ابیہم المر و نسیب بن حکیم امصریؒ لکھی (۹۷۰ھ) ”البحر الرائق“ کتاب الطہارۃ، باب لائنجاس ۱/ ۳۹۳، طۃ البند)۔

(اور اگر انقلاب حقیقت شراب کے علاوہ میں ہو، جیسے خنزیر اور مردار جو نمک کی کان میں گر جائیں، اور نمک میں تبدیل ہو جائیں، تو وہ نمک کھایا جائے گا، اور گوہر اور پانچ خانہ جل کر راکھ ہو جائے تو امام محمد کے نزدیک پاک ہو جائیں گے، اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، اور ”الخط“ میں امام ابو حنیفہ کو امام محمد کے ساتھ شامل کیا ہے، اور بہت سے مشائخ نے امام محمد کا قول اختیار کیا ہے، اور ”خلاصہ“ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، اور ”فتح القدر“ میں ہے کہ یہی مختار ہے، اس لیے کہ شرع نے نجاست کی صفت اس حقیقت پر مرتب کی ہے، اور حقیقت کی نفی ہو جاتی ہے، اس کے مفہوم کے بعض اجزاء کے انتفاء سے تو سارے اجزاء کے انتفاء سے کیوں کر حقیقت کی نفی نہ ہوگی، کیونکہ نمک ہڈی اور گوشت کے علاوہ ہے، تو جب وہ نمک ہو جائیں، تو نمک کا حکم مرتب ہوگا، اور شریعت میں اس کی نظیر یہ ہے کہ منی ناپاک ہے، اور وہ خون بستہ میں تبدیل ہوتی ہے اور یہ بھی ناپاک ہے، اور گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل ہو کر پاک ہو جاتی ہے، اور ”رس“ پاک ہے، اور شراب میں تبدیل ہو کر ناپاک ہو جاتا ہے، اور شراب سرکہ میں تبدیل ہو کر پاک ہو جاتی ہے، تو اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حقیقت کی تبدیلی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس پر مرتب ہونے والا وصف زائل ہو جائے)۔ اور ”رد المحتار“ میں اس بات کا بھی اضافہ ہے کہ ”الذخیرۃ“ میں بھی امام ابو حنیفہ کو امام محمد کے ساتھ ذکر کیا ہے (رد المحتار، کتاب الطہارۃ، باب لائنجاس ۱/ ۵۳۳)۔

۲- مالکیہ کے نزدیک جو صلاح کی طرف بدلے وہ پاک ہے، جیسے دودھ، اور جو فساد کی طرف بدلے وہ ناپاک ہے، جیسے معدہ میں ٹھہرنے کے بعد نکلنے والا کھانا یعنی تئی (محمد بن أحمد الدسوقی المالکی (۱۲۳۰ھ) حاشیۃ الدسوقی، کتاب الطہارۃ، فصل بیان لأعیان الظہرۃ ۱/ ۱۳۸۱-۱۳۹، طۃ الشاملۃ)۔

اور خطاب نے تصریح کی ہے کہ مشک پاک ہے، کیوں کہ وہ خون کی تمام صفات سے نکل گئی ہے (محمد بن محمد المعروف بالخطاب الریشی (۹۵۳ھ) "مواعظ الجلیل لشرح مختصر الخلیل"، کتاب الطہارۃ، فصل: الطہارۃ، ج ۱، ص ۱۳۸، طبع دار العالم للکتاب، بیروت ۲۰۰۳ء)۔

۵- "رد المحتار" میں ہے: "طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أم بصوم يوم وجب" (رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب: "طاعة لإمام بوجوب" ۱۸/۸) (امام کی اطاعت ایسے معاملات میں جو معصیت نہ ہوں، واجب ہے، چنانچہ وہ اگر کسی دن کے روزہ کا حکم دے، تو اس دن کا روزہ رکھنا واجب ہوگا)۔

لہذا ریاست کو پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانے کا حق ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے۔

انسان کی مملوک زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث پاک میں ہے: "الناس شركاء في ثلاث: الماء والكلا والنار" (أخرجه البخاري في سننه كما في "تخريج البخاري عن زوائد سنن البخاري لنور الدين الكشمي، حدیث نمبر: ۶۳۱، وأبو عبيد في الاسوال، حدیث نمبر: ۷۲۹، و ذكره محمد بن الحسن في الموطأ ۳/۲۷۷، طبع دار القلم ۱۹۹۱ء، وفي رواية سائفة بهذا اللفظ عند الجوزيين، وأخرجه أبو داود في الإجازة، باب في منع الماء، حدیث نمبر: ۳۱۷۷، بلفظ: "المسلمون شركاء في ثلاث: في الماء، والكلا، والنار" اور اس کی اسناد صحیح ہے) (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ثلاث لا يمنعن: الماء، والكلا والنار" (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۳۷۳، اور بیہقی نے "الروايات" میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے) (تین چیزوں سے منع نہیں کیا جائے گا: پانی، گھاس، آگ)۔

اس لیے کہ پانی ملکیت میں احراز سے آتا ہے، "ہندیہ" میں ہے: "والرابع ما أحوز في حب ونحوه فليس لأحد أن يأخذ منه شيئاً بملون إذن صاحبه، وله بيعه، لأنه ملكه بالإحراز، فصار كالصيد والحشيش" (الہندیہ ۵/۳۹۱، طبع بولاق، مصر،

الطبعة الثانیة ۱۳۱۰ھ) (اور پانی کی چوتھی قسم وہ ہے جسے مکے وغیرہ میں محفوظ کر لیا گیا ہو، تو کسی کو حق نہیں ہے کہ اس سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر کچھ لے، اور اسے یعنی مالک کو بیچنے کا حق ہے، اس لیے کہ (برتن وغیرہ میں) محفوظ کرنے کی وجہ سے وہ اسکا مالک ہو گیا، تو وہ شکار اور گھاس کی مانند ہو گیا)۔

سلطان کو چونکہ عمومی ولایت حاصل ہے، لہذا وہ ضرر عام کو دور کرنے کا حکم دے سکتا ہے، نیز فقہی قاعدہ ہے: ”یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام“ (علی حیدر: درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام، ۳۶۱، المادة: ۲۶، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت) (ضرر عام کو دور کرنے کے لیے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا)۔ اور ”رد المحتار“ میں ہے: ”أن له ولایة عامة یصح أمره لرفع الضرر العام“ (رد المحتار، کتاب المتصیب، مطلب فی حقوق الأجازة للأغلاف ولافعال ۲۸۹۹) (بادشاہ کو عمومی ولایت حاصل ہے، سو ضرر عام کو دور کرنے کے لئے اس کا حکم صحیح ہے)۔ اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے، اس مقصد سے حکومت مملوک زمین میں بورنگ کرانے سے منع کر سکتی ہے، اور اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہے۔

۷- (أ): اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ غیر معصیت میں حکومت کے حکم کی تعمیل لازم ہے، چنانچہ حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ لوگوں کے لیے اس بات کو لازم مقرر کر دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کر دیں، اور اس حکم کی تعمیل شرعاً واجب ہے۔

ب- چونکہ حکومت کی ذمہ داری عام لوگوں کے مصالح کا نظم کرنا ہے، اس لئے پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے، نیز افراد بھی اس بات کے مکلف ہیں کہ اپنے لیے پینے اور استعمال کے پانی کا نظم کریں، جیسا کہ فقہاء نے نہر خاص و مملوک کا بھی ذکر کیا ہے، ”ہدایہ“ میں ہے: ”فالأول: کرہ علی السلطان من بیت مال المسلمین، لأن منفعة

الکری لهم، فتكون مؤنته عليهم، ويصرف إليه من مؤنة الخراج والجزية، دون العشور والصدقات، لأن الثاني للفقراء، والأول للنواب، فإن لم يكن في بيت المال شيء، فالإمام يجبر الناس على كربه إحياء لمصلحة العامة، إذ هم لا يقيمونها بأنفسهم، وفي مثله قال عمر رضي الله عنه لو تركتم لبعتم أولادكم، إلا أنه يخرج له من كان يطيقه، ويجعل مؤنته على الميسير الذين لا يطيقونه بأنفسهم“ (شيخ الإسلام أبو الحسن علي بن أبي بكر المرشداني الرغزباني (۵۹۳ھ) ”الهدية شرح بداية المبتدي“ ۳۸۹، طة دار إحياء التراث العربي، بيروت)۔

(چنانچہ پہلی نہر (جو کسی کی مملوک نہ ہو، اور اس کا پانی ابھی مملوک چھوٹی نہر میں داخل نہ ہوا ہو) کے کھودنے کی ذمہ داری سلطان پر مسلمانوں کے خزانہ سے ہے، اس لیے کہ کھودنے کی منفعت ان کے لیے ہے، لہذا اس کا خرچہ ان کے ذمہ ہوگا، اور خراج اور جزیہ میں سے اس میں صرف کیا جائے گا، نہ کہ عشر اور صدقات سے، اس لیے کہ دوسری قسم فقراء کے لیے ہے، اور پہلی قسم حادثات کے لیے ہے، سو اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو، تو امام لوگوں کو اس کے کھودنے پر مجبور کرے گا، عام لوگوں کے مصالح کو زندہ کرنے کے لیے، کیونکہ وہ خود مصالح کو قائم نہیں کر سکتے ہیں، اور اسی جیسی صورت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمہیں چھوڑ دیا جائے تو تم اپنی اولاد کو بیچ ڈالو گے، البتہ اسے کھودنے کے لیے اسے نکالا جائے گا جو اس کی طاقت رکھتا ہو (جو کام کی قدرت رکھتا ہو) اور اس کا خرچہ (یعنی کام کی طاقت رکھنے والے کا خرچہ) ان مالداروں پر عائد کیا جائے گا جو خود کھودنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں)۔

اس سے پتہ چلا کہ پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری بھی ہے۔

”روا المختار“ میں ”المہستانی“ کے حوالہ سے ہے: ”فی العام: لو امتنع عنه کلہم

أو بعضهم يجبرون عليه، وفي الخاص: لو امتنع الكل لا يجبرون إلا عند بعض

المتأخرين، ولو امتنع البعض أجبر على الصحيح كما في الخزانة“ (رد المحتار، کتاب الحیاء الموات، فصل اشرب ۱۷۱۰) (نہر مملوک عام) (جس میں شرکاء کی تعداد سو یا اس سے زیادہ ہو، اور جس کے کھودنے اور اصلاح کرنے کی ذمہ داری مالکین پر ہے) میں اگر اسے کھودنے سے سارے شرکاء یا بعض شرکاء باز آجائیں، تو انہیں اس پر مجبور کیا جائے گا، اور نہر خاص (جس میں شرکاء کی تعداد سو سے کم ہو، اور جس کے کھودنے اور اصلاح کرنے کی ذمہ داری مالکین پر ہے) اگر سارے شرکاء نئے سرے سے کھودنے سے باز آجائیں، تو ان کو مجبور نہیں کیا جائے گا (ظاہر الروایہ میں) مگر بعض متأخرین کے نزدیک (مجبور کیا جائے گا)، اور اگر بعض فراد باز آجائیں، تو صحیح قول کے مطابق ان کو مجبور کیا جائے گا، جیسا کہ ”الخزانة“ میں ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ پانی کی ذخیرہ اندوزی کا مکلف فراد کو بھی کیا جاسکتا ہے۔

۸- شرعی نقطہ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر، کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا اور متبادل زمین فراہم کرنا اور تعمیر کا منصفانہ خرچ دینا جائز ہے، جبکہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ کسی طرح کا ظلم و زیادتی نہ ہو، لہذا ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانہ پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لیے آبادیوں کو وہاں سے حکومت منتقل کر سکتی ہے، کیونکہ اسے ولایت عامہ حاصل ہے اور چند فراد کے کچھ ضرر پر اجتماعی مصلحت اور قومی مفاد کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ فقہی قاعدہ ہے: ”یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام“ (درر الحکام، دفعہ ۲۶)۔

۹- تباہ کن سیلاب آنے اور بہتی غرق ہونے کے قریب ہونے کی صورت میں باندھ کو کاٹ دینا اور پانی کو آگے بڑھا دینا جائز نہیں ہے، ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ باندھ یا محفوظ جگہ پر اپنے قیمتی سامان کے ساتھ متحمل ہو جائیں: ”وإن أکره علی قتل غیره بقتل لم یرخص ولم یسعه أن یقدم علیہ، ویصبر حتی یقتل، فإن قتلہ کان آثماً“ (الہندیہ، کتاب الاکراه، الباب الثانی فیما یحمل للکفره أن یفعل ولا یحمل) (اور اگر قتل کر دیئے جانے کے ذریعہ

دوسرے کے قتل پر مجبور کیا گیا، تو اس کے لیے رخصت نہیں، اور اس پر اقدام کرنا جائز نہیں، اور صبر کرے یہاں تک کہ قتل کیا جائے، تو اگر ایسی صورت میں اس نے اسے قتل کر دیا، تو گنہگار ہوگا۔

اور ذکر کردہ کتاب میں ایک دوسرے مقام پر ہے: ”ولہم نصب الأرحیة والدوالی إن کان لایضر بالعامۃ، وإن کان یضر بالعامۃ، فلیس لہ ذلک، لأن دفع الضرر عنہم واجب، وذلک بأن یمیل الماء إلی ہذا الجانب، إذا انکسرت ضفتہ، فتغرق القرى والأراضی“ (الہندیہ، کتاب الشرب، الباب الاول فی تفسیر ۳۹۱)، (اور لوگوں کے لیے بڑی نہر پر پن چکیاں اور رہٹ لگانا جائز ہے، اگر اس سے عام لوگوں کو ضرر نہ ہو، اور اگر عام لوگوں کا حق ہو تو اسے ایسا کرنے کا ضرر نہیں ہے، اس لیے کہ عام لوگوں سے ضرر دور کرنا واجب ہے، اور یہ ضرر اس طرح ہو سکتا ہے کہ پانی اس جانب مائل ہو جائے، جبکہ اس کا کنارہ ٹوٹ جائے، تو گاؤں اور زمین ڈوب جائے)۔

اور فقہی قاعدہ ہے: ”الضرر لا یزال بالضرر“ (الاشباہ لابن نجیم ص: ۸۷)، (ضرر کو ضرر کے ذریعہ دور نہیں کیا جائے گا)، اور ابن نجیم رحمہ اللہ نے اس پر تفریح کرتے ہوئے لکھا ہے: ”ولا یأکل المضطر طعام مضطر آخر، ولا شیئا من بدنہ“ (الاشباہ ص: ۸۷) (اور مجبور دوسرے مجبور کا کھانا نہیں کھائے گا اور نہ اس کے بدن کا کوئی حصہ)۔

۱۰- ”ہدایہ“ میں ہے: ”والثانی: ماء الأودیة العظام: کجیحون، وسیحون، ودجلة، والقرات، للناس فیہ حق الشفة علی الإطلاق، وحق سقی الأراضی، فإن أحيی واحد أرضا میتة، وکری منها نہرا لیسقیہا، کان لایضر بالعامۃ، ولا یكون النہر فی ملک أحد لہ ذلک؛ لأنها مباحة فی الأصل، إذ قهر الماء یدفع قهر غیرہ، وإن کان یضر بالعامۃ، فلیس لہ ذلک، لأن دفع الضرر

عنہم واجب، وذلك فى أن یمیل الماء إلى هذا الجانب، إذا انكسرت ضفته، فیغرق القرى والأراضی، وعلى هذا نصب الریحی علیہ، لأن شق النهر للرحی كشقہ للسقى به“ (الہدیۃ ۳۷۷-۳۸۸) اور پانی کی دوسری قسم بڑی وادیوں کا پانی ہے، جیسے دریائے جیحون، سیحون، دجلہ اور فرات، لوگوں کے لیے مطلقاً بغیر کسی قید کے، اس میں پانی پینے کا حق ہے، اور زمین کو سینچنے کا حق ہے، پھر اگر کسی نے وہ ان زمین آباد کی، اور اس پانی سے نہر کھودی تاکہ اس زمین کو سینچے، اگر اس میں عام لوگوں کا ضرر نہ ہو، اور نہر کسی کی ملکیت میں نہ ہو، تو اسے ایسا کرنے کا حق ہے، اس لیے کہ یہ پانی اصل میں مباح ہے، کیونکہ پانی کا غلبہ دوسرے کے غلبہ کو دفع کرتا ہے، اور اگر اس میں عام لوگوں کا ضرر ہو، تو اسے ایسا کرنے کا حق نہیں ہے، اس لیے کہ ان سے ضرر کو دور کرنا واجب ہے، اور یہ ضرر اس صورت میں ہے کہ پانی اس جانب مائل ہو جائے، جبکہ اس کا کنارہ ٹوٹ جائے، تو گاؤں اور زمین ڈوب جائے، اور اسی تفصیل کے مطابق اس پر پن چکی نصب کرنا ہے، اس لیے کہ پن چکی کے لیے نہر کو پھاڑنا، اس سے سینچنے کے لیے نہر پھاڑنے کی طرح ہے)۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے خود بھی پانی پی سکتے ہیں، اور جانوروں کو بھی پلا سکتے ہیں، اور کھیتوں کو بھی سینچ سکتے ہیں، اور پانی برتن میں لے جا بھی سکتے ہیں، اور پانی سینچنے کے لیے رہٹ، پن چکی اور مکمل بھی لگا سکتے ہیں، اگر عام لوگوں کا اس میں کوئی ضرر نہ ہو، اور اگر عوامی کنویں، غیر مملوکہ چشمے اور سرکاری تالاب سے سینچائی کرنے کی صورت میں پینے کا پانی ختم ہو جائے گا، تو پھر سینچنے کا حق نہیں ہے۔

۱۱- اگر کوئی نہر جو کہ مملوکہ نہ ہو، مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو، تو وہ لوگ اس نہر کا استعمال پینے اور سینچائی کے لیے کر سکتے ہیں۔

اور اگر وہ نہر مملوکہ ہو تو پھر دوسرے لوگ اس سے صرف پی سکتے ہیں اور جانوروں کو پلا

سکتے ہیں۔ ”فتاویٰ عالمگیری“ میں ہے: ”والثالث ما يجرى على نهر خاص لقربة، فلغيرهم فيه شركة في الشفة، وهو الشرب وسقى المواب“ (الہندیہ ۳۹۱/۵) (اور پانی کی تیسری قسم وہ ہے جو کسی گاؤں کی خاص مملوک نہر میں جاری ہو، تو دوسروں کے لیے اس میں حق ”شفة“ میں شرکت ہے، اور وہ خود پینا اور جانوروں کو پلانا ہے)۔

۱۲- ”ہدایہ“ میں ہے: ”والرابع: الماء المحرز في الأواني، وأنه صار مملوكاً له بالإحراز وانقطع حق غيره عنه كما في الصيد المأخوذ“ (الہندیہ ۳۸۸/۴) (اور پانی کی چوتھی قسم وہ پانی ہے، جو برتنوں میں محفوظ کر لیا گیا ہو، اور ایسا پانی محفوظ کرنے کی وجہ سے محفوظ کرنے والے کی ملکیت میں آ گیا، اور اس سے دوسرے کا حق منقطع ہو گیا، جیسے اس شکار میں (دوسرے کا حق منقطع ہو جاتا ہے) جو قبضہ میں لے لیا گیا ہو)۔ اس سے معلوم ہوا کہ برتن، گھڑے، مٹکے، ڈرام اور ٹنکی وغیرہ میں پانی بھر لینے کے بعد آدمی کو اس پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۳- ”فتاویٰ عالمگیری“ میں ہے: ”وله بيعه؛ لأنه ملكه بالإحراز“ (الہندیہ ۳۹۱/۵) (اور مٹکے وغیرہ میں محفوظ کیے ہوئے پانی کو آدمی بیچ سکتا ہے، اس لیے کہ محفوظ کرنے کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہو گیا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے۔

۱۴- ”تنویر لأبصار“ اور ”الدر المختار“ میں ہے: ”ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضرراً بيناً فيمنع من ذلك، وعليه الفتوى“ (تنویر لأبصار مع الدر المختار، کتاب القضاء، مسائل ۱۵۲/۸) (اور کسی آدمی کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے سے نہیں روکا جائے گا، مگر جبکہ اس کے پرہیزی کا کھلا ہوا ضرر ہو، تو اسے اس سے روکا جائے گا، اور اسی پر فتویٰ ہے)۔

اور ”رد المختار“ میں ”فتح القدير“ کے حوالہ سے ہے: ”والحاصل أن القياس في

جنس هذه المسائل أن يفعل المالك ما بدا له مطلقاً؛ لأنه متصرف في خالص ملكه، لكن ترك القياس في موضع يتعمد ضرره إلى غيره ضرراً فاحشاً، وهو المراد بالبين، وهو ما يكون سبباً للهدم، أو يخرج عن الانتفاع بالكلية، وهو ما يمنع الحوائج الأصلية، كسد الضوء بالكلية، واختاروا الفتوى عليه، فأما التوسع إلى منع كل ضرر ما، فيسد باب انتفاع الإنسان بملكه كما ذكرنا قريباً“ (رد المحتار ۸/۱۵۳)۔

(اور خلاصہ یہ ہے کہ ان مسائل کی جنس میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مالک بغیر کسی قید کے، جو اس کی مرضی ہو، کرے؛ کیونکہ وہ اپنی خالص ملکیت میں تصرف کرنے والا ہے، لیکن قیاس کا تقاضا ایسے محل میں ترک کر دیا گیا ہے کہ اس کا ضرر دوسرے کے حق میں حد سے بڑھا ہو، اور ”کھلے ہوئے ضرر“ سے یہی مراد ہے اور وہ یہ کہ کھلا ہوا ضرر وہ ہے جو عمارت کے منہدم ہونے کا سبب ہو، یا وہ بالکل استفادہ سے نکل جائے، اور یہ وہ ضرر ہے جو اصلی ضرورتوں کو روک دے، جیسے بالکل روشنی کو بند کر دے، اور مشائخ نے اسی پر فتویٰ دینا اختیار کیا ہے، رہا ہر طرح کے ضرر سے منع کرنے میں وسعت اختیار کرنا، تو یہ انسان کے اپنی ملکیت سے فائدہ اٹھانے کے دروازہ کو بند کر دے گا، جیسا کہ ہم نے عنقریب ذکر کیا ہے)۔

اور ”مجلة الاحکام“ میں ہے: ”کل يتصرف في ملكه كيفما شاء، لكن إذا تعلق حق الغير به فيمنع المالك من تصرفه على وجه الاستقلال“ (مجلة الاحکام، المادة ۱۱۹۲) (ہر ایک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، لیکن اگر اس سے دوسرے کا حق متعلق ہو، تو مستقل طور پر اس ملکیت میں تصرف سے مالک کو روکا جائے گا)۔

اور ”درر الاحکام“ میں ہے: ”کل يتصرف في ملكه المستقل كيفما شاء أي أنه يتصرف كما يريد باختياره أي لا يجوز منعه من التصرف من قبل أي أحد،

ہذا إذا لم یکن فی ذلک ضرر فاحش للغير“ (درر احکام ۳۱۰) (ہر شخص اپنی مستقل ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، یعنی وہ اس طرح تصرف کر سکتا ہے جس طرح اپنے اختیار سے چاہے، یعنی کسی کی طرف سے اسے تصرف سے روکنا جائز نہیں ہے، جبکہ اس میں دوسرے کا حد سے بڑھا ہوا ضرر نہ ہو)۔

(الف) اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ نشیبی علاقوں کو پلاننگ کر کے اسی طرح تالاب بھر کے آبادی بسانا اور فروخت کرنا درست ہے، اور اس پر مرتب ہونے والے ضرر کا اعتبار نہیں ہے۔

(ب) البتہ حکومت پوری آبادی کے مصالح کے پیش نظر کسی خطہ میں اجتماعی ضرر کے مد نظر آبادی بسانے سے منع کر سکتی ہے، کیونکہ اسے ولایت عامہ حاصل ہے اور عمومی مصالح کی حفاظت اس کی ذمہ داری ہے، اور یہ قاعدہ ہے: ”یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام“ (مجلة الأحكام والمآخذ: ۲۶) (عام ضرر کو دور کرنے کے لیے خاص ضرر کو برداشت کیا جائے گا)۔ لیکن حکومت پر لازم ہے کہ خواہ مخواہ ممانعت نہ کرے کہ جس سے لوگوں کو تکلیف ہو، بلکہ مسائل کے حل کی سنجیدہ کوشش کرے۔

۱۵- ”ہدایہ“ میں ہے: ”فالإمام یجبر الناس علی کرہہ إحياء لمصلحة العامة، إذہم لایقیمونہا بأنفسہم، وفی مثلہ قال عمر - رضی اللہ عنہ -: لو تروکتہم لبعتم أولادکم“ (الہدایہ ۳۸۹) (تو امام لوگوں کو غیر مملوک نہر کی کھدائی پر مجبور کرے گا، عام لوگوں کی مصلحت قائم کرنے کے لیے؛ کیونکہ وہ خود مصالح عامہ کو قائم نہیں کر سکتے ہیں، اور اسی طرح کی صورت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمہیں چھوڑ دیا جائے تو تم اپنی اولاد کو بیچ ڈالو)۔

(الف) اس سے معلوم ہوا کہ مصالح عامہ کو قائم کرنا اور مفاسد عامہ کو دور کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لہذا آب رسانی کا عمومی انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے، اور ہر شہری

کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے۔

(ب) ابدتہ گھر گھر پہنچانا حکومت پر لازم نہیں ہے، لہذا حکومت گھر تک پہنچانے کا عوض لے سکتی ہے، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت پانی کی ترسیل روک سکتی ہے، جبکہ عوامی خزانہ سے مفت پانی کی ترسیل ممکن نہ ہو۔

۱۶- مصالح عامہ کو قائم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، جیسا کہ گزرا، لہذا پانی کی نکاسی کے لیے ڈریج کا نظام بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور یہ ہر شہری کا حق ہے تاکہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت ہو۔

خلاصہ بحث:

۱- شریعت نے پانی کی صفائی کا بڑا اہتمام کیا ہے اور پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے جو احکام دیئے ہیں، ان میں سے بعض وجوب کے درجہ میں ہیں اور بعض استحباب کے درجہ میں ہے۔

۲- مصالح عامہ کو قائم کرنا اور مفاسد عامہ کو دور کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

۳- معصیت کے علاوہ میں حکومت کے حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہے۔

۴- افراد کی مصلحت پر قومی مصلحت کو ترجیح حاصل ہے۔

۵- مملوکہ پانی کی تجارت درست ہے۔

واللہ اعلم بالصواب، علمہ اتم و احکم۔

☆☆☆

آبی وسائل اور ان کا شرعی حل

مفتی شاہد علی قاسمی ✽

پانی انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے، اور جس قدر اہم ہے اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا، اور عام لوگوں کے لئے سہل الحصول بنایا، تاہم اس وقت آبادی کی کثرت، اور صنعتی انقلاب کے نتیجے میں مختلف آلودگیوں کے ساتھ ساتھ آبی آلودگی نے پانی کے مسئلہ کو سنگین بنا دیا ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ عام لوگوں میں پانی کی حفاظت کے لئے شعور بیدار کیا جائے، ضرورت سے زائد استعمال سے روکا جائے، آلودگی سے بچانے کے لئے تدبیر کی جائے۔

جواب ۱:

اللہ تعالیٰ نے پانی کو انسانی ضرورت کے لئے پیدا کیا ہے، اس لئے شریعت نے عام اجازت دی ہے کہ انسان اپنی ضرورت میں حسب ضرورت پانی استعمال کرے، چاہے پانی پینے کی ضرورت ہو، کھانا پکانے میں اس کا استعمال ہو، کپڑے دھونے میں اسے برتا جائے، کسی چیز کو دھویا جائے، تعمیرات میں اس کا استعمال ہو، یا کھیتوں کو سینچا جائے، غرض کہ انسان کی نت نئی ضرورتیں ہیں، جن میں پانی کا استعمال جائز اور درست ہے، البتہ تین صورتیں شرعاً ممنوع ہیں:

(الف) ضرورت کی جگہ میں پانی کا استعمال ضرورت سے زائد اسراف کی حد تک کیا جائے، اسراف سے مراد یہ ہے کہ صحیح مصرف میں ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔
 صرف الشی فیما ینبغی زانداً علی ما ینبغی (کتاب التعریفات: ۲۶)۔
 وضو کرتے ہوئے اعضاء وضو کو دھونا ضروری ہے، شریعت نے تین مرتبہ دھونے تک اجازت بلکہ مسنون قرار دیا ہے، لیکن اس سے زائد دھونا اور پانی بہانا ”اسراف“ میں داخل ہے، یا جیسے ناپاک کپڑا دھونے میں غاسل اس حد تک پانی بہا چکا ہو جس سے اس کی پاکی پر اطمینان ہو گیا ہو پھر بھی وہ اس کے بعد پانی بہاتا رہے، یہ بھی اسراف میں داخل ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پانی کے استعمال میں اسراف سے بچو اگرچہ تم ندی کے کنارہ پر رہو۔ (دیکھئے ابن ماجہ حدیث نمبر: ۳۲۵)۔

(ب) دوسری ممنوع صورت تہذیر ہے، تہذیر سے مراد یہ ہے کہ مصرف ہی غلط ہو، جیسے کوئی سڑک پر پانی بہائے، حالانکہ سڑک کو پانی کی ضرورت نہ ہو بلکہ اس کی وجہ سے راہ گروں کو چلنے میں مشکل آتی ہو، تو یہ تہذیر میں داخل ہے اور ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إن المبلدین كانوا إخوان الشیاطین“ (الاسراء: ۲۷)۔

(ج) تیسری ممنوع شکل آبی آلودگی پیدا کرنے کی ہے، یعنی بانی کا اس طرح استعمال جس سے دوسرا صاف پانی آلودہ ہو جائے، جیسے فیکٹری میں پانی کا استعمال کیا جائے، اور اس سے نکلنے والا آلودہ پانی صاف ندی، یا صاف تالاب کی طرف بہا دیا جائے، یا گھر کا خراب پانی صاف کنویں وغیرہ کی طرف بہا دیا جائے، یہ اور اس طرح کی صورتیں ضرر عام کی وجہ سے درست نہیں ہیں، فقہاء نے قاعدہ بیان کیا ہے: ”الضرر یزال“ (الاشباہ والنظائر: ۱۳۹)۔

جواب ۲:

جیسا کہ سوال نمبر ۱ کے جواب میں تحریر کیا گیا کہ صحیح مصرف میں ضرورت سے زائد

خرچ کو اسراف کہتے ہیں، اس لئے پانی کا استعمال انسان کی کسی بھی ضرورت میں زائد از ضرورت کیا جائے یہ سب اسراف میں داخل ہوگا۔ اور اسراف کی ممانعت قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ موجود ہے: ”ولا تسرفوا، إنه لا يحب المسرفين“ (الانعام: ۱۳۲)۔ ایک مرتبہ حضرت سعد وضو کر رہے تھے کہ وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اے سعد! یہ کیا اسراف ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم جاری نہر کے پاس بھی وضو کرو تو اسراف ہو سکتا ہے۔

”إن رسول الله ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ، فقال: ما هذا الإسراف؟ فقال:

أقنى الوضوء إسراف؟ فقال: وإن كنت على نهر جار“ (ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۳۵)۔

اسی طرح غلط مصرف میں پانی کا استعمال بھی فضول خرچی میں شامل ہے: ”إن

المبذرين كانوا إخوان الشياطين“ (الاسراف: ۲۷)۔

جہاں تک فضول خرچی کے شرعی حکم کی بات ہے تو اس سلسلہ میں تین قول ہیں: ایک قول کے مطابق مکروہ ہے، دوسرا قول حرام ہونے کا ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک بدعت ہے، چنانچہ ”لإسراف“ نامی کتاب میں ہے:

”قال الجمهور إن ذلك مكروه، ومنهم من قال: إنه محرم، ومنهم

من قال: إن ذلك بدعة“ (الاسراف: ص ۶۳-۶۵)۔

جمہور علماء کے نزدیک فضول خرچی مکروہ ہے، البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد ہے یا مکروہ تنزیہی، اس سلسلہ میں فقہاء کی تعبیرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے؛ کیونکہ بعض فقہاء نے ترک اسراف کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے، چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں اسراف کی بابت گفتگو کرتے ہوئے حنفیہ کا نقطہ نظر اس طرح پیش کیا گیا ہے:

”وترک الإسراف بأن يزيد على الحاجة الشرعية سنة مؤكدة“
(الموسوعة الفقهية ۱۸۰/۳)۔

موسوعہ فقہیہ ہی میں ایک جگہ ہے:

”وقد قال فقهاء الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة إن الإسراف في استعمال الماء منهي عنه“ (حوالہ سابق)۔

اسی طرح علامہ نووی شوافع کا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”اتفق أصحابنا وغيرهم على ذم الإسراف في الماء في الوضوء والغسل قال البخاري في صحيحه: كره أهل العلم الإسراف فيه والمشهور انه مكروه كراهة تنزيه، قال البغوي والمتولى حرام“ (المجموع شرح المہذب ۱۵۲/۳، طة دار احیاء التراث)۔

غور کیا جائے کہ اسراف کی ممانعت میں کہیں مہمی عنہ کی تعبیر ہے تو کہیں اسراف کے ترک کو سنت موکدہ قرار دیا گیا ہے، اور شوافع کے یہاں تو مشہور قول کے مطابق کراہت تنزیہی ہے ہی؛ اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ پانی میں فضول خرچی حرام نہیں ہے بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔

جواب ۳:

پانی کو آلودہ کرنا یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی چیز کو ضائع کرنا۔ اور اللہ کی کسی نعمت کو ضائع کرنا ناپسندیدہ عمل ہے، خواہ اپنی مملوک چیز ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماء راكد (ٹھہرے ہوئے پانی) میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے:

”قال رسول الله ﷺ: لا تبل في الماء المائم الذي لا يجزئ ثم تغتسل منه“ (صحیح مسلم: باب ائس عن البول في الماء الدائم)۔

یہ ممانعت، اسی لئے ہے کہ پاک پانی پیشاب کرنے کی وجہ سے آلودہ اور ماء کثیر سے کم ہو تو ناپاک بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کنویں کے لئے مجموعی طور پر چالیس ذراع حریم مقرر فرما دیا ہے (مجمع الزوائد ۴/۱۲۸)۔ اور فقہاء نے اسی لئے کنویں کے قریب بئر بالوعۃ کھودنے سے منع کیا کہ اس کی وجہ سے کنویں کا پانی بھی گندہ ہو جائے گا۔ شرح وقایہ میں ہے:

”وان أراد أن يحفر بئر بالوعۃ يمنع أيضا لسراية النجاسة إلى البئر“
(شرح وقایہ ۱/۸۱)۔

اسی لئے پانی کو آلودہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اب رہی یہ بات کہ یہ ممانعت وجوب کے درجہ میں ہے یا اخلاقی حد تک ہے؟ تو اس سلسلہ میں راقم کا خیال ہے کہ اگر کوئی اپنی مملوکہ پانی کو آلودہ کرے اور اس آلودگی کی وجہ سے امراض کے پیدا ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو اور نہ اس سے ضرر عام متعلق ہو تو پھر یہ ممانعت اخلاقی حد تک ہوگی اور اسے کراہت تنزیہی کہا جائے گا، اور جب سرکاری پانی، ندی، تالاب، اور عام مباحات والے پانی کو آلودہ کیا جائے، جس سے عام لوگوں کو ضرر فاحش لاحق ہوتا ہے اس سے پانی کی قلت کا بھی سامنا کرنا پراسکتا ہے، اور ایسا پانی پینے سے خطرناک امراض بھی لاحق ہو سکتے ہیں، تو پھر پانی آلودہ کرنے کی ممانعت وجوب کے درجہ میں ہوگی۔

اس سلسلہ میں درجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

”اتفق الفقهاء على أنه لا يجوز للشخص في استعماله أن يقصد الإضرار بالغير لقوله صلى الله عليه وسلم لا ضرر ولا ضرار وهذا يدل على عدم جواز الإضرار بأحدٍ لا في ماله ولا في نفسه ولا في عرضه وكذلك لا يجوز مقابلة الضرر بالضرر والإتلاف بالإتلاف فكل تصرف ولو كان في ملك المالك يمنع إذا أدى إلى الإضرار بالآخرين“ (الموسم المعتبر: ۳۹، ۴۱)۔

جواب ۴:

ہر چیز کی اپنی ایک حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے، اور جب کیمیاوی عمل یا کسی اور طریقہ سے اس شے کی حقیقت اور ماہیت تبدیل کر دی جائے تو وہ شے دوسری شے بن جاتی ہے؛ چنانچہ شراب میں جب دوسری چیز ملا کر تبدیلی پیدا کی جائے اور وہ سرکہ بن جائے، تو اب اسے شراب کے بجائے سرکہ کہا جاتا ہے، اور ناپاک کے بجائے پاک کہا جاتا ہے، اسی طرح جب کوہر جلا یا جائے اور راکھ بن جائے تو اسے اب ناپاک کے بجائے پاک کہا جاتا ہے، اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ ناپاک چیز میں کسی عمل کے ذریعہ اس کی ماہیت میں تبدیلی پیدا کر دی جائے تو وہ چیز پاک ہو جاتی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم قسطنطینیہ کی بنیادی صورتوں کی تفصیل پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”إن التطهير يكون بأربعة: الغسل، والملاک، والجفاف، والمسح فی الصیقل والسابع انقلاب العین“ (البحر الرائق: ۱/۳۹۳)۔

تو جس طرح ناپاک چیز کی حقیقت تبدیل ہونے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر پانی میں گندگی مل جائے اور کیمیاوی عمل کے ذریعہ بدبودار اور گندے اجزاء نکال دیئے جائیں تو اس سے بھی گندہ پانی پاک تصور ہوگا؛ کیونکہ پانی میں اصل پاکی ہے، اور جو گندے اوصاف اس سے لاحق ہو گئے ہیں، اگر اس میدان کے ماہرین کہتے ہوں کہ کیمیاوی عمل کے ذریعہ پانی میں ملی ہوئی گندگی، بدبو اور اس کے اجزاء نکال دیئے جاتے ہیں اور گندگی کے اوصاف ختم ہو کر پانی کے اوصاف لوٹ آتے ہوں تو رقم الحروف کا خیال ہے کہ شہروں میں سپلائی ہونے والا ایسا پانی پاک تصور ہوگا اور اس کا استعمال درست ہوگا۔

بہر حال اس مسئلہ میں حتمی فیصلہ اس میدان کے ماہرین کی رائے پر موقوف ہے، اگر تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ پانی میں ملنے والی ناپاک چیز کے اجزاء کیمیاوی عمل کے ذریعہ نکال

لئے جاتے ہیں، اور پانی اپنی اصلی ماہیت اور حقیقت کی طرف لوٹ آتا ہے تو وہ پانی پاک متصور ہوگا، اور اگر تحقیق سے اس سے برعکس صورت سامنے آئے تو پانی نا پاک سمجھا جائے گا۔

جواب ۵:

عام حالات میں ہر انسان مباح پانی، اپنے مملوکہ پانی اور اجازت لے کر دوسرے کے مملوکہ پانی سے اپنی ہر چھوٹی بڑی ضرورت میں پانی کا استعمال کر سکتا ہے، اور اس بابت ہر انسان آزاد ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”هو الذی أنزل من السماء ماء لكم“ (نمل: ۱۰)۔
(اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا)۔

”ماءکم“ کا لفظ واضح اشارہ ہے کہ تمام انسانیت کی نفع رسانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے پانی اتارا ہے؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی پانی، آگ اور خود روگھاس کو مباحاتِ اصلیہ میں سے قرار دیا ہے:

قال رسول الله ﷺ: المسلمون شركاء في الثلاث في الماء والكلاء والنار وثمانه حرام۔ قال سعيد: يعنى الماء الجارى (ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۳۷۲، نیز دیکھئے: ابوداؤد حدیث نمبر: ۳۳۷۷)۔

تاہم اگر حکومت پانی کی قلت کے پیش نظر بعض انسانی ضرورتوں میں جو زیادہ اہم نہ ہوں پابندی گائے تو حکومت کو اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟
راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس کی اجازت ہوگی، فقہاء کے یہاں قاعدہ کلیہ ہے کہ ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کا ارتکاب کیا جائے گا۔

”يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام“ (الاشباہ: ۱۳۲)۔

اسی طرح ایک اور قاعدہ ہے: ”لو كان أحدهما أعظم ضررا من الآخر فإن الأشد يزال بالأخف“ (الاشباہ والنظائر: ۱۳۳)۔

نیز شریعت میں احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی ممانعت کی روح اور حقیقت بھی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرر عام سے بچانے کے لئے ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس چیز کی ذخیرہ اندوزی سے لوگوں کو ضرر لاحق نہ ہو تو پھر وہ احتکار ممنوع نہیں ہے، اور قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ ہر شخص آزاد ہے، وہ اپنے مملوک سامان میں آزادانہ تصرف کا حق رکھتا ہے، اسے کسی خاص تصرف پر مجبور نہیں کیا جانا چاہئے لیکن جب اس کا طرز عمل مصالح عامہ اور مفاد عامہ سے ٹکرائے تو پھر ضرر عام سے بچنے کے لئے اسے خاص تصرف پر مجبور کیا جاسکتا ہے، یہی معاملہ پانی کا بھی ہے، کہ پانی کے استعمال میں ہر انسان اپنی اپنی ہر جائز چھوٹی بڑی ضرورت پوری کرنے میں آزاد ہے، اس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی ہے، تاہم پانی کے عمومی استعمال میں عوام الناس کو پانی کی قلت کا سامنا ہونے لگے، اور لوگ اہم ضرورتوں کی تکمیل میں بھی تنگی میں مبتلا ہو جائیں، تو مفاد عامہ کے پیش نظر حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگا سکتی ہیں اور جس طرح یہ پابندی حکومتیں لگا سکتی ہیں اسی طرح ریاستوں کو بھی انفرادی طور پر پابندی لگانے کا حق حاصل ہوگا؛ کیونکہ جس طرح حکومتیں مصالح عامہ کی رعایت کرنے کی پابند ہیں اسی طرح ریاستیں بھی ذمہ دار ہیں۔

اب رہا مسئلہ حکومت یا ریاست کی پابندی پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟
تو چونکہ اس کا تعلق انتظام سے ہے اور اس طرح کی باتیں وقتی مصلحت کے تناظر میں ہوتی ہیں، اگر حکومت کسی ایسی بات کا حکم دے جو حکم شریعت سے نہ ٹکرائے، اور اس حکم میں مصلحت عامہ بھی ہو تو حکم پر چلنا اور اس کو ماننا واجب ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے۔

”عن عمر عن النبی ﷺ قال: السمع والطاعة حق مالم یؤمر بمعصیة

فیذا أمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة“ (بخاری، حدیث نمبر: ۲۹۵۵)۔

جواب ۶:

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انسانی ضروریات کے پیش نظر زمین کے نیچے پانی رکھا، تاکہ انسان جہاں بھی زندگی گزارے وہ پانی کے مسائل سے دوچار نہ ہو، کچھ ہی علاقے اس کائنات میں ایسے ہیں جہاں زمین کے نیچے پانی نہیں ہے، یا اگر ہے تو اس کی سطح کافی نیچے ہے۔ پانی ان چیزوں میں سے ہے جسے شریعت نے مباحات میں سے قرار دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”المسلمون شركاء في الثلاث في الماء والكلاء والنار وثمانه حرام“ (ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۳۷۲)۔ اسی لئے فقہاء نے زیر زمین پائے جانے والے پانی کو مباحات میں سے قرار دیا ہے، اور کسی انسانی کو اس کا مالک قرار نہیں دیا ہے یہاں تک کہ کوئی کنواں کھودے، حوض بنالے، اسی طرح پانی کے چشمے جو کسی کی مملوکہ زمین میں ہو ان سب صورتوں میں بھی جمہور فقہاء کے نزدیک مالک زمین پانی کا مالک متصور نہیں ہوگا؛ چنانچہ علامہ کا سانی فرماتے ہیں:

”الماء الذی یکون فی الحیاض والآبار والعیون لیس بمملوک لصاحبه بل هو مباح فی نفسه سواء کان فی أرض مباحة أو مملوكة“ (بدائع الصنائع ۵/۲۷۲)۔

اور جب زیر زمین پانی مباحات میں سے ہے، تو نہ افراد و اشخاص اس کے مالک سمجھے جائیں گے اور نہ حکومتیں مالک سمجھی جائیں گی۔ ابدتہ حکومت ولایت عامہ کی بنیاد پر مفاد عامہ کے پیش نظر مناسب قانون وضع کر سکتی ہے، چنانچہ اگر حکومت ضرر عام سے بچانے کیلئے مالک زمین کو اپنی زمین میں بورنگ کرانے سے منع کرے، تو اس کی اجازت ہوگی، بشرطیکہ بورنگ کرانے کی وجہ سے پانی کی سطح و اتعنا نیچے چلی جائے اور اس کی وجہ سے پڑوسیوں کو پانی کی قلت کا سامنا ہو جائے، محض گمان کی بنیاد پر اور حقیقی اندیشہ کے بغیر حکومت کو روک لگانے کا حق نہیں ہوگا، موسوع فقہیہ میں ہے:

”اعطت الشريعة الاسلامية ولي الأمر حق وضع قيود على الملك، ومن ذلك الأول تقييد الملك الخاص للمصلحة العامة“
(الموسم الفقہیہ: ۳۹/۳۳)۔

جہاں تک اس حکم کی تعمیل کی بات ہے تو اگر اس کا حکم شرعاً جائز ہو تو اس کی تعمیل واجب ہے اور جب حکومت کا پابندی لگانا شرعی دائرہ میں نہ ہو تو پھر حکومت کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہوگی۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

”عن عمر عن النبي ﷺ قال: السمع والطاعة حق مالم يؤمر بمعصيته فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة“ (بخاری، حدیث نمبر: ۲۹۵۵)۔

جواب ۷:

جو چیز عمومی نوعیت کی ہو، جس سے عام لوگ فائدہ اٹھائے ہوں جیسے سڑک، نہر، ڈیم وغیرہ تو ایسی چیزوں کو وجود میں لانا، اور وجود میں آنے کے بعد اس کی مرمت، اس میں توسیع وغیرہ یہ سب حکومت وقت کی ذمہ داری ہے، چنانچہ مختصر و قافیہ میں ہے:

(و كرى نهر لم يملك) أى حفره (من بيت المال) لأن ذلك لمصلحة المسلمين وبيت المال الخراجى معد لمصالحهم“ (مختصر الوقائيع اختصار
ارویہ ۲/۲۰۳)۔

اس لئے پانی کی ذخیرہ اندوزی بھی حکومت وقت کی ذمہ داری ہے؛ کیونکہ اس کا تعلق مصالح عامہ سے ہے، اور حکومت مصالح عامہ کی رعایت و محافظت کی مکلف ہوتی ہے؛ اس لئے اگر اوواشخاص کو اصلاً اس کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا۔ البتہ رقم الحروف کے نزدیک دو صورتوں میں اگر اوواشخاص کو بھی مکلف بنایا جاسکتا ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ حکومت کے پاس اتنا بجٹ نہ ہو کہ وہ تمام شہری کی ضروریات کے

بقدر پانی کا ذخیرہ کر سکے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر جگہ بہ جگہ پانی کا ذخیرہ کیا جائے تو زیر زمین سطح آب میں اضافہ ہوتا ہو اور اس کے نتیجے میں مستقبل میں پانی کے قحط کا سامنا نہ ہو تو یہ ایک ایسی عظیم مصلحت ہے کہ جس کے لئے افراد و اشخاص کو حفاظت آب کا مکلف بنایا جاسکتا ہے، پھر یہ معاملہ ایسا ہی ہوگا جس طرح حکومت لوگوں کو پابند کرے کہ وہ غلاظت، کچر اور گندگیاں عام جگہوں پر نہ ڈالیں، تاکہ بہت سے امراض جو گندگی کی وجہ سے پھیلتے ہیں ان کا سدباب ہو سکے، تو لوگوں کو اس کی رعایت کرنا ضروری ہوگا؛ اسی طرح پانی کی قلت سے بچنے اور سطح آب میں اضافہ کرنے کا مسئلہ بھی انتہائی اہم ہے، اس سے نمٹنے کے لئے عام لوگوں کو پانی کی ذخیرہ اندوزی کا مکلف بنایا جاسکتا ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ نہر کی کھدائی کو کہ حکومت کی ذمہ داری ہے؛ لیکن اگر حکومت کے پاس اتنا بجٹ نہ ہو کہ خود اس کام کو اپنے اخراجات سے انجام دے سکے تو عام لوگوں پر بھی اس کا بوجھ ڈالا جاسکتا ہے۔

”فإن لم یکن فیہ (أی فی بیت المال) شیء یكفیہ (فعلى العامة) کریمہ، یجبرهم الإمام علی ذلك لأن فی تركه ضرراً وفلما ینفق العامة علی المصالح یاختیارهم، إلا أن الإمام یخرج له من یطيقه ویجعل مؤنته علی المیاسیر الذین لا یطیقونہ بأنفسهم کما فی تجهیز الجیوش“ (مختصر الوتاریع اختصار اروپیتہ: ۲/۲۰۳)۔

اس لئے رقم الحروف کے نزدیک مذکورہ دونوں صورتوں میں عام لوگوں کو اس بات کا مکلف بنایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو ذخیرہ آب کیلئے مخصوص کر دیں، اور جب حکومت مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں مجبور کر سکتی ہے تو لوگوں پر اس حکم کی اطاعت بھی ضروری ہوگی، نیز جب حکومت کا کوئی حکم جو قرآن و حدیث کی کسی نص کے خلاف نہ ہو، اور لوگوں کی مصلحت کے مطابق ہو تو اس کی اطاعت واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“
(النساء: ۵۹)۔

اس آیت میں ”اولی الامر“ سے ایک قول کے مطابق امراء و حکام مراد ہیں، نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”عن عمر عن النبي ﷺ قال: السمع والطاعة حق مالم يؤمر بمعصية
فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة“ (بخاری، حدیث نمبر: ۲۹۵۵)۔

البتہ اس کا خیال ضروری ہے کہ جو لوگ تنگ دست ہوں اور خود ان کے لئے جگہ تنگ ہو تو ان کو مزید حفاظت آپ کیلئے ایک حصہ گھر مخصوص کرنے کا حکم دینا ”تکلیف مالا یطاق“ کی قبیل سے ہوگا: اس لئے اس کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔

جواب ۸:

اسلام نے ہر شخص کو اپنی املاک کے تحفظ کا حق دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لا یحل لامرئ من مال أخیه إلا ما طابت به نفسه“ (مسند احمد: ۳/۵۲۳)۔
اس لئے کسی کی مملوک چیز کو اس کی رضا مندی کے بغیر لیما جائز نہیں ہے البتہ پانی کی ذخیرہ اندوزی اور ڈیم کی تعمیر کے لئے حکومت کا عوام کی زمین حاصل کرنا اور متبادل زمین فراہم کر دینا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں راقم الحروف کے نزدیک درج ذیل صورتیں ہیں:
۱- حکومت کے پاس اپنی زمین ہو، اور اس پر ڈیم کی تعمیر ہو سکتی ہو تو پھر دوسرے کی زمین جبراً لیما درست نہیں ہوگا: کیونکہ اس صورت میں حکومت کے سامنے مجبوری نہیں ہے۔
۲- مذکورہ مقصد کے لئے حکومت کے پاس زمین نہ ہو، البتہ حکومت کو ضرورت کے بقدر زمین بلا عوض یا بالعوض مل رہی ہو، تو پھر دوسروں کو نقل مکانی پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

۳- مذکورہ مقصد کے لئے حکومت کے پاس زمین نہ ہو، اور نہ لوگ بالعوض ہی دینے پر آمادہ ہوں، تو اگر پانی کی ذخیرہ اندوزی اور اس کے لئے ڈیم بنانا شہریوں کی ضرورتوں میں داخل ہو چکا ہو تو پھر حکومت کو اس کی اجازت ہوگی کہ وہ مظلوم زمین کو اپنے قبضہ میں لے لے، اور حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس کا متبادل فراہم کرے، اور متبادل فراہم کرنے میں لی ہوئی زمین کی مالیت کو نظر انداز نہ کرے، یعنی جس مالیت کی زمین حکومت نے لی ہے، اسی مالیت کی دوسری زمین مالکان زمین کے لئے فراہم کرے اگر متبادل زمین رقبہ کے اعتبار سے لی ہوئی زمین کے برابر ہو، لیکن متبادل زمین کی مالیت کم ہو تو کمی کی تلافی دوسری شکل مثلاً مناسب رقم دے کر کرے، بلکہ دلجوئی کے لئے استحقاق سے بڑھ کر دے، اس سلسلہ میں ایک نظیر عہد رسالت کی بھی ہے، کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اس کے لئے جس زمین کا انتخاب فرمایا وہ ایک یتیم کی زمین تھی۔ اس یتیم کو رسول اللہ ﷺ کی خواہش کا علم ہوا تو وہ بلا معاوضہ زمین دینے کو تیار تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا مناسب معاوضہ افرمایا، اس لئے حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ حسن سلوک کے پہلو کو نظر انداز نہ کرے، اور زمین والوں سے گفتگو کر کے ان کو نقل مکانی پر آمادہ کرے، پھر بھی زمین والے آمادہ نہ ہوں تو صرف اس صورت میں حکومت نقل مکانی پر مجبور کر سکتی ہے جبکہ ڈیم بنانا ضرورت کے دائرہ میں آچکا ہو۔

جواب ۹:

قاعدہ فقہیہ ہے کہ ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کا ارتکاب کیا جاسکتا ہے "لو كان أحدهما أعظم ضرراً من الآخر فإن الأشد يزال بالأخف" (الاشباہ: ۱۳۳)۔ اسی طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کا کفار سے جہاد چل رہا ہو، اور دوران جنگ کفار چند مسلمانوں کو پکڑ کر انہیں ایسی جگہ کھڑا کر دیں کہ مسلم فوج جب بھی کفار پر حملہ کریں تو یہ کھڑے

مسلمان بھی حملہ کی زد میں آجائیں تو کیا ایسی صورت میں مسلم فوج کفار پر حملہ کرنا بند کر دیں گے؟ فقہاء نے کہا کہ اگر حملہ جنگی نقطہ نظر سے ضروری ہو تو درمیان میں چند مسلمانوں کو ڈھال بنانے کے باوجود مسلم فوجوں کو حملہ کرنے کی اجازت ہوگی، خواہ اس کی وجہ سے وہ چند مسلمان ہلاک ہو جائیں۔ علامہ ابن کجیم فرماتے ہیں:

”قالوا الکافر إذا ترس بمسلم فإن رماه مسلم فإن قصد قتل المسلم

حرم وإن قصد قتل الکافر لا“ (الاشاہ والنظار: ۱/۵۵۱)۔

اس لئے صورت مسئولہ میں بھی اس اصول کو برتا جائیے گا۔ اگر باندھ کونہ کاٹنے میں مجموعی اعتبار سے جانوں اور مالوں کا زیادہ نقصان ہو تو پھر باندھ کاٹنے کی اجازت ہوگی، اور اگر باندھ کاٹنے میں مجموعی اعتبار سے جان و مال کا زیادہ نقصان کا خطرہ ہو تو پھر باندھ کاٹنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

جواب ۱۰:

دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب ان سب کا پانی مباحات میں سے ہے، ان پر ہر کسی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، اگر کنواں یا تالاب وغیرہ کھودنے میں حکومت یا کسی فرد نے مال خرچ کئے ہوں، پھر بھی مشہور قول کے مطابق پانی پر حکومت یا اس فرد کی ملکیت قائم نہیں ہوگی۔

”إن صاحب البئر لا يملك الماء هذا مادام فی البئر“ (شرح الکبیر:

۸۱/۱۱)۔

اس لئے ایسے پانی سے عام لوگ بھی استفادہ کر سکتے ہیں، البتہ استفادہ کی بنیادی طور سے تین قسمیں کی جاسکتی ہیں:

(الف) کھانے، پینے، برتنے، کپڑا دھونے اور اس طرح کی بنیادی ضرورتوں میں پانی کا

استعمال کہ جس میں پانی کم خرچ ہوتا ہے۔

(ب) دوسری صورت ایسے کاموں میں پانی کے استعمال کی ہے جس میں پانی کی ایک مناسب مقدار کی ضرورت پڑتی ہو، جیسے مویشی کے ریوڑ کو پانی پلانا۔

(ج) تیسری صورت وہ ہے جس میں پانی کی اچھی خاصی مقدار مطلوب ہو، جیسے کھیتوں کی سینچائی، ایسی چیز کی فیکٹری جس کی تیاری میں پانی کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔

پہلی صورت تو مطلقاً درست ہے، یعنی سوال میں جس پانی کا تذکرہ ہے اس سے ہر شخص اپنی بنیادی ضرورت پوری کرنے کا حق رکھتا ہے، دوسری صورت کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ جانور کو ضرر لاحق ہو، اگر عام لوگوں کو ضرر لاحق ہونے لگے تو پھر مویشی کے ریوڑ کو پانی پلانے سے روکا جاسکتا ہے، اسی طرح ہر وہ کام جس میں پانی کی متوسط مقدار مطلوب ہو اور پانی کے استعمال سے ضرر عام لاحق ہو یعنی لوگوں کو پانی کی قلت کا سامنا ہونے لگے تو اسے حکومت منع کر سکتی ہے، تیسری صورت جس میں پانی کی بہت زیادہ مقدار مطلوب ہو جیسے سینچائی، پانی سے مربوط چیز کی فیکٹری، تو اس کے حکم کی تفصیل یہ ہے کہ عوامی کنویں، سرکاری تالاب اور چشمے جو مال خرچ کر کے نکالے گئے ہوں، ان سے استفادہ بلا اجازت درست نہیں ہے، کھیت کی سینچائی کرنے والے پر لازم ہے کہ حکومت اور اہل حق سے پوچھے اور اجازت لئے بغیر کھیتی سیراب نہ کرے، فیکٹری میں سپلائی نہ کرے، اگر حکومت اور اہل حق کی جانب سے اذن عام ہو اور ہر چھوٹی بڑی ضرورت میں پانی کے عام استعمال کی اجازت ہو تو پھر سینچائی وغیرہ میں بھی مستقلاً اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، یہ حکم دریا اور ندی کا ہے، جو عام طور پر قدرتی ہوتے ہیں کہ اس سے استفادہ کی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ لوگوں کو اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل میں پانی کی قلت کا سامنا نہ ہو، اگر لوگوں کو اس سے ضرر لاحق ہوتا ہو تو پھر اس قسم کے استفادہ کی اجازت نہیں ہوگی، اس سلسلہ میں درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

”اعلم أن المياه أنواع: منها ماء البحار ولكل واحد من الناس فيها حق الشفة وسقى الأراضى“ (بخاری ۳۸۳/۳، کتاب احیاء الموات)۔

”نهر لقوم ولرجل أرض بجنبه ليس له شرب من هذا النهر كان لصاحب الأرض أن يشرب ويتوضأ ويسقى دوابه من هذا النهر وليس له أن يسقى منه أرضاً أو شجراً أو زرعاً..... وإن أراد قوم ليس لهم شرب من هذا النهر أن يسقوا دوابهم منه، قالوا إن كان الماء لا ينقطع بسقيهم بأن كانت الإبل كثيرة كان لهم حق المنع، وقال بعضهم إن كان تنكسر ضفة النهر ويخرب بالسقى كان لهم حق المنع وإلا فلا، وكذا العين والحوض الذي دخل فيه الماء بغير احراز وإحتيال فهو بمنزلة النهر الخاص“ (ہندیہ: ۳۹۱/۵، کتاب الشرب)۔

جواب ۱۱:

اگر نہر چند اشخاص کی ملکیت ہو تو پھر ان ہی مالکان اراضی کو اپنی کھیتی سیراب کرنے کا حق ہوگا جو نہر کے مالک ہیں یا جن کا حق شرب ہو، یا جن کو مالکان نہر اجازت دیں، تاہم فی زمانہ نہریں سرکاری ہیں، اور حکومت نے نہر کا نظام اسی لئے رکھا ہے کہ لوگ اپنے اپنے کھیت سیراب کریں، گویا اذن عام ہوتا ہے جو چاہے کھیت سیراب کرے، تاہم اگر حکومت نے پانی سے استفادہ کی کچھ شرائط رکھی ہوں، مثال کے طور پر یہ قانون ہو کہ کھیت کیلئے پانی وہی لے سکتا ہے جو اولاً متعلقہ محکمہ میں اپنا نام، اور پلاٹ نمبر درج کرائے اور سالانہ اتنا روپیہ جمع کیا کرے، تو پھر ان شرائط کی رعایت کے بعد ہی کھیت سیراب کرنے کی اجازت ہوگی۔ حاصل یہ کہ اس سلسلہ میں ملکی قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے پانی سے استفادہ کی اجازت ہوگی، بشرطیکہ کوئی قانون شریعت حقہ کے خلاف نہ ہو۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل اور اس کے متعلق فقہی عبارتیں سول نمبر: ۱۰ کے

جواب میں آچکی ہیں۔

جواب ۱۲:

پانی پر ملکیت کی بنیادی صورت فقہ کی زبان میں ”اِحراز“ ہے، احراز کے معنی جمع کرنے اور ذخیرہ اندوزی کرنے کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جب کوئی پانی کو کسی برتن یا کسی اور چیز میں جمع کر لے اور اس کا ذخیرہ کر لے تو وہ ایسے پانی کا مالک ہو جاتا ہے۔

”فأما ما يحوزہ من الماء في إنائه أو يأخذہ من الكلاً في حبله أو يجوزہ في رحله أو يأخذہ من المعادن فإنه يملكه بذلك بغير خلاف بين أهل العلم“
(الشرح الكبير ۱۸/۱۱)۔

اسی حکم میں اس تالاب کا پانی بھی ہے جس میں تالاب والے نے مشین کے ذریعہ پانی بھرا ہو، کہ یہ بھی احراز کے دائرہ میں آنے کی وجہ سے مملوک سمجھا جائے گا۔ چنانچہ شرح کبیر میں ہے:

”أما إذا أخرجہ منها بالاحتیال كما في السواني فلا شك في ملكه له كحيازته له في الكيزان ثم صبه في البرك بعد حيازته“ (الشرح الكبير ۸۱/۱۱)۔
سمندر، بڑے بڑے دریا، اور ندی وغیرہ جن میں قدرتی پانی ہوتے ہیں۔ اس پر کسی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، خواہ حکومت ولایت عامہ کی بنیاد پر ایسے پانی پر بھی ملکیت کا دعویٰ کرے اور اپنے آپ کو مالک سمجھے، تو بھی شرعاً حکومت یا کسی فرد کی ملکیت نہیں سمجھی جائے گی، علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری رقم طراز ہیں:

”وقسم منه لا يملك اصلاً وكل الناس فيه سواء في الشرب وسقى
الدواب وكري النهر منه إلى أرضه وذلك كالأنهار العظام مثل النيل والفرات
ونحوهما“ (عمدة القاری ۵۱/۹۵)۔

اب رہا مسئلہ مملوک کنواں، مملوک نہر، اور مملوک تالاب وغیرہ کا تو اس سلسلہ میں بھی مشہور قول یہ ہے کہ ان سب کے پانی پر بھی کسی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، مباحات میں سے ہے۔ ایسے پانی سے بنیادی انسانی ضرورت جیسے پینے، کھانا پکانے وغیرہ کیلئے استفادہ کرنا ہر ایک کے لئے جائز ہے، اسی طرح مویشی کو پانی پلانا درست ہے، جب کہ مویشی اتنے زیادہ نہ ہوں جو پانی اس حد تک پی لیں کہ دوسروں کو نقصان پہنچے، البتہ باغ اور کھیت کی سیچائی بلا اجازت درست نہیں ہے۔

”وَأَمَّا مَا يَنْبَعُ فِي مَلِكِهِ كَالْبُئْرِ وَالْعَيْنِ الْمَسْتَنْبِطَةِ فَنَفْسُ الْبَشَرِ وَأَرْضُ الْعَيْنِ مَمْلُوكَةٌ لِمَالِكِ الْأَرْضِ وَالْمَاءُ الَّذِي فِيهَا غَيْرُ مَمْلُوكٍ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ، لِأَنَّهُ يَجْرِي مِنْ تَحْتِ الْأَرْضِ إِلَى مَلِكِهِ فَأَشْبَهَ الْمَاءُ الْجَارِي فِي النَّهْرِ إِلَى مَلِكِهِ، وَهَذَا أَحَدُ الْوَجْهِينَ لِأَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ“ (الشرح البیر ۱۱/۷۸)۔

تاہم ایک قول کے مطابق مملوک تالاب، مملوک کنواں، وغیرہ کے پانی پر صاحب تالاب اور صاحب کنواں مالک ہو جاتا ہے؛ جب کہ پانی اسی جگہ کی زمین سے سوتے کے ذریعہ نکل رہا ہو، کہ ایسی صورت میں ایسا پانی اسی کی زمین کا ”نماء“ قرار پائے گا۔ اور زمین کے تابع ہو کر پانی بھی مملوک ہوگا۔ حنابلہ اور شوافع کی ایک روایت یہی ہے، فقہ شافعی کی کتاب البیان فی مذہب الامام الشافعی میں ہے:

”إِذَا حَفَرَ الرَّجُلُ بئْرًا فِي مَلِكِهِ فَالْبئْرُ مَلِكٌ لَهُ، لِأَنَّهُ مِنْ مَلِكِ أَرْضِهَا مَلِكُهَا إِلَى الْقَرَارِ، فَإِنْ نَبَعَ فِيهَا مَاءٌ فَهَلْ يَمْلِكُهُ؟ عَلَى الْوَجْهِينَ“ (البیان فی مذہب الامام الشافعی ۷۵/۵۰۳)۔

نیز شرح کبیر میں ہے:

”وَالْوَجْهُ الْآخِرُ يَمْلِكُ: لِأَنَّهُ نَمَاءُ الْمَلِكِ، وَقَدْ رَوَى عَنْ أَحْمَدَ نَحْوُ

ذلك وقد اختاره أبو بكر وهنا يدل من قوله علي أن الماء مملوك لصاحبه“ (الشرح الكبير ۱۱/۲۹۱)۔

اسی طرح بعض فقہاء حنفیہ کے یہاں بھی اس طرح کے پانی کے مملوک ہونے کی بات ملتی ہے۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اس کے کنویں اور چشمے کے پانی کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ بائع پانی کی مقدار کی جہالت کو ختم کر دے۔

”وإن باعه بذلك لم يجز البيع ولم يحل للبائع والمشتري لأنه مجهول فإن أمكن ضبط مقدار الماء بالعداد ونحوه ينبغي أن يجوز بيعه“ (مجموع الفتاوى ۱۱/۵۲۳)۔

ظاہر ہے کہ بیچنا اسی وقت جائز ہو سکتا ہے جب کہ اس پر ملکیت بھی تسلیم کر لی جائے؛ اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ عام حالات میں مملوک تالاب، مملوک کنواں، مملوک چشمہ کے پانی پر ملکیت قائم نہیں ہوگی؛ کیونکہ مذہب کا راجح قول یہی ہے، تاہم اگر اس طرح کے پانی کی بیع کا چلن عام ہو جائے تو عموم بلوی کی وجہ سے مرجوح قول کا سہارا لینے میں مضائقہ نہیں ہے۔

جواب ۱۳:

حدیث شریف میں ضرورت سے زائد پانی بیچنے کی ممانعت وارد ہے:
”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع فضل الماء“ (مسلم، حدیث نمبر: ۴۰۰۳، کتاب المساقاة)۔

تاہم جمہور فقہاء نے اس ممانعت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

”قال الخطابی: والنہی عند الجمہور للتنزیہ“ (فتح الباری ۵/۳۹۵)۔
اس لئے عام حالات میں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ دوسروں کو پانی دے کر اس کا

معاوضہ لیا جائے، تاہم اگر کسی نے مملوکہ پانی کا عوض لے ہی لیا تو عوض کا وہ مالک ہو جائے گا، اور اس عوض سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا، البتہ یہ تفصیل اس مملوکہ پانی کی ہے جس کو بیچتے ہوئے بائع کو اضافی لاگت نہ آتی ہو، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بیچنے والے پانی پر بہت سے اخراجات کرتے ہیں، پانی کی سپلائی، ایک جگہ سے دوسری جگہ ترسیل، مشین کے ذریعہ پانی کی صفائی، خود مشین کی ہزاروں روپے میں خریدی، باضابطہ اس کیلئے عملہ کا تقرر، ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں پانی کی تجارت اور اس پر نفع کمانے کو مکروہ کہنا بھی مشکل ہے۔

بہر حال جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہو جاتا ہے ان میں اپنے مملوکہ پانی کی تجارت جائز ہے، اور جو کچھ اس سے آمدنی حاصل ہو وہ حلال ہے۔

جواب ۱۴:

شریعت نے ہر ذی شعور انسان کو اپنی املاک میں تصرف کا حق دیا ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ وہ جس طرح کا تصرف کرنا چاہے کرے، تاہم ایسا تصرف جس سے دوسرے کو واضح ضرر اور نقصان پہنچے، اس کی اجازت نہیں ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لا ضرر ولا ضرار“ (موطا امام مالک ۲/۵۲۷)۔

یعنی نہ تو دوسرے کو ضرر پہنچائے اور نہ دوسرے سے ضرر پہنچائے، نیز موسوع فقہیہ میں ہے:

”فحق المملک وإن کان خاصا بصاحبہ ومن حقه أن يتصرف فیہ کما یشاء إلا أن حق الغير مصون ومحافظ علیہ شرعا فمراعاة مصالح الآخرین قید علی استعمال الحقوق ومنها المملک“ (الموسوع الفقہیہ ۳۹/۳۳)۔

نیز ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف، متاخرین حنفیہ اور بعض شوافع کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز میں ایسا تصرف کرے جس سے پرہیزی کو واضح نقصان (ضرر

فاحش) پہنچے تو اسے تصرف سے روکا جائے گا، اور جب نقصان فاحش کی بات نہ ہو تو پھر اسے تصرف کی اجازت ہوگی۔

”ومنہم من فرق بین الضرر الفاحش فیمنع وغیر الفاحش الذی لا یمنع وهو رأی أبی یوسف فی روایة ومتأخری الحنفیة وبعض الشافعیة“
(الموسوع الفقہیہ ۳۲/۳۹، نیز دیکھئے بسوط نرسی ۱۳/۲۵، فتح القدر ۵۰۶/۵، رد المحتار ۳۳۳/۵، نہایۃ الحاج ۳۲۷/۵، المغنی ۳/۳۸۸)۔

اس لئے صورت مسئولہ کی چند ممکنہ شکلوں کے احکام حسب ذیل ہوں گے:

- (الف) وہ علاقے جہاں پانی کا مسئلہ درپیش نہ ہو، یعنی نشیبی علاقوں کی پلانٹنگ کی وجہ سے پانی کی سطح نیچے نہ جاتی ہو تو پھر مالکان اراضی اپنی نشیبی زمین پر پلانٹنگ کر سکتے ہیں۔
- (ب) جن علاقوں میں پانی کا مسئلہ بہت سنگین ہو اور اس کی اہمیت کے پیش نظر حکومت نے بھی مالکان اراضی پر نشیبی علاقوں کی زمین کی پلانٹنگ کرنے کی ممانعت کر دی ہو اور واقعہ بھی یہی ہو کہ پلانٹنگ کرنے کی وجہ سے سطح آب میں کمی آ سکتی ہو، اور اس کی وجہ سے عام خلائق کو ضرر فاحش لاحق ہو تو پھر مالکان اراضی پر لازم ہوگا کہ وہ نشیبی علاقوں کی پلانٹنگ نہ کریں، اور اس قانون کی خلاف ورزی جائز نہیں ہوگی۔

”فکل تصرف - ولو کان فی ملک المالك - یمنع إذا أدى إلى الإضرار بالآخرین ولذلك منع الفقهاء المالك من إشعال النار فی یوم عاصف ولو کان فی ملكه مادام یترتب علیه إحراق شیء من أموال الجیران حیث یعتبر متعدیا وعلیه الضمان“ (بسوط نرسی ۱۳/۱۵، نیز دیکھئے فتح القدر ۵۰۶/۵)۔

اگر یہی مذکورہ بالا کیفیت ہو اور حکومت نے اب تک پابندی نہ لگائی ہو، تو حکومت کو چاہئے کہ پابندی لگا دے؛ تاہم اگر پابندی نہ بھی لگائے تو بھی ارباب زمین پر دیا بننا واجب ہوگا

کے نشیبی علاقوں کی پلاننگ نہ کریں تاکہ عوام الناس ضرر سے دوچار نہ ہوں۔
 (ج) اگر نشیبی علاقوں میں پلاننگ کی وجہ سے سطح آب میں کمی تو ہو لیکن اس کی وجہ سے ضرر عام لاحق نہ ہو، جیسے اس شہر میں دریاؤں سے پانی لانے کا مناسب انتظام ہو، کہ اگر زیر زمین پانی سے لوگ استفادہ کم کرتے ہوں اور سرکاری پانی جو دریا سے لایا گیا ہے وہ عام لوگوں کے لئے کافی ہو تو پھر نشیبی علاقوں کی پلاننگ درست ہوگی۔

جواب ۱۵:

(الف) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور کا والی بنا دیا، پھر اس نے لوگوں کی حاجات و ضروریات کا خیال نہیں کیا تو اللہ بھی اس کی ضرورتوں کو پورا نہیں فرمائیں گے، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی ضروریات کے سلسلہ میں ایک شخص کو مقرر فرمایا تھا:

”سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: من ولاه الله عز وجل شيئا من أمر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقيرهم احتجب الله عنه دون حاجته وخلته وفقيره قال: فجعل رجلا على حوائج الناس“۔

امام ابو داؤد نے اس حدیث کو باب فیما يلزم الامام من أمر الرعيته الخ (حدیث نمبر ۲۹۴۹) کے تحت پیش کیا ہے، گویا امام ابو داؤد علیہ الرحمۃ اس حدیث کی روشنی میں حاکم وقت پر لوگوں کی بنیادی ضروریات کی دیکھ بھال اور اس کے انتظام و انصرام کو ضروری قرار دے رہے ہیں۔ اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ جس شہر میں لوگ پانی کے مسائل سے دوچار ہوں وہاں آب رسانی کا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا حکومت سے مطالبہ کرے؛ البتہ اگر کسی شہر میں پانی کا مسئلہ نہ ہو، پانی عوام کیلئے سہل الحصول ہو تو

پھر آب رسانی کا انتظام حکومت کے فرائض میں داخل نہیں ہوگا؛ بلکہ خود لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے طور پر پانی کا انتظام کر لیں۔

(ب) اگر حکومت نے مستقل محکمہ آب رسانی قائم کر رکھا ہو تو ظاہر ہے کہ اس انتظام کو چلانے میں ایک بڑی رقم خرچ ہوتی ہے؛ اس لئے اس کی اجرت متعین کرنا اور اس کا عوض لینا جائز ہے۔ اگر کوئی اجرت نہ دے تو حکومت اس سے پانی روک لینے کی مجاز ہوگی؛ تاہم اگر حکومت مفت اس کا انتظام کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے، البتہ اس طرح کی چیزیں حکومت کی اپنی پالیسی پر مبنی ہوتی ہیں، یعنی حکومت کس طرح کی دی ہوئی سہولتوں پر معاوضہ لے اور کس طرح کی چیزوں پر نہیں لے، ظاہر ہے کہ ہر طرح کی سہولت حکومت مفت فراہم نہیں کر سکتی۔

جواب ۱۶:

دنیا ترقی پذیر ہے، اور اسی مناسبت سے طرز حیات میں بھی روز بروز تبدیلی ہوتی رہتی ہے، زمانہ قدیم میں ڈرنیج کا مسئلہ زیادہ اہم نہیں تھا، لوگوں میں سادگی تھی، مکانات اور سڑکوں اور گلیوں کی بھی یہ کیفیت نہیں تھی، اس لئے ڈرنیج کا معاملہ بھی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں شامل نہیں تھا، لیکن اس وقت شہروں کی صورتحال یہ ہے کہ ڈرنیج اور استعمال شدہ پانی کی بہتر نکالی کا انتظام نہ ہو تو لوگوں کو بڑا اصرار لازم آئے گا، اور حفظان صحت کے اعتبار سے بھی بڑا منفی اثر پڑے گا، اس لئے اس وقت ڈرنیج کا مسئلہ لوگوں کی ضروریات میں شامل ہو چکا ہے اور اجتماعی ضرورتوں کا نظم اور ان کی تکمیل حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے، جیسا کہ سوال ۱۵ کے جواب میں اس سلسلہ کی حدیث گزر چکی ہے، اس لئے ڈرنیج کا نظام شہریوں کا حق سمجھا جائے گا۔ اور اس کا مطالبہ بھی درست ہوگا۔

آبی وسائل - شریعت کی نظر میں

مولانا امجد الحسن ایوبی ندوی ☆

تمہید:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد!

پانی انسانی زندگی کا قوام ہے، اس کے بغیر تقریباً زندگی ناممکن ہے، اور یہ نہ صرف انسان کی تخلیق کارکن اعظم ہے، بلکہ بالواسطہ یا بلاواسطہ تمام حیوانات کا وجود پانی کا ہی رہن منت ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ”وجعلنا من الماء کل شیء حی“ (النبا: ۳۰)۔
”والله خلق کل دابة من ماء“ (النور: ۴۵)۔

قرآن کریم میں پچاس سے بھی زائد مقامات پر بطور ایک عظیم نعمت الہی اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ اگر ایک طرف انسان کی پیاس بجھانے کا ذریعہ ہے (الواقعة: ۶۸) تو دوسری طرف اس کی تطہیر کا سامان بھی (الانفال: ۱۱، لفرقان: ۴۸)۔ یہ کھیتوں، پھلوں، پھولوں کی شادابی کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف ان کے چوپایوں کو بھی سیراب کرتا ہے۔ پانی سے انسان کا نفع دیرپا ہو اس کے لئے زمین کے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھی (المومنون: ۸)، آسمان سے بارش کا انتظام کیا (عبا: ۱۳)، اور زمین کی تہوں میں چشموں کی لازوال دولت رکھ دی، اور ان تمام آیات و دیگر بہت سی آیات کے ذریعہ شکر نعمت کی تلقین فرمائی، حکم عدولی وافرمانی کی صورت میں پانی کے سوتے

☆ دائرہ تحقیقات نئی دہلی، رائے بریلی۔

خشک کرنے اور بارش کے روکنے سے ڈرایا (الملک: ۳۰، النکھ: ۴۱) تو اب عقل مندی کی بات یہی ہے کہ اس کا ٹھیک ٹھیک استعمال کیا جائے، اور اس کو ہر طرح کی آلودگی اور ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

تمدن کی ترقی نے جہاں انسانیت کے سامنے بہت سے مسائل کھڑے کئے، انہیں میں سے پانی کا مسئلہ بھی ہے۔ اس تناظر میں آبی وسائل کے تعلق سے سوالات اور نصوص شرعیہ کی روشنی میں ان کا صحیح حل انسانیت کی ایک بڑی خدمت ہے۔ اس تمہید کے بعد جو بات تحریر کئے جاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

۱- پانی کے استعمال سے متعلق عمومی احکام کیا ہیں؟

تمہید میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ پانی انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اور پانی کے استعمال کے مختلف مقامات کی نشاندہی بھی قرآنی آیات کی روشنی میں کر دی گئی، انہیں آیات سے پانی کے استعمال سے متعلق عمومی احکام بھی مستنبط ہوتے ہیں۔

مثلاً:

- ۱- پانی انسان کے کھانے پینے میں استعمال ہوگا۔
- ۲- پانی سے انسان طہارت و صفائی کا بھی کام لے سکتا ہے۔
- ۳- پانی سے کھیتوں اور باغوں وغیرہ کی سیرجائی بھی کر سکتا ہے۔
- ۴- اپنے جانوروں کو بھی پلائے گا۔
- ۵- پانی کے استعمال میں اسراف و فضول خرچی سے بچے گا۔
- ۶- پانی کو آلودہ ہونے سے بچائے گا۔

- ۷- پانی کو لوگوں کے ضرر اور ایذا کا سبب نہیں بنائے گا۔
 ۸- حراز کے ذریعہ پانی پر اس کی ملکیت تسلیم کی جائے گی۔
 ۹- جن صورتوں میں بھی لوگوں کو حق شفعہ حاصل ہو پانی کے استعمال پر پابندی نہیں لگائے گا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے احکامات ہیں، جو پانی کے عمومی مسائل سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ قرآن و سنت کے نصوص کی روشنی میں ان کی تحدید و تعیین کی جاسکتی ہے۔ جن مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ان میں سے اکثر کے دلائل تمہیدی گفتگو میں ذکر کر دیئے گئے ہیں اور بقیہ کے دلائل کا آئندہ سوالات کے جوابات میں انشاء اللہ تذکرہ ہوگا۔

۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق اور اس کا شرعی حکم:

حاجت شرعیہ سے زائد خرچ کرنے کو اسراف یا فضول خرچی کہتے ہیں۔ جیسا کہ رد المحتار میں ہے: "الإسراف: بأن يستعمل منه ما فوق الحاجة الشرعية" (رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۲۵۸)۔

یا دوسرے لفظوں میں "مناسب سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں" (تاسوس الفقہ ۱/ ۲۶۳)۔

انسان پانی کا استعمال مختلف ضروریات میں کرتا ہے، اس سے وضو بھی کرتا ہے، غسل بھی کرتا ہے، کپڑے بھی دھوتا ہے، آب دست بھی لیتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ضرورتیں ہیں جو پانی سے متعلق ہیں، بہر حال جو بھی شکل ہو اگر "مناسب" سے زیادہ پانی استعمال کرتا ہے تو اسراف کرنے والا سمجھا جائے گا۔

علامہ شامی نے اس کی ایک مثال وضو کے بیان میں پیش کی ہے، مثلاً اعضاء وضو میں سے کسی عضو کو ۳ مرتبہ سے زائد دھونا ہے اور اپنے اس عمل کو سنت یا قربت سمجھتا ہے تو اسراف کے

زمرہ میں آئے گا اور یہ عمل مکروہ سمجھا جائے گا؛ لیکن شک کی صورت میں اطمینان قلب کے لئے ”مرات“ میں اضافہ کرتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

”ومنه (الإسراف) الزيادة على الثلاث أي في الغسلات مع اعتقاد أن ذلك هو السنة، لما قدمناه من أن الصحيح أن النهي محمول على ذلك فإذا لم يعتقد ذلك وقصد الطمأنينة عند الشك أو قصد الوضوء على الوضوء بعد الفراغ فلا كراهة“ (رد المحتار علی الدر المختار ۱/۲۵۹)۔

یہی حال کپڑے دھونے اور غسل کرنے میں بھی ہے، اور دیگر ضروریات بھی اسی زمرہ میں آتی ہیں کہ اگر ۳ مرتبہ سے زائد کو کارثواب سمجھ کر کرتا ہے تو مکروہ ہوگا۔ صحیح بخاری کتاب الغسل میں حضرت جابر کی روایت سے بھی یہی امر مترشح ہوتا ہے۔

”حدثنا أبو جعفر أنه كان عند جابر بن عبد الله هو وأبوه وعنده قوم فسألوه عن الغسل فقال: يكفيك صاع: فقال رجل: ما يكفيني، فقال جابر كان يكفي من هو أوفى منك شعرا، وخير منك، ثم أمنا في ثوب“ (صحیح البخاری، حدیث: ۲۵۲)۔

(ابو جعفر) محمد بن علی بن الحسین المعروف بالباقر) فرماتے ہیں کہ وہ خود اور ان کے والد (علی بن الحسین المعروف بزرین العابدین) حضرت جابر بن عبد اللہ کی خدمت میں حاضر تھے اور دیگر لوگ بھی وہاں تھے، تو لوگوں نے ان سے غسل (جنابت کا غسل کتنی مقدار پانی میں ہو جاتا ہے) کے تعلق سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک صاع کافی ہے، تو ایک صاحب نے کہا کہ ایک صاع تو میرے لئے کافی نہیں ہے، اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک صاع تو اس ذات گرامی کے لئے کافی ہوتا تھا جن کے بال تم سے زیادہ تھے اور وہ تم سے بہتر بھی تھے۔ پھر ہمیں ایک کپڑے میں نماز پڑھانی)۔

علامہ عینی نے اس حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام میں لکھا ہے: وفيه: كراهية الإسراف في استعمال الماء (عمدة القاری شرح البخاری ۱۶/۲، طبع مکتبہ زکریا دیوبند) کہ اس سے پانی کے استعمال میں اسراف کی کراہت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "الماء على أثر الماء يجزى وليس بعد الثلاث شيء" (مصنف ابن ابی شیبہ حدیث ۷۲۶۷)۔ اعضاء وضو پر یکے بعد دیگرے پانی ڈالنا درست ہے، لیکن تین مرتبہ کے بعد ڈالنا اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی شاگرد سے فرمایا تھا "أقصد في الوضوء ولو كنت على شاطئ نهر" (ایضاً حدیث ۷۳۲۵)۔ نہر و دریا کے کنارے ہوتے بھی وضو کرنے میں میانہ روی کا خیال رکھو۔

جب وضو اور غسل میں پانی کا استعمال کے تعلق سے یہ احکام ہیں، تو دیگر ضروریات میں بھی اسی طرح کا حکم ہوگا۔

با وضو ہوتے ہوئے بھی وضو کرنا:

یہ امر اسراف میں داخل نہیں بلکہ انتخاب کے زمرہ میں آتا ہے، جیسا کہ فتاویٰ تاتاریخانیہ میں ہے: "بعض مشائخنا قالوا إن كان من نيته الزيادة يكره، وإن كان من نيته تجديد الوضوء لا يكره بل يستحب له ذلك، وذكر الناطقي أن الوضوء مرة واحدة فرض ومرتين فضيلة، وثلاثاً في المغسولات سنة وأربعاً بدعة، وهذا كله إذا لم يفرغ من الوضوء، فأما إذا فرغ ثم استأنف فلا يكره بالاتفاق" (الفتاویٰ التاتاریخیہ ۱/ ۵۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

(ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ سنت سمجھ کر

دھونا ہے تو مکروہ ہے، اور اگر تجدید وضو کی نیت سے ایسا کر رہا ہے تو مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے، اور ناٹھی نے ذکر کیا ہے کہ وضو میں اعضاء کو ایک ایک بار دھونا فرض، دو دو مرتبہ مستحسن، تین تین مرتبہ سنت اور چار مرتبہ دھونا بدعت ہے۔ یہ ساری باتیں اس وقت ہیں جبکہ ابھی وضو سے فارغ نہ ہوا ہو، اور اگر وضو سے فارغ ہو گیا ہے اور اس سر نو وضو کر رہا ہے تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے۔

فضول خرچی کا شرعی حکم:

وضو اور غسل یا دیگر امور مباحہ میں پانی کا ضرورت سے زائد استعمال عام حالات میں مکروہ تفریحی ہے، اس لئے کہ فقہاء نے اس سے بچنے اور اس کے ترک کو ”مندوب“، ”سنت“، ”سنت مؤکدہ“ مختلف لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔

رد المحتار میں ہے: ”ترک التقتیر والإسراف من المنذوبات، و ذکر الحلوانی أنه سنة، وعلیہ مشی قاضی خان - ولا یلزم کونه زائداً علی المأمور به و غیر طاعة أن یکون حراماً نعم إذا اعتقد سنیتہ یکون قد تعدی و ظلم لا اعتقاده مالیس بقربة قربة فلذا حمل علماننا النهی علی ذلك فحینئذ یکون منہیا عنه و یکون ترکہ سنة مؤکدة“ (رد المحتار علی الدر المختار، ۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

(ضرورت سے زائد خرچ اور بخل سے بچنا مستحب ہے۔ حلوانی نے کہا ہے کہ سنت ہے اور قاضی خان کی بھی یہی رائے ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مامور بہ سے زائد یا غیر طاعت میں خرچ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ حرام ہو، ہاں اگر مامور بہ سے زائد خرچ کو وہ سنت سمجھتا ہے تو ایک غیر ثواب کے کام کو ثواب کا کام سمجھنے کی وجہ سے ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا سمجھا جائے گا۔ اسی لئے ہمارے علماء نے نبی کو اسی معنی پر محمول کیا ہے اور اس صورت میں ضرورت سے زائد استعمال منہی عنہ ہوگا اور اس کا ترک کرنا سنت مؤکدہ ہوگا)۔

صاحب مثنوی کے نزدیک ”اسراف فی الوضوء“ مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: ”وجعل فی المنتقی الإسراف من المنہیات، فتكون تحريمية لأن إطلاق الكراهة مصروف إلى التحريم“ (الرد على الدر ۲۵۸۲/۱)۔

مثنوی میں اسراف کو منہیات میں بتایا ہے، اس لحاظ سے اسراف مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ کراہت کو جب فقہاء مطلق استعمال کرتے ہیں تو اسے کراہت تحریمی پر محمول کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ پانی کا ضرورت سے زائد استعمال شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے، اس سے بچنا ضروری ہے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں (کتاب الوضوء والغسل کی) مختلف احادیث پر جو ترجمہ قائم کئے ہیں ان سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ ضرورت سے زائد استعمال کی گنجائش ہونے کے باوجود ان سے بچنا ہی بہتر ہے مثلاً ”باب التخفيف في الوضوء“، ”باب غسل الوجه باليمين من غرفة واحمة“، ”باب الاستنجاء بالحجارة“، ”باب الوضوء مرة مرة“، ”باب الوضوء مرتين مرتين“، ”باب الوضوء بالمد“، ”باب الغسل بالصاع ونحوه“۔

جب وضو اور غسل جن کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ان میں پانی کے محتاط طریقہ پر استعمال کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، تو دیگر ضروریات میں اس کا بدرجہ اولیٰ خیال کیا جائے گا۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت کا حکم:

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے مختلف حالات کے لحاظ سے مختلف احکامات دیئے گئے ہیں، انہیں احکامات سے یہ ہے کہ پانی پیتے وقت برتن میں سانس نہ لیں، آلودگی سے بچانے کے لئے یہ بھی حکم دیا کہ پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھولے، پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے یہ حکم بھی دیا کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے احکامات بعض حالات میں اخلاقی نوعیت کے حامل ہیں، لیکن بعض حالات میں انہیں وجوب کا درجہ بھی حاصل ہے۔

پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینا منع ہے: ”عن ابی قتادۃ أن النبی ﷺ نہی أن یتنفس فی الإناء“ (صحیح البخاری ۱۵۵/۵)۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا۔

”عن ابی سعید الخدری أن النبی ﷺ نہی عن النفخ فی الشراب“ (سنن الترمذی)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پانی میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے، ممانعت وجوبی نہیں بلکہ اخلاقی نوعیت کی ہے۔ فتح الملہم میں ہے: ”وہذا النهی للتأدیب لإرادة المبالغة فی النظافة إذ قد ینخرج مع النفس بصاق أو مخاط أو بخار ردئی فیکسبه رائحة کریهة فیتقلر بها جوّ أو غیره کذا فی الفتح“ (فتح الملہم شرح صحیح مسلم ۲۵۲/۱)۔

(مذکورہ ممانعت غایت درجہ میں نظافت کے حصول کے لئے اخلاقی ہے، اس لئے کہ بسا اوقات سانس کے ساتھ تھوک، بلغم یا منہ کی بدبو ساتھ ہوتی ہے جس سے خود اس کو یا دوسرے کو گھن آ سکتی ہے)۔

علامہ عینی نے بھی اسے نبی برائے ادب قرار دیا ہے: ”وعلی کل تقدیر ہو نہی أدب“ (عمدة القاری شرح البخاری ۳/۲۱۹۳)۔

برتن میں بغیر ہاتھ دھوئے ہاتھ ڈالنے کی ممانعت:

”عن ابی ہریرۃ أن النبی ﷺ قال: إذا استیقظ أحدکم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الإناء حتی یغسلها فإنه لا یدری أين باتت یدہ“ (علاء السنن ۲/۲۵)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی سوکراٹھے تو اس کو چاہئے کہ برتن میں اس وقت تک ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ اس کو دھونہ لے، اس لئے کہ اسے نہیں معلوم کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں لگا ہے۔“

یہاں نبی برائے تنزیہ ہے۔ صاحب اعلاء السنن علامہ ظفر احمد تھانوی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”قولہ ﷺ: ”لا یغمس یدہ الخ“ يدل علی أن النهی للتنزیہ“ (ایضاً) (اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان: ”لا یغمس یدہ الخ“ بتاتا ہے کہ نبی تنزیہی ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ نبی تنزیہی اسی صورت میں ہوگی جبکہ ہاتھوں پر کوئی گندگی اور نجاست نہ لگی ہوئی ہو، اور اگر ہاتھوں پر نجاست لگی ہوئی ہے تو نبی برائے تحریم ہوگی، اور اس صورت میں پانی کے برتن میں ہاتھوں کے ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا لازمی اور ضروری ہوگا۔

امام بخاری نے غالباً اسی معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کتاب الغسل میں کچھ اس طرح ترجمہ الباب قائم فرمایا ہے ”باب هل یدخل الجنب یدہ فی الإناء قبل أن یغسلها إذا لم یکن علی یدہ قلمر غیر الجنابة؟ کیا کوئی شخص اپنے ہاتھوں کو دھونے سے پہلے برتن میں ڈال سکتا ہے اگر اس کے ہاتھوں پر کوئی نجاست نہ لگی ہو؟ وہ جنبی ہو؟ بہر حال پانی کو آلودگی سے بچانا مطلوب ہے، گرچہ ہاتھوں پر کوئی نجاست نہ لگی ہو اور آدمی گرچہ سوکر نہ اٹھا ہو پھر بھی پہلے ہاتھوں کا دھولینا مستحب ہے۔“

علامہ عینی بخاری شریف میں وارد حضرت عثمان بن عفان کی ایک روایت ”دعا بیاناء فافرع علی کفیه ثلاث مرار فغسلها ثم أدخل یمینہ فی الإناء الخ“ کے ذیل میں فرماتے ہیں ”فیہ غسل الیمین قبل إدخالہما فی الإناء ولولم یکن عقیب النوم ولہذا مستحب بلا خلاف“ (عمدة القاری ۲/۲۳۲)۔

”اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا مطلوب ہے گرچہ وہ سو کر نہ اٹھا ہو۔ اور یہ بات بغیر کسی اختلاف کے مستحب ہے۔“

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت:

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت نے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ”لایبولن أحدکم فی الماء المائم الذی لایجرى ثم یغتسل فیہ“ (صحیح البخاری، حدیث ۲۳۹، باب البول فی الماء الدائم)۔

”تم میں سے کوئی شخص ہرگز ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔ پھر اس میں غسل کرے۔“

ممانعت کا حکم وجوبی درجہ کا ہے اور نہی برائے تحریم ہے۔ حافظ ابن حجر نے امام قرطبی کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے کہ پانی میں پیشاب کرنے کو مطلق طور پر حرام کہنا چاہئے اور اس کی دلیل مشہور فقہی قاعدہ ”سد ذرائع“ ہے؛ اس لئے کہ اگر اس سے منع نہ کیا جائے تو یہ عمل پانی کی نجاست کو لازم کر دے گا۔ قال القرطبی ”یمكن حملہ علی التحريم مطلقا، علی قاعدة سد الذریعة لأنه یفضی الی تنجیس الماء“ (فتح الباری شرح البخاری ۱/۳۳۸)۔

لیکن امام ابوالحسین نے مہلب وغیرہ کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کی ممانعت کا حکم اصول کی بنیاد پر ہوگا، اگر ماء کثیر ہے تو اس صورت میں نہی برائے تفریح ہوگی اس لئے کہ پانی اس وقت تک پاک رہتا ہے جب تک کہ اس کے اوصاف میں تبدیلی نہ آجائے، ہاں اگر ماء قلیل ہے تو نہی برائے وجوب ہوگی، اس لئے کہ پانی کے اندر ایسی نجاست ہے جو اس کے اوصاف کو بدل دے گی۔

قال المہلب وغیرہ: النهی عن البول فی الماء المائم مردود الی الأصول فإن کان الماء کثیرا فالنہی عن ذلک علی وجه التنزه، لأن الماء علی

الطهارة حتى يتغير أحد أوصافه، فإن كان الماء قليلا فالنهي عن ذلك على الوجوب لفساد الماء بالنجاسة المغيرة له“ (شرح ابن بطال علی البخاری ۱/۳۵۲)۔

ماء قلیل غیر جاری:

اگر پانی تھوڑا اور غیر جاری ہو تو اس میں امتنجا کرنا حرام ہوگا۔

ماء کثیر غیر جاری:

ماء کثیر راکد (غیر جاری) میں بھی پیشاب کرنے کا یہی حکم ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: وأما الراكد القليل فقد أطلق جماعة من أصحابنا أنه يكره، والصواب المختار أنه حرام، وإن كان كثيرا راکدا فقال أصحابنا يكره ولو قيل يحرم لم يكن بعيبا“ (عمدة القاری ۲/۹۶۶)۔

(جہاں تک تھوڑے ٹھہرے ہوئے پانی میں امتنجا کرنے کی بات ہے تو ہمارے فقہاء احناف کی ایک جماعت نے اسے مطلق مکروہ کہا ہے، لیکن صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ وہ حرام ہے، اور جہاں تک ماء کثیر راکد کا معاملہ ہے تو ہمارے فقہاء نے اس کو بھی مکروہ کہا ہے لیکن اگر وہ حرام کہتے تو بھی صحیح تھا)۔

ماء قلیل جاری:

ماء قلیل جاری کے سلسلہ میں بھی علامہ عینی کا وہی نظر یہ ہے جو سابق میں گزرا کہ اس میں امتنجا کرنا حرام ہوگا؛ اس لئے کہ ماء قلیل گرچہ جاری ہو پیشاب نتیجہ اس کو گندا اور نجس بنا کر چھوڑے گا۔ و فرماتے ہیں:

”وإن كان قليلا جاريا، فقد قال جماعة من أصحابنا يكره، والمختار

أنه يحرم لأنه يقدره وينجسه على المشهور“ (عمدة القاري ۲/۹۶۶)۔

سمندر، دریا اور نہروں کا پانی نجس نہیں ہوگا، لیکن پچناعی اولیٰ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مذکورہ حدیث ”لا یبولن أحدکم“ الخ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”أقول: معناه النهی عن كل واحد من البول في الماء والغسل فيه والحكمة أن كل واحد منهما لا یخلو من أحد أمرین إما أن یغیر الماء بالفعل أو یفضی إلى التغبیر بأن یراه الناس یفعل فیتابعوا، وهو بمنزلة اللاعنین اللهم إلا أن یشکل الماء مستبحراً أو جارياً والعفاف أفضل كل حال“ (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۳۱۲-۳۱۳، دار المعرفہ، بیروت)۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا اور غسل کرنا دونوں کی ممانعت ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ دونوں ہی عمل دو باتوں سے خالی نہ ہوں گے، یا تو خود ان کے ذریعہ پانی کے اوصاف میں تغیر آجائے گا یا یہ تغیر کا سبب بنیں گے، وہ اس طور پر کہ لوگ کسی ایک کو ایسا کرتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ خود بھی ایسا کرنے لگیں گے (نتیجہ پانی گندا اور نجس ہو جائے گا) اور یہ عمل لاعنین کے مشابہ ہے (راستہ اور درخت کے سایہ میں قضاء حاجت کرنے کی طرح) الا یہ کہ پانی بہت زیادہ اور جاری ہو، لیکن ہر حال میں پانی میں پیشاب کرنے سے پچناعی اولیٰ ہے۔

ماء قلیل راکد میں غسل کرنا بھی مکروہ ہے۔ شاہ صاحب کی سابقہ عبارت ”النہی عن كل واحد من البول في الماء والغسل فيه“ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

ندیوں اور نالوں میں غلاظت و کوڑا ڈالنا ممنوع ہے:

پانی کو آلودہ کرنے کی موجودہ دور میں ایک مثال گھروں کی غلاظت اور کوڑا کرکٹ وغیرہ ندی نالوں میں ڈالنا بھی ہے، اگر پانی کا بہاؤ بہت معمولی ہو تو نجاست و گندگی کے

ٹھہرنے کی وجہ سے ندیوں کا پانی آلودہ اور خراب ہو جاتا ہے اور اسے پینے والوں پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔

عامۃ الناس کے ضرر کو دیکھتے ہوئے اسے بھی مکروہ تحریمی ہونا چاہئے۔

علامہ عینی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ”لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم“ کی شرح میں فرماتے ہیں: ”والتغوط فیہ کالبول فیہ وأقبح وکلما إذا بال فی إناء ثم صبه فیہ“ (عمدة القاری ۲/۶۷۰)۔

بلکہ احناف کے مسلک کے مطابق تو ”ماء راکد قلیل“ میں غسل جنابت، غسل حیض و نفاس، یہاں تک کہ غسل جمعہ بھی ممنوع ہے۔ اور اگر اسباب پر غور کیا جائے تو بات واضح ہو جائے گی کہ اس کا اصل مقصد آلودگی سے بچانا ہے۔

عمدة القاری میں ہے: ”السابع: المذكور فیہ الغسل من الجنابة، فیلحق به الاغتسال من الحيض والنفاس، وكذلك یحلق به اغتسال الجمعة والاضاءة من المیت عند من یوجبها“ (ایضاً)۔

کارخانوں اور فیکٹریوں کا پانی ندیوں میں لے جانا حرام ہے:

موجودہ دور میں فیکٹریوں اور کارخانوں کا آلودہ پانی، ندیوں اور نالوں میں آتا ہے اور اس کی وجہ سے دریاؤں کا پانی صرف خراب ہی نہیں بلکہ بعض اوقات مہلک بھی ہو جاتا ہے۔ ضرر عام کو دیکھتے ہوئے اسے بھی کم از کم مکروہ تحریمی کہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اسلام کا نقطہ نظر تو لوگوں کو ایذا اور ضرر سے بچانا ہے۔

لوگوں کو ضرر اور ایذا سے بچانے ہی کے پیش نظر اس نے عمومی راستہ اور سائے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہوں، اور پانی ہی میں نہیں بلکہ پانی کے راستہ میں بھی قضاء حاجت سے منع کر دیا، اور مذکورہ مقامات پر قضاء حاجت کو لعنت کا موجب بتایا ہے اور اسے

حرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ کے حوالہ سے حدیث میں موجود ہے: قال رسول الله ﷺ: اتقوا اللاعنین، قالوا: وما اللاعنان يا رسول الله؟ قال: الذي يتخلى في طريق الناس وظلمهم“ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۵۰۰)۔

حضرت معاذ بن جبل کی روایت میں ”الملاعن الثلاثة“ کا لفظ ہے اور اس میں ”المراز في الموارد“ کا اضافہ موجود ہے (ایضاً: ۱)۔

صاحب ”عمون المعبود“ علامہ شمس الحق اعظم آبادی، حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: والحمیث يدل على تحريم التخلي في طرق الناس أو ظلمهم، لما فيه من ايذاء المسلمين بتنجيس من يمر به واستقذاره - المراد بالموارد المجارى والطرق إلى الماء (عمون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۳۳، دار الفکر، بیروت)۔

(حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے راستہ اور سایہ میں قضاء حاجت حرام ہے اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کو ایذا پہنچانا ہے، اس طور پر کہ جو بھی اس سے گزرے گا اسے گھن آئے گی اور نجس بھی ہو سکتا ہے۔ اور موارد کا مفہوم ہے پانی کی نالیاں، یا پانی کی طرف لے جانے والا راستہ)۔

حدیث اور اس کی شرح کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جب ”استقذار“ اور ”تنجیس“ موجب حرمت ہیں تو ایسا پانی جو حقیقتاً لوگوں اور ان کے جانوروں کے لئے مہلک ہوندى اور نالوں میں اسکا لے جانا بدرجہ اولی ممنوع ہوگا۔ واللہ اعلم اور مذکورہ صورت میں ممانعت و جوبی درجہ کی ہوگی۔

۴- کیمیاوی عمل کے ذریعہ آلودہ پانی کو صاف کرنا:

پانی میں نجاست کے گرنے کے بعد اگر پانی کے اوصاف میں تبدیلی آ جائے تو

بالاتفاق پانی نجس ہو جائے گا۔ تھوڑا پانی معمولی نجاست کے گرنے سے بھی ناپاک ہو جائے گا گرچہ اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو۔ ماء کثیر اس وقت تک نجس نہ ہوگا جب تک کہ اس کے اوصاف میں تبدیلی نہ آجائے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں ”وَأَمَّا الْمَاءُ إِذَا تَغَيَّرَ بِالنَّجَاسَاتِ، فَإِنَّهُ يَنْجَسُ بِالِاتِّفَاقِ“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۰/۱۳)۔

علامہ عینی احناف کا مسلک نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مذهب أصحابنا: الماء إما جار أو راكد، قليل أو كثير، فالجارية إذا وقعت فيه النجاسة وكانت غير مرئية كالبول والخمر ونحوها فإنه لا ينجس ما لم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه“ (عمدة القاری ۶۵۶/۲)۔

ہمارے ائمہ کا مسلک اس پانی کے سلسلہ میں جس میں نجاست گر جائے اس تفصیل کے ساتھ ہے کہ یا تو وہ پانی جاری ہوگا یا ٹھہرا ہوا، قلیل ہوگا یا کثیر، تو جاری پانی اگر اس میں ایسی نجاست گر جائے جو غیر مرئی ہو جیسے کہ پینٹا یا شراب تو پانی اس وقت تک نجس نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے اوصاف (یعنی رنگ، بو اور مزہ) میں تبدیلی نہ آجائے۔ طحاوی شریف میں ہے: ”باب طهارة الماء الكثير إلا عند تغير لونه أو ريحه أو طعمه“ اور پھر یہ حدیث ہے: ”الماء لا ينجسه شيء إلا ما غلب على لونه أو طعمه أو ريحه“ (شرح صحابی الآ ۹/۱)۔

بہر حال پانی جب نجس ہو جائے تو پاکی حاصل کرنے کے لئے اس کا استعمال حرام ہوگا، اور اس سے پاکی حاصل نہ ہو سکے گی، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”وَأَمَّا إِذَا تَغَيَّرَ بِالنَّجَاسَةِ، فَاِنَّمَا حَرَّمَ اسْتِعْمَالَهُ، لِأَنَّ جُرْمَ النَّجَاسَةِ بَاقٍ فَفِي اسْتِعْمَالِهِ اسْتِعْمَالُهَا“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۱/۲۱)۔

پانی جب نجاست کے ملنے کی وجہ سے نجس ہو جائے تو اس کا استعمال حرام ہے، اس

لئے کہ نجاست کا ”جرم“ پانی کے اجزاء کے اندر موجود ہے تو پانی کا استعمال نجاست کا استعمال ہوگا۔

پانی کی تطہیر کا طریقہ:

پانی کی تطہیر کا ایک طریقہ تو وہ ہے جو فقہ وحدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے، وہ کنویں وغیرہ سے ”مخصوص“ مقدار میں پانی کا نکالنا ہے، اسی مخصوص و متعین مقدار میں پانی نکالنے کے بعد کنواں پاک سمجھا جاتا ہے اور اس پانی کا استعمال درست ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ جس کا سوالنامہ میں تذکرہ کیا گیا ہے یعنی کیمیائی تعامل کے ذریعہ آلائشوں اور بو وغیرہ کو ختم کر کے پانی کو صاف کرنا، اس پانی کے طہور ہونے کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ نجاست کا استحالہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر نجاست کا استحالہ یقینی طور پر ہو جاتا ہے تو پانی کی پاکی کا حکم لگایا جانا چاہئے۔ اس لئے کہ گندے اور آلودہ پانی میں نجاست کے اجزاء یقینی طور پر سہاوت کر گئے ہیں، اب وہ کیمیائی تعامل کے ذریعہ الگ ہو سکتے ہیں یا نہیں، یا یہ کہ پانی میں اس طرح گھل مل جائیں کہ ان کا وجود بالکل فنا ہو جائے اس کی تحقیق علوم عصریہ خاص طور پر Bio Chemistry کے ماہرین کر کے بتادیں تو پھر اس پانی کے تعلق سے حکم شرعی کی وضاحت ممکن ہو سکے گی۔

”استحالہ“ کے بعد پانی کی پاکی کے تعلق سے امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کے یہاں صریح حکم ملتا ہے۔ وہ اس پانی کو پاک قرار دیتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”وَأَمَّا إِذَا تَغَيَّرَ (الماء) بِالنَّجَاسَةِ، فَانَّمَا حَرَمَ اسْتِعْمَالَهُ لِأَنَّ جَرْمَ النَّجَاسَةِ بَاقٍ، فَفِي اسْتِعْمَالِهِ اسْتِعْمَالُهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا اسْتَحَالَتِ النَّجَاسَةُ فَإِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ وَلَيْسَ هُنَاكَ نَجَاسَةٌ قَائِمَةٌ۔“

ومما یبین ذلك: أنه لو وقع خمر في ماء واستحالت، ثم شربها شارب لم یکن شارباً للخمر، ولم یجب علیه حد الخمر إذا لم یبق شیء من طعمها ولونها وریحها ولو صب لبن امرأة فی ماء واستحال حتی لم یبق له أثر وشرب طفل ذلك الماء لم یصر إبنها من الرضاعة.

وأيضاً: فإن هذا باق علی أوصاف خلقته، فیدخل فی عموم قوله تعالیٰ "فلم تجدوا ماء" فإن الکلام إنما هو فیما لم یتغیر بالنجاسة لا طعمه ولا لونه ولا ریحہ، وأما الماء إذا تغیر بالنجاسات فإنه ینجس بالاتفاق" (تأوی ابن تیمیہ ۳۳/۲۱)۔

اگر پانی نجس چیز کی وجہ سے متغیر ہو جائے تو اس کا استعمال حرام ہوگا، اس لئے کہ نجاست کے اجزاء پانی میں موجود ہیں، تو اب پانی کا استعمال کرنا نجاست کے استعمال کرنے کا سبب ہوگا، برخلاف اس کے کہ جب نجاست کا استحاله ہو جائے (اسکا وجود ختم اور فنا ہو جائے) تو پانی طہور سمجھا جائے گا: اس لئے کہ اب اس کے اندر نجاست نہیں رہی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً پانی میں شراب پڑ جائے، اور شراب کا استحاله ہو جائے اگر کوئی پینے والا اس پانی کو پی لے تو اس کو شراب خمر نہیں کہا جائے گا، اور اس پر حد خمر بھی نہیں نافذ ہوگی، اس لئے کہ اس کے رنگ، بو اور مزہ میں سے کوئی چیز پانی میں نہیں ہے اسی طریقہ سے اگر کسی عورت کا دودھ پانی میں ڈال دیا جائے اور دودھ پانی میں اس طرح مل جائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ ہو تو اس کو پینے کی وجہ سے وہ بچہ اس کا رضاعی بیٹا نہیں ہوگا۔

اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ (استحاله کے بعد) اب یہ ایسا پانی ہے جو اپنے خلقی اوصاف پر باقی ہے لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان "فلم تجدوا ماء" کے زمرہ میں آئے گا۔ تو بات اس پانی کے سلسلہ میں ہے کہ جس میں نجاست کی وجہ سے تغیر نہ ہوا ہو، نہ تو اس کے رنگ میں اور نہ

عی بو اور ذائقہ میں، اور اگر نجاست کی وجہ سے تغیر پیدا ہو جائے تو بلا اتفاق پانی تجسس ہو جائے گا۔
امام ابن قیم فرماتے ہیں: ”الماء الكثير إذا تغير بالنجاسة صار خبيثا، فإذا زال التغيير صار طيبا“ (اعلام المؤمنین عن رب العالمین ۱۱/۲-۱۳)۔
ماء کثیر میں جب نجاست کی وجہ سے تغیر پیدا ہو جائے تو نجس ہو جائے گا لیکن تغیر ختم ہو جائے تو پاک ہو جائے گا۔

إن يسير النجاسة إذا استحالت في الماء ولم يظهر لها فيه لون ولا ریح ولا طعم فهي من الطيبات لا من الخبائث (ایضاً)۔
معمولی نجاست اگر پانی میں پڑ جائے اور نجاست کا استحالہ ہو جائے اور پانی میں اس کا کوئی اثر یعنی رنگ، بو اور مزہ نہ ہو تو وہ پاک ہے، ما پاک نہیں ہے۔

وہ مزید فرماتے ہیں: ”إن الطيب إذا استحال خبيثا صار نجسا كالماء والطعام إذا استحال بولا و عذرة، فكيف أثرت الاستحالة في انقلاب الطيب خبيثا ولم تؤثر في انقلاب الخبيث طيبا۔ والله يخرج الطيب من الخبيث والخبيث من الطيب“ (اعلام المؤمنین ۱۳/۲)۔

پاک چیز اگر گندگی میں بدل جائے تو نجس ہو جاتی ہے جیسے کہ کھانا اور پانی (جب کھانے پینے کے بعد) پیشاب اور پاخانہ میں بدل جاتے ہیں تو ما پاک ہو جاتے ہیں۔ تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ استحالہ (قلب ماہیت) کی وجہ سے جب پاک چیز ما پاک ہو جاتی ہے تو آخر اس کی وجہ سے ما پاک چیز پاک کیوں نہیں ہوگی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ما پاک سے پاک چیز کو اور پاک سے ما پاک چیز کو نکالتا ہے۔

لیکن یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ فقہ حنبلی میں امام ابن تیمیہ و امام قیم جس کے شارح و ترجمان ہیں پانی کی نجاست و طہارت کا حکم نجاست کے اثرات کے ظہور و عدم ظہور پر

درا ہے، پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا (ایضاً)۔ اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں اس سے اتفاق مشکل ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: اعلاء السنن ۲/ ۱۷۳)۔ اس لئے کہ تقریباً جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ماء قلیل میں خواہ قلیل نجاست گر جائے، پانی کے اوصاف میں تغیر ہو یا نہ ہو پانی نجس ہو جاتا ہے (عمدة القاری ۵/ ۲)۔

البتہ جو چیز قدر مشترک ہم کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ماء کثیر میں نجاست کے اثرات کے ظہور و عدم ظہور کو ہر کوئی جانتا ہے یعنی اس میں پانی کے نجس ہونے کی علت اس کے اوصاف میں تبدیلی کو سمجھا گیا ہے، اور حدیث ”الماء طهور لا ینجسہ شیء إلا ما غلب علی طعمہ أو ریحہ أو لونہ“ (اعلاء السنن ۲/ ۱۷۲) کو اسی پر محمول کیا ہے۔ علامہ ظفر احمد تھانوی نے اس پر جو ترجمہ قائم کیا ہے وہ بھی اسی کی وضاحت کرتا ہے۔ باب طهارة الماء الكثير إلا عند تغیر لونہ أو ریحہ أو طعمہ“ (اعلاء السنن ۲/ ۱۷۲)۔

معلوم ہوا کہ ماء کثیر بھی جب اس کے اوصاف میں تبدیلی آ جائے نجس ہو جاتا ہے یعنی اوصاف کی تبدیلی مؤثر ہے طہارت و نجاست میں۔ اب اگر ماء کثیر نجس کے اوصاف میں کیمیائی طریقہ پر ہی حقیقی تبدیلی ہو جائے تو پانی پاک ہو جانا چاہئے: اس لئے کہ اصول ہے:

إذا زال الموجب زال الموجب (اعلام المؤمنین ۲/ ۱۱-۱۳)، اور الحکم إذا ثبت بعلة زال بزوالها (ایضاً)۔

خلاصہ یہ کہ گندہ اور آلودہ پانی اگر کثیر ہے اور اس کی آلائش و بو کو کیمیائی تعامل کے ذریعہ دور کرنا ممکن ہو تو پانی پاک ہونا چاہئے (واللہ اعلم)۔

واضح رہے کہ تیل اور شہد وغیرہ میں نجاست گر جانے پر اس کی تطہیر کا نظر یہ طریقہ فقہ حنفی کی متعدد کتابوں میں پایا جاتا ہے اور وہ ہے، اسی کے بقدر پانی ملا کر مخصوص انداز میں اس کو جوش دینا۔ "Water Purify Plants" کے ذریعہ یا دوسرے لفظوں میں کیمیائی تعامل کے ذریعہ

آلودہ پانی کی صفائی کا جو طریقہ موجودہ دور میں رائج ہے وہ اس پرانے طریقہ سے زیادہ کارگر معلوم ہوتا ہے: اس لئے کیمیائی تعامل کے ذریعہ صاف کئے جانے والا پانی پاک ہونا چاہئے۔ تفصیلات پیش ہیں:

علامہ حاکمی نے درمختار میں تیل و شہد میں نجاست گر جانے پر اس کی تطہیر کا طریقہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: ”ویطہر لبن و عسل و دبس و دهن یغلی ثلاثاً“ (درمختار)۔ علامہ شامی نے حاشیہ میں اس بات کی توضیح فرمائی ہے کہ اسی شہد یا تیل کے بقدر پانی میں ملایا جائے اور اس کو جوش دیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنی حالت پر آجائے اور ایسا تین مرتبہ کیا جائے تو تیل و شہد پاک ہو جائیں گے: ”ولو تنجس العسل فتطہره ان یصب فیہ ماء بقدرہ فیغلی حتی یعود الی مکانہ، و الدهن یصب علیہ الماء فیغلی فیعلو الدهن الماء فیرفع بشی ہکذا ثلاث مرات وعلیہ الفتوی“ (رد المحتار)۔

مذکورہ عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب شہد اور تیل میں نجاست گرنے پر اسے مخصوص انداز میں جوش دینے سے پاکی آجاتی ہے تو پانی کو بھی اگر مخصوص انداز میں جوش دیا جائے تو اس کی طہارت کا حکم لگایا جانا چاہئے۔

فدوی نے شعبۂ کیمیا "Chamistry" کے بعض ماہرین سے اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے پانی صفائی کے مراکز کے بارے میں بتایا کہ وہاں بھی پانی کو مخصوص درجہ حرارت میں جوش دیا جاتا ہے۔ اور اس کو مختلف مراحل سے گزرا کر آخر میں فلٹر کیا جاتا ہے، اس طرح اس کی آلائش اور بو اور ذائقہ تبدیل ہو جاتا ہے، اگر اس طرح نہ ہو سکے تو پانی کی صفائی کو مکمل نہیں سمجھا جاتا ہے۔

پانی کی صفائی کا مذکورہ طریقہ آج کی پیداوار نہیں، ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے کام آسان اور اچھے انداز میں ہونے لگا ہے۔ پانی کی صفائی کا یہ نظر

یہ آج سے بہت پہلے چوتھی صدی ہجری کے ایک مسلمان سائنس دان محمد بن احمد التیمی نے پیش کیا تھا، اور آلودہ پانی کی صفائی کا اپنے وقت کے لحاظ سے بہترین حل اپنی کتاب ”مادة البقاء“ میں پیش کیا تھا۔ موجودہ سائنس نے اس کو عملاً ثابت کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے۔

ڈاکٹر خالد عرب اپنی کتاب ”کیف واجهت الحضارة الإسلامية مشكلة المياه“ میں ”مادة البقاء“ کا اقتباس ”مشكلة تلوث المياه“ کے عنوان سے پیش کیا ہے جو ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے: ”لیس إصلاح الماء الفاسد ممكنا بغير طبخه بالنار إذا النار بحیزها تحلل ما فيه من الغلظ وتزيل عنه ما زجه من فساد الهواء المشابه له، بما يتصاعد بحیزها من بخاره المصفى لجوهره المميط عنه الغلظ المميز عنه الكدر، أو يمزجه عنه عند شربه بالشراب العتيق الريحاني، وذلك عند تعذر إصلاحه بالطبخ لمن كان مسافرا على طريق أو مجتازا ببعض المواضع الفاسدة المياه۔“

وسيله أن يدیم طبخه إلى أن يذهب منه الربع ثم يبرد في آنية من جديد الخزف المتخلل الأجزاء الدائم الرشح إن كان الوقت قیظا، أو في آنية من الزجاج (کیف واجهت الحضارة الإسلامية مشكلة المياه ۲۵/۳۵)۔

مذکورہ عبارت کے نتیجے میں دو باتیں تو بالکل واضح ہیں: (۱) پانی کو خوب جوش دینا۔ (۲) پانی کو فلٹر کرنا۔ (ان دونوں عملوں کے ذریعہ پانی کی صفائی اچھی طرح ہو جاتی ہے)۔

ڈاکٹر خالد عرب محمد بن احمد تیمی مقدسی کی آراء کا تجزیہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں: نستنتج مما سبق أن التیمی قبل ألف عام قد أتى في مجال تلوث المياه ومعالجتها بأراء تعد سبقا حضاريا في ذلك الوقت، وقد أثبت العلم الحديث صحة الكثير منها“ (کیف واجهت الحضارة الإسلامية مشكلة المياه ۳۷)۔

پانی کی آلودگی دور کرنے اور اسے قابل استعمال بنانے کا جو نظر یہ تہمی نے ایک ہزار سال پہلے پیش کیا تھا، وہ اسلامی تہذیب کے زمانے سے بھی آگے ہونے کی ایک دلیل ہے، اور جدید سائنس نے ان کے اکثر نظریات کی صحت کو تسلیم کر لیا ہے۔

پوری بحث کا حاصل یہی ہے کہ ماء کثیر اگر گندہ اور آلودہ ہو اور کیمیائی تعامل کے ذریعہ اس کی آلائش الگ کر دی جائے اور بو اور ذائقہ اصلی حالت پر آجائیں تو پانی پاک ہونا چاہئے (واللہ اعلم)۔

۵- حکومت کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانا:

کھانے پینے اور طہارت حاصل کرنے کے لئے جس مقدار میں پانی کی ضرورت ہوتی ہے اگر اس کی بھی قلت ہو تو ریاست کی خود ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے ماتحتوں کے لئے پانی کا نظم کرے۔ انسان کی بنیادی ضرورتوں پر پابندی لگانے کا ریاست کو حق حاصل نہیں ہے، اور عام حالات میں اس کے مطابق عمل کرنا بھی شرعاً واجب نہیں ہے۔

لیکن اگر حقیقت میں پانی اتنا کم ہو کہ کھانے پینے کے علاوہ غسل و وضو کی بھی اجازت دیدی جائے تو عامۃ الناس کے حرج میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں غسل و وضو یا اس طرح کے دیگر استعمالات پر پابندی لگانا شرعاً درست ہوگا اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوگا۔

صحیح بخاری کتاب التیمم میں وارد ایک حدیث جو دیگر صحاح میں بھی موجود ہے، سے اس امر پر روشنی ملتی ہے: قال رجل "أصابتنی جنابة ولا ماء" نودی فی الناس اسقوا واستقوا، فسقی من شاء واستقی من شاء وكان أن أعطی الذی أصابته الجنابة إناء من ماء قال: إذهب فأفرغه عليك" (صحیح البخاری، حدیث: ۳۳۳، باب المعید المہیب وضوء المسلم)۔

مفصل حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز پر حاضر ہے تھے، ایک شخص الگ کھڑا تھا، اس سے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو اس نے عرض کیا: مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی نہیں ہے (اس کے بعد پوری تفصیل ہے۔ پانی ملنے کے بعد) لوگوں میں اعلان کیا گیا، تو جسے خود پینا تھا پیا اور جسے جانوروں کو پلانا تھا پلایا۔ اور سب سے آخر میں یہ ہوا کہ جنسی کو ایک برتن میں پانی دیا گیا اور حکم ہوا کہ لے جاؤ اور طہارت حاصل کرو۔

حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ عینی فرماتے ہیں: ”فیہ أن العطشان يقدم على الجنب عند صرف الماء إلى الناس، وفيه تقديم مصححة شرب الآدمی والحيوان على غيره كمصلحة الطهارة“ (عمدة القاری ۳/۲۲۳)۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کی تقسیم کے وقت پیاسوں کو جنیوں پر مقدم کیا جائے گا، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ انسانوں اور ان کے چوپایوں کے پینے کی مصلحت دیگر مصلحتوں پر مثلاً طہارت وغیرہ پر مقدم ہوگی۔

فتاویٰ تاجرانہ کے ایک جزئیہ سے بھی مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر پانی انتہائی کم ہو تو خواہ حکومت کی طرف سے اجازت ہو یا ممانعت خود مبتلیٰ بہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تیمم کر لے اور اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالے۔

”يجوز للمسافر التيمم إذا لم يكن معه ماء، وكذلك إذا كان معه ماء وهو يخاف العطش على نفسه أو دابته لأنه عاجز عن استعمال الماء حكما لكونه مستحقا لحاجته الأصلية“ (الفتاویٰ التاجرانہ رضویہ ۱/۱۳۶)۔

مسافر کے لئے جائز ہے کہ اگر اس کے پاس پانی نہ ہو تو وہ تیمم کرے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس پانی تو ہو لیکن خود اپنے یا اپنے جانور کے پیاسے رہ جانے کا خطرہ ہو تو بھی تیمم کرے گا؛ اس لئے کہ حکماً یہ عادم الماء ہے، چونکہ جو پانی ہے وہ حاجت اصلیہ کے لئے ہے۔

لیکن حکومت کی طرف سے پانی کے بعض استعمالات پر پابندی کے تعلق سے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ وہ مصلحت جس کے پیش نظر حکومت پابندی لگاری ہے یقینی ہو محض ظنی نہ ہو، اس کے ذریعہ عامۃ الناس کو پہنچنے والے ضرر سے بچانا مقصود ہو یا دفع حرج مقصود ہو، اسی کے ساتھ ساتھ وہ مصلحت کلی ہو جزئی نہ ہو۔ یہ اصول صرف پانی پر پابندی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حکومت کسی بھی ایسی چیز میں جو شرعاً مباح ہو اگر کوئی پابندی لگاتی ہے تو اس اصول کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ ڈاکٹر عرف الکر اوی (استاذ کلیۃ الشریعہ محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض) حکومت کے ایسے تصرفات کے سلسلہ میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ویشترط علماء الشریعة شروطاً فی المصلحة منها: أن تكون المصلحة یقینیة لا وهمیة أو ظنیة، تجلب نفعاً أو تجنب ضرراً أو تدفع حرجاً أن تكون المصلحة عامۃ أو کلیة ای لا تكون مصلحة اقلیة“ (موسوعہ فقہ الاسلامی المعاصر ۳/ ۱۹۳)۔

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں پایا جانے والا پانی کس کی ملکیت ہوگی؟:

حقیقت تو یہ ہے کہ زمین کے اندر پایا جانے والا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ ہاں کسی کی مملوکہ زمین کے اندر جو پانی پایا جاتا ہے اس سے استفادہ کا اس کو پورا حق ہے مگر اس کے باوجود بھی سطح زمین کے اندر کا پانی اس کی ملکیت نہیں قرار دیا جاسکتا۔

مبسوط اسرخصی میں ہے: ”الماء تحت الأرض غیر مملوک لأحد“ (مبسوط اسرخصی ۳/ ۱۵۳)۔ زمین کے نیچے کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ تقریباً اسی طرح کی بات ”مجلة الأحكام العدلیة“ میں بھی ہے: ”الماء الجاری تحت الأرض لیس بملک لأحد“ (مجلة الأحكام العدلیة مع شرحها ۱/ ۶۷۶، المادة ۱۳۳۵)۔ مجلہ کے شارح اس قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ولهذا لو حفر أحد فی ملكه واستخرج الماء الذی تحت

الأرض، ثم جاء آخر وحفر أيضا في ملك نفسه الذي هو فوق ملك الأول فتحول الماء من ملك الأول إلى ملك الثاني لاشي لأول على الثاني لأنه غير معتد، لكون الماء تحت الأرض لا يملك فلا مخاصمة“ (ايضا)۔ اسی بنیاد پر (جو مذکور ہے) اگر کسی نے اپنی مملوک زمین میں کنواں کھودا اور اس سے پانی نکالا، پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے اپنی مملوک زمین میں جو کہ اول الذکر کے اوپر ہے کنواں کھودا، اور پانی پہلے شخص کی مملوک زمین سے کھسک کر دوسرے کے کنویں میں چلا گیا، تو دوسرے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس کی طرف سے کوئی تعدی نہیں پائی جارہی ہے، اس اصول کی بنیاد پر کہ زمین کے اندر موجود پانی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا، لہذا مخاصمت کی کوئی بات نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ مذکورہ پانی مباح لا اصل ہے، نہ تو افراد کی ملکیت ہے نہ ہی حکومت کی؛ لیکن اگر حکومت اس مصلحت کے پیش نظر کہ اس سے پانی کی سطح بہت نیچے چلی جائے گی اور عامۃ الناس کو اس سے نقصان پہنچے گا۔ اگر بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے اور عامۃ الناس کو ضرر پہنچنے کا قوی امکان ہو تو ایسا حکم دینے کی گنجائش ہوگی اور تعمیل حکم شرعاً لازم ہوگی۔

مباح اشیاء سے اس وقت تک کسی کو استفادہ کا حق ہے جب تک کہ وہ عامۃ الناس کے ضرر کا سبب نہ ہو۔ اور اگر استفادہ شخصی عامۃ الناس کے ضرر کا سبب ہو تو حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو، بہر حال اس کا ترک لازم و واجب ہوگا۔

مجلة لأحكام العدلية میں ہے: ”يجوز لكل واحد الانتفاع بالمباح لكنه يشترط أن لا يضر بالعامّة، فإن أضر فللكل واحد مسلما كان أو ذميا منعه“ (مجلة الأحكام العدلية، ۶۸۱۶، المادة ۱۲۵۳)۔

”فلو اراد أن يشق جدولا من النهر العام فله ذلك إلا إذا أضر بالعامّة بأن يفيض ماء الجلول فيفسد مال الناس أو ينقطع الماء عن النهر أو يمنع

جریان السفن فیجوز لکل منعه“ (ایضاً)۔

مباح اشیاء سے انتفاع ہر ایک کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ عامۃ الناس کے ضرر کا سبب نہ ہو، اگر وہ ضرر کا سبب ہو تو ہر ایک کو منع کرنے کا حق ہوگا خواہ مسلمان ہو یا ذمی۔
مثلاً کوئی شخص نہر عام سے پانی کی ایک مالی نکالنا چاہتا ہے تو اسے اس کا حق ہے لیکن اگر یہ عامۃ الناس کو نقصان پہنچائے کہ مالی کا پانی بہہ کر لوگوں کے مال (مثلاً کھیتی کو خراب کرے) یا اس کی وجہ سے نہر کا پانی ختم ہو جائے یا کشتیوں کے چلنے کے لئے پانی نہ بچے تو ایسی صورت میں ہر ایک کو روکنے کا حق ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ (۱) زمین کے اندر کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے، نہ زمین کے مالک کی نہ حکومت کی۔ (۲) زمین کے مالک کو اس سے استفادہ کا حق حاصل ہے؛ اس لئے کہ اشیاء مباحہ میں سے ہے۔ (۳) اگر بورنگ کرنے کی وجہ سے واقعہ عامۃ الناس کے حرج عظیم میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو حکومت کو اس سے منع کرنے کا شرعی حق حاصل ہے۔ (۴) اور اس صورت میں حکومت کے اس حکم کی تعمیل شرعاً لازم ہوگی۔

۷۔ پانی کی ذخیرہ اندوزی کی ذمہ داری حکومت کی ہے یا افراد کی؟:

عام حالات میں پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے، عام لوگوں کو اس کا جبری مکلف بنانا درست نہیں ہوگا۔ ہاں اس کے لئے تحریض کی جاسکتی ہے اور اس صورت میں اس حکم کی تعمیل شرعاً واجب بھی نہ ہوگی، ہاں اخلاقی طور پر اس کی تعمیل کرنا مناسب ہوگا۔

مبسوط السرخسی میں ہے: ”وعلى السلطان كراء هذا النهر الأعظم إن احتاج إلى الكراء لأن ذلك من حاجة عامة المسلمين ومال بيت المال معد لذلك فإنه مال المسلمين أعد للصرف إلى مصالحهم“ (مبسوط السرخسی ۶۸۱/۲۳)۔

(نہر اعظم) نہر عام کی کھدائی کی اگر ضرورت ہو تو اس کی ذمہ داری سلطان پر ہے، اس لئے کہ عامۃ المسلمین کی ضرورت ہے، اور بیت المال کا مال اسی کے لئے ہے، اس لئے کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے، اور انہیں کے مصالح میں خرچ کئے جانے کے لئے ہے۔

”مجلة لأحكام العدلیة“ میں ہے: كرى النهر غیر المملوك وإصلاحه على بیت المال، فإن لم یکن فی بیت المال سعة یجبر الناس على كریه، (مجلة لأحكام العدلیة / ۷۰۵)۔

شرح میں ہے: ”وذلك إحياء لمصلحة العامة“ (ایضاً)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذمہ داری تو اصلاً حکومت کی ہے، اور اگر بیت المال اس خرچ کا متحمل نہ ہو تو عوام کو اس پر مجبور کیا جائے گا۔ اس میں بھی شرط یہ ہے کہ عامۃ الناس کے یقینی مصالح اس سے وابستہ ہوں، اور حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ ذخیرہ اندوزی کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو ”مالایتم به الواجب إلا به فهو واجب“ کے قاعدہ کے تحت عوام کو اس کا مکلف بنایا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

۸- ڈیم وغیرہ بنانے کی صورت میں آبادیوں کو منتقل کرنا:

اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو نقل مکانی پر مجبور کرنا اور ان کو متبادل زمین فراہم کرنا۔ یہ مسئلہ دراصل ملکیت فرد و اشخاص یا ملکیت خاص کو قومی ملکیت بنانے کی قبیل سے ہے۔ خواہ ڈیم وغیرہ تعمیر کرنا ہو یا کوئی اور اس طرح کا کام کرنا ہو جس سے نفع عام مقصود ہو، ضرورت کا تحقق ہونے پر زرعی علاقے ہوں یا آبادیاں، نقل مکانی کروانا اور متبادل زمین فراہم کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ نصوص شرعیہ کو سامنے رکھتے ہوئے عصر حاضر کے بعض فقہاء نے کچھ شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔

ڈاکٹر محمد سلام مدکور (رئیس قسم اشریعہ فی کلیۃ الحقوق جامعہ قاہرہ) تحریر فرماتے ہیں:

ثمة حالات تتدخل فيها الدولة لصالح الملكية العامة هي: ١- "نزع الملكية الخاصة أرضا زراعية أو عادية أو مسكنا للمنفعة العامة كتوسعة الطريق أو بناء مرفق ضروري يتحدد بها المكان أو تغلب المصلحة في بنائه في هذا المكان" -

(بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں حکومت نفع عام کی خاطر ملکیت خاص میں دخل اندازی کرتی ہے وہ درج ذیل ہیں: (۱) خاص ملکیت خواہ زرعی علاقہ ہو یا کسی کی پڑی ہوئی غیر آباد زمین ہو یا رہائش گاہ ہو، نفع عام کی خاطر اگر اسی خاص جگہ کی ضرورت ہو خواہ راستہ کو کشادہ کرنا ہو یا شہری ضروریات (پانی، بجلی ذرائع نقل و حمل وغیرہ) متعلق ہوں تو حکومت اس کو ملکیت خاص سے نکال کر ملکیت عام میں داخل کر سکتی ہے)۔

ڈاکٹر عبد الحلیم عولیس فرماتے ہیں: "من حق الدولة أن تستوي على المال الخاص وتحوله للملكية العامة إذا اقتضت مصلحة الأمة ذلك، وإذا أطلقنا كلمة المال في مجال البحث الاقتصادي فيراد بها كل مايقوم بمال أي يدخل فيها العقار بأصنافه المختلفة من أرض زراعية أو أرض صالحة للإسكان الخ" (موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر ۳/ ۱۹۳)۔

(حکومت کو حق حاصل ہے کہ مال خاص کو قبضہ میں لے کر اسے ملکیت عامہ میں شامل کر دے اگر امت کی عمومی مصلحت اس کی متقاضی ہو۔ اقتصادیات کے موضوع پر گفتگو کے دوران جب مال کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے ہر وہ چیز مراد ہوتی ہے جس کے اندر مالیت ہو۔ یعنی اس کے جائیداد غیر منقولہ اپنی مختلف اقسام کے ساتھ شامل ہوتی ہے خواہ وہ زرعی زمینیں ہوں یا قابل رہائش قطعہ اراضی یا ان کے علاوہ)۔

ڈاکٹر عبداللہ عبدالحسن التركي اور ڈاکٹر عوف الكفر اوی (محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض) کا بھی یہی نظر یہ ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ عبدالحسن التركي فرماتے ہیں: ”و للدولة أن تتدخل لتزيل الملكية الخاصة عن أصحابها في بعض المواطن التي تقتضي ذلك كتوسعة الشوارع وإقامة المنشآت العامة أو إزالة الملكية الخاصة للأغراض الأمنية أو العسكرية أو لشق المصارف والترع وما إليها“ (مسودة الفقه الإسلامي العام ۱۸۱۳)۔

وہ اس سلسلہ میں ایک اصول کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں: ”إذا تعارضت المصلحة الخاصة والعامة فإن الإسلام يؤثر المصلحة العامة“ (ایضاً ۲۰۹/۳)۔ اگر خاص اور عام مصالح باہم متعارض ہوں تو اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مصلحت عامہ کو ترجیح دی جائے۔

عالم عرب کے مشہور فقیہ ڈاکٹر وجہہ الزحیلی فرماتے ہیں: ”کہ کبھی کبھی ضرورت و حاجت کے پیش نظر مصلحت عامہ کی خاطر جبری بیع یا قومیہ کے نام پر ملکیت خاص کو ملکیت عام میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس کا مناسب و عادلانہ معاوضہ دیدیا جائے، یہ درست ہے، جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسجد حرام کی توسیع کے لئے حرم سے متصل مکانوں کی خرید کے ذریعہ ہوا۔

قد يصبح الملك عاما من طريق البيع الجبري أو ما يسمى بالتأميم لمصلحة عامة للضرورة أو الحاجة وبشرط دفع تعويض عادل عنها، كما حدث في عهد عثمان وغيره من توسيع المسجد الحرام وشراء الدور المجاورة لها“ (ایضاً ۱۹۱/۳)۔

لیکن جیسا کہ سابق میں عرض کیا گیا، ملکیت خاص، ”کو“ عام، یا ”قومی ملکیت“ میں

تبدیل کرنے کے لئے حکومت کو کھلی ہوئی چھوٹ نہیں ہے بلکہ شرائط کے ساتھ محدود ہے، اگر ان شرائط کا لحاظ نہ کیا گیا تو حکومت کا اقتدار غصب سمجھا جائے گا اور شرعی نقطہ نظر سے ایک امر حرام کا ارتکاب ہوگا۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں: ”و القاعدة في الملكيات العامة أو ضماناتها هي ملاحظة المصلحة الخاصة للدولة بحق ثابت شرعي معروف وبشمن عادل ومن حاكم عادل أيضا فإن توفرت الشرعية وعموم المصلحة والعدالة كانت لهذه الملكيات مقبولة وإلا اعتبرت غصبا وحراما“ (موسم الفقه الإسلامي لعام ۱۹۲۳)۔

عدل کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر عبد الحلیم عولیس فرماتے ہیں: ”إن معنى العدل المقصود عند تحويل الملكية الخاصة إلى عامة أن تؤخذ الملكية الخاصة بشمن المثل على الأقل عند حاجة الدولة إليها“ (ایضاً)۔

مطلب یہ ہے کہ ملکیت خاص کو ملکیت عام میں تبدیل کرتے وقت ضروری ہے کہ (۱) حکومت کا جو معروف شرعی حق ہے اس کے مطابق اقدام کرے، (۲) شمن عادل (یعنی کم از کم شمن مثل) معاوضہ کے طور پر ادا کرے، (۳) فیصلہ حاکم عادل کے ذریعہ ہو۔

ڈاکٹر عرف الکفر اوی رقم طراز ہیں: ”فالملكية الفردية مصنونة في الإسلام، فليس لولي الأمر أن يمسها عن طريق نزعها أو تحديدها أو تأميمها إلا تطبيقا لنص شرعي أو نزولا على حكم الضرورة لمصالح جماعة المسلمين۔ ويشترط علماء الشريعة في المصلحة شروطا تكفل عدم اتخاذها من جانب الحاكم ستارا يخفي ما يسيطر عليه من أهواء شخصية۔ ومن تلك الشروط“۔

(۱) أن تكون المصلحة يقينية لا وهمية أو ظنية تجلب نفعاً أو تجنب ضرراً أو تدفع حرجاً.

(۲) أن تكون المصلحة عامة أو كلية أي لا تكون مصلحة أقلية (ایضاً/۱۹۳)۔

اسلام میں فرد و اشخاص کی ملکیت کو حفاظت حاصل ہے۔ چنانچہ کسی حاکم کے لئے جائز نہیں ہے کہ قبضہ میں لینے یا قومیانہ کے نام پر کسی فرد کی ملکیت پر ہاتھ ڈالے، ہاں اس وقت گنجائش ہے جب کہ کسی نص شرعی کی تطبیق مقصود ہو یا کم از کم عامۃ المسلمین کے مصالح ضرورت کی حد تک پہنچ گئے ہوں۔

ملکیت فرد پر تصرف کے سلسلہ میں علماء نے کچھ شرطیں عائد کی ہیں تاکہ کوئی حاکم مصلحت کا بہانہ بنا کر اپنی خواہشات نفسانی پر پردہ نہ ڈال سکے۔ مثلاً:

(۱) مصلحت یقینی ہو، وہمی اور ظنی نہ ہو، عامۃ المسلمین کا اس سے نفع مقصود ہو یا ضرر سے بچانا اور حرج دور کرنا مقصود ہو۔

(۲) مصلحت عام اور کلی ہو یعنی محض چند فرد کا فائدہ پیش نظر نہ ہو۔

ڈاکٹر عبدالخلیم عولیس نے حاکم اور مصلحت کے تعلق سے دو اور شرائط کا اضافہ کیا ہے:

(۱) حاکم اپنے اس تصرف میں مذہبی عصبیت کا شکار نہ ہو۔ یا کسی ایسے نظریہ سے متاثر نہ ہو جو اسلام کے عادلانہ متوازن نظام اقتصادیات سے متصادم ہو، یا کسی خاص طبقہ کے لئے اس کے دل میں کینہ نہ ہو، جن کو وہ اپنے تصرف کے ذریعہ پریشان یا ذلیل کرنا چاہتا ہو۔

(۲) تصرف کے لئے شرط یہ ہے کہ عدل کا اثبات، دفع ظلم اور عامۃ الناس کو بنیادی ضروریات مہیا کرانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

ألا يقوم الحاكم فيما يقوم به خاصغا لنزعة مذهبية، أو متأثراً بتيار

بعيد عن المذهب الاقتصادي الإسلامي المتوازن العادل، أو حاقماً على طبقة من الطبقات يضم لها الشر والإذلال والاحتقار۔

حق الحاكم والمولة في التدخل للمصلحة العامة لأحقاق العدل ومنع الظلم وتوفير الحقوق الأساسية المادية لكل الناس“ (موسمہ فقہ اسلامی لعاصر ۳۳ ۱۹۳۳)۔

خلاصہ یہ کہ اجتماعی مصلحت کے پیش نظر متبادل زمین فراہم کر کے نقل مکانی پر مجبور کرنا ان شرائط کے ساتھ جائز ہے جن کا ما قبل میں ذکر ہوا۔ واللہ اعلم۔

۹۔ خطرہ کے پیش نظر باندھ کو کاٹ کر پانی کو دوسری طرف پھیر دینے کا حکم:

جواب: کسی بھی طرح سے پہنچنے والے نقصان کے سلسلہ میں اسلام کا نظر یہ ہے کہ نہ نقصان اٹھایا جائے نہ ہی دوسرے کو نقصان پہنچایا جائے۔ جہاں تک ہو سکے خود کو بھی نقصان سے بچایا جائے اور دوسروں سے بھی اس کو دفع کیا جائے، اگر دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر اپنے کو ضرر سے بچایا جاسکتا ہو تو اس کی پوری سعی کی جائے گی، ورنہ دیکھا جائے گا کہ ضررین میں اعظم کون ہے اور اہون کون ہے، اہون کو برداشت کے ضرر اعظم کو دفع کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں حدیث نبوی ”لا ضرر ولا ضرار“ (مسند احمد ج ۵: ۲۸۶۷) کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے، اور اس سے دفع ضرر کے تعلق سے بہت سے قواعد وضع کئے گئے ہیں مثلاً: ”الضرر یزال“ (موسمہ القواعد والضوابط الفقہیہ ۱/ ۴۳-۴۵، لڑا ستاذ علی احمد الندوی)، لیکن اس قاعدہ سے مطلق طریقہ پر ظلم کا دروازہ کھل سکتا تھا، اس لئے فقہاء نے نصوص شریعت اور روح شریعت کو مد نظر رکھتے ہوئے قاعدہ کو مقید کر دیا ”الضرر لا یزال بمثلہ“ (موسمہ القواعد والضوابط الفقہیہ ۱/ ۴۳-۴۵، لڑا ستاذ علی احمد الندوی)، یا ”لا یزال بالضرر“ یعنی ضرر اور نقصان کو دوسرے کو نقصان پہنچا کر نہیں دور کیا جائے گا۔

اس کے بعد بھی بعض شکلوں میں ممکن تھا، جب ضرر دہ طرفہ ہو تو ایک شخص دوسرے کو ضرر سے بچانے میں بڑا نقصان اٹھا جائے تو فقہاء نے اس سے مزید ایک قاعدہ نکالا: ”الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف“ (موسوعہ القواعد والظوابط الفقہیہ ۱/ ۷۳-۷۵، لہذا سزا علی احمد الندوی)۔ آخر الذکر قاعدہ کو بیان کرنے کے لئے فقہاء نے متعدد تعبیریں استعمال کی ہیں لیکن سب کا مطلب ایک ہی ہے، وہ یہ کہ ضرر اعظم کے مقابلہ میں اہون کو اختیار کیا جائے گا۔

(۱) إذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمهما ضررا یارتکاب أخفهما

(۲) یختار اہون الشرین

(۳) إذا اجتمع ضرران أسقط الأصغر الأكبر۔

(۴) یجب دفع ما یندفع به أعظم الضررین بالتزام أدناهما (موسوعہ القواعد

والظوابط الفقہیہ ۱/ ۷۷-۷۵)۔

(۵) یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام (المدخل للفتاویٰ العام ۲/ ۵۹۹)۔

ڈاکٹر علی احمد الندوی قواعد الفقہ کے موضوع پر اپنی کتاب ”موسوعہ القواعد والظوابط الفقہیہ“ میں ضرر سے متعلق تمام قواعد کا در اسہ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”و خلاصہ هذا الموضوع أنه عند اجتماع الضررین ینظر فی أعظمها لکی یزال ویرفع ولاحد فی ذلك إلا ما یؤدی إلیه الاجتهاد الذی هو أصل فی تقييد الأحكام عند عدم النص“ و طرفہ ضرر پیش آنے پر دیکھا جائے گا کہ کون سا اشد و اعظم ہے، اس کو دور کر دیا جائے گا (یعنی اہون کو برداشت کر لیا جائے گا اور اشد و اہون کو متعین کرنے کا کوئی خاص پیمانہ نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں وہی اجتہاد رہنما ہے جو کہ کسی مسئلہ کے تعلق سے نص شرعی نہ ہونے پر احکام کو واضح کرتا ہے۔ فقہاء نے فقہ کی کتابوں میں اس کی متعدد مثالیں دی ہیں۔ ہم مثال کے طور پر صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ (۱) فقراء کا مالدار غنیاء پر نفقہ فرض کرنا اس کی مثال ہے کہ اس

میں انبیاء کا ضرر فقراء کے مقابلہ میں اخف ہے۔ (۲) کسی شخص کی مرضی دوسرے کا قیمتی جوہر نگل لے تو اب جوہر والے کو حق حاصل ہوگا کہ جبراً قیمت دے کر مرضی پر ملکیت حاصل کر لے تاکہ اس کو ذبح کر کے اپنا جوہر حاصل کر سکے (ایضاً)۔

اشد و اعظم ضرر کے مقابلہ میں اخف و اہون کو اختیار کیا جائے گا، اس پر سورہ کہف میں وارد حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ سے بھی استشہاد کیا جاسکتا ہے، اس طور پر کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اشد و اعظم ضرر سے بچانے کے لئے اہون کو ترجیح دی۔

شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے اہون اشرفین کے اختیار کرنے پر حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”فقد أوحى الله إليه أن يخرق السفينة لينتقم أصحابها من ضرر أعظم وهو أن يغتصبها المملک الظالم“ (المدخل لفتاویٰ الامام ۲/۹۹۵)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ کشتی میں عیب پیدا کر دیں تاکہ کشتی والوں کو اس سے بڑے ضرر یعنی ظالم بادشاہ کے ذریعہ کشتی کے غصب کئے جانے سے بچاسکیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ قواعد شرعیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ طوفان یا سیلاب آنے پر دیکھا یہ جائے گا کہ کس صورت میں نقصان کم سے کم اٹھانا پڑے گا، خواہ اوپر بہتی والوں کو اٹھانا پڑے یا تھیب والوں کو، جس صورت میں بھی نقصان کم سے کم ہو وہ صورت اختیار کی جائے گی یعنی اگر بندھ کاٹ دینے کی صورت میں تھیب والوں کو زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہو تو ایسی صورت میں بندھ کاٹنا اور پانی کو آگے بڑھانا جائز نہ ہوگا، اور اگر اس کے برعکس ہو تو جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے استفادہ کی حد:

اسراف اور اضرار سے بچتے ہوئے انسان کی جتنی بھی ضروریات پانی سے متعلق ہوں

وہ دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے ساری ضرورتوں کی تکمیل کر سکتا ہے۔ خواہ کھانے پینے کے لئے استعمال کرنا ہو یا طہارت و دیگر ضروریات کے لئے، یا پھر کھیتوں اور باغات کی سیرپانی مقصود ہو، افراد و اشخاص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تمام ہی متعلقہ ضرورتوں کو ایسے مقامات کے پانی سے پوری کر سکتے ہیں۔ اور اس سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہوگا۔

اس سلسلہ میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ”المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلا والنار“ وفی بعض الروایات ”الناس شرکاء فی ثلاث“ (سنن ابی داؤد ۷۷۳۳)۔ مسلمان اور بعض دیگر روایات کی بنیاد پر لوگ (مسلم کا سب) تین چیزیں برابری کے شریک ہیں: (۱) پانی، (۲) گھاس (خوردو)، (۳) آگ۔

اس شرکت کی تفسیر کرتے ہوئے امام سرحسی فرماتے ہیں: ”وتفسیر هذه الشركة فی المیاء التي تجری فی الأودية والأنهار العظام کجیحون وسیحون ودجلة و فرات ونیل فإن الانتفاع بها بمنزلة الانتفاع بالشمس والهواء ویستوی فی ذلك المسلمون وغیرهم ولیس لأحد أن یمنع أحدا من ذلك، وهو بمنزلة الانتفاع بالطرق العامة من حیث التطرق فیها“ (بسوط اسرہی ۲۳/۱۶۷)۔

بڑی ندیوں، دریاؤں اور نہروں کے پانی میں مسلمان وغیر مسلم سب شریک ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے کہ ہوا اور سورج سے یا عام راستہ سے فائدہ اٹھایا جائے، اور اس سے روکنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے، صاحب ہدایہ نے بھی تقریباً یہی بات کہی ہے: ”لأن هذا الماء لیس لأحد فیہ حق علی الخصوص“ کہ اس پانی میں کسی شخص کا مخصوص حق نہیں ہے، لہذا ”فلا یمنع من الانتفاع به علی آی وجه شاء“ (الہدایہ ۲۶۷/۷، مکتبہ البشرى، پاکستان)۔

جس طرح بھی کوئی فائدہ اٹھانا چاہے کسی دوسرے کو روکنے کا حق نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ”إعلم أن المياه أنواع، منها ماء البحار ولكل واحد من الناس حق الشفة وسقى الأراضي حتى إن من أراد أن يكرى نهراً منها إلى أرضه لم يمنع من ذلك“ (الہدایہ ۲۶۷/۷) جان لو کہ پانی کی چند قسمیں ہیں: ان میں سے ایک وہ پانی ہے جو سمندروں اور دریاؤں میں ہوتا ہے، ہر انسان کو اس میں حق شفعہ اور اپنی زمین کی سینچائی کا حق حاصل ہے، یہاں تک کہ اگر اس سے اپنی زمین تک پانی لے جانے کے لئے نہریاں ملی کھودنا چاہے تو منع نہیں کیا جائے گا۔

لیکن آگے چل کر ”إن كان لا يضر بالعامّة“ (ایضاً ۲۶۸)۔ یعنی اگر عامۃ الناس کو اس سے نقصان نہ پہنچے تو اس کو حفر انہر کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں۔ حقہ شفعہ کی تشریح کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ”الشرب لبني آدم والبهائم“ (ایضاً ۲۶۷)۔ یعنی انسانوں اور ان کے چوپایوں کو پینے پلانے کا حق۔

البتہ شرح مجلۃ لأحكام العداۃ میں انسان کے حق انتفاع کی تفصیل ذکر کی گئی ہے اس لئے اسے نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے: ”الشفه شرب لبني آدم والبهائم“ والمراد بها استعمال بني آدم للشفه أو للطبخ أو الوضوء والغسل أو غسل الثياب ونحوها۔

والمراد بها في حق البهائم الاستعمال للشفه ونحوه مما يناسبها، كما ينتفع كل واحد بالهواء أيضاً يسوغ له أن ينتفع أيضاً بالبحور والبرك غير المملوكة“ (مجلۃ لأحكام ۶۵۲)۔

انسانوں کے حق میں حق شفعہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ پانی کو استعمال کریں پیاس دور کرنے کے لئے یا کھانا بنانے کے لئے یا وضو و غسل اور کپڑے دھونے کے لئے یا اس طرح کی دیگر ضروریات میں۔ اور چوپایوں کے حق میں یہ ہے کہ ان کو پلایا جائے یا جو بھی ضرورت ہو اس میں

استعمال کیا جائے، جس طرح ہو اور روشنی سے فائدہ اٹھانا ہر فرد بشر کا حق ہے اسی طرح غیر مملوکہ تالابوں (اس میں سرکاری تالاب، عوامی کنویں اور چشمے داخل ہیں) اور ندیوں سے بھی استفادہ کا حق ہے۔

۱۱- گزرنے والی نہروں سے استفادہ کی حد اور اس کا حکم:

اگر نہر غیر مملوک یعنی عام ہو جیسا کہ ماقبل والے سوال کے جواب میں گزرا تو اسراف و اضرار سے بچتے ہوئے اپنی تمام متعلقہ ضروریات کی تکمیل، اسی طرح کھیتوں وغیرہ کی سیرپانی، سب کچھ درست ہوگا۔

اور اگر نہر مملوک ہے اور بہت سے لوگ اس میں شریک ہیں تو شرکاء کے درمیان پانی کی تقسیم عادلانہ ہوگی اور بقدر اراضی ان کو پانی سے استفادہ کا حق حاصل ہوگا۔

معنی میں ہے: ”وإن كان حق الشرب من نهر أو جدول واحد ثابتاً لأناس كثيرين كان عليهم توزيع الماء بينهم توزيعاً عادلاً بنسبة مقدار ما يملك كل منهم“ (المعنی ۵۳۳/۵)۔

مبسوط اسرہسی میں ہے: ”إذا كان نهر بين قوم لهم عليه أرضون، ولا يعرف كيف كان أصله بينهم فاختلّفوا فيه واختصموا في الشرب، فإن الشرب بينهم على قدر أراضيهم، لأن المقصود بالشرب سقي الأراضي والحاجة إلى ذلك تختلف بقلة الأراضي وكثرتها، فالظاهر أن حق كل واحد منهم من الشرب بقدر أرضه وقدر حاجته والبناء على الظاهر واجب حتى يتبين خلافه“ (مبسوط اسرہسی ۱۶۵/۲۳)۔

اگر کوئی نہر مختلف لوگوں کے درمیان مشترک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا حصہ کس اعتبار

سے ہے پھر ان میں اختلاف ہو جائے اور حق شرب کا مقدمہ قاضی کے پاس پہنچے تو فیصلہ ان کی اراضی کے لحاظ سے کیا جائے گا، اس لئے کہ حق شرب کا مقصد کھیتوں کی سیرجائی ہے، اور زمین کی قلت و کثرت کے لحاظ سے ضرورت مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اور ظاہر اس کا یہی ہے کہ ہر ایک کا حق اس کی زمین اور حاجت کے لحاظ سے ہوگا۔ تو جب تک ظاہر کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو جائے ظاہر ہی پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

کھیت یا دیگر ضروریات کے لئے تمام شرکاء کو حق حاصل ہے کہ وہ ہر اس طریقہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جس میں عام لوگوں کا ضرر نہ ہو اور شرکاء کی حق تلفی نہ ہو (الہدایہ ۷/۲۶۸)۔
اسی طرح اگر کوئی شخص نہر کے شرکاء میں سے نہیں ہے، لیکن اس علاقہ میں رہتا ہے جس سے نہر گزرتی ہے تو اس کو حق حصہ حاصل ہوگا؛ البتہ اپنی کھیتی سیراب کرنے کا حق نہ ہوگا (سہوٹ ۱۵۸/۲۳)۔

۱۲- پانی پر ملکیت کی صورتیں:

پانی کو رسول اللہ ﷺ نے مباح لا اصل قرار دیا ہے (سنن ابی داؤد حدیث ۳۳۷۷) اور جو چیز بھی مباح الاصل ہو جب تک اس میں احراز اور قبضہ کی شکل نہ پائی جائے ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔ ہاں جب وہ محرز و مقبوض ہو جائے تو اب وہ کسی خاص فرد کی ملکیت ہو جاتی ہے، اور چونکہ پانی بھی مباح لا اصل ہے اس لئے اس میں بھی یہی اصول چلے گا۔ اب احراز و قبضہ کی شکل جب بھی اپنائی جائے گی پانی فرد کی ملکیت تصور کیا جائے گا۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "المسلمون شرکاء فی ثلاث: فی الماء والکلا والنار" (سنن ابی داؤد)۔ نیز "من سبقت یدہ الی مباح فہو لہ" (سنن ابی داؤد)۔
احراز کی مثالیں: (۱) نہر مشترک (اشتراک خاص) کا وہ پانی جو مقام میں داخل ہو گیا ہو، (۲) ذاتی کنویں، تالاب، اور گڈھے وغیرہ کا پانی، اس میں بورنگ کے پانی کو بھی شامل

کیا جانا چاہئے، (۳) ٹنکی، بالٹی، گھڑے وغیرہ میں جمع کر لیا گیا پانی۔
 مبسوط السرخسی میں ان مقام کی تفصیل موجود ہے: ”فأما ما يجرى في نهر
 خاص لأهل القرية ففيه نوع شركة لغيرهم ولكن هذه الشركة أخص من الأول
 (النهر العامة) وكذلك الماء في البئر، وكذلك الحوض، فإن من جمع الماء
 في حوضه وكرمه فهو أخص بذلك الماء (بسوط ۲۳/۱۵۸)۔
 مزید فرماتے ہیں: ”فأما إذا أحوز الماء في جب أو جرة أو قرية فهو
 مملوك له“ (ایضاً)۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ”الماء المحرز في الأواني، وأنه صار مملوكا له
 بالإحراز“ (الہدایہ ۷/۲۶۹)۔

ڈاکٹر بلجاج العربی بن احمد فرماتے ہیں: ”والماء المحرز في الأواني
 والأنايب والصهاريج والجوار والحياض ... شأنه شأن كل مباح يملك
 بالاستيلاء عليه وحرازه (مجلة البحوث الفقهية المعاصرة، جلد ۹، شمارہ ۳۵، ص ۸۶)۔“

۱۳۔ مملوکہ پانی کی تجارت کا حکم:

نہر، تالاب اور کنویں وغیرہ کے پانی کو اگر چہ احراز کے زمرہ میں رکھا گیا ہے، لیکن
 حقیقت میں نسبتاً احراز ہیں، اس میں دوسروں کا حق شفعہ باقی ہے، اس لئے جب تک ان کو برتن
 وغیرہ میں محفوظ نہ کر لیا جائے بیع صحیح نہ ہوگی۔

البتہ برتنوں وغیرہ میں جمع کیا گیا پانی بیچنا درست ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں: ”فأما
 إذا أحوز الماء في جب أو جرة أو قرية فهو مملوك له حتى يجوز بيعه وليس
 لأحد أن يأخذ شيئاً منه إلا برضاہ“ (بسوط ۲۳/۱۵۸)۔

ڈاکٹر العربی بن احمد فرماتے ہیں: ”الماء المحرز فی الأوانی والأنایب
والصاریح والجرار والھیاض“۔

وما تحرزہ شرکت المیاء وما أشبه ذلك، وحکم هذا النوع أنه
لا یثبت لأحد حق الانتفاع به بأي وجه إلا برضا صاحب الماء لأن شأنه شأن
کل مباح یملک بالاستیلاء علیه وحرازہ ولأن الرسول صلی الله علیه وسلم
نهى عن بیع الماء إلا ما حمل عنه. ولقوله علیه السلام: من سبقت یدہ إلى مباح
فهو له“ (مجلد التجوید الفقہی سعودی عرب ۸۶)۔

شرح مجلہ میں ہے: ”وبطل أيضا بیع الماء من النهر والبئر قبل إحرازہ
بخلاف الماء الذى فى الجبات ولصهاریح الموضوعه فى البيوت لجمع ماء الشتاء
فإن بیعه صحیح لأنها أعدت لإحراز الماء فیملک ما فیها“ (شرح مجلہ ۶۶۹)۔

۱۴- نشیبی مقامات جیسے تالاب وغیرہ میں پلانٹنگ کر کے آبادیاں بسانا:

نہر، تالاب اور کنوئیں وغیرہ کے پانی کو اگرچہ احراز کے زمرہ میں رکھا گیا ہے، لیکن
حقیقت میں نسبتاً احراز ہیں، اس میں دوسروں کا حق شفعہ باقی ہے اس لئے جب تک ان کو برتن
وغیرہ میں محفوظ نہ کر لیا جائے بیع صحیح نہ ہوگی۔

البتہ برتنوں وغیرہ میں جمع کیا گیا پانی بیچنا درست ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں: ”فأما
إذا أحرز الماء فى جب أو جرة أو قربة فهو مملوک له حتى یجوز بیعه وليس
لأحد أن یأخذ شیئاً منه إلا برضاہ“ (بسوط ۲۳/۱۵۸)۔

ڈاکٹر بلحاظ العربی بن احمد فرماتے ہیں: ”الماء المحرز فى الأوانی والأنایب
والصهاریح والجرار والھیاض“۔

عامۃ الناس کو ضرر پہنچنے کی صورت میں تالاب وغیرہ میں آبادی بسانا درست نہیں ہے۔ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو دونوں ہی شکلوں میں تالابوں وغیرہ میں پلاننگ کر کے آبادیاں بسانا جبکہ عامۃ الناس کو ضرر پہنچتا ہو جائز نہیں ہے۔

”مجلۃ لأحكام“ میں ہے: ”الأراضی القریبۃ من العمران تترك للأهالی مرعی و بیدرا و محتطبا و یقال لها الأراضی المتركه“ (شرح المجلۃ ۶۸۸/۱)۔

آبادی کے قریب کی زمینیں آبادی کے باشندوں کے مصالح کے لئے چھوڑ دی جائیں گی، مثلاً چرگاہ، کھلیان وغیرہ اور اسے اراضی متروکہ کہا جائے گا۔

اس کی شرح میں ہے: ”وهذه الأراضی لا یجوز إحياءها لتحقق حاجة الأمالی إلیها تحقیقا و تقدیرا فصار كالنهر و الطریق“ (ایضاً)۔ اور ان اراضی کو رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سے فی الحال یا مستقبل میں لوگوں کے مصالح و ضروریات وابستہ ہیں تو اب اس کی مثال نہر اور راستہ کی ہوگی۔

جب متروکہ اراضی کا یہ حال ہے تو تالاب وغیرہ میں آبادی بسانا بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔

شرح میں اس بات کے تعلق سے صریح جزئیہ موجود ہے کہ اگر کسی ندی یا نہر مثلاً فرات میں کسی مقام سے پانی ہٹ گیا ہو لیکن عود کر کے آنے کا احتمال ہو تو ایسی صورت میں اس جگہ کا احیاء (رہائش گاہ بنانا) درست نہیں ہے۔

اس لئے کہ نفع عام ابھی اس سے متعلق ہے۔

”ولا یجوز ایضا (الإحياء) محل عدل عنه ماء الفرات ونحوه كدجلة والشط وغيرها إذا احتتمل عود الماء إلیه، لحاجة العامة إلی كونه نهراً، وإن لم یحتتمل عود الماء إلی مكانه جاز إحيائه لكونه ملحقاً بالموات“ (مجلۃ لأحكام ۶۸۸/۲)۔

حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو دونوں ہی صورتوں میں اگر ضرر پہنچتا ہے تو تالاب وغیرہ میں آبادیاں بسانا درست نہ ہوگا۔

اس لئے کہ حکومت کو جو ولایت حاصل ہے وہ دیکھ رکھ کر ہی ہے نہ کہ نقصان پہنچانے کی، تو جس صورت میں عوام کو نقصان نہ پہنچے تو یہ قطعہ اراضی دینا معطلی لہ کے ساتھ شفقت ہوگی لیکن اس کے برعکس امام عامۃ الناس کے حق کو باطل کرنے والا ہوگا، اور امام کو ابطال کی نہیں بلکہ استیفاء کی ولایت حاصل ہے۔

مبسوط میں ہے: ”إن كان يضر بالعامۃ لم يجز فإن كان لا يضر بهم فهو جائز لأن للسلطان ولاية النظر دون الإضرار بالعامۃ ففيها لا يضر بالعامۃ يكون هنا الاقطاع نظرا لمن أقطعه إياه وفيما يضر بهم يكون هنا الاقطاع إضرارا، وإبطالا لحقهم، وله ولاية استیفاء حق العامۃ لا ولاية الإبطال“ (مبسوط ۱۷۵/۲۳-۱۷۶)۔

۱۵- حکومت کا آب رسانی کی اجرت لینا اور عدم ادائیگی پر پانی روک لینے کا حکم: پانی انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، جہاں پر پانی آسانی سے میسر نہ ہو وہاں ہر شہری کا حق ہے کہ حکومت سے اس کی فراہمی کا مطالبہ کرے اور حکومت کے واجبات میں سے ہے کہ وہ پانی فراہم کرے۔

اسلامی حکومت کی داخلی ذمہ داریوں کی تفصیل بتاتے ہوئے ڈاکٹر وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں: ”إن إدارة المرافق العامة في الإسلام كالمساجد والمدارس والمشافي والجسور والبريد والدفاع والعشور والرى وتوريد المياه ونحوها تلتقى مع الطريقة المتبعة الآن، وهي طريقة الاستغلال المباشر ومقتضاها أن تقوم الدولة نفسها (والمليبية والمدينة الآن) بإدارة المرافق العامة مستعينة بأموالها

وموظفہا ومستخدمة في ذلك وسائل القانون العام“ (فقہ اسلامی وادلتہ ۶۳۷/۸)۔

اور جہاں تک پانی کا عوض لینے کی بات ہے تو اصول شرعیہ ”الغنم بالغرم“ وغیرہ کی وجہ سے درست ہے۔

بقول ڈاکٹر مصطفیٰ الزرقاء جو شخص بھی کسی چیز سے فائدہ اٹھائے شرعاً اس کے اخراجات وغیرہ کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔ ”إن التكاليف والخسارة التي تحصل من الشيء تكون على من يستفيد منه شرعاً“ (المدخل للفقہ العام ۱۰۳۵/۲)۔

عوض ادا نہ کرنے کی صورت میں حکومت کے لئے پانی کا روک لیما صحیح ہوگا؛ اس لئے کہ امام کو دیکھ رکھنے کی ذمہ داری دی گئی ہے تو اس کو بعض امور میں ولایت اجبار بھی حاصل ہوگی۔ اس لئے کہ بہت سے معاملات میں عوام یا بہت سے لوگ بغیر جبر کئے کچھ بھی خرچ نہیں کرنا چاہتے۔

مبسوط میں ہے: ”والإمام نصب ناظراً فيثبت له ولاية الإجمار فيما كان فيه الضرر عاماً، لأن العامة قل ما ينفقون على غير ذلك من غير إجمار“ (مبسوط ۱۷۰/۲۳)۔

لیکن اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ بہت زیادہ غریب و نادار افراد جو اس کا عوض دینے کے متحمل نہ ہوں، ان کے حق میں پانی کی سپلائی نہیں روکی جائے گی؛ بلکہ بلاعوض ان تک ان کی ضروریات کا پانی پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہوگی، اس حدیث رسول ﷺ کی وجہ سے جس میں اس اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی میں ہوں۔

”أنا ولی من لا ولی له“۔

۱۶- استعمال شدہ پانی کی نکاسی کی ذمہ داری کیا صرف حکومت کی ہے؟:

مصالح عامہ سے تعلق رکھنے والی ہر چیز خواہ وہ ذرائع حمل و نقل سے متعلق ہو یا بجلی، پانی کی فراہمی سے متعلق ہو، یا پانی کی نکاسی کا مسئلہ ہو جس کے لئے ڈریجنگ کا نظام بنایا جاتا ہے، شرعی نقطہ نظر

سے ان چیزوں کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی، اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا۔
بدائع میں ہے: ”وملاحظ بأن إصلاح الأنهار والمساقی والمصارف
العامة على الخزينة العامة (أى بيت المال) أو وزارة المالية، لأن منفعتها للناس
فكانت مؤونتها من بيت المال“ (بدائع الصنائع ۶/۱۹۳)۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ نہروں اور آب رسانی و پانی کی نکاسی کے ذرائع کی اصلاح و
درستی کی ذمہ داری وزارت مالیات کی ہے یعنی بیت المال سے اس کے اخراجات ادا کئے
جائیں گے، اس لئے کہ اسی سے عامۃ الناس کے مفادات وابستہ ہیں تو اب اس کے اخراجات
بیت المال کے ذمہ ہوں گے۔

موجودہ دور میں ان خدمات کو بلدیہ یا میونسپلٹی کے شعبہ سے متعلق کر دیا گیا ہے تو اب شرعاً
اس کی ذمہ داری اس شعبہ پر ہوگی۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں: ”إن طریق إدارة المرافق
العامة فى الإسلام تلتقى منه الطريقة المتبعة الآن ومقتضاها أن تقوم الدولة نفسها
(أو البلدية والمدينة الآن) بإدارة المرافق العامة مستعينة بأموالها وموظفيها
ومستخلمة فى ذلك وسائل القانون العام وهذه هى الطريقة التى تداربها جميع
المرافق العامة الإدارية فى الوقت الحاضر“ (لفقه الإسلام وأدائه ۸/۶۳۷۳)

خلاصہ یہ کہ موجودہ دور میں بجلی، ذرائع حمل و نقل اور پانی کی فراہمی اور نکاسی وغیرہ کا
جو نظام رائج ہے اسلام کا بھی نظریہ تقریباً ایسا ہی ہے کہ حکومت یا اس کے ذیلی ادارے اس ذمہ
داری کو سنبھالیں۔

آبی وسائل و ذرائع - فقہی نقطہ نظر سے

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی ☆

۱- پانی کے استعمال سے متعلق عمومی احکام:

ارشاد باری ہے: ”وینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ“ (سورۃ الانفال: ۱۱)
(اور اتنا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کر دے)۔
تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جس وقت کفر و اسلام کا پہلا معرکہ ہوا تو کفار مکہ کا لشکر پہلے پہنچ کر ایک ایسے مقام پر پڑاؤ ڈال چکا تھا جو اونچائی پر تھا، پانی اس کے قریب تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس جگہ پہنچے تو وادی کے نچلے حصہ میں جگہ ملی..... اس مقام کے واقف کار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے اس کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے جس میں ہمیں کوئی اختیار نہیں یا محض رائے اور مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں یہ کوئی حکم خداوندی نہیں، اس میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے، تب حضرت حباب بن منذر نے عرض کیا کہ پھر تو بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر کئی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے اسی پر قبضہ کیا جائے وہاں ہمیں پانی فراط کے ساتھ مل جائے گا۔ آں حضرت ﷺ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور وہاں جا کر پانی پر قبضہ کیا ایک حوض پانی کے لئے بنا کر اس میں

پانی کا ذخیرہ جمع فرمایا (اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۳/ ۱۹۳ تا ۱۹۷، فریڈ ہک ڈپ، دہلی، ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء)۔

۲- ارشاد باری ہے: ”وہو الذی أرسل الرياح بشراً بین یدى رحمته وأنزلنا من السماء ماء طهوراً، لنحیى به بلدق مینا ونسقیه مما خلقنا أنعاما و أناسی کثیراً“ (سورۃ الفرقان ۲۸، ۲۹)۔

(اور وہی ہے جس نے چائیں ہوائیں خوش خبری لانے والیاں اس کی رحمت سے آگے اور اتار اہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا کہ زندہ کر دیں اس سے مرے ہوئے دیں کو اور پلائیں اس کو اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو)۔

تشریح و توضیح: طہور کا لفظ عربی زبان میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ طہور اس کو کہا جاتا ہے جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیزوں کو بھی اس سے پاک کیا جاسکے۔ حق تعالیٰ نے پانی کو یہ خاص صفت عطا فرمائی ہے کہ جیسے وہ خود پاک ہے اس سے دوسری ہر قسم کی نجاست حقیقی و معنوی کو بھی دور کیا جاسکتا ہے۔ اور جس پانی کو آدمی استعمال کرتے ہیں وہ عموماً وہی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے کبھی بارش کی صورت میں کبھی برق اور اولے کی صورت میں پھر وہی پانی پہاڑوں کی رکوں کے ذریعہ قدرتی پائپ لائن کی صورت میں ساری زمین پر پھیلتا ہے جو کہیں خود بہ خود چشموں کی صورت میں نکل کر زمین پر بہنے لگتا ہے، کہیں زمین کھود کر کنویں کی صورت میں نکالا جاتا ہے یہ سب پانی اپنی ذات سے پاک اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا ہے اس پر قرآن و سنت کی نصوص بھی مطلق ہیں اور امت کا اجماع بھی (تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۶/ ۲۸۲ تا ۲۸۵، فریڈ ہک ڈپ، دہلی، ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء)۔

۳- ارشاد باری ہے: ”وہو الذی مد الأرض وجعل فیها رواسی وأنهارا“ (سورۃ الرعد ۳)۔

(اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ اور ندیاں)۔

تشریح و توضیح: زمین پھیلا کر پھر اس کا توازن قائم رکھنے کے لئے نیز اور بہت سے دوسرے فوائد کے لئے اس پر اونچے اونچے بھاری پہاڑ قائم فرمادیئے، جو ایک طرف زمین کا توازن قائم رکھتے ہیں، دوسری طرف ساری مخلوق کو پانی پہنچانے کا انتظام کرتے ہیں، پانی کا بہت بڑا ذخیرہ ان کی پیٹیوں پر بحر منجمد ”برف“ کی شکل میں رکھ دیا جاتا ہے، جس کے لئے نہ کوئی حوض ہے اور نہ ٹنکی بنانے کی ضرورت ہے، نہ ناپاک ہونے کا احتمال، نہ سڑنے کا امکان، پھر اس کو ایک زیر زمین قدرتی پائپ لائن کے ذریعہ ساری دنیا میں پھیلا دیا جاتا ہے، اسی سے کہیں تو کھلی ہوئی ندیاں اور نہریں نکلتی ہیں اور کہیں زیر زمین مستورہ کرنوں کے ذریعہ اس پائپ لائن کا سراغ لگایا جاتا ہے اور پانی حاصل کیا جاتا ہے (سارف القرآن ۵/۱۶۹ تا ۱۷۰)۔

(۲) پانی کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت حدیث کی زبانی:

۱- إن المغيرة بن أبي بردة وهو من بنى عبد الدار أخبره أنه سمع أبا هريرة يقول: سأل رجل رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! إنا نركب البحر وتحمل معنا القليل من الماء فإن توضعنا به عطشنا أفنتوضأ من البحر فقال رسول الله ﷺ: هو الطهور ماءه الحل ميتة“ (ترمذی ۲۱۸۱، باب ما جاء في ماء البحر أنه طهور ابواب الطهارة، مختاراً من ديوانه، ۱۹۸۵ء)۔

”حضرت مغیرہ بن ابو بردہ رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی عبد الدار کے خاندان کے ایک فرد تھے اس نے اس بات کی اطلاع دی کہ اس نے خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ قبیلہ بنی مدلج کے ایک مرد نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، پس اس صحابی مرد نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ سمندر کا سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ پینے کے لئے تھوڑا پانی لے جاتے ہیں، اب اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیتے ہیں تو ہم پیا سے رہیں گے؛ کیونکہ سمندر کا پانی پینے کے قابل نہیں ہوتا، تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ تو پھر رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اس کا مردار حلال ہے۔“
 ہر انسان کو پانی کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت کو سمجھ کر اس کا صحیح استعمال کرنے کی سعی
 بلیغ کرنی چاہئے، جس طرح ہوا، آگ، مٹی، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے، اسی طرح انسان اور
 ہر ذی روح جان دار کے لئے پانی بھی ایک بڑی نعمت ہے، اس کے بغیر ساری مخلوق کی زندگی
 مشکلات میں پڑ جائے گی، اس لئے پانی کا بیجا اسراف نہ کریں، چاہے کھانے پینے کی صورت
 میں، نہانے دھونے اور وضو کرنے کی صورت میں ہو، اس کا صحیح استعمال کریں، یہی اسلام کی
 تعلیم ہے۔

(۳) پانی کے استعمال سے متعلق شریعت مطہرہ کے عمومی احکام:

پانی خواہ ٹینٹھا ہو، کھارا ہو، ندی، نہر کا ہو، تالاب و حوض کا ہو، دریا کا ہو، سمندر کا ہو،
 بارش کا ہو، چشمہ کا ہو، اولے کا پگھلا ہوا ہو، کنویں کا ہو، ٹیل کا ہو، ٹیوب ویل کا ہو، آبشار کا ہو، ریل
 وہوائی جہاز کا ہو، اس سے جب چاہے آدمی نجاست دور کر سکتا ہے، کپڑے دھو سکتا ہے، وضو اور
 غسل کر سکتا ہے، استنجاء کر سکتا ہے، کھانے اور پینے میں بلا تر دو منڈ بذب کے استعمال کر سکتا ہے۔
 کھیتوں کی سینچائی کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ جانوروں کو پانی پلانے اور نہلانے میں استعمال
 کر سکتا ہے۔ انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک پانی ہے، پانی اگر ٹینٹھا ہو تو ہماری پیاس
 بجھانے، کھانا پکانے اور کپڑے دھونے کے کام میں آتا ہے، اور پانی اگر کھارا ہو جیسے سمندر کا پانی،
 تو اس کی افادیت بھی کچھ کم نہیں، کیوں کہ قدرت کی جانب سے اس میں آلودگی کو جذب کرنے
 اور آلائشوں کو تحلیل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھی گئی ہے۔

(۴) پانی کے استعمال کرنے کی قسمیں:

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کا استعمال ضرورت کے مطابق اور حق کی

رعایت کے ساتھ کیا جائے، بلا ضرورت بہانا، اس کی ناقدری کرنا بڑا حرم اور گناہ کا کام ہے۔ شریعت مطہرہ نے اس کے استعمال کے حدود مقرر کئے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- واجب: ایسے فرض کام کے لئے پانی استعمال کرنا واجب ہے جو وضو یا غسل کے بغیر جائز نہ ہو، مثلاً ظہر کی نماز کا وقت آ گیا اور بے وضو یا ناپاک ہو تو وضو یا غسل کے لئے پانی کا استعمال کرنا واجب ہے۔

(۲) مستحب: با وضو شخص وضو کرنا چاہے یا جمعہ، عیدین وغیرہ کے لئے غسل کرنا چاہے تو پانی کا استعمال کرنا مستحب ہے۔

(۳) مباح: جائز چیزوں مثلاً کھانے پینے وغیرہ کے لئے پانی استعمال کرنا جائز ہے۔
 (۴) حرام: پانی مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرے، (۲) جو پانی پینے کے علاوہ دوسرے کام کے لئے نہ ہو اس کو استعمال کرے، (۳) وضو یا غسل کرنے سے پانی نقصان پہنچائے مثلاً بیمار ہو جائے یا مرض بڑھ جائے، (۴) پانی اتنا زیادہ گرم یا ٹھنڈا ہو کہ استعمال کرنے سے نقصان پہنچائے، (۵) پانی اتنا ہو کہ وضو یا غسل کرنے سے ختم ہو جائے اور آدمی یا ایسا جانور پیاس سے ہلاک ہو جائے جس کا ہلاک ہونا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ان صورتوں میں پانی کا استعمال کرنا حرام ہے۔ اس کے باوجود کوئی ایسے پانی سے وضو یا غسل کرے تو اس سے نماز صحیح ہے۔
 (۵) مکروہ: ۱- پانی اتنا زیادہ سرد یا گرم ہو کہ نقصان پہنچے لیکن اس کے استعمال سے ذہن تشویش میں مبتلا ہو جائے۔

۲- دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹ کر پانی کی گرمی یا سردی کی طرف آ جائے اور اس کی وجہ سے اطمینان کے ساتھ وضو یا غسل نہ کر سکے۔
 ۳- شراب پینے کے بعد منہ نہ دھویا اور تھوک کو نگل گیا یا باہر پھینک دیا اس کے بعد کسی برتن سے منہ لگا کر پانی پیا، اسی برتن سے بچے پانی سے وضو یا غسل کرنا۔

- ۴- چیل، کوا، کاگا، گدھ، عقاب، شاہین، کھلی ہوئی مرغی وغیرہ کا جوٹھا پانی۔
 ۵- گھر میں رہنے والی بلی کا جوٹھا پانی، چاہے بلی اہلی ہو یا وحشی، بحری ہو یا برقانی، سب کا حکم یکساں ہے۔
 ۶- گرم علاقہ میں سونے چاندی کے علاوہ دوسرے دھات کے برتن میں دھوپ سے گرم پانی کا استعمال کرنا۔

ان صورتوں میں پانی کا استعمال کرنا مکروہ ہے۔

- (۶) مشکوک: خچر اور گدھے کا جوٹھا پانی استعمال کرنا مشکوک ہے (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل مفتی محمد اویس عالم قاسمی، ص: ۳۲۳۰، ترجمان الدعوة دورہ ۱۹۹۹ء)۔
 پانی کی دو قسمیں ہیں: ایک مطلق دوسری مقید۔ مطلق پانی سے وہ پانی مراد ہے جسے عام بول چال میں پانی کہتے ہیں، اور مقید پانی سے مراد وہ پانی ہے جو دیکھنے میں پانی ہی کی طرح معلوم ہوتا ہے مگر عام بول چال میں اسے پانی نہ کہتے ہوں، مثلاً عرق گلاب، عرق کیوڑہ، سوڈا واٹر، شربت وغیرہ۔

مطلق پانی کی قسمیں: مطلق پانی کی پانچ قسمیں ہیں:

- ۱- نجس: وہ پانی جس سے طہارت حاصل نہ کی جاسکے۔
 ۲- طاہر: وہ پانی جو پاک ہو اور اس سے طہارت حاصل کی جاسکے۔
 ۳- طاہر غیر مطہر: وہ پانی جو پاک تو ہے مگر اس سے طہارت حاصل نہ کی جاسکے۔ جیسے وضو اور غسل کے لئے استعمال کیا ہو پانی۔

- ۴- طاہر مطہر مکروہ: وہ پانی جس کا استعمال طاہر مطہر پانی کے ہوتے ہوئے مکروہ تنزیہی ہے، جیسے دھوپ میں رکھا ہو پانی، یا وہ تھوڑا پانی جس میں آدمی کا تھوک پڑ گیا ہو، یا غیر محرم مرد کا جوٹھا پانی عورت کے لئے، یا غیر محرم عورت کا جوٹھا پانی غیر محرم مرد کے لئے، یا وہ پانی جس

میں کسی ماسمجھ بچے نے ہاتھ ڈال دیا ہو۔

۵- مشکوک: وہ پانی جس کے پاک اور ناپاک ہونے میں شک ہو، مثلاً گدھے، نخر کا جوٹھا پانی۔

۲- پانی میں فضول خرچی کرنے کا شرعی حکم:

کھانا پینا بہ قدر ضرورت فرض ہے۔ اول یہ کہ کھانا پینا شرعی حیثیت سے بھی انسان پر فرض و لازم ہے، باوجود قدرت کے کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے، یہاں تک کہ مر جائے یا اتنا کمزور ہو جائے کہ واجبات بھی ادا نہ کر سکے تو یہ شخص عند اللہ مجرم و گناہ گار ہوگا۔

کھانے پینے میں اسراف جائز نہیں، آیت کے آخری جملہ ”ولاتسرفوا“ سے ثابت ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی تو اجازت ہے، بلکہ حکم ہے مگر ساتھ ہی اسراف کرنے کی ممانعت ہے، اسراف کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا، پھر حد سے تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں: ایک یہ کہ حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہنچ جائے اور حرام چیزوں کو کھانے پینے میں برتنے لگے، اس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو بلاوجہ شرعی حرام سمجھ کر چھوڑ دے، جس طرح حرام کا استعمال جرم و گناہ ہے اسی طرح حلال کو حرام سمجھنا بھی قانون ہی کی مخالفت اور سخت گناہ ہے۔

اسی طرح یہ بھی اسراف ہے کہ بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھائے پئے، اسی لئے فقہاء نے پیٹ بھرنے سے زائد کھانے کو ناجائز لکھا ہے۔ اسی طرح یہ بھی اسراف کے حکم میں ہے کہ باوجود قدرت و اختیار کے ضرورت سے اتنا کم کھائے جس سے کمزور ہو کر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہے، ان دونوں قسم کے اسراف کو منع کرنے کے لئے قرآن کریم میں

ایک جگہ ارشاد ہے:

”إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين“ (سورہ بنی اسرائیل: ۲۷) (فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں)۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ”والذین إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما“ (سورہ الفرقان: ۶۷) (اور اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو خرچ کرنے میں توسط اور میانہ روی رکھتے ہیں، نہ حد ضرورت سے زیادہ خرچ کریں اور نہ اس سے کم خرچ کریں)۔

اور میانہ روی کا یہ حکم جو کھانے پینے کے متعلق اس آیت میں مذکور ہے صرف کھانے پینے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ پینے اور رہنے سہنے کے ہر کام میں درمیانی کیفیت پسند اور محبوب ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۳/ ۵۳۳ تا ۵۳۷)۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پانی میں فضول خرچی کا اطلاق غسل کرنے اور کپڑے وغیرہ دھونے کی صورتوں پر ہوگا، اور اسی طرح فضول خرچی کا شرعی حکم بھی معلوم ہو گیا کہ پانی میں بھی فضول خرچی کرنا شرعاً جائز نہیں ہے مثلاً وضو ایک لوٹا میں مکمل ہو جاتا ہے مگر کوئی آدمی ایک لوٹا پانی کی جگہ تین لوٹے پانی وضو کرنے میں استعمال کر لے تو یہ اس کا فعل شرعاً، عقلاً، اخلاقاً کسی بھی اعتبار سے پسندیدہ اور محبوب عمل نہیں ہوگا۔ کپڑے دھونے کی صورت میں بھی پانی میں فضول خرچی کرنا ممنوع ہے مثلاً کپڑے تین مرتبہ پانی میں صاف کر لیا تو آپ کا کپڑا بالکل پاک و صاف ہو گیا اور صابون کے باقی ماندہ اثرات بھی مکمل طور پر ختم ہو گئے اس کے باوجود کوئی آدمی کپڑے کھنگالنے میں چھ بالٹی پانی خرچ کر لے تو یہ سرسر فضول خرچی میں داخل ہوگا اور شرعاً ناجائز فعل کا ارتکاب کرنے والا شمار ہوگا۔

آپ ﷺ ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے:

(۱) ابن جبیر قال سمعت أنساً يقول: كان النبي ﷺ يغسل أو كان

یغتسل بالصاع إلى خمسة ويتوضأ بالمد“ (بخاری ۲۳/۱ کتاب الوضوء، باب الوضوء بالمد، مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ۲۱/۲۹۸-در المرجمۃ للنشر والتوزیع القاہرہ، مصر)۔

(حضرت ابن جبیر نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم ﷺ ایک صاع پانی سے لے کر پانچ مد پانی تک سے غسل فرماتے تھے اور ایک مد پانی سے وضو کرتے تھے)۔

(۲) أبو بکر بن حفص قال سمعت أبا سلمة يقول: دخلت أنا وأخو عائشة علي عائشة فسألها أخوها ممن غسل رسول الله ﷺ فدعت بإناء نحو من صاع فاغتسلت وأفاضت علي رأسها وبيننا وبينها حجاب“ (بخاری ۳۹/۱ کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع بماء، کتاب الجہنم، باب القدر المسحوب من الماء في غسل الجنابة)۔

(حضرت ابو بکر بن حفص نے کہا کہ میں نے حضرت ابو سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اور حضرت عائشہ کا رضاعی بھائی عبد اللہ بن یزید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گئے، پھر حضرت عائشہ سے ان کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ کے غسل جنابت کرنے کے طریقے کو پوچھا کہ آپ کس طرح غسل فرماتے تھے، تو انہوں نے ایک برتن پانی سے بھرا ہوا منگایا جو ایک صاع کے مساوی تھا، پھر انہوں نے غسل فرمایا اور پانی اپنے سر پر بہایا، اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل تھا)۔

(۳) عن سفينة أن النبي ﷺ كان يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع“ (ترمذی ۱۸/۱، ابواب الطہارۃ، باب الوضوء بالمد، مختار ابن کثیر دیوبند ۱۹۸۵ء، ابن ماجہ ۲۳/۱، ابواب الطہارۃ ومنہما، باب ماجاء في مقدار ماء الوضوء والغسل من الجنابة، شرفی ہک ڈیوبند، طبع اول ۱۹۸۵ء)۔

(حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مد پانی سے وضو کرتے تھے، اور ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے)۔

(۴) ”عن عائشة قالت كنت أغتسل أنا والنبي ﷺ من إناء واحد من

قدح يقال له الفرق“ (بخاری ۳۹۱، کتاب الغسل، باب غسل الرجل مع امرأت، ابن ماجہ ۳۱/۱)۔
(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں اور نبی اکرم ﷺ دونوں ایک برتن سے غسل کرتے تھے، اس پیالے اور برتن کو فرق کہا جاتا ہے)۔

وضو اور غسل کرنے کے لئے پانی کی کوئی خاص مقدار شرعاً متعین نہیں ہے:

قال الإمام الشافعی وغيره من العلماء الجمع بين هذه الروايات أنها كانت اغتسالات في أحوال وجد فيها أكثر ما استعمله وأقله فدل على أنه لا حد في قدر ماء الطهارة يجب استيفائه والله أعلم (تفصیل کے لئے دیکھئے نووی ۱۳۸، کتاب الخیض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، مختار رائد کمپنی دیوبند ۱۹۸۶ء، مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۹ھ)۔
(حضرت امام شافعی اور دیگر علماء کرام کی جماعت کا قول ہے کہ ان تمام روایات کی تطبیق کی شکل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے غسلوں کے سلسلے میں مختلف حالات پیش آئے جس موقع پر زیادہ پانی میسر آ گیا تو آپ ﷺ نے زیادہ پانی سے غسل فرمایا اور جس وقت کم پانی میسر ہوا تو آپ ﷺ نے کم پانی سے غسل فرمایا، پس یہ حالات متنوع دلالت کرتی ہیں اس بات کے اوپر کہ طہارت و نظافت حاصل کرنے کے لئے پانی کی کوئی مقدار شرعاً متعین نہیں ہے جس کا مکمل طور پر پورا کرنا واجب و لازم ہو، اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے)۔

”مقدار ماء الغسل والوضوء: ویسن عند الشافعية والحنابلة ألا ينقص ماء الوضوء عن مد تقریبا وهو رطل وثلث بغدادی ویساوی (۶۷۵) غم، وألا ينقص ماء الغسل عن صاع تقریبا، وهو أربعة أمداد ویساوی (۲۱۷۵) غم“ (اس کی پوری تفصیل دیکھئے: الفقه الاسلامی ودالتہ: الاستاذ الدكتور وهبة الزحیلی: ۱/۵۳۳ تا ۵۳۴، مکتبہ رشیدیہ بلوچستان)۔

(غسل اور وضو کے پانی کی مقدار: اور سنت ہے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کہ تقریباً

ایک مد سے کم پانی سے وضو نہ کرے، اور وہ ایک رطل اور ایک تہائی رطل بغد اوی ہے اور وہ برابر ہے ۶۷۵ گرام کے، اور تقریباً ایک صاع سے کم پانی سے غسل نہ کرے، اور وہ چار مد ہیں اور وہ برابر ہے ۲۱۷۵ گرام کے۔

خلاصہ کلام:

اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی کی کوئی خاص مقدار شرعاً مقرر نہیں، بلکہ اسراف سے بچتے ہوئے جتنا پانی کافی ہو جائے اس کا استعمال جائز ہے، نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول ایک مد سے وضو کرنے اور ایک صاع سے غسل کرنے کا تھا، اور یہ امر بھی متفق علیہ ہے کہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے، لیکن پھر اس میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ مد کی مقدار اور اس کا وزن کیا ہوگا؟

امام شافعی، امام مالک، اہل حجاز اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ ایک مد ایک رطل اور ایک مثث رطل کا ہوتا ہے، لہذا صاع اس حساب سے پانچ رطل اور ایک مثث رطل کا ہوگا۔

اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ، امام محمد، اہل عراق اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی یہ ہے کہ ایک مد دو رطل کا اور ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

شافعیہ وغیرہ اہل مدینہ کے تعامل سے استدلال کرتے ہیں کیوں کہ امام مالک کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کے اندران کے مسلک کے مطابق ایک مد ایک رطل اور ایک تہائی رطل کا اور ایک صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ہوتا ہے (اس کی پوری تفصیل دیکھئے درس ترمذی ۱/ ۲۶۳ تا ۲۶۴، باب الوضوء لمد، اصلاحی کتب خانہ دیوبند، فقہ الاسلامی وادلتہ ۱/ ۵۳۷ تا ۵۳۸)۔

پانی میں فضول خرچی کرنے کا شرعی حکم: فضول خرچی کے معنی کوثر آن حکیم نے دو لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے: ایک تہذیر اور دوسرے اسراف۔ تہذیر کی ممانعت تو اسی آیت مذکورہ

میں واضح ہے اسراف کی ممانعت آیت: "ولا تسرفوا" سے ثابت ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ کسی معصیت میں یا بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تہذیر و اسراف کہا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ کسی گناہ میں یا بالکل بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تہذیر کہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنے کا جائز موقع ہو تو مگر ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے اس کو اسراف کہتے ہیں؛ اسی لئے تہذیر بہ نسبت اسراف کے اشد ہے۔

امام تفسیر حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنا سارا مال حق کے لئے خرچ کر دے تو وہ تہذیر نہیں، اور اگر باطل کے لئے مد بھی خرچ کرے تو وہ تہذیر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ غیر حق میں بے موقع خرچ کرنے کا نام تہذیر ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ تہذیر یہ ہے کہ انسان مال کو حاصل تو حق کے مطابق کرے مگر خلاف حق خرچ کر ڈالے، اور اس کا نام اسراف بھی ہے، اور یہ حرام ہے۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حرام و ناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی تہذیر ہے، اور جائز و مباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا جس سے آئندہ محتاج فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو جائے یہ بھی تہذیر میں داخل ہے، ہاں اگر کوئی شخص اصل راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے تو وہ تہذیر میں داخل نہیں۔ (قرطبی ۱۰/۲۳۸، دیکھئے: معارف القرآن ۵/۲۰۷، تہذیب و تہذیب، دہلی ۱۳۱۸ھ/۱۹۹۸ء)۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کی اہمیت:

(۱) ألم تر أن الله أنزل من السماء ماء فسلكه ينابيع في الأرض ثم يخرج به زرعا مختلفا ألوانه ثم يهيج فتراه مصفرا ثم يجعله حطاما إن في ذلك لذكرى لأولى الألباب (سورة الرمر)۔

(تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین

کے پھر نکالتا اس سے کھیتی کئی کئی رنگ بدلتے اس پر پھر آئے تیاری پر تو دیکھے اس کا رنگ زرد پھر کر ڈالتا ہے اس کو چورا بے شک اس میں نصیحت ہے عقلمندوں کے واسطے)۔

مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی نازل کر دینا ہی ایک عظیم الشان نعمت ہے مگر اس نعمت کو اگر زمین کے اندر محفوظ کر دینے کا انتظام نہ کیا جاتا تو انسان اسے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند دن تک فائدہ اٹھا سکتا؛ حالانکہ پانی اس کی زندگی کا مدار اور ایسی ضرورت ہے جس سے وہ ایک دن بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم میں اس نظام آب پاشی کی پوری تفصیل کو سورہ مؤمنون میں آیت: فَاَسْكُنْ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهَ لَقَدِيرُونَ کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

(۳) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيْضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٍ (سورہ فاطر: ۲۷)۔

(کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح کے ان کے رنگ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ طرح طرح کے ان کے رنگ اور بچھگئے کالے)۔

(اس کی تشریح و توضیح کے لئے دیکھئے معارف القرآن ۷/۳۳۵-۳۳۶)۔

پانی کو آلودگی سے بچاؤ کا نبوی پیغام حدیث کی زبانی:

(۱) ”عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: لا يبولن أحدكم في الماء الملائم ثم يتوضأ منه“ (ترمذی ۲۱/۱، ابواب الطہارۃ، باب کرہیۃ البول فی الماء الملائم، ممتاز اینڈ کمپنی دیوبند، ۱۹۸۵ء مصنف ابن ابی ہریرہ ۲/۱۳۰-۱۳۲، ج ۱، ۱۵۰۸-۱۵۱۲، ادارۃ القرآن و العلوم اسلامیہ کراچی طبع دوم)۔
(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ہرگز تم میں سے کوئی فرد بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے، پھر وہ اس سے وضو کرے گا۔
 تشریح: آئندہ اسی کو اس پانی کی ضرورت پیش آئے گی، پس اگر پانی تھوڑا ہے اور
 پیشاب کرنے سے ناپاک ہو گیا تو اسی کا نقصان ہوگا، اور اگر پانی زیادہ ہے اور ناپاک نہیں ہوا تو
 بھی اس کا جی نہیں چاہے گا کہ وہ اس پانی کو استعمال کرے۔ اگرچہ شرعی کراہت نہیں ہے مگر طبعی
 کراہت موجود ہے۔ اس لئے ہر آدمی بالخصوص ملت اسلامیہ کے نونہالوں کو کسی صورت میں پانی
 میں پیشاب نہیں کرنا چاہئے۔

(۲) ”عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال: لا یبولن أحدکم فی الماء
 الدائم ثم یغتسل منه“ (مسلم ۱۳۸/۱ کتاب الطہارۃ، باب ائسی عن البول فی الماء المارک، باب ائسی عن
 الاعسال فی الماء المارک، مختار ایڈکمنی دیوبند ۱۹۸۶ء)۔

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہرگز
 تم میں سے کوئی فرد بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے، پھر وہ اس سے غسل کرے)۔

(۳) ”حدیثنا أبو ہریرۃ قال قال رسول اللہ: لا تبیل فی الماء الدائم
 الذی لا یجری ثم تغتسل منه“ (مسلم ۱۳۸/۱ کتاب الطہارۃ، باب ائسی عن البول فی الماء المارک، باب
 ائسی عن الاعسال فی الماء المارک، مختار ایڈکمنی دیوبند ۱۹۸۶ء)۔

(۴) ”إن أبا السائب مولى هشام بن زهرة حدثه أنه سمع أبا هريرة
 يقول قال رسول الله ﷺ: لا يغتسل أحدكم في الماء الدائم وهو جنب فقال
 كيف يفعل يا أبا هريرة، قال: يتناولها تناولا“ (مسلم ۱۳۸/۱ کتاب الطہارۃ، باب ائسی عن البول
 فی الماء المارک، باب ائسی عن الاعسال فی الماء المارک، مختار ایڈکمنی دیوبند ۱۹۸۶ء)۔

(ابو سائب مولى هشام بن زهرہ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ کو یہ کہتے
 ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی فرد بھی جنابت کی حالت میں
 ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے، پھر اس نے کہا: اے ابو ہریرہ تو وہ کس طرح غسل

کرے گا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس پانی کو لے کر الگ مقام پر جا کر غسل کرے گا۔

(۵) ”عن جابر عن رسول اللہ ﷺ أنه نهى أن يبال في الماء الراكد“
(مسلم ۱۳۸/۱ کتاب الطہارۃ، باب ائس عن البول فی الماء الراكد، باب ائس عن الاغتسال فی الماء الراكد، بخاری ۱۹۸۶/۱)
دیوبند ۱۹۸۶ء۔

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔)

(۶) ”عن جابر أن النبي ﷺ نهى أن يبال في الماء الجاري“ (مجمع
الروايات ۱/۲۰۳، فقہ الحدیث ۱/۱۳۷-۱۳۸ کتاب التہنئة جامعہ مگر نئی دہلی، جولائی ۲۰۰۳ء)۔

(۷) ”عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: لا يبولن أحدكم في
الماء الناقع“ (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا: ہرگز تم میں سے کوئی فرد بھی جمع شدہ پانی مثلاً حوض، تالاب، جھیل وغیرہ میں پیشاب
نہ کرے۔)

(۸) عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: إذا استيقظ أحدكم من الليل
فلا يدخل يده في الإناء حتى يفرغ عليها مرتين أو ثلاثاً، فإنه لا يدري أين باتت
يده“ (ترمذی ۱/۱۳، ابواب الطہارۃ، باب ما جاء إذا استيقظ أحدكم من منامه ولا يمس يده في الإناء حتى يغسلها، بخاری ۱۹۸۶/۱)
کیمپنی دیوبند ۱۹۸۵ء ۱۹۸۵ء/۳۲)۔

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ پانی میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ پہلے ہاتھوں
کو دو یا تین مرتبہ دھوئے اس کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالے، کیوں کہ وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کے
ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔)

تشریح: (۱) من الليل کی قید حنفیہ کے نزدیک احترازی نہیں اتفاتی ہے اور یہ اندیشہ

رات اور دن میں برابر ہے، لہذا حکم بھی برابر ہوگا، غسل الیدین کا یہ حکم ہر نیند سے بیداری کے وقت ہے، رات کی نیند کے ساتھ مخصوص نہیں، لیکن امام احمد بن حنبل نے اس کو رات کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ (۲) غسل الیدین کا یہ حکم کس درجہ کا ہے؟ امام اسحاق اور داؤد ظاہری اس کو وجوب کے لئے قرار دیتے ہیں اور علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے۔ لیکن امام شافعی اس حکم کو علی الاطلاق مسنون کہتے ہیں، اور امام مالک علی الاطلاق مستحب کہتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے جسے علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں بیان کیا ہے، کہ اگر ہاتھوں پر نجاست لگنے کا یقین ہو تو غسل الیدین فرض ہے اور ظن غالب ہو تو واجب ہے، اور اگر شک ہو تو مسنون ہے اور اگر شک بھی نہ ہو تو مستحب ہے۔

(۳) لیکن علامہ ابو الولید باجی مالکی نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اہل عراق کا قول زیادہ پسندیدہ ہے کہ دراصل یہ حکم طہارت کے بجائے نظافت سے متعلق ہے، لیکن اگرچہ ہاتھ کے نجس ہونے کا احتمال نہ ہو تب بھی سونے کے بعد ہاتھوں کو بغیر دھوئے پانی میں ڈال دینا نظافت کے خلاف ہے اور شریعت میں طہارت کے ساتھ نظافت بھی مطلوب ہے، لہذا یہ حکم صرف اس دور کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، بلکہ تمام انسانوں، تمام زمانوں اور ہر خطہ کے لئے یہ حکم عام ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے درس ترمذی ۱/۲۲۲۸، ۲۳۰، اصلاحی کتب خانہ دیوبند)۔

ان تمام معروضات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ پانی کو آلودہ ہونے سے بچانے کے لئے شریعت مطہرہ نے جو احکام دیئے ہیں وہ وجوب کے درجے میں ہیں صرف اخلاقی نوعیت کے حامل نہیں ہیں۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے آداب حدیث کی روشنی میں:

(۱) جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی کے برتن میں ہاتھ نہ

ڈالے، اس لئے کہ وہ خود نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔

(۲) رات میں پانی کے برتن کو کھلا ہوا مت چھوڑیئے، اس کو ڈھکن سے چھپا دیجئے تاکہ کوئی وبا اس میں داخل نہ ہو، کوئی زہریلا جاندار پانی میں اپنا زہریلا اثر نہ چھوڑ دے، یا پانی کو آلودہ کر دے جو طہارت و نظافت کے قائل نہ رہے۔

(۳) ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کیجئے، پھر بعد میں اس سے آپ وضو کیجئے یا غسل کیجئے تو کراہت شرعی، کراہت طبعی کی بنا پر نہیں کر سکتے ہیں۔

(۴) جاری پانی میں بھی پیشاب کرنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے مفہوم سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی اگر جاری پانی میں پیشاب کر دے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، مگر اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ جاری پانی میں بھی پیشاب نہ کیا جائے۔

(۵) لعنت کے تین اسباب سے اجتناب کیجئے: (۱) ندی، نہر، تالاب، دریا کے گھاٹوں پر پیشاب پاخانہ کرنے سے، کیوں کہ یہاں لوگ غسل کرتے ہیں کپڑے صاف کرتے ہیں، جانوروں کے پانی پینے کی جگہیں ہیں، (۲) عام راستوں پر، کیوں کہ یہاں سے انسان، جن، جانور، حشرات الارض وغیرہ کے گزرنے کی جگہیں ہیں، (۳) سایہ دار درخت و مقامات پر، یہاں پر گرمی کے زمانہ میں انسان و حیوانات آ کر آرام کرتے ہیں، ٹھہرتے ہیں، دھوپ و لو سے بچتے ہیں، مسافر بھی آرام کر لیتے ہیں، اگر پھل دار درخت ہے، تو پکا ہوا پھل گرے گا تو ناپاک ہو جائے گا، ان علل و اسباب کی بنا پر ان مقامات پر قضائے حاجت سے فراغت کے لئے نہ بیٹھئے، اس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور ادب و تہذیب کے بھی خلاف ہے۔

(۶) غسل خانے میں پیشاب کرنے سے پرہیز کیجئے بالخصوص جب غسل خانے کی

زمین کچی ہو۔

(۷) سوراخ وبل کے اندر پیشاب کرنے سے پرہیز کیجئے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ان گنت مخلوق کا وہ مسکن ہے، کسی مکین کے مکان کو آلودہ کرنے کا ہم کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، اسی لئے شریعت نے روک لگائی ہے۔

(۸) پانی کے مقامات مثلاً حوض، پوکھر و تالاب، ندی، نہر، جھیل کے آس پاس بھی بول و براز کرنے سے پرہیز کیجئے، ممکن ہے کہ اس نجاست غلیظہ کا اثر پانی تک پہنچ جائے۔

(۹) ٹھہرے ہوئے پانی میں گھس کر کوئی آدمی جنابت کی حالت میں غسل نہ کرے ورنہ پور پانی ناپاک ہو جائے گا۔

(۱۰) اگر کتا کسی پانی کے برتن میں منہ ڈال دے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، اس کو پھینک دیا جائے، اور برتن کو سات مرتبہ دھو کر پاک کر لیا جائے، پہلے مٹی سے برتن کو خوب اچھی طرح مانجھ لیا جائے (البحر الرائق، ۲۵۶، ۲۳۱، کتاب الطہارۃ، باب الانجاس، دار المعرفہ، بیروت لبنان طبع سوم، ۱۳۱۳ھ / ۱۹۹۳ء)۔

۴- نالیوں میں گندے بہنے والے پانی کو فلٹر کر کے پاکی حاصل کرنے کا شرعی حکم:

آج کل گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے، کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو اور آلودگی دور ہو جاتی ہے کو یا بول و براز کے اندر سے اس کے متعفن اور مضرت رساں اجزاء کو نکال دیا گیا اور باقی جو اجزاء بچے وہ بھی اسی بول و براز کے اجزاء ہیں، اور بول و براز بہ جمع اجزاء نجس العین اور نجس بہ نجاست غلیظہ ہیں، اس لئے یہ باقی ماندہ اجزاء بھی نجس العین اور نجس بہ نجاست غلیظہ ہی رہیں گے۔ اس میں تقلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی اس کو قلب ماہیت نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ تجزیہ ہوا، اس لئے اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک نہیں سمجھا جائے گا۔

اس کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے فقہ کا جو اصول ہے اس کو سمجھنا چاہئے، دو چیزیں ہیں

اور دونوں کے احکام بھی جداگانہ ہیں۔ اول: کسی چیز کی حقیقت کا بدل جانا، جس کو فقہاء عظام ”استحالة“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوم: ایک شئی کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دینا، جس کو فقہاء عظام ”تجزیہ“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی شئی کی حقیقت بدل جائے تو احکام بدل جاتے ہیں، مگر محض ”تجزیہ“ سے احکام نہیں بدلتے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نجاست سے طہارت میں تبدیل ہونے کے مسئلہ پر علماء متقدمین کے درمیان جو اختلاف ہے اس کا تعلق چند خاص چیزوں سے ہے، اور بالیقین انہوں نے تبدیلی کے حکم کو ان موجودہ مایوں پر منطبق نہیں کیا ہے تو ہماری کیا مجال ہے کہ اس کو اس دور کے موجودہ مایوں پر منطبق کریں۔ متقدمین سے زیادہ ہم لوگ کامل و فائق نہیں ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق، ۱/۲۳۱ تا ۲۵۶، کتاب الطہارة، باب الانجاس، دارالمعرفہ، بیروت، لبنان، طبع سوم، ۱۳۱۳ھ/۱۹۹۳ء)۔

اس سلسلے میں علامہ ابن نجیم مصری حنفی (۹۷۰ھ) یوں تحریر فرماتے ہیں:

”لو ولغ الكلب في العصير ثم تخمر ثم تخلل لا يطهر“ (البحر الرائق، ۲۳۹/۱، دارالمعرفہ، بیروت، لبنان، طبع سوم)۔

(اگر کتے نے نچوڑے ہوئے رس و شیرہ میں منہ ڈال دیا پھر وہ شراب بن گیا پھر سرکہ بن گیا تو وہ پاک نہیں ہوگا)۔

اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ اس کی حقیقت بدل گئی ہے اس لئے اس کا کھانا جائز ہے سو ایسی بات یہاں نہیں ہے وہ ناپاک ہی رہے گا، اس سرکے کا کھانا شرعی نقطہ نظر سے ممنوع ہے، اسی طرح اس دور کے گندے مالے سے فلٹڑ شدہ پانی ناپاک ہی رہے گا، اس سے وضو و غسل کرنا، کھانا پکانا، چینا، اس سے استنجاء کرنا اور کپڑے صاف کرنا جائز نہ ہوگا۔ حلال و طیب چیز کا استعمال کرنا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے (سورہ مائدہ: ۸۸، سورہ مومنون: ۵۱، سورہ مرسلات: ۲۳) پھر ہم حرام کھانے پینے کی اشیاء کی طرف کیوں توجہ کریں، یہ سب سے گھناؤنی بات ہے۔

شراب کے علاوہ دیگر نجس العین کے استحالہ کی صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف:

”واختلف الفقهاء فيما عدا الخمر من نجس العين هل يطهر بالاستحالة أم لا؟ فذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا يطهر نجس العين بالاستحالة، لأن النبي ﷺ ”نهى عن أكل الجلالة وألبانها“ لأكلها النجاسة، ولو طهرت بالاستحالة لم ينه عنه“ (الموسم المعبر ۲۹/ ۱۰۸، طهارة النجاسة بالاستحالة، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية الكويت - طبع ۱۳۱۳ھ / ۱۹۹۳ء)۔

تالیوں کے فلٹر شدہ پانی کے سلسلے میں ڈاکٹر بکر عبداللہ ابوزید (رکن اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ) کا موقف:

نالے دراصل اس غرض سے تیار کئے جاتے ہیں کہ لوگوں کے لئے دینی اور جسمانی اعتبار سے ضرر سے چیزیں وہاں ڈال دی جائیں تاکہ پانی حاصل رہے اور ماحول آلودگی سے محفوظ رہے۔

اب ایسے جدید وسائل پیدا ہو گئے ہیں جن کے ذریعہ نالوں کے گندے پانی کو صاف اور شیریں پانی میں تبدیل کر کے اسے مختلف شرعی اور مباح استعمال کے قابل بنا دیا جاتا ہے، جیسے اس پانی سے طہارت حاصل کرنا، اس کو پینا، اس سے سینچائی کرنا، اس ترقی کے پیش نظر جب نالے کے پانی کی ان علتوں اور اوصاف کی تحقیق کی جائے جن کی وجہ سے اس پانی کے استعمال کی ہر صورت یا بعض صورتیں ممنوع تھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نالے کے پانی میں درج ذیل علتیں ہوتی ہیں:

اول: مزہ، رنگ اور بو والے نجس فضلات۔

دوم: متعدی امراض کے فضلات نیز دواؤں اور جرثیمہ کی کثافت۔

سوم: گندگی اور خباثت جو مالے کے پانی میں اپنی اصل کے اعتبار سے ہوتی ہے اور یہ اس میں پیدا ہو جانے والے کیڑوں اور حشرات کی وجہ سے ہوتی ہے جو طبعاً اور شرعاً گندے ہوتے ہیں۔

ایسے پانی کی صفائی کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان علل اور اسباب کا ازالہ کس حد تک ہو جاتا ہے؟ اس لئے کہ اس پانی کا نجاست سے اس طرح تبدیل ہو جانا کہ اس کا رنگ، مزہ اور بو بدل جائے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں تمام علثیں اور نقصان دہ جراثیم بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

زرعتی محکمے برابر یہ آگاہی دیتے رہتے ہیں کہ صاف کئے گئے اس پانی سے ان کھیتوں کو سیراب نہ کیا جائے جن کی سبزیاں بغیر پکائے کھائی جاتی ہیں، تو ایسے پانی کو براہ راست پینا کیسے جائز ہو سکتا ہے، جسم کی حفاظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے، اس لئے کسی بیمار کو صحت مند کے ساتھ نہیں رکھا جاتا اور جس طرح دین کی درستگی کو نقصان پہنچانے والی چیزیں ممنوع ہیں اسی طرح جسم کی درستگی کو نقصان پہنچانے والی چیزیں بھی ممنوع ہوں گی، اور اگر یہ علثیں زائل بھی ہو جائیں تو اپنی اصل کے اعتبار سے ایسے پانی کی خباثت اور گندگی کی علت باقی رہتی ہے، کیوں کہ یہ پانی پیشاب اور پاخانہ سے کشید کیا جاتا ہے تاکہ اسے شرعیات اور عادات میں برابر طور پر استعمال کیا جائے۔

یہ معلوم ہے کہ شافعی مسلک نیز حنابلہ کے معتمد مسلک کے مطابق استحالہ کی بنا پر یہ پانی پاک نہیں ہوگا، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں جلالہ ”نجاست کھانے والے“ جانور پر سواری کرنے اور اس کا دودھ دوہنے سے منع کیا گیا ہے، اس حدیث کی روایت اصحاب سنن وغیرہ نے کی ہے، نیز دیگر علثیں بھی ان فقہاء کے پیش نظر ہیں۔

یہ بھی واضح ہے کہ نجاست سے طہارت میں تبدیل ہونے کے مسئلہ پر علماء متقدمین

میں جو اختلاف ہے اس کا تعلق چند خاص چیزوں سے ہے اور بالیقین انہوں نے تبدیلی کے حکم کو ان موجودہ مالوں پر منطبق نہیں کیا ہے جن میں نجاستیں، گندگیاں، ڈپنسری اور اسپتال کے گندے کوڑوں کا ڈھیر ہوتا ہے، اور آج کے مسلمان ابھی اضطرار کی اس حالت کو نہیں پہنچے ہیں کہ پاخانہ کو صاف کر کے اس سے طہارت حاصل کریں اور ایسے پانی کو پیئیں، کافر ملکوں میں اس کا درست قرار دیا جانا ہمارے لئے قابل اعتبار نہیں کہ ان کے طبائع کفر کی وجہ سے فاسد ہو چکے ہیں، ہمارے یہاں یہ متبادل موجود ہے کہ سمندر کے پانی کو صاف کیا جائے اور اخراجات کے ایک بڑے حصہ کو اس طرح پورا کیا جائے کہ پانی کے استعمال کی قیمت اتنی بڑھادی جائے جس میں ضرر نہ ہوتا کہ پانی کے بے جا خرچ کی ممانعت کا شرعی قاعدہ جاری کیا جاسکے“ (اسلامی فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے، ۳۲۱ تا ۳۱۹، الموسوعۃ الفقہیہ، ۱۷۹/۲۹-۱۸۰، نیز دیکھئے سارف القرآن ۳/۲۳۱ تا ۲۳۲، ربانی ہک ڈپ، دہلی، ۱۳۱۷ھ، ۱۹۹۷ء)۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نجس العین استحالہ کی بنیاد پر پاک سمجھا جائے گا:

”وذهب الحنفیة والمالکیة إلى أن نجس العین يطهر بالاستحالة“
(اس کی تفصیل دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ، ۱۷۹/۲۹ تا ۱۸۰/۱۰)۔

اور حضرات حنفیہ اور مالکیہ کے مسلک کے مطابق نجس العین استحالہ کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک استحالہ کی وجہ سے کسی چیز کی حقیقت بدل جائے تو اس چیز کے اوپر پاکی کا حکم لگے گا، مثلاً لید و کوبر اور براز، نجاست غلیظہ ہے مگر جب یہی شیء آگ میں جل کر راکھ ہو جائے تو وہ پاک ہے۔

(۱) نجس مٹی سے جو برتن کمہار نے بنائے تو جب تک وہ کچے ہیں یا پاک ہیں، جب پکائے گئے تو پاک ہو گئے۔

(۲) کویر کے کنڈے، کور ہے، ایلے، اور لید وغیرہ نجس چیزوں کی راکھ پاک ہے اور ان کا دھواں بھی پاک ہے، روٹی میں لگ جائے تو کچھ حرج نہیں۔ گائے، بیل، بھینس، بھینسا، کا کویر بھی کام آتا ہے، اسے کبھی یوں ہی سکھا کر، کبھی ایلے تھاپ کر لکڑی کی طرح جلاتے ہیں۔ اسی کو یونی میں کنڈے، بہار میں کور ہا، پنجاب میں ایلے کہتے ہیں۔ انسان اس کی ایندھن کے لئے استعمال کرتا ہے اور بھائی جنات اسی کو اپنے جانوروں کے چارہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کوند کو بھی انسان اپنے ایندھن کے لئے استعمال کرتا ہے اور اسی کو بھائی جنات اور غذا و خوراک کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ بعض جانوروں کے سینٹوں اور ہڈیوں کے کنگھے، کنگھیاں، چاقوؤں کے دستے، بوتام، چھوٹی چھوٹی ڈبیاں، بچوں کے کھلونے اور دیگر خوبصورت چیزیں بنتی ہیں۔ انسان ہڈیوں سے اپنی زیب و زینت کی چیزیں بنا کر استعمال کرتا ہے اور بھائی جنات اسی کو اپنی غذا و خوراک کے لئے استعمال کرتے ہیں (حاشیہ کنز الدقائق ۷، مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱۳۲۸ھ، حاشیہ قدوری ۱۹، مطبع مجیدی پریس کانپور ۱۳۶۷ھ، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/۱۹۳-۱۹۵، کوہست طبع دوم ۱۳۱۲ھ/۱۹۹۲ء، مقالات ابن مسلم ۳۲۶ تا ۳۲۵)۔

اسی طرح نمک کے کان میں اگر کوئی ناپاک جانور گر کر مر جائے اور وہ اسی میں گھل کر نمک بن جائے تو اس نمک کا کھانا حلال و مباح ہے؛ کیوں کہ اس کی حقیقت بدل گئی، یہ حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے مسلک کے مطابق یہ سب ناپاک ہی رہے گا؛ کیوں کہ وہ حضرات استحالہ کی بنیاد پر حقیقت بدل جانے کے قائل نہیں ہیں، ان کی دلیل پہلے گزر چکی ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی استحالہ کی بنیاد پر گندے مایوں، فلٹڑ شدہ پانی پاک نہیں ہوگا؛ کیوں کہ نجاست سے طہارت میں تبدیل ہونے کے سلسلے میں فقہاء حنفیہ اور مالکیہ اور شافعیہ اور حنابلہ کے درمیان جو اختلاف ہے اس کا تعلق چند خاص چیزوں سے ہے، اور بالیقین ان تمام فقہاء عظام نے تبدیلی کے حکم کو ان موجودہ مایوں پر منطبق نہیں کیا ہے، جن میں نجاستیں، گندگیاں، ڈپنری اور اسپتال کے گندے کوڑوں کا ڈھیر ہوتا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۹/۱۰۸ تا ۱۰۷)۔

۵- حکومت کا پانی پر کنٹرول کرنے کی شرعی حیثیت:

پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، اجتماعی مصلحت و حکمت کی بنا پر عوام و پبلک کو سہولت و آسانی پہنچانے کی غرض سے اگر حکومتیں ایسی تجاویز پاس کرتی ہیں تو اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے اور اس کے مطابق وہاں کے باشندگان کو عمل کرنا شرعاً واجب ہے۔

ارشاد باری ہے: یا ایہا النین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فإن تنازعتم فی شیء فردوه الی اللہ و الرسول إن کنتم تؤمنون باللہ و الیوم الآخر ذلک خیر و أحسن تأویلاً (سورۃ النساء: ۵۹)۔

(اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں، پھر اگر جھگڑ پڑے کسی چیز میں تو اس کو رجوع کر دو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام)۔

اولی الامر کون لوگ ہیں: اولی الامر لغت میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام و انتظام ہو، اسی لئے حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ رضی اللہ عنہم، مفسرین قرآن نے اولی الامر کا مصداق علماء و فقہاء کو قرار دیا ہے، کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں، اور نظام دین ان کے ہاتھ میں ہے، اور ایک جماعت مفسرین نے جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، فرمایا کہ اولی الامر سے مراد حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے۔

اور تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ لفظ دونوں طبقوں کو شامل ہے، یعنی علماء کو بھی اور حکام و امراء کو بھی؛ کیوں کہ نظام امر و نہی دونوں کے ساتھ وابستہ ہے۔

یہاں کی حکومت و ریاست پورے ملک کے عوام، پورے صوبے کے عوام کے ساتھ خیر خواہی و بھلائی، اجتماعی مصلحت و حکمت کی بنا پر، انتظامی امور کے درمیان توازن و تناسب برقرار رکھنے کی بنا پر، پانی کی قلت کو دیکھ کر پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانے کا حق ہے کہ پانی کو اس طرح خرچ کرو اور اس طرح بیجا خرچ نہ کرو، وضو اور غسل فرض پر پابندی لگانے کا حق نہیں ہے کہ تم غسل مت کرو، بغیر غسل کے رہا کرو، یا نماز بلا وضو کے پڑھا کرو، وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ انتظامی امور میں ہمارے اوپر حکام و امراء کی اطاعت واجب ہے۔ پانی کی قلت کی بنا پر حکومت کو مندرجہ ذیل کام کرنے ہوں گے تو پانی پر کنٹرول ہو سکتا ہے:

(۱) شہری آبادیوں میں واٹر ہارویسٹنگ کے ذریعہ استعمال کے لائق پانی کو بڑی عمارتوں کے نظام میں محفوظ کرنا۔

(۲) پانی کے ذخائر، سوتوں وغیرہ کو فیکٹری کے فضلات، کیمیائی اشیاء، قدرتی طور پر تحلیل نہ ہونے والے اشیاء یا دیگر آلودگیوں سے غیر محفوظ اور بے کار بنا دینے کے عمل پر روک لگانا۔

(۳) پانی کی سپلائی کے نظام میں کوئی بھی کے ذریعہ پینے و دیگر استعمال کے پانی کا ضائع کرنا اور گھروں، دفاتروں، اداروں وغیرہ کے ٹل کولا پر وہی سے کھلا چھوڑ دینا یا ناقص ٹلوں کو نہ بدلنا جس سے پانی ضائع ہوتا رہتا ہے، اس پر حکومت کا کنٹرول رکھنا واجب ہے۔

(۴) مسجد کے وضو خانے میں ایسے ٹل جن سے پانی ضائع ہوتا ہے ان کے استعمال پر پابندی لگانا۔

(۵) پانی کے بچانے کے لئے حوض بنانا، پوکھر و تالاب کھودوانا، عصر حاضر میں مسجدوں میں حوض بنانا ضروری و لازم ہو گیا ہے۔

(۶) وضو کے لئے لوٹے، بدھنے کا استعمال عصر حاضر میں موزوں ہے، پانی کا اسراف

وتبذیر اس سے ختم ہو جائے گا۔

(۷) جہاں کثرت سے پینے کے لائق پانی کا استعمال کارخانوں میں اور کارخانوں کے فضلہ کو بہانے کے لئے ہو رہا ہو اس پر پابندی لگانا حکومت کی ذمہ داری ہے، اس طرح پانی کا بے جا استعمال اسراف و تبذیر میں داخل ہے۔ فضلہ بہانے کے لئے ماء مستعمل کو کام میں لائے۔
(۸) پانی کے استعمال کو کم کرنے کے لئے صنعتوں پر اتانائیکس لازم قرار دیا جائے جس کو ادا کر سکے، کو تاہی کی صورت میں تعزیریاتی کارروائی کی جائے۔

(۹) پینے کے لائق دستیاب پانی کے تحفظ کے لئے کیا یہ مناسب ہو سکتا ہے کہ بیت الخلاء میں کاغذ یا کسی اور شئی کا استعمال کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنی نصوص کے مطابق بیت الخلاء میں پانی کا استعمال کرنا ہی ضروری و لازم ہے، درحقیقت طہارت پانی ہی سے حاصل ہوتی ہے، اضطراری حالت میں مٹی استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ بیت الخلاء میں کاغذ کا استعمال کرنا حرام ہے؛ کیونکہ یہ آلہ علم ہے، اس کی توہین و تذلیل ہوتی ہے، علم کی تذلیل کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کی توہین و تذلیل کے مترادف ہے (دیکھئے: ترمذی ۱۱/۱۱، ابوداؤد ۶/۱، مسند ابو عوانہ ۱۱/۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، دروس ترمذی ۲۱۶/۱)۔

(۱۰) پانی کے ذخائر پر چند افراد، کمپنیوں یا ملکوں کا قبضہ جس سے دوسرے لوگوں کو ضرر لاحق ہو، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے ناروا، ناجائز فعل کو روکے اور اپنی تحویل میں لے کر اس پانی کو عوام کے استعمال کرنے پر صرف کرے، اس کی خلاف ورزی شرعی نقطہ نظر سے حرام ہے۔
(۱۱) پانی کی خرید و فروخت کرنا، نیلامی کرنا جس سے ملک کے عوام کو ضرر پہنچ رہا ہو تو یہ ناروا، نامناسب طریقہ ہے، حکومت کو احترام کرنا لازم و واجب ہے۔

(۱۲) پہاڑوں کے صاف و شفاف پانی کو بوتلوں میں بھر کر دور دراز کے علاقوں میں بیچ کر مقامی یا بین الاقوامی کمپنیاں ایک طرف اس کی رسائی عام آدمی سے دور کرتی جا رہی ہیں تو

دوسری جانب جن علاقوں سے پانی جمع کیا جاتا ہے وہاں بالآخر پانی کی قلت کا خطرہ پیدا کر رہی ہیں۔ حکومت پر لازم ہے کہ ان کمپنیوں کے لئے بہ قدر ضرورت کوٹا مقرر کر دے تاکہ پبلک کو کوئی ضرر لاحق نہ ہو۔ ”عن أبیض بن حمال أنه وفد إلى رسول الله ﷺ استقطعه المالح قطع له فلما إن ولی قال رجل من المجلس: أتدري ما قطعت له إنما قطعت له الماء العبد قال: فانتزعه منه“ (ترمذی ۲۵۶۱، ابن ماجہ ۱۸۰۲-۱۸۱)۔

(۱۳) حکومتوں کی جانب سے پانی کے ذخائر تو میانے کا عمل رواج پارہا ہے؛ یہاں تک کہ ہینڈ پمپ وغیرہ لگانے پر بھی سرکار پابندی لگانے یا اس پر ٹیکس لگانے لگی ہے؛ حالانکہ حکومت کی ذمہ داری عوام و پبلک کو سہولت و آرام پہنچانا ہے نہ کہ ضرر پہنچانا، شرعاً یہ ناجائز اور ظالمانہ رویہ ہے، اس سلسلے میں بہتر نظام بنانے کی ضرورت ہے۔

۶۔ مملوکہ زمین کے پانی کا مالک اسلامی نقطہ نگاہ سے خود مالک زمین ہے:

انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ اس کی ملکیت ہے، حکومت کی نہیں۔ مثلاً اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرے تو حکومت کو اسلامی نقطہ نگاہ سے ایسا حکم دینے کی گنجائش نہیں ہے اور صاحب زمین کو اس حکم کی تعمیل شرعاً لازم و ضروری نہیں ہوگی۔ ارشاد باری ہے: ”وَأوردكم أرضهم وديارهم وأموالهم وأرضا لم تطوها و كان الله على كل شيء قديراً“ (سورۃ الاحزاب: ۲۷)۔

(اور تم کو دلائی ان کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے مال اور ایک زمین کہ جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم اور ہے اللہ سب کچھ کر سکتا)۔

اگر واقعی سرکاری کنواں یا بورنگ وہاں پر پہلے سے موجود ہے اور اسی سے متصل کاشت کار کی ذاتی موروثی زمین ہے، اب وہ اپنی زمین میں کنواں کھدوانا یا بورنگ کرانا چاہتا ہے تو

حکومت کو حریم کی بنیاد پر اسلامی نقطہ نگاہ سے منع کرنے کی گنجائش ہے اور صاحب زمین کو اس حکم کی تعمیل شرعاً لازم و ضروری ہے (الموسم ۲۳/۱۶۱ تا ۱۶۳، دار المعرفۃ بیروت، لبنان، ۱۳۱۳ھ/۱۹۹۳ء، قدوری ۱۵۲ تا ۱۵۱، کتب خانہ امدادیہ دیوبند ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ فی اسوال کے مطابق حکومت کو بورنگ کرانے کے بارے میں صاحب زمین کو منع کرنے کا اختیار نہیں البتہ دوسری شکل میں اختیار ہے۔

۷۔ پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں کے متعلق کرنے کا شرعی حکم:

جن ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سے جہاں ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے، وہیں زیر زمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، اگر حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کر دیں تو انتظامی امور میں حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی: کیوں اس میں خود عوام ہی کا فائدہ ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”من لم یهتم بأمر المسلمین فلیس منهم“ (مجمع الزوائد ۱۰/۲۳۸، تخریج الشریعہ ۳۸۶/۲)۔

(جو شخص مسلمانوں کے معاملے کے سلسلے میں کوئی بندوبست نہیں کرتا ہے تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان ہونے کے باوجود اپنے بھائیوں کے لئے معاشرتی و سماجی، معاملاتی، اقتصادی، اخلاقی، سیاسی، ملی و دینی مسائل کے لئے اور حکومت کی خیر خواہی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں فکر مند نہیں ہوتا وہ مسلمان نہیں۔

بہر حال حکومت کو اپنی رعایا کو اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے

مخصوص کر دینے کے لئے ہنگامی و اضطراری حالات کے پیش نظر یا انتظامی امور میں حکومت کی امداد و تعاون کے پیش نظر ایسا حکم دینے کا حق حاصل ہے اور اس کی تعمیل انتظامی امور میں شرعاً واجب ہوگی، پانی کی ذخیرہ اندوزی اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے ہنگامی حالات میں افراد کو بھی اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہا السلام نے قحط کے زمانہ میں اپنے طور پر خود نلہ کی ذخیرہ اندوزی کی اور عوام اور کاشت کاروں کو بھی اس سلسلے میں پابند بنایا۔

۸- ڈیم تعمیر کرنے کے لئے آبادیوں کو وہاں سے منتقل کرنے کا شرعی حکم:

جس جگہ ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے آبادیوں کو وہاں سے منتقل کرنا پڑتا ہے نہ صرف زرعی علاقے بلکہ آبادیاں بھی آبی ذخیرہ کا حصہ بن جاتی ہیں، لہذا اگر اجتماعی مصلحت و حکمت اور پورے ملک کے مفاد کی وابستگی مقصود ہو، اور واقعی اضطراری ضروریات کے پیش نظر حکومت نے کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کیا ہے تو شرعاً اس سلسلے میں اس کی گنجائش ہے، اور حکومت کی اولین ذمہ داری ہوگی کہ ان عوام و پبلک کو جو اپنے گھر سے بے گھر ہو گئے ہیں اس کا متبادل فراہم کر کے دے اور اس کا بہترین مکان بھی بنا کر دے، نیز اگر اس کی وجہ سے کاروباری اور کاشت کاری کے سلسلے میں ان لوگوں کا نقصان ہوا ہو تو اس کا بھی ہر جانہ ادا کرے تاکہ وہ لوگ اپنی معیشت کو آگے بڑھا سکیں اور کسی دوسرے کا محتاج بن کر نہ رہ جائیں۔ اگر حکومت اس کی خلاف ورزی کرے گی تو اس کا یہ اقدام شرعاً ظلم و ستم کے مترادف ہوگا۔

۹- ایک بستی کو غرق ہونے سے بچانے کے لئے باندھ کو کاٹ دینے کا شرعی حکم:

مکہ میں جو چار مشہور سیلاب مختلف زمانوں میں آئے ان میں ایک سیلاب جو ام ہشل کے نام سے مشہور ہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں آیا، اور مسجد حرام تک پہنچ گیا، حضرت عمرؓ نے نیچے اوپر دو بند بندھوائے، جن سے مسجد حرام کو سیلاب کی زد سے محفوظ رکھا۔

مدینہ میں ایک چشمہ تھا، جس کا نام مہر ورتھا، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اس میں طغیانی آئی اور تمام مدینہ ڈوب گیا، اس لئے انہوں نے اس سے بچنے کے لئے ایک بند بندھوایا (۱۵۰۶ صحابہ، ۱/۲، دارالمصنفین شیلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، طبع سوم، ۱۹۹۰ء مولانا عبدالسلامہ دہلوی)۔ جن علاقوں میں تباہ کن سیلاب آتا ہے اور ایک بستی غرق ہونے کے قریب ہوتی ہے، ایسی صورت میں لوگ پانی کو روکنے کے لئے تعمیر کئے گئے باندھ کوکاٹ دیتے ہیں، اس کے نتیجے میں سیلاب کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے، اب اس بستی کو تو وقتی طور پر مصیبت سے نجات مل جاتی ہے، لیکن اگلی بستی کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر آگے کی بستی و آبادی نسبتاً نشیبی علاقے میں واقع ہو تو وہاں زیادہ نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں پہلی بستی والوں کے لئے باندھ کوکاٹ دینا اور پانی کو آگے بڑھادینا شرعاً، عقلاً، اخلاقاً معاشرۃ، معاملتہ، دیانتہ، قضاۃ کسی بھی حال میں جائز نہیں ہوگا۔

۱۰- دریا، ندی، کنواں اور سرکاری تالاب وغیرہ سے استفادہ کرنے کا حق:

دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے ہر فرد و اشخاص کو پانی پینے، جانوروں کو پانی پلانے، کھیتوں کی سیچائی کرنے، نہانے، کپڑے دھونے کا حق حاصل ہے۔ اس کے اوپر کسی کو اختیار تنہا نہیں رہے گا، کیوں کہ یہ سب مباح الاصل ہے، اور مباح الاصل میں سارے لوگوں کا حق شامل ہوتا ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے جو ذخائر موجود ہیں اور جن کے پیدا کرنے میں کسی شخص کی محنت کا کوئی دخل نہیں ہے وہ سب کے لئے ہیں اور سب ہی ان سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلمون شركاء في ثلاث في الماء والكلا والنار (ابوداؤد ۴/۳۹۴، ابن

(تین چیزوں میں سارے مسلمان شریک ہیں، پانی اور چارہ اور آگ میں)۔
اس حدیث میں پانی سے قدرتی چشموں، دریاؤں، ندیوں، نہروں، تالابوں اور
جھیلوں وغیرہ کا پانی مراد ہے۔ اسی طرح جانوروں کا وہ چارہ و گھاس جو جنگلوں اور میدانوں میں
پایا جاتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا سب کو حق حاصل ہے۔ آگ سے ایندھن میں کام آنے
والی لکڑی اور آگ جلانے کا سامان چقماق وغیرہ مراد لئے گئے ہیں۔

ایک بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں جو مسلم کی قید
لگی ہوئی ہے امترازی نہیں ہے بلکہ اتفاق ہے۔ اس کی تشریح و توضیح حضرت علامہ شمس الدین
سرخسیؒ اپنی کتاب المہسوط میں کی ہے (المہسوط ۲۳/۱۶۳)۔

حضرت علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی پانی کی چار قسمیں بیان کی ہیں:
(۱) سمندر کا پانی، (۲) بڑی وادیوں کا پانی مثلاً جیحون، سیحون، و جلد بنرات، (۳) بخرے کا پانی
مثلاً سرکاری نہر کا پانی جو کاشت کے موقع پر کاشت کار کو آبپاشی کے لئے پانی دیتی ہے اور کاشت
کار سے پانی کا عوض نقد کی شکل میں وصول کرتی ہے، (۴) محفوظ کیا ہوا پانی مثلاً حوض، ڈرام،
کنستر وغیرہ میں پانی بھر کر محفوظ کر لیا۔ چاروں کے احکام الگ الگ مندرجہ ذیل ہیں:

پانی کی پہلی قسم سمندروں کا پانی ہے، جس سے سارے لوگوں کو فائدہ اٹھانے کا حق
ہے، پانی پینے، جانوروں کو پانی پلانے، کھیتوں کی سیچائی کرنے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص وہاں
سے نہر نکال کر اپنے کھیت تک لاسکتا ہے تو لانے کی اجازت ہے، ان سمندروں سے فائدہ
اٹھانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ہے جس طرح آفتاب اور ماہتاب اور ہوا سے فائدہ
اٹھانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا ہے، جس طرح چاہے فائدہ اٹھائے۔

پانی کی دوسری قسم یعنی دریاؤں، ندیوں، جھیلوں سے تمام لوگوں کو پانی پینے، جانوروں
کو پانی پلانے اور اپنے کھیتوں کی سیچائی کرنے اور دیگر ضروریات کی تکمیل کرنے کا حق حاصل

ہے، اگر کوئی شخص اپنی کھیتی کی سینچائی کے لئے دریا سے نہر نکال کر اپنے کھیت تک لے جائے تو اس کی اجازت ہے مگر اس کی وجہ سے عوام و پبلک کو کوئی ضرر نقصان لاحق نہ ہو، اور یہ بھی یاد رہے کہ ان پر کسی ایک کی ملکیت ثابت نہ ہوگی؛ کیوں کہ مباح الاصل ہے اور مباح الاصل میں سارے لوگوں کا حق شامل ہوتا ہے۔

پانی کی تیسری قسم سرکاری محکمہ انہار کی طرف سے جاری کردہ پانی ہے۔

اس پانی کو حکومت ضوابط و قواعد کی روشنی میں نہر میں چھوڑتی ہے کاشت کاروں کی کھیتی کی سینچائی کے لئے، ضلع کی کون سی تحصیل میں کس تاریخ کو پانی چھوڑا جائے، سب ریکارڈ رکھتے ہیں تاکہ کسی کاشت کار کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

چوتھی قسم برتنوں میں محفوظ پانی اور مملوک کنواں یا چشمہ یا حوض یا نہر کا پانی ہے۔ برتنوں میں محفوظ کیے ہوئے پانی کا مالک وہی شخص ہے جس نے برتن میں محفوظ رکھا ہے، اب اس پانی پر دوسروں کا حق شامل نہیں ہوگا جیسا کہ شکار میں ہوتا ہے کہ جب کسی آدمی نے شکار کو پکڑ لیا تو اس کا مالک ہو جاتا ہے، اس کو اب فروخت کر سکتا ہے، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ہے۔ اس آدمی کی اجازت کے بغیر پانی استعمال کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ کسی شخص کی مملوک زمین میں کنواں یا چشمہ یا حوض یا نہر ہے تو اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو پانی پینے سے روک دے؛ کیوں کہ اس کی ملکیت میں داخل ہے، جب کہ اس کے علاوہ دیگر غیر مملوک کنواں وغیرہ موجود ہوں اس کے ارد گرد میں، اگر اس کے ارد گرد میں پانی اس کے علاوہ موجود نہیں ہے تو پانی کے مالک سے کہا جائے گا کہ اس کو پانی پینے کے لئے پانی دیدو، یا خود پیا سے کو چھوڑ دو کہ وہ اپنے سے خود جا کر پانی پی لے اس شرط کے ساتھ کہ اس کا کوئی نقصان نہ ہو، ایسا ہی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہدایہ ۴/۶۸، کتاب احیاء الموات، فصول فی مسائل اشرب، مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱۳۵۸ھ، اوسط ۲۳/۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳)۔

(۱) وہ وسائل حیات جو سب کی ملکیت ہیں:

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے جو ذخائر موجود ہیں اور جن کے پیدا کرنے میں کسی شخص کی محنت کا کوئی دخل نہیں ہے وہ سب کے لئے ہیں اور سب ہی ان سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المسلمون شركاء في ثلاث: في الماء والكلاء والنار (ابوداؤد ۴۹۲۲/۲، کتاب البیوع، باب فی منع الماء، ابن ماجہ ۱۸۰۲/۲، ابواب الرہون، باب المسلمون شركاء فی ثلاث)۔
اس حدیث میں مسلم کی جو قید لگی ہوئی ہے اتفاقاً ہے اترازی نہیں (الموسط ۲۳۳/۱۶۳)
(تین چیزوں میں سارے مسلمان شریک ہیں پانی اور چارہ اور آگ میں)۔

اس حدیث میں پانی سے قدرتی چشموں، دریاؤں، ندیوں اور تالابوں وغیرہ کا پانی مراد ہے۔ اسی طرح جانوروں کا وہ چارہ جو جنگلوں اور میدانوں میں پایا جاتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا سب کو حق حاصل ہے۔ آگ سے ایندھن میں کام آنے والی لکڑی اور آگ جلانے کا سامان چتماق وغیرہ مراد لئے گئے ہیں (اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: نیل الاوطار ۶/۲۹۶-۵۰)۔

(۲) قومی اہمیت کے وسائل سب کے لئے ہیں:

قومی اور ملکی اہمیت رکھنے والے وسائل حیات کسی فرد کی ملکیت نہیں ہوں گے بلکہ ان سے سب کو فائدہ اٹھانے کے برابر کے مواقع حاصل ہوں گے۔ ابیض بن جمال بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ تارپ (یعنی کا ایک شہر ہے) میں نمک کی جو کان ہے وہ انہیں عطا کر دی جائے، آپ نے وہ کان انہیں دے دی۔ جب وہ واپس ہوئے تو ایک شخص ”اترع بن حابس“ نے عرض کیا کہ آپ نے انہیں ایک ایسی کان عطا فرمادی جو پانی کے ذخیرہ کی طرح ہے، وہاں کا ہر شخص اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

اس پر آپ نے وہ کان ان سے واپس لے لی اور عوام کے فائدہ کے لئے وقف کر دی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے انہیں اس کے عوض ایک زمین اور باغ عطا فرمایا، ابیض بن جمال نے ایک سول یہ بھی کیا کہ اراک (جس کے پتے اونٹ کے چارہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں) کے کسی علاقہ کو حد بندی کے ذریعہ اپنی ملکیت میں لیا جاسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا: جہاں اونٹوں کے قدم نہ پہنچیں، یعنی جو آبادی سے دور ہو (ترمذی ۲۵۶۱، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی التغلیح، ابن ماجہ ۲/۱۸۰ تا ۱۸۱، ابواب الرہون، باب اتطاع الانہما روالحمیون)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست بھی اس طرح کا کوئی اقدام نہیں کرے گی کہ جن وسائل حیات سے عام لوگوں کا مفاد وابستہ ہے ان پر کسی ایک یا چند افراد کا قبضہ ہو جائے اور دوسرے ان سے محروم رہیں۔

(۳) ذاتی وسائل حیات میں بھی دوسروں کا حق ہے:

قدرت کے خزانوں کو آدمی بعض اوقات اپنی ذاتی جدوجہد اور محنت سے بھی حاصل کرتا ہے، وہ اس کا مالک ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر اس نے اپنی ضرورت کے لئے کنواں کھدوایا، نہر نکالی یا حوض اور ٹینک میں پانی کا ذخیرہ جمع کیا۔ اس سلسلہ میں ہدایت یہ ہے کہ اس سے دوسرے حاجت مندوں کو محروم نہ رکھا جائے۔ ایک حدیث میں اس بات پر سخت وعید سنائی گئی ہے کہ آدمی کے پاس فاضل پانی ہو اور وہ ضرورت مندوں کو ان کے استعمال کی اجازت نہ دے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین قسم کے انسانوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ تو انہیں دیکھے گا، نہ ان سے بات کرے گا اور ان پر اس کا سخت عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

رجل كان له فضل ماء في الطريق فممنعه من ابن السبيل (بخاری ۳۱۷، کتاب المساقاة، باب اثم من منع ابن السبيل من الماء، مسلم ۱/۱۷۱، کتاب الايمان، باب تحريم اسبال الازرار الخ)۔

(ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ میں (کنویں وغیرہ کی شکل میں) فاضل پانی تھا اور اس نے مسافر کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا)۔

ایک دوسری روایت میں ہے: ”فَيَقُولُ اللَّهُ الْيَوْمَ أَمْنَعُكَ فَضْلِي كَمَا مَنَعْتُ فَضْلَ مَاءٍ لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ“ (بخاری ۱۱۹/۱، کتاب المساقاة، باب من راوی ان صاحب الخوض الخ، فتح الباری ۵/۵۳۳ تا ۵۳۴)۔

(اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا کہ آج میں تمہیں اپنے انعام سے اسی طرح محروم کروں گا جس طرح کہ تم نے ایک زائد چیز کو جس کے پیدا کرنے میں تمہاری کوشش کا کوئی دخل نہیں تھا، دینے سے انکار کر دیا تھا)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام اس بات کی کس قدر تاکید کرتا ہے کہ آدمی کو جو وسائل حیات حاصل ہیں ان سے اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد دوسروں کی ضروریات کا بھی خیال رکھے (اس کی پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلام میں خدمت خلق کا تصور ۸، ۱۳۹ تا ۱۴۰، از مولانا سید جلال الدین عمری)۔

وَإِذَا كَانَ لِرَجُلٍ نَهْرٌ أَوْ بَيْرٌ أَوْ قَنَاةٌ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَمْنَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّفَةِ وَالشَّفَةِ الشَّرْبُ لِنَبِيِّ آدَمَ وَابْنِهِ إِدْرِمَ (بخاری ۴۶۸/۳، کتاب احياء الموات، فصول في مسائل الشرب، مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱۳۵۸ھ)۔

(اور جب کسی آدمی کے پاس نہر ہو یا کنواں ہو یا مانی ہو تو آدمیوں اور جانوروں کو پانی پینے سے منع نہیں کر سکتا ہے)۔

علامہ ابوالحسن برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل مرغینانی یوں تحریر فرماتے ہیں:
ماء الأودية العظام كجیحون وسيحون ودجلة والفرات للناس فيه
حق الشفة على الاطلاق وحق سقى الأراضي (بخاری ۴۶۸/۳، کتاب احياء الموات، فصول في مسائل الشرب، مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱۳۵۸ھ)۔

بڑے وادیوں کے پانی جیسے جیحون اور یجون اور دجلہ اور فرات، اس میں تمام لوگوں کو علی الاطلاق پانی پینے کا حق حاصل ہے اور اپنے کھیتوں کو سیراب و سیرانی کرنے کا حق حاصل ہے، اگر کوئی شخص اپنی کھیتی کی سیرانی کے لئے یہاں سے نہر نکال کر لے جائے تو اس کی بھی اجازت ہے اس شرط کے ساتھ کہ عوام کو اس سے کوئی ضرر و نقصان لاحق نہ ہو اور نہر پر کسی ایک کی ملکیت ثابت نہ ہو؛ کیوں کہ وہ مباح الاصل ہے، اور مباح الاصل میں سارے لوگوں کا حق شامل ہوتا ہے۔

دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے تمام افراد و اشخاص کو پانی پینے، نہانے کپڑے دھونے، کھیت سیرانی کرنے کا شرعی حق حاصل ہے۔ دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے وغیرہ کے پانی سے تمام لوگوں کو استفادہ کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ اس میں شرکت مباح ہے مگر اس پر کسی ایک شخص کی ملکیت ثابت نہ ہوگی، ہاں کنواں سے اگر کوئی شخص پانی نکال کر اپنے برتن میں محفوظ کر لے تو اس کا وہ مالک ہوگا، اس میں کسی کو دخل اندازی کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا لیکن اس شخص کو پانی پینے سے نہیں روک سکتا ہے جو پیاس کی شدت سے اپنے ہلاک ہو جانے کا خطرہ، یا اپنے جانور کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ محسوس کر رہا ہو، اگر روکے گا تو اس سے بلا ہتھیار کے جنگ کی جائے گی پانی کی حصولیابی کی لئے۔

اگر دو آدمیوں نے مل کر پانی کا ذخیرہ جمع کیا ہے تو یہاں شرکت ملک ہے، اس صورت میں اگر ایک نے دوسرے کو پانی پینے اور دیگر ضروریات میں استعمال کرنے سے روکے گا تو پانی کی حصولیابی کے لئے اس سے ہتھیار کے ساتھ جنگ کی جائے گی (عمدة القاری ۹/۵۲، ذکر کیا بک ڈپو دیو ہند، ہدایہ ۲۰۸۳-۲۰۸۴)۔

۱۱- نہر کے پانی سے ہر کاشتکار کو کھیت کی سیرانی کرنے کا حق ہے:

اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو ہر کاشتکار

کو اپنے کھیت کی سیچائی کرنے اور اپنے جانوروں کو پانی پلانے یا نہلانے، دھونے کے لئے اپنے حدود میں رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، مگر اس کا خیال رکھنا ہر فرد و اشخاص پر لازم ہوگا کہ میری ذات کی وجہ سے کسی دوسرے بھائیوں کی حق تلفی نہ ہونے پاوے اور نہ کسی قسم کا ضرر و نقصان لاحق ہو، مثلاً کوئی کاشت کار یہ چاہے کہ پانی کے ذخیرے کو اپنے علاقے سے دوسرے علاقے نہ جانے دے بلکہ نہر میں باندھ، باندھ دے تاکہ پانی آگے نہ جاسکے تو یہ طریقہ اور رو یہ شرعاً، اخلاقاً، معاشرۃً، معاملتہ مذموم فعل ہے۔ اس سے ہمارے بھائیوں کی دل آزاری ہوگی اور دل آزاری اسلام میں حرام ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے ہدایہ ۶۸/۳، ۱۲۳، ۱۲۴)۔

ارشاد باری ہے: "قال هذه ناقة لها شرب ولكن شرب يوم معلوم" (سورۃ اشعراہ: ۱۵۵)۔

(کہا یہ اونٹنی ہے، اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لئے باری ایک دن کی مقرر)۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی صاحب لکھتے ہیں: "اونٹنی پیدا ہوئی پتھر میں سے اللہ کی قدرت سے، حضرت صالح علیہ السلام کی دعاء سے وہ چھوٹی پھرتی، جس جنگل میں چرنے یا جس تالاب پر پانی پینے جاتی سب مویشی بھاگ کر کنارے ہو جاتے۔ تب یوں ٹھہر اویا کہ ایک دن اس پانی پر وہ جائے۔ ایک دن اوروں کے مویشی جائیں" (زجر شیخ الہند ص: ۴۹۷)۔

ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبریؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب کسی چیز کی باری مقرر کر دی گئی تو پھر دوسرے کی باری میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے، اپنی باری میں اپنا کام کریں دوسرے کی باری میں رخنہ اندازی کرنے سے اجتناب و احتراز کریں (تفسیر الطبری ۱۹-۱۲۰، دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان، طبع اول ۱۳۲۱ھ/۲۰۰۱ء)۔

(۱) عن عبد الله بن الزبير أنه حدثه أن رجلاً من الأنصار خاصم الزبير عند النبي ﷺ في شراج الحرة التي يسقون بها النخل فقال الأنصاري

سرح الماء يمر فأبى عليه فاختصما عند النبي ﷺ فقال رسول الله ﷺ للنبيير: اسق يا زبير ثم أرسل الماء إلى جارك فغضب الأنصاري فقال: إن كان ابن عمك، فتلون وجه رسول الله ﷺ ثم قال: اسق يا زبير ثم احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر (بخاری ۱/ ۳۱۷، کتاب المساقاة، باب سكر الانهار)۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے حضرت زبیرؓ سے حرہ کی ندی کے سلسلے میں جھگڑا کیا، جس کے پانی سے مدینہ منورہ کے لوگ کھجور کے درختوں کی سیچائی کرتے تھے۔ انصاری شخص نے حضرت زبیرؓ سے کہنے لگا کہ پانی کو بچنے دو روکتے کیوں ہو، تو حضرت زبیرؓ نے اس بات کے اوپر انکار کر دیا، پھر دونوں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا: اے زبیرؓ اپنے درختوں کی سیچائی کر لو پھر اپنے ہمسایہ کی زمین میں پانی چھوڑ دو، تو وہ انصاری غصہ ہو گیا اور کہا: اس لئے کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ نور سرخ ہو گیا، پھر فرمایا: اے زبیرؓ اپنے درختوں کی سیچائی کر لو پھر پانی روکے رہو یہاں تک کہ منڈیروں تک بھر جائے۔

(۲) قال أبو عبيد: كان بالمدينة واديان يسيلان بماء المظرفيتنافس الناس فيه فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم للأعلى فالأعلى (فتح الباری ۵/ ۳۵، دارالریان الخرات القاہرہ، مہر طبع دوم ۱۳۰۷ھ، ۱۹۸۷ء، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: عمدة القاری ۹/ ۲۶۶، ۷۳، زکریا بک ڈیو بند، التوضیح ۱۵/ ۳۳۳، ۳۵۱، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ دولة قطر، طبع اول ۱۳۲۹ھ، ۲۰۰۸ء، ابن بطال ۶/ ۵۰۰، ۵۰۲، مکتبہ الرشید للشرع والتولیع ریاض، طبع دوم ۱۳۲۳ھ، ۲۰۰۳ء)۔

ابو عبید کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں دو وادیاں مشہور تھیں جو بارانی پانی سے لبالب اور لب ریز رہتی تھیں گویا کہ جھیل وجود ہے، لوگ ایک دوسرے پر سبقت کیا کرتے تھے کہ سب سے پہلے ان وادیوں کے پانی سے میں اپنے کھیت کی سیچائی کروں گا، آپ ﷺ نے اس بات کو ٹاڑ لیا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے درمیان یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ جس کا کھیت فریزی

ہو پہلے وہ اپنے کھیت کی سینچائی کرے، پھر اس کے بعد جس کا کھیت فرازی ہو وہ سینچائی کرے پھر اسی کے بعد جس کا کھیت فرازی ہو وہ سینچائی کرے، اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے سینچائی کرتے رہیں۔ آپ ﷺ نے ایک ایسا نمول قیمتی فیصلہ کر دیا جس میں کسی کو شکوہ و شکایت کرنے کی نوبت ہی نہ آئے، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب کسی چیز کی حصولیابی کے لئے لوگ اکٹھے ہو جائیں تو اس موقع پر ایسی ہی ترتیب اور باری لگادینی چاہئے، اس طرح سے سارے لوگوں کا کاروبار آسانی کے ساتھ نپٹ جائے گا کوئی دقت و مشقت کا مقابلہ نہ کرنا پڑے گا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب تک فرازی زمین والوں کی سینچائی پایہ تکمیل تک نہ پہنچے گی اس وقت تک کھادرویشی زمین والوں کو سینچائی کی اجازت نہیں ملے گی، آپ ﷺ کا فیصلہ حضرت زبیرؓ کے لئے برحق تھا، یہی فیصلہ آج بھی باقی ہے، مسلم کے لئے نبی اکرم ﷺ کی اتباع فرض ہے (اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: التفسیر المہمیر فی العقیدة والشریعة والحدیث، ۱۵۸/۲، ۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۳۱۹ھ، ۱۹۹۹ء، تفسیر الطبری، ۱۹۱/۲، ۱۹۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول ۱۳۲۱ھ)۔

فرازی کھیت والے، کھادرویشی کھیت والے سے پہلے سینچائی کریں گے:

عن عروۃ قال خاصم الزبیر رجل من الأنصار فقال النبی ﷺ یا زبیر اسق ثم أرسل فقال الانصاری: إنه ابن عمک فقال علیہ السلام: اسق یا زبیر ثم یبلغ السماء الجدر ثم أمسک (بخاری، ۳۱۸/۱، کتاب المساقاة، باب شرب الاعلی قبل الاغفل، اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: عمدة القاری، ۲/۲۷، فتح المبارکی، ۲/۲۷)۔

(حضرت عروہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے حضرت زبیرؓ سے جھگڑا کیا، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے زبیر تم اپنے درختوں کی سینچائی کر لو پھر پانی چھوڑ دو، پس انصاری نے کہا: بے شک وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، تب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے زیر اپنے درختوں کی سیچائی کر لو پھر پانی منڈیروں تک پہنچ جائے پھر روک لو۔
رسول اللہ ﷺ نے اس قضیہ کے سلسلے میں یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ پہلے فزازی زمین
والا سیچائی کرے پھر نشیبی زمین والا سیچائی کرے، یعنی جب تک پہلا کھیت والا اپنی کھیتی خوب بہتر
طریقہ سے سیچائی نہ کر لے اس وقت تک دوسرے کھیت والے کو سیچائی کرنے کی اجازت نہیں دی
جائے گی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اس سلسلے میں یوں تحریر فرماتے ہیں: قال العلماء: الشرب
من نهر أو مسيل غير مملوك يقدم الأعلى فالأعلى، ولاحق للأسفل حتى
يستغنى الأعلى، وحده أن يعطى الماء الأرض حتى لا تشربه ويرجع إلى الجدار
ثم يطلقه (فتح الباری ۵/۲۷۷)۔

علماء کا قول ہے کہ غیر مملوک قدرتی نہریا وادی کے پانی سے سب سے پہلے اول
فلاول کے اعتبار سے ترتیب وافر فزازی کھیت والے سیچائی کریں گے اور کھادور نشیبی کھیت والے
کو اس میں اس وقت تک کوئی حق حاصل نہ ہوگا جب تک کہ فزازی کھیت والے پانی کی سیچائی
کرنے سے بے نیاز نہ ہو جائیں، اور اس کی حد و انتہا یہ ہے کہ پورا پانی زمین کو مکمل طور سے
ڈھانپ لے یہاں تک کہ زمین اپنے اندر پانی کو اب جذب نہ کر سکے اور پانی منڈیروں تک جا کر
پورے کھیت میں واپس ہو جائے تب اس وقت پانی کو اپنے بعد والے کے لئے چھوڑ دے۔

عن عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزام أنه بلغه أن رسول
الله ﷺ قال في مسيل مهزور ومانيب: يمسك حتى الكعبين ثم يرسل
الأعلى على الأسفل“ (موطا امام مالک ۳/۱۱۸، کتاب الاقصية، القضاء في المياه، اشرقي بک، پو، دیوبند)۔

حضرت عبد اللہ بن ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزام سے روایت ہے کہ بے شک اس کو
اس بات کی اطلاع پہنچی ہے کہ فی الواقع رسول اللہ ﷺ نے مہزور اور منڈیب وادی کے پانی
کے بارے میں یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ درختوں کی جڑوں تک پانی روک لے، پھر صاحب فزازی

کھیت پانی کو صاحب کھاد رکھیت کی طرف چھوڑ دے۔

جس پانی کے حاصل کرنے میں کسی انسان کا اس میں کوئی دخل نہ ہو بلکہ قدرتی ہو جیسے دریا، ندی، نہر، چشمے کا پانی وغیرہ اس سے ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے، وادیوں، سیلابوں کے پانی کا بھی یہی حکم ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کا کوئی تنہا مالک نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ اس نے کنواں کی طرح کھدوا کر یا اور کوئی دیگر اقدام کر کے پانی کو زمین کے اندر سے نہیں نکالا ہے، بلکہ قدرتی طور پر یہ پانی ہمیں دستیاب ہوا ہے اور وہ سب کے لئے مباح ہے، اس لئے ہر آدمی باری اور ترتیب سے پانی کی حصولیابی کے لئے کوشش کرے۔

فقہاء کی آراء کی روشنی میں سینچائی کا شرعی حکم:

(۱) اعلیٰ (نراز فریزی) یعنی جن کاشت کاروں کی زمین بلندی پر واقع ہو تو ان کو سینچائی کرنے کا موقع سب سے پہلے دیا جائے گا، اور اسغل (کھادرو نشیبی) یعنی جن کاشت کاروں کی زمین گہرائی میں واقع ہو تو ان کو سینچائی کرنے کا موقع ان کے بعد دیا جائے گا۔ کھجور و درخت اور کھیت کی سینچائی کرنے کی ترتیب اعلیٰ سے اسغل کی طرف ہے۔

(۲) پہاڑ سے فوارہ کی طرح پانی ٹپکتا رہتا ہے، وہ پانی جمع ہو کر جھیل و جوہڑ کے مانند ہو جاتا ہے، اس پانی کی سینچائی کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ جو شخص سب سے پہلے وہاں پہنچے گا اس سے انتفاع کا زیادہ حق دار وہی شخص ہوگا (الموسوٰۃ ۲۳/۱۶۳)۔

(۳) اعلیٰ کو اپنی باری کے بعد اب کوئی اختیار اور حق جواز حاصل نہ ہوگا، جب بعد میں اس کو پانی کی ضرورت لاحق ہو جائے تو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے جو پانی اسغل کی جانب رواں دواں ہے اس کو روک لینے کا کوئی حق نہیں ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ خود کھادرو والے ایثار کر دیں تب جا کر اس پانی کو روک کر اپنے استعمال میں لاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۴) باری کے تعلق سے باہم کاشت کاروں کے درمیان یا کاشت کار اور محکمہ انہار

کے ملازم کے درمیان سب و ستم اور مخالفت رونما ہو جائے تو کاشت کار اور محکمہ انہار کے ملازمین کے اوپر ضروری و لازم ہے کہ اس کو مقدمہ کا ذریعہ نہ بنائے بلکہ عفو و درگزر کا معاملہ کرے۔

(۵) ایسے مقدمات کے سلسلے میں سب سے بہتر طریقہ صلح و صفائی کا ہے۔ جمہور کا مسلک ہے کہ جب کوئی مصلحت دیکھے تو تاقضی خود صلح و صفائی کر لینے کا اشارہ کر دے اور حضرت امام مالکؒ نے تاقضی کو اس بات سے منع کیا ہے، اور اس سلسلے میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، اور صحیح و درست بات یہی ہے کہ تاقضی کو صلح و صفائی کے لئے اشارہ کر دینے کا حق جواز حاصل ہے۔

(۶) امام و حاکم کو تعزیر کے معاف کر دینے کا حق جواز حاصل ہے۔

(۷) اگر دونوں فریقین میں سے ایک صلح و صفائی نہیں چاہتا اور نہ جس چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اس پر رضامند ہوتا ہے تو ایسے موقع پر امام و حاکم کو حق جواز مل جاتا ہے کہ دونوں کے جو حقوق ہیں اس کو وصول کر لے۔

(۸) جو شخص امام و حاکم پر جفا کرے گا تو وہ آدمی قابل زجر و توبیخ ہوگا۔

(۹) حاکم کا فیصلہ خوشی کی حالت میں ہو یا غصہ و ناراضگی میں ہو اور ہر حال میں معتبر ہے، یہاں پر حاکم سے مراد سرور کائنات ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ ہر حال میں آپ سے حق کا فیصلہ صادر ہوگا، آپ معصوم ہیں۔ یہ بھی بات ذہن میں مستحضر رکھئے کہ عصمت نبوت کی صفت ہے، بشریت کی صفت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ زبیرؓ کے حق میں جو فیصلہ دیا تھا وہ حق نہیں تھا اے یا اللہ تو ایسا شخص شرعی نقطہ نظر سے کافر ہوگا۔

(۱۰) قال ابن حبيب: يدخل صاحب الاعلى جميع الماء في حانطه ويسقى به حتى إذا بلغ الماء من قائمة الحانط إلى الكعبين القائم فيه أغلق معلق الماء وصرف مقلمار ما زاد من الماء على مقلمار الكعبين إلى من يليه، فيصنع به مثل ذلك حتى يبلغ ماء السيل إلى أقصى الحوانط۔

ابن حبیب کا قول ہے کہ صاحب اٹلی پورے پانی کو بیک وقت اپنے باغ کے اندر داخل کر لے اور اس کے ذریعہ سینچائی کرتا رہے یہاں تک کہ پانی جب باغ کی دیوار سے گزر کر فصل کی جڑوں تک جو اس میں موجود ہے پہنچ جائے تب پانی کو روک لیا جائے، اور کعبین کے مقدار جو زائد پانی ہے اس کو جو اس سے متصل چیز ہے اس پر خرچ کر دے، پھر پانی کو دوبارہ روک لیا جائے یہاں تک کہ پانی کا بہاؤ باغوں کی آخری سرحد تک پہنچ جائے، اس کے بعد آغل کی جانب پانی کو چھوڑ دیا جائے، ابن الماشون اور ابن وہب کا یہی قول ہے۔

(۱۱) وقال ابن القاسم: إذا انتهى الماء في الحائط إلى مقدار الكعبين

أرسله كله إلى من تحته ولم يحبس منه شيئاً في حائطه۔

اور ابن قاسم کا قول ہے کہ جب پانی باغ کے اندر درختوں کی جڑوں تک پہنچ جائے تو اس پانی کو نشیبی دکھا دو والے کی طرف چھوڑ دیا جائے اور اب اس پانی میں سے تھوڑی سی مقدار بھی اپنے باغ میں نہ روکے۔

(۱۲) ابن کنانہ کا قول ہے کہ کھجور اور درخت کی سینچائی کرنے میں پانی کعبین تک روکا جائے گا اور کھیتی و پودے کے اندر شراکت تک پانی روکا جائے گا۔ اور جمہور کا حکم ہے کہ پانی کعبین تک روکا جائے گا، اس کے بعد آغل کی جانب پانی کو چھوڑ دیا جائے۔

(۱۳) علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کا قول ہے کہ زمین ہر قسم کی ہوتی ہے مثلاً کوئی ہموار زمین ہے، کوئی اونچ نیچ، اتار چڑھاؤ زمین ہوتی ہے، کوئی زمین پانی کو بہت جلد جذب کر لیتی ہے، کوئی زمین پانی کو بہت دیر تک جذب کرتی رہتی ہے، تو ایسی صورت میں ہر کاشت کار کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اپنے کھیت کے اندر اپنی اپنی ضرورتوں کے مطابق پانی کو روک کر سینچائی کر لے جو اس کے لئے کافی ہو جائے جیسا کہ حضرت زبیرؓ نے اپنی ضرورت کے مطابق پانی استعمال کیا تھا۔ اسکے بعد پانی کو آغل کی جانب چھوڑ دیا جائے۔

(۱۳) قرطبی کا قول اس صورت میں یہ ہے کہ جب جاری پانی ہو تو اول فالاول کا اعتبار کر کے یکے بعد دیگرے سب لوگ اپنے اپنے کھیت کی سینچائی کر لے یہاں تک کہ سب کی ضرورت پوری ہو جائے، اور ایک دوسرے کا باہم اتحاد و اتفاق رکھنا بھی ضروری ہے تا کہ ایک دوسرے کو کوئی ضرر و نقصان نہ پہنچے اور یہ شکل اس صورت میں ہے جب کہ اسفل کے ملک کی اصلیت اس کے ساتھ مختص نہ ہو، پس اگر اسفل کی ملکیت ہے تو اب اعلیٰ کو کوئی حق جواز حاصل نہ ہوگا کہ اس کے معمولی پانی سے استفادہ کرے اگرچہ وہ اس کی طرف سے گزر کر آ رہا ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: توضیح ۵/۱۵۳۲۸، ابن بطال ۶/۵۰۲، عمدة القاری ۴/۱۲۷، فتح المبارک ۵/۲۳۹، السوط ۲۳/۱۶۱، ہدایہ ۳/۶۸۶۲۳۶۸)۔

سرکاری نہر سے ہر شخص کو پانی پینے اور اپنے جانوروں کو پلانے کا حق حاصل ہے، مگر یہاں سے نہر کھود کر اپنے کھیت تک لے جانے کا کسی کو اختیار حاصل نہ ہوگا (عمدة القاری ۴/۵۲)۔ سرکاری محکمہ انہار کاشتکاروں کی سہولیات کی خاطر کاشتکاری کے موسم میں نہر میں پانی چھوڑتا ہے کھیتوں کی سینچائی کے لئے، حکومت کی طرف سے دن تاریخ متعین ہوتی ہے، ان دنوں میں جس کی باری ہوگی وہی سینچائی کرے گا، اس کے علاوہ کسی دوسرے کو مداخلت کی اجازت نہ ہوگی (ہدایہ ۳/۶۸)۔

۱۲- احراز و حفظ کی شکل میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے:

قدرت کے خزانوں کو آدمی بعض اوقات اپنی ذاتی جدوجہد اور محنت و مشقت سے حاصل کر کے اس کا مالک ہوتا ہے، مثال کے طور پر اس نے اپنی ضرورت کے لئے اپنی ذاتی زمین میں کنواں کھدوایا، نہر نکالی یا ٹیوب ویل اور نل لگوایا، حوض و ٹینک بنوایا، شرکت مباح والے پانی کو حاصل کر کے اپنے ڈرام و پیپا، ٹب و نندولا، مشک و بالٹی اور کنسترو وغیرہ میں بھر کر رکھ لیا۔ ان سب شکلوں میں احراز و حفظ ہے اس لئے وہ اس کا مالک ہوگا، اس میں کسی کو مداخلت کرنے کا حق نہ ہوگا۔ (ابن بطال ۶/۵۰۲)۔

(۱) پانی کی ملکیت حدیث کی روشنی میں:

عن سعید بن جبیر قال: قال ابن عباس: قال النبی ﷺ: یرحم اللہ أم إسمعیل لو ترکتم زمزم أو قال لو لم تعرف من الماء لکان عینا معینا وأقبل جرهم فقالوا: أتأذنین أن ننزل عندک؟ قالت: نعم ولا حق لکم فی الماء قالوا: نعم“ (بخاری ۳۱۹۱، کتاب المساقاة، باب من رآی أن صاحب الحوض والقرباء حق بماء زمزم یدیکھتہ عمدة القاری ۸۲۲، ۸۱۹، توضیح ۳۵۹/۱۵، فتح الباری ۵۳/۵-۵۳، ابن بطال ۶/۱۶۰-۵۰۳)۔

حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ماں پر رحم کرے، اگر وہ زمزم کو چھوڑ دیتیں اس کے گرد منڈیر نہ اٹھاتیں، یا یوں فرمایا: اگر وہ زمزم سے چلو بھر بھر کر نہ لیتیں تو وہ ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا، اور جرہم قبیلہ کے لوگ ان کے پاس آئے، کہنے لگے: تم ہم کو اپنے پاس قیام کرنے کی اجازت دیتی ہو؟ انہوں نے کہا، ہاں، لیکن پانی میں تمہارا کوئی حق اور دعویٰ نہیں ہوگا، انہوں نے کہا: ہاں۔

وقرر النبی ﷺ علی ذلك، قال الخطابی: فیہ أن من أنبط ماء فی فلاة من الأرض ملکہ ولا یشارکہ فیہ غیرہ إلا برضاہ، إلا أنه لا یمنع فضلہ إذا استغنی عنہ، وإنما شرطت ہاجر علیہم أن لا یتملکوه (عمدة القاری ۸۱/۹، فتح الباری ۵۳/۵)۔

(اور نبی اکرم ﷺ نے اسی طریقہ پر اس کو برقرار رکھا، خطابی نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ جو شخص کسی وسیع یا بان زمین میں کنواں کھود کر پانی نکالا تو وہ اس کا مالک ہوگا، اور کوئی دوسرا شخص اس میں شریک نہیں ہو سکتا مگر اس کی رضا مندی سے، مگر وہ اپنی ضرورت سے زائد پانی کو ضرورت مندوں کو استعمال کرنے سے نہیں روکے گا، اور بے شک حضرت ہاجر رضی اللہ عنہا نے ان لوگوں سے یہ شرط رکھا کہ وہ لوگ پانی کے مالک نہیں ہو سکتے ہیں)۔

پانی کے سلسلہ میں ہدایت نبوی ہے کہ وقتی یہ تمام چیزیں صاحب ملک کی ہیں مگر اس کے باوجود اس سے دوسرے حاجت مندوں کو محروم نہ رکھو، اس سے استعمال و استفادہ کا موقع عنایت کرو۔ جس آدمی کے پاس اپنی اور اہل و عیال، بھتیجی اور مویشی کی ضرورت پوری کرنے کے بعد جو زائد پانی ہو اور وہ ضرورت مندوں کو ان کے استعمال کرنے کی اجازت نہ دے اس بات پر سخت وعید آئی ہے، یہ بخاری کی حدیث کا مفہوم ہے (اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: بخاری ۱/۳۱۷، عمدۃ القاری ۵/۶۸، المصوب ۲۳/۱۶۹)۔

فقہاء عظام کی آراء کی روشنی میں پانی کے استعمال کے شرعی احکام:

جس آدمی نے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنی ذاتی زمین میں کنواں کھدوایا، یا غیر ملک افتادہ زمین میں اپنی ملک کے لئے کھدوایا تو ان دونوں صورتوں میں کنواں اور پانی پر اس کی ملکیت ثابت ہوگئی، اس میں کسی کو مداخلت کا جواز نہیں؛ کیوں کہ شرعی نقطہ نگاہ سے یہ شخص اس کا مالک ہوگیا۔ مگر اس کے باوجود اس کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد پانی کو حاجت مندوں کو استعمال و استفادہ کرنے کی اجازت دینی ہوگی، اس سے روکنا شرعاً ممنوع ہے، یہ جمہور فقہاء کا مسلک ہے۔ ایک شخص غیر ملک افتادہ زمین میں اپنی ملکیت کے لئے کنواں کھودا، اور دوسرا آدمی غیر ملک افتادہ زمین میں کنواں کھودا فائدہ اٹھانے کے لئے۔ پہلا شخص پانی کا مالک ہوگا؛ کیوں کہ اس نے اپنی ملکیت حاصل کرنے کی نیت سے کنواں کھودا تھا۔ اور دوسرا شخص پانی کا مالک نہیں ہوگا بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ حقدار اس بات کا ہوگا کہ وہ پانی سے استفادہ کر سکتا ہے؛ کیوں کہ اس نے فائدہ اٹھانے کے لئے کھودا تھا۔ ان دونوں صورتوں میں دونوں آدمیوں کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد جو زائد پانی ہو حاجت مندوں کے اوپر خرچ کر دینا واجب ہوگا، یہ ثانویہ کا مسلک ہے۔

جس شخص کے پاس مملوکہ زمین میں کنواں ہے اس کے اوپر اپنی ضرورت سے زائد پانی

کو ضرورت مندوں پر خرچ کر دینا واجب نہیں ہے۔ اور وہ شخص جو کسی برتن میں پانی کو محفوظ کر لیا ہے اس کے اوپر بھی اپنی ضرورت سے زائد پانی کو ضرورت مندوں پر خرچ کر دینا واجب نہیں ہے سوائے مضطر کے لئے یعنی اگر کوئی آدمی پیاس کی شدت سے دم توڑ رہا ہو تو ایسے مواقع پر ان کو پانی پلانا واجب ہوگا، یہ مالکیہ کا مسلک ہے (فتح المبارک ۳۹/۵، عمدۃ القاری ۵۶/۹، ۵۷/۱۵، توضیح ۳۲۰/۱۵، ۳۲۱/۱۵، ابن بطال ۳۹۶/۶)۔

کسی شخص کی مملوک زمین میں یا غیر ملک موات والی زمین میں کنواں یا چشمہ یا حوض یا نہر ہو تو دوسرے لوگوں کو پانی پینے یا جانوروں کو پانی پلانے یا وضو، غسل اور کپڑے دھونے کے لئے پانی لینے سے یا گھڑے بھر کر درخت یا کھیتی میں ڈالنے سے منع نہیں کر سکتا ہے۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ (الموسط ۲۳/۱۶۱، بواعث المنافع ۱۸۹/۶، بدایہ ۳۶۸/۱۲، مکتبہ رشیدیہ علی ۱۳۵۸ھ)۔ جس شخص کے پڑوسی کے کنویں کا پانی خشک ہو گیا ہو اور اس کے پاس کھیت یا باغ ہے، اب ایسی ناگہانی صورت میں اس کے لئے پانی کی فراہمی مشکل صورت ہو گئی ہے کہ اپنے کھیت یا باغ کی سیچائی کس طرح کرے، اور اس کے پاس کنواں ہے، اپنے کھیت یا باغ کی سیچائی کر لینے کے بعد بھی اس کے اندر زائد پانی موجود ہے تو ایسے مشکل حالات میں اپنے پڑوسی کو اپنی ضرورت سے زائد سے سیچائی کرنے سے نہیں ور کے گا (المندوبہ البکری ۳۷۴/۳، توضیح ۳۲۱/۱۵، المنتہی ۳۰/۶، ابن بطال ۳۹۶/۶)۔

چوپایوں کو پانی پلانے کے شرعی احکام:

ایک وسیع بیابان میں ایک کنواں ہے اور اس کے ارد گرد میں گھاس و چارہ سے مالا مال نہایت سرسبز و شاداب میدان ہے اور یہی ایک کنواں ہے، اسی وجہ سے چرواہے اپنے چوپایوں کو وہاں چرنے اور چرانے کے لئے لے جاتے ہیں کہ اس جگہ پر چرنا آگاہ اور کنواں دونوں ہیں، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا کنواں یا جھیل و جوہڑ بھی نہیں ہے اسی کے اوپر چوپایوں اور چرواہوں کا

دارودار ہے۔ ایسے حالات میں اہل کنواں پر ضرورت سے زائد پانی سے چوپایوں کو بلانے کے لئے خرچ کرنا لازم و ضروری ہوگا اور اسی کے ساتھ ساتھ چرواہوں کو جب پیاس کی حاجت پڑے گی تو ان کو بھی پانی پینے کی اجازت دینی لازم ہوگی (دیکھئے: عمدة القاری ۹/۵۸۲۵۷، فتح الباری ۴۰/۵، التوضیح ۱۵/۳۲۰، ابن بطال ۶/۳۹۶۲۳)۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ اس طرح کے واقعات کے موقع پر اہل کنواں کا اپنی ضرورت سے زائد پانی سے چوپایوں کو پانی پلانے سے روکنا اس کا مجرمانہ فعل اور شرعی نقطہ نگاہ سے حرام ہے، اور چوپایوں کو پانی پلانا بلاعوض کے اس کے اوپر واجب ہوگا، وجوب کی تین شرطیں ہیں: (۱) اس کے علاوہ کوئی دیگر کنواں وہاں پر نہ ہو کہ اس سے بے نیاز ہو جائے، (۲) واقعی چوپایوں کو پلانے کی ضرورت ہونے کی کھیتی کی سیچائی کے لئے، (۳) خود مالک اس پانی کا محتاج نہ ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: نووی ۲/۱۹۲۱۸، مکتبہ رشیدیہ دہلی)۔

حضرت امام مالک کے نزدیک ایسے ناگزیر حالات میں چوپایوں کو پانی پلانے سے اہل کنواں کا روکنا درحقیقت چوپایوں کو چرنے، چرانے سے روکنے کے مترادف ہوگا جو سراسر حرام ہے (الفتاویٰ ۶/۳۵، المدونہ الکبریٰ ۳/۲۸۹)۔

حضرت امام اوزاعی کا یہی قول ہے (الماوی الکبیر ۷/۲۰۸۲۵۰) اور حضرت امام شافعی کا بھی یہی قول ہے (اعلام الحدیث ۲/۱۱۶۳، طرح المقریب ۶/۱۸۰)۔

ابن املقن فرماتے ہیں: ”والأصح عندنا أنه يجب بذله للماشية لا للزرع“ (التوضیح ۱۵/۳۲۰)۔

ایسے مشکل ترین وقت میں ہمارے نزدیک سب سے زیادہ درست طریقہ یہی ہے کہ اہل کنواں پر چوپایوں کو پانی پلانا واجب ہوگا، کھیتی کی سیچائی کے لئے اہل کنواں پر پانی دینا واجب نہ ہوگا۔

۱۳- اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا شریعت کی روشنی میں:

اگر از و اذخار کی صورتوں میں جب کوئی شخص پانی کا مالک ہوتا ہے، تو ان حالتوں میں اس کے لئے اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا از روئے شرع جائز ہے۔ اس میں کسی کو مداخلت کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے خود کسی چیز کو حلال قرار دیا ہے تو ہمیں کیا اختیار حاصل ہے کہ اس کو حرام قرار دیں۔

پانی کی تجارت قرآن کی روشنی میں:

و أحل الله البيع و حرم الربوا (سورۃ البقرہ ۲۷۵)۔

اور اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو (اس کی توضیح و تشریح کے لئے دیکھا جائے معارف القرآن ۱/۱۷۳ تا ۱۷۸)۔

ارشاد باری سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پانی کی خرید و فروخت جائز و حلال ہے۔ اس میں کوئی قباحت و شناعت نہیں۔

پانی کی تجارت حدیث کی روشنی میں:

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں بیٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا، جس کا مالک رومۃ الغفاری یہودی تھا، اس کے نام سے منسوب کر کے مزر رومہ کہا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا جو شخص اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے اور اس میں اس کا بھی اتنا ہی حصہ ہو جتنا ایک عام مسلمان کا ہوتا ہے تو اسے اس سے بہتر چیز جنت میں ملے گی، حضرت عثمانؓ نے اسے خرید کر وقف فرما دیا (بخاری ۱/۳۱۶-۵۲۲، ترمذی ۲/۲۱۰)۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی یوں تحریر فرماتے ہیں:

”بئر رومۃ كانت ليهودي، وكان يقفل عليها بقفل ويغيب فيأتى

المسلمون ليشربوا منها فلا يجلدونه حاضرا فيرجعون بغير ماء، فشكى المسلمون ذلك، فقال صلوات الله عليه: من يشتريها ويمنحها للمسلمين ويكون نصيبه فيها كنصيب أحدهم فله الجنة؟ فاشتراها عثمان، وهي بئر معروفة بمدينة النبي عليه الصلوة والسلام، اشتراها عثمان بخمسة وثلاثين ألف درهم فوقفها“ (عمدة القاری ۵۳/۹، ابن بطال ۲۳۹۱/۶، ۲۹۲، التوضیح ۵۱/۹، ۲۳۰، فتح الباری ۵/۲۷۸، ۲۷۹، تہذیب الاحوذی ۱۰/۱۳۵۱، اشرقی بک ڈیویو ہند)۔

بئر رومہ ایک یہودی کا تھا، اور وہ کنواں پر تالا لگا دیتا تھا اور غائب ہو جاتا تھا، مسلمان لوگ یہاں آتے تاکہ اس کنویں کا پانی پیئیں مگر وہاں پر ان لوگوں نے اس کو موجود نہیں پایا تو پھر وہ لوگ وہاں سے بغیر پانی پئے ہوئے واپس ہو گئے پھر سب مسلمانوں نے نبی اکرم صلوات الله عليه سے اس بات کی شکایت کی، تو آپ صلوات الله عليه نے ارشاد فرمایا: جو شخص اسے خریدے گا اور مسلمانوں کے لئے اس کو وقف کر دے گا اور اس میں اس کا بھی اتنا ہی حصہ ہوگا جتنا ایک عام مسلمان کا ہوتا ہے تو اسے اس سے بہتر چیز جنت میں ملے گی، تو حضرت عثمانؓ نے اس کو خرید لیا، اور وہ کنواں مشہور ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر ”مدینہ منورہ“ میں، حضرت عثمانؓ نے اس کو پچیس ہزار درہم میں خرید اپھر اس کو وقف کر دیا۔

پانی کی تجارت فقہاء کی آراء کی روشنی میں:

وفیہ: جواز بیع الآبار، وفیہ: جواز الوقف علی نفسه ولو وقف علی الفقہاء ثم صار فقیرا جاز اخذہ منه (عمدة القاری ۵۳/۹)۔

بئر رومہ کے وقف کی روشنی میں کنویں کے بیچنے کا جواز معلوم ہوا، اور اپنی ذات پر وقف کرنے کا جواز بھی، اور اگر کسی شخص نے محتاجوں پر کوئی چیز وقف کر دیا، پھر وہ واقف خود محتاج و فلاش بن گیا تو اس کے لئے اس شخص سے وقف شدہ چیز کو لے لیا جائز ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک پانی کی خرید و فروخت اور تجارت جائز ہے۔ وہ استدلال کرتے ہیں کہ منہی عنہ منعی افضل ہے، ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے کی ممانعت ہے، نہ کہ منعی الاصل ہے، جو اصل پانی ہے اس کے بیچنے کی ممانعت نہیں ہے (فتح الباری ۳۰/۱۵)۔

قال: وهو حجة لمالك ومن وافقه أنه لا بأس ببيع الآبار والعيون في الحفر إذا احتفرها لنفسه لا للصدقة، فلا بأس ببيع ماؤها، وكره بيع ما حفر من الآبار في الصحراء من غير أن يحرمه“ (الترغيب والترہیب ۳۱۰/۱۵، المدونہ الکبریٰ ۲۸۹/۳)۔

علامہ ابن ملتقن فرماتے ہیں کہ وہ حضرت امام مالک اور جو شخص ان کے ہم نوا ہیں کے لئے حجت ہے کہ ان کنوؤں اور چشموں کے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جو آبادی کے اندر ہوں اس صورت میں جب کہ اس کو اپنے مفاد کی خاطر کھودا ہو نہ کہ وقف کرنے کے لئے، پھر تو کنواں کے پانی کو فروخت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور ان کنوؤں کے سلسلے میں جس کو جنگلوں کے اندر کھودا ہو اس کے فروخت کرنے کو کفر و ہرہم نہیں قرار دیا ہے۔

”عن ایاس بن عبد المزنئی قال: نهی النبی ﷺ عن بیع الماء“ (ترمذی ۲۳۰/۱، ابواب التجارة، باب ما جاء فی بیع فضل الماء)۔

حضرت ایاس بن عبد المزنئی سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پانی کی فروختگی کو منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت امام ترمذی یوں تحریر فرماتے ہیں: والعمل علی ہذا عند اکثر أهل العلم أنهم كرهوا بيع الماء وهو قول ابن المبارک والشافعی وأحمد وإسحق وقد رخص بعض أهل العلم فی بیع الماء منهم الحسن البصری“ (ترمذی ۲۳۰/۱، ابواب التجارة، باب ما جاء فی بیع فضل الماء)۔

اہل علم کے طبقوں کی اکثریت کا عمل اسی کے اوپر ہے کہ وہ لوگ پانی کے فروخت

کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں اور اس کے قائل حضرت عبداللہ بن مبارکؓ، اور حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ، اور حضرت اسحاق وغیرہم ہیں۔ اور تحقیق کہ بعض اہل علم نے پانی کے فروخت کرنے کی اجازت دی ہے ان میں سے ایک حضرت حسن بصریؒ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اپنے کنویں کا پانی مملوکہ ہے اور اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے، اور مذکورہ حدیث میں ممانعت مکارم اخلاق کے قبیل سے ہے۔ مملوکہ زمین کی گھاس اور پانی زمین اور کنویں کے مالک کی ملک ہے، اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔ بخاری و مسلم اور ابوداؤد، ترمذی میں گھاس پانی کے فروخت کی جو ممانعت ہے وہ ذاتی مملوکہ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا حمل سرکاری جنگل کی گھاس اور چشموں اور نہروں کا پانی ہے، اس کو کوئی شخص فروخت نہیں کر سکتا ہے، دنیا کے تمام جنگلوں کی گھاس اور پانی کا یہی حکم ہے، مگر ذاتی زمین کی گھاس اور ذاتی کنویں کے پانی کا یہ حکم نہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: السوطی ۳۳/۲۱۶۳، ۱۶۵، تجلید اللمعی ۳/۲۱۹۹، ۲۰۱، الحاوی الکبیر ۷/۷۵۰۸، ۵۰۹)۔

بعض علماء نے اس کو محمول کیا ہے ماء المثل (زر جانور کا نطفہ) پر، لیکن اس میں بعد ہے، صحیح بات وہی ہے جو پانی ہم لوگ پیتے ہیں وہ مراد ہے (الترغیب ۵۱/۳۲۳)۔

امام حاکمؒ اپنی کتاب المستدرک میں یوں تحریر فرماتے ہیں: ”وَأَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ أَرْضَهُ وَمَاءَهُ“ (مستدرک حاکم ۲/۳۲، الترغیب ۱۵/۳۲۱، ۳۱۸)۔

اور آدمی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زمین اور اپنے پانی کو فروخت کر دے۔

”وَقِيَاسُ الْمَاءِ عَلَى الطَّعَامِ إِذَا احتَاجَ إِلَيْهِ“ (الترغیب ۵۱/۳۲۰۳)۔

اور پانی کا قیاس کرنا کھانے کے اوپر جب اس کی ضرورت پڑ جائے۔

جب پانی کے فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی تو کھانے پر قیاس کر کے اس کے فروخت کرنے کی اجازت دی جائے گی، عصر حاضر میں پانی کی خرید و فروخت اور تجارت

بہت بڑھ گئی ہے اس لئے اب پانی کے فروخت و تجارت کے سلسلے میں کوئی رخنہ اندازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۴- تالاب کو بھر کر اس پر عمارت بنا کر فروخت کرنے کی حیثیت:

اسلام نے نہر، تالاب، جھیل و جوہڑ اور کنواں وغیرہ کھدوانے کی ترغیب دی ہے۔ دوسری طرف اس بات سے منع کیا ہے کہ کسی چیز کو بھی جس سے عوام کا مفاد وابستہ ہو اس کو نقصان پہنچایا جائے۔ وہ چیز چاہے عوامی ہو یا سرکاری دونوں کا حکم یکساں ہے۔ صورت مسئولہ فی اسوال کی تین شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ان تینوں شکلوں کی شرعی نقطہ نگاہ سے کیا حیثیت ہوگی سب کی شرعی حیثیت الگ الگ لکھی جا رہی ہے تاکہ اس پر شرعی حیثیت کو منطبق کیا جاسکے۔

پہلی شکل زاہد نے اپنی مملوکہ زمین میں اپنے ذاتی مال و روپے صرف کر کے اپنی ذاتی مفاد کی خاطر تالاب کھدوایا اور ضرورت مندوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دی۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ اس نے وقف کرنے کی نیت سے نہیں کھدوایا تھا۔ اب اس نے تالاب کو پاٹ کر اپنے لئے رہائشی مکان اور دکان اور مارکیٹ اس پر بنا لیا یا بلڈر کے معرفت فروخت کر دیا، اس نے اس کو پاٹ کر مکان تعمیر کر کے فروخت کرنے میں مشغول ہو گئے اور عوام کی زندگی اس کی اس حرکت سے دقت و مشقت میں پڑ گئی کہ پانی کی ذخیرہ اندوزی کو آبادی میں منتقل کر دیا جس کی وجہ سے یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے، دوسری طرف بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہو جاتی ہے اور بہ حیثیت مجموعی پانی کی سطح نیچے جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے، تو ایسی صورت میں تالاب میں آبادیاں بسانا شرعی نقطہ نگاہ سے درست نہیں ہے، لیکن اگر شہروں کے مصارف کے پیش نظر اور اہل و عیال کے اخراجات کے

لئے اس نے تالاب کو فروخت کیا ہے، جبکہ اس کی ملکیت بھی ہے تو شرعاً اس کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے، حضرت امام مالک کے نزدیک کنوؤں اور چشموں کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے اگر وہ آبادی میں ہوں، اور اگر بیابان و جنگل میں ہوں تو اس کو فروخت کرنے کی ممانعت ہے (فتاویٰ ۳۱۰/۱۵، المدونۃ الکبریٰ ۲۸۹/۳)۔ حنفیہ کے نزدیک بھی پانی کی خرید و فروخت اور تجارت جائز ہے، اسی طرح مملوک کنوؤں، چشمہ، تالاب، جھیل کو فروخت کرنا بھی جائز ہے (دیکھئے: ارسوط ۲۳/۲۱۶ تا ۲۰۳)۔

دوسری شکل: ساجد نے اپنی ذاتی زمین میں اپنا مال و زر صرف کر کے تالاب کھدوایا، اور اذن عام کر دیا کہ میری زندگی میں اور موت کے بعد بھی ہر شخص کو اس تالاب سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوگا، کسی کو کوئی روک ٹوک نہیں کر سکتا ہے کیوں کہ تالاب میں نے رفاہ عام کے لئے کھدوایا ہے، نہ کوئی اس کو فروخت کر سکتا ہے، اور نہ کوئی اس کا وارث ہوگا، اور نہ کسی کو بہہ کیا جاسکتا ہے مگر اس نے وقف کے سلسلہ میں کوئی کاغذی کارروائی یعنی رجسٹری نہیں کر سکا اور دار فانی سے دار بقا کی جانب ارتحال کر چکا، اب اس کے بعد اس کا وارث ایسی حرکت کرتا ہے تو اس کی اس مازیا حرکت پر عوام کو چوکس رہنے کی ضرورت ہے، شرعی نقطہ نگاہ سے اس کو فروخت کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ تعامل وقف ہو گیا، رجسٹری نہیں ہوئی اس کے باوجود وقف ہی مانا جائے گا۔

صاحب ہدایہ یوں تحریر فرماتے ہیں: لأن الحاجة ماسة إلى أن يلزم الوقف منه ليحصل ثوابه إليه على اللوام (ہدایہ ۶۳۷/۲)۔

کیوں کہ حاجت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ وقف لازم ہو جائے اس کی جانب سے تاکہ اس کا ثواب و اجر ہمیشہ ہمیش کے لئے اس کو پہنچتا رہے۔

یا حکومت نے رفاہ عام کے لئے تالاب کھدوایا تھا تاکہ پوری عوام اس سے فائدہ

اٹھائے مگر بعد کے لوگوں کی بد احتیاطی اور بد عملی نے اس درجہ پہنچا دیا کہ تالاب کو پاٹ کر پلاننگ کر کے انہیں فروخت کرنے لگے، آبادیاں بسا کر لوگوں کی زندگی اجیرن کر دی۔ عوامی تالاب ہو یا سرکاری تالاب ہو، دونوں کا حکم یکساں ہے۔ کسی کو بھی یہ حق جواز حاصل نہیں ہے کہ تالاب کو پاٹ کر پلاننگ کر کے فروخت کرنے لگے، اس کی یہ حرکت قابل ملامت ہے (دیکھئے ہدایہ ۶۳۶/۲ تا ۶۳۶/۴، کتاب الوقف)۔

تیسری شکل: راشد نے اپنی مملوک زمین میں اپنا مال و زر صرف کر کے تالاب کھدوایا اور اس کو باضابطہ رجسٹری کر کے وقف کر دیا، اس کے بعد عوام اس سے فائدہ اٹھانے لگے، اس وقت سے لے کر تالاب پائے وقت تک سارے عوام فائدہ اٹھاتے رہے۔ لوگوں کے گروہوں نے تالاب پر دھاوا بول کر اس پر اپنا قبضہ جما کر شہروں میں آبادی کے پھیلاؤ کا نقشہ تیار کر کے، تالاب کو معدوم کر کے، پلاننگ کر کے انہیں فروخت کر رہے ہیں اور یہاں آبادیاں بسائی جا رہی ہیں، اس سے ایک طرف یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے دوسری طرف بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہوتی ہے اور بہ حیثیت مجموعی پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے، تو ایسی صورت میں تالاب میں آبادیاں بسانا کسی بھی حال میں درست و جائز نہیں ہے۔ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو، یا ممانعت نہ ہو دونوں صورتوں کے احکام یکساں ہیں۔ شرعی نقطہ نگاہ سے اس فتیح و شنیع فعل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ تالاب عوامی قومی مفاد کے لئے وقف کیا جاتا ہے، عوامی تالاب ہو یا سرکاری تالاب دونوں کا حکم یکساں ہے، تالاب میں آبادیاں بسانا اسلامی نقطہ نگاہ سے حرام ہے؛ کیوں کہ اس سے قومی مفاد وابستہ ہے۔ جس سے شہری، دیہاتی، انسانی و حیوانی، چرند، پرند، درندے سب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آبادیاں بسانے سے جو مفاد تھا وہ ختم ہو گیا۔

۱۵- عوام تک استعمال کے لئے پانی پہنچانے کی ذمہ داری حکومت پر ہے:

صورت مسئولہ فی اسول کے مطابق حکومت کے پروگرام میں داخل ہے کہ عوام تک کھانے کے لئے نلہ واناچ، پینے اور وضو غسل کرنے، کپڑے دھونے کے استعمال کے لئے پانی پہنچائے، پینے، اوڑھنے، بچھانے کے استعمال کے لئے کپڑے پہنچائے تاکہ عوام کو اپنی زندگی بسر کرنے میں کوئی وقت و مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

آب رسائی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے۔ شرعی نقطہ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ رعایا کے آرام و آسائش اور خبر گیری کے سلسلہ میں پورا خیال رکھے، اور اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ہے نظام و نسق کو بہترین طریقے سے بحال کرنے کے لئے، تو حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا درست ہوگا، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی کے روک لینے کا حق حاصل ہوگا، جس طرح سے بجلی کا بل اگر کوئی شخص حکومت کے کھاتے میں جمع نہ کرے تو حکومت اس کے کنکشن کو کاٹ دیتی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص پانی کا بل نہیں ادا کرے گا تو حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل ہوگا۔ انتظامی امور کے سلسلے میں رعایا پر حاکم کی اطاعت واجب ہے۔ خلاف ورزی کرنے پر حکومت باز پرس کر سکتی ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اوامر و نواہی کے سلسلے میں رعایا کو باخبر رکھیں تاکہ رعایا حکومت کے قوانین کا پابند رہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۲/ ۲۳۳ تا ۲۳۵ فریڈ بک ڈپو، دہلی ۱۳۱۸ھ-۱۹۹۸ء)۔

حضرت عمرؓ کا بصرہ کے عوام کے لئے آب رسائی کا انتظام کرنا:

نہر ابی موسیٰ: بصرہ والوں کو آب شیریں کی سخت تکلیف تھی، ایک بار ان کا ایک وفد حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وفد کے ایک ممبر حنیف بن قیس نے نہایت پُر اثر تقریر

میں حضرت عمرؓ کو اس طرف توجہ دلائی، حضرت عمرؓ نے اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ کے نام ایک تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ والوں کے لئے ایک نہر کھدوا دی جائے، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ نے اس نہر کو دجلہ سے نکال کر نہر ابلہ سے ملا دیا، اخیر میں اس کا کچھ حصہ پٹ گیا، لیکن حضرت عبداللہ بن عامر بن کریم نے جو حضرت عثمانؓ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے، اس کی مرمت و اصلاح کروادی (فتوح البلدان، ۳۶۵، بہ حوالہ اسوۃ صحابہ، ۶۹/۲)۔

۱۶- رعایا کا حکومت سے ڈرنیج بنانے کا مطالبہ کرنا:

اسلام میں یہ بات ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ معروف کو پھیلانے اور منکر یعنی ناجائز کی روک تھام کرے یا کم از کم ان سے اظہار نفرت کرے۔ یہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حکومت جو استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کے لئے ڈرنیج کا نظام بناتی ہے وہ امر بالمعروف میں شامل ہے، اس سے پوری آبادی کے لوگ مستفید ہوں گے۔

بہر حال ڈرنیج بنانے کی ذمہ داری شرعی نقطہ نظر سے حکومت کی ہوگی اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا، اور یہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اگر استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا کوئی انتظام نہیں کیا جائے گا تو یہ پانی آبادیوں میں پھیل جائے گا اور نالے گڑھے میں مچبوس ہو کر رہ جائے گا تو پانی سڑے گا، اس میں مچھر وغیرہ پیدا ہو جائیں گے، طرح طرح کی بیماریاں پھیل جائیں گی اور تعفن کی وجہ سے انسان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی، رعایا کی صحت و تندرستی کی کس طرح حفاظت کی جائے یہ بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

☆☆☆

آبی وسائل - شرعی تناظر میں

مولانا توقیر بدر القاسمی ☆

جواب: ۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے پانی کو ان انعام میں شمار کروایا ہے جو انسان کیلئے بنیادی حقیقت کا حامل ہے۔ سورہ فرقان میں ایک جگہ ”وہو الذی أرسل الريح بشرا بين يدي رحمته و أنزلنا من السماء ماءً طهوراً“ (آیت: ۳۸) فرمایا ہے، جس کے کئی مقاصد ہیں، ہم نے آسمان سے صاف ستھرا پانی تمہیں پاکی حاصل کرنے کیلئے عطا کیا ہے، چنانچہ اس کے بارے میں لغوی تحقیق کے بعد علامہ قرطبی رقم کرتے ہیں: ”فبين أن الماء المنزل من السماء طاهر في نفسه مطهر لغيره“ (قرطبی ج: ۷ ص: ۳۸) نیز یہ کہ اس پانی سے مری ہوئی زمینوں کو زندہ کر دیں اور بہتیرے جانوروں و انسانوں کو ہم سیراب کر دیں۔

اسی سورہ کی دوسری آیت ہے:

”وہو الذی مرج البحرين هذا عذب فرات وهذا ملح اجاج وجعل بينهما برزخا وحجرا محجورا“ (آیت: ۵۳) بحرین کی تفسیر ابن عباسؓ اور ابن جبیرؓ نے بحر الماء و بحر السماء سے کی ہے، اس کے بعد آیت ہے: ”وہو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسبا وصهراً“ (آیت: ۵۳)۔ علامہ قرطبی تحریر کرتے ہیں: (من الماء) إشارة إلى

أصل الخلقة في أن كل حي مخلوق من الماء“ (قرطبی ج ۸ ص ۳۰)، خود اس کی تائید قرآن میں سورہ انبیاء کی آیت ”وجعلنا من الماء كل شيء حي أفلا يؤمنون“ (۳۰) سے ہوتی ہے، جس کی تین طرح سے تفسیر کی گئی ہے، ان میں سے دوسری ہے: ”الثانی حفظ حياة كل شيء بالماء“ (قرطبی ج ۶ ص ۱۸۸)۔ یعنی کہ ہر جاندار چیز کی زندگی کا مدار پانی پر ہے، الغرض قرآن کریم میں عام حالات میں انسان کیلئے خواہ صفائی ستھرائی کا معاملہ ہو یا خود کو، اپنے جانوروں اور زمینوں کو سیراب کرنے کا مسئلہ، ان سب کو بہت ہی واضح انداز میں بتلایا گیا ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پانی نعمت خداوندی و عطیہ الہی میں سے ایک اہم عطیہ ہے جس سے ہر جاندار کی سیرابی، کھیتوں اور باغات کی سیرابی اور صفائی و ستھرائی وابستہ ہیں۔ جس کی بناء پر اس کی حفاظت و سیانت ایک لازمی فریضہ ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے:

”مايتم به الواجب فهو واجب“ (توانم لفظ)۔

ان تفصیلات سے پانی کے استعمال سے متعلق عمومی احکام جو شریعتاً و فطرتاً ناگزیر ہیں واضح اور مدلل نظر آتے ہیں۔

چنانچہ فتح الباری (ج: ۵ ص: ۳۷) میں لکھا ہے: ”عن أبي هريرة قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم أخبرني عن كل شيء قال: كل شيء خلق من الماء، إسناده صحيح“ یعنی تمام چیزوں کی تخلیق پانی سے ہوئی ہے۔

جواب ۲: فضول خرچی کی تعریف:

سب سے پہلے فضول خرچی کی تعریف یہاں مناسب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ”اموسوعة الفقهية الكويتية“ میں درج ہے: ”وأما السرف الذي نهى الله عنه فهو أنفق في غير طاعة الله قبلا كان أو كثيراً“ (الموسوعة الفقهية: ۱۷۶۳)۔ یعنی وہ فضول خرچی

جس سے اللہ نے منع کیا ہے وہ ہر اس طرف ہونے والی شئی کو کہا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ ہو خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔

مزید موسوعہ ہی میں علامہ شامی کی تحقیق یوں نقل کی گئی ہے: "الاسراف صرف الشی فیما ینبغی زانداً علی ما ینبغی" (الموسوعۃ الفقہیہ: ۱۷۷/۳)۔ مناسب مقدار سے زائد خرچ کرنا اسراف ہے۔ یہ واضح رہے کہ بعض علماء نے راہ خیر میں خرچ کرنے کو خواہ کتنی ہی مقدار میں ہو اسراف ماننے سے انکار کیا ہے جبکہ دیگر علمائے کرام اس کو بھی اسراف مانتے ہیں، ان کی دلیل "کلوا واشربوا ولا تسرفوا" (اسرافہ: ۳۱) اور "وآتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا" (انعام: ۱۳۲) جیسے آیات ہیں، اور احقر کی بھی یہی رائے ہے۔

تعریف نقل کرنے کے بعد یہ بات بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ پانی میں فضول خرچی کا اطلاق درج ذیل صورتوں پر ہوگا:

(الف) وضو میں جب کہ مسنون طریقہ یعنی ہر ہر اعضاء کو تین بار سے زائد دھونا بشرطیکہ تین بار میں کامل وضو ہو چکا ہو (ابن ماجہ: ۱ ص ۳۳، بیٹ شدہ از محمد نواد عبدالمہدی)۔

(ب) غسل میں جبکہ تمام بدن کو تین بار سے زائد دھویا جائے۔ کیونکہ یہ نہ مسنون ہے اور نہ ہی حاجت شرعیہ و طاعت ربانی کے تحت ہے۔

(ج) دور جدید کے اندر پانی کی ٹنگی کا بھر جانے کے بعد یوں ہی چھوڑ دینا جس کو "Overflow" کہا جاتا ہے، جس کا فائدہ کچھ نہیں، ہاں نقصانات ہیں۔

(د) کسی بھی جگہ نلوں کو چلا کر پھر اس سے کام لینا جبکہ ٹیوب ویل وغیرہ میں یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی لوٹا یا کسی برتن میں نل سے پانی لے کر کام کرے یا کپڑے کھگالے تو درست ہے ورنہ اسراف ہی ہوگا۔ خواہ وضو ہو یا غسل یا کوئی اور کام، اسی طرح جدید دور کے بیت الخلاء وغیرہ میں فلش Flash کو دبا کر چھوڑ دینا یہ بھی اسراف میں شامل ہے، ہاں البتہ ایک بار

دبا کر صفائی کرے تو درست ہے۔

دیہاتوں میں کھیت یا باغ وغیرہ کو سینچائی کرتے وقت اس قدر پانی بھرنا کہ آڑ (میڈھ) سے بہہ جائے یہ بھی اسراف ہوگا، البتہ اگر کھیت کو ضرورت اس قدر ہو کہ آڑ اونچا کیا جائے اور پانی سے اس کو بھر کر چھوڑ دیا جائے تو اور بات ہے۔

حکم فضول خرچی:

ظاہر ہے کہ ”لاتسرفوا“ نبی کا صیغہ ہے جس کا کم از کم درجہ ممانعت و کراہت ہے، جب پانی خود کی ملکیت بھی ہو، ورنہ ”ماء وقف“ مثلاً مدارس و مساجد وغیرہ کے پانی میں ”اسراف“ حرام ہے (مشائخ ص ۱۵۲: ۹۵۲)۔

جواب ۳:

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ بالکل صریح اور واضح ہیں۔ سب سے پہلے یہاں کتاب اللہ سے ہم اس بحث کو ثابت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”والذین يؤذون المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا فقد احتملوا بهتاناً واثماً مبيناً“ (جزب: ۵۸)، یعنی جو لوگ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتوں کو بغیر ایسے کام کے جس سے وہ مستحق سزا ہوں ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ صریح بہتان اور گناہ کا اپنے اوپر بار لیتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کی تفسیر میں رقم کیا ہے:

”أذية المؤمنين والمؤمنات هي أيضا بالأفعال والأقوال القبيحة كالبهتان والتكذيب الفاحش“ (قرطبی ج ۱۳: ۱۲-۱۳ ص ۱۵۲)۔

(تکلیف پہنچانا یہ عملاً بھی ہو سکتا ہے اور قولاً بھی مثلاً کسی پر بہتان لگا کر یا جھوٹ گھڑ کے پریشان کیا جائے)۔

مفتی شفیع عثمانی معارف القرآن میں رقم کرتے ہیں:

مذکورہ آیت میں کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی کے کسی قسم کی ایذا اور دکھ پہنچانے کی حرمت ثابت ہوئی (سارف القرآن ج ۷ ص ۹۲۳)۔

مذکورہ باتوں سے اتنی بات تو بے غبار ہو جاتی ہے کہ کسی بھی شکل میں مسلمانوں کے لئے پریشان کن بنا درست نہیں ہے، بلکہ یہ عمل حرام ہے۔

اب پانی جیسی عظیم نعمت کو لیا جائے اور اس کی آلودگی کو بھی سامنے رکھا جائے، تو یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ پانی جیسے عظیم وسیلہ اور اہم نعمت کو آلودہ کر کے مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ انسانی آبادی کو تباہی کے عمیق غار میں دھکیلنا ہے جس کی اجازت قطعاً نہیں دی جاسکتی؛ کیونکہ ”ولقد کرمنا بنی آدم“ (بنی اسرائیل: ۷۰) کے حوالہ سے بھی بنو آدم تکریم و حرمت کے مستحق ہیں۔ لہذا کسی کو کسی طرح سے پریشان نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری سورہ ”بقرہ“ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وَإِذَا تَوَلَّى سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ
وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ“ (بقرہ: ۲۰۵)۔

(یعنی جب لوٹ کر جائے تو دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ فساد پھیلائے اس میں اور تباہ کرے کھیتی اور نسل کو، اور اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے)۔

تفسیر کی کتاب میں اس آیت کا سبب نزول ”انحش بن شریق“ اور اس کے عمل کو بتلایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے مدیون یا قبیلہ ثقیف جس سے چشمک تھی اس کی کھیتی اور چوپایوں کو جلا ڈالا تھا، جس کے نتیجے میں وہ فسادی بن گیا اور نتیجہً اللہ کے نزدیک مبغوض ٹھہرا۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۱۰)۔

اور علامہ قرطبی تحریر کرتے ہیں:

قلت: والآية بعمومها تعم كل فساد كان في أرض أو مال أو دين
(قرطبی ج ۳، ص ۱۳)۔

(یعنی خرابی و بربادی جس طرح کی بھی ہوگی وہ سب اس میں آجائے گی، خواہ خشکی پر
ہو، یا مال میں، یا دین میں، اور ایسا کرنے والا مغفوس ہی ہوگا)۔

ظاہری بات ہے کہ آج پانی کے آلودہ ہونے سے جہاں وہ ناقابل استعمال بنتا جا رہا
ہے وہیں آبی جانوروں اور کبھی کبھار انسانوں کیلئے بھی موت کا پیغام بر ثابت ہو رہا ہے، جس کی
اجازت قطعاً نہیں ہوگی۔

اور جہاں تک حدیث نبوی کا تعلق ہے تو آپ ﷺ نے صاف صاف الفاظ میں
بتلادیا کہ مالا لئق اور لعنت گروں سے بچتے رہنا، صحابہؓ نے دریافت کیا کہ وہ کون ہیں؟ تو
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو لوگوں کے راستے اور سایہ درجگہوں پر بول و براز کرتے ہیں (مسلم
شریف ج ۱، ص ۱۳۲) اور ایک جگہ ارشاد ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کیا جائے (مسلم
شریف ج ۱، ص ۱۳۸)۔

امام نوویؒ پہلی حدیث کی تشریح یوں کرتے ہیں:

أما قوله صلى الله عليه وسلم "الذى يتخلى في طريق الناس" فمعناه
أن يتغوط في موضع يمر به الناس "وما نهى عنه في الظل والطريق" لما فيه من
إيذاء المسلمين بتنجيس من يمر به وئنته واستقلانته. والله أعلم (مسلم شریف ج ۱،
ص ۱۳۲)۔

(لوگوں کی گزرگاہ یا سایہ دار جگہ پر بول و براز سے ممانعت ہے کیونکہ اس سے
مسلمانوں کو تکلیف ہوگی اور گزرنے والے ناپاک ہوں گے اس کی بدبو اور عفونت سب پریشان
کن ہوگی۔ لہذا یہ عمل ممنوع ہے)۔

ظاہری بات ہے کہ ان صورتوں میں صرف خارجی و شرعی پریشانیاں ہیں تو اس سے باز رہنے کی تلقین کی گئی، اور پانی کے آلودہ ہو جانے پر تو آج جراثیمی و مہلک بیماریوں کے امکانات رہتے ہیں، اس سے تو ممانعت اور باز رہنے کی تلقین از روئے شرع بدرجہ اولیٰ ہوگی، جیسا کہ احادیث کے ”دلالت اخص“ کا یہ محور نظر آتا ہے۔

اور دوسری حدیث کی شرح میں علامہ نووی رقم کرتے ہیں:

”قال العلماء ويكره البول والتغوط بقرب الماء وإن لم يصل إليه لعموم نهى النبي ﷺ عن البراز في الموارد ولما فيه من إيذاء المارين بالماء ولما يخاف من وصوله إلى الماء“ (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۳۸)۔

(علماء کہتے ہیں: پانی کے قریب بول و براز کرنا مکروہ ہے خواہ گندگی وہاں تک نہ پہنچے، کیونکہ آپ ﷺ نے جو ممانعت کی ہے وہ عام ہے کہ کسی بھی گھاٹ پر بول و براز نہ کیا جائے؛ کیونکہ جہاں گزرنے والوں کو تکلیف ہوگی وہیں امکان ہے کہ پانی تک پہنچ کر اس کو ناپاک اور آلودہ کر دے)۔

مذکورہ تفصیل سے احقر کے نزدیک پانی کو آلودگی سے بچانے کا حکم وجوب کا ہے، اور جہاں تک اخلاقی نوعیت کی بات ہے تو یہ واضح رہے کہ اسلام کے تمام ہی قوانین دینی فرائض و دنیوی تمدن و اخلاق کو جامع ہیں۔ چنانچہ امام اعظم نے فقہ کی تعریف کی ہے: ”الفقه معرفة النفس مالها وما عليها“ کہ فقہ نام ہے انسانوں کے حقوق و فرائض کو اس طرح جاننے کا جس سے دنیوی و اخروی نفع و نقصان دونوں پیش نظر رہے۔ (دیکھئے ”فقہ اسلامی اور دوسرے مسائل“ از مولانا مجیب اللہ مدنی)۔

جواب ۴:

آج کل گندے و آلودہ پانی کو ذخیرہ کر کے کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال جو بنایا جاتا

ہے وہ کیمیاوی عمل کے بعد اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس کی بدبو و آلودگی دور ہو جاتی ہے۔ آیا یہ پاک و قابل استعمال سمجھا جائے یا نہیں؟ یہ ایک اہم اور سنجیدہ سوال ہے۔ اس سلسلہ میں چند بنیادی باتیں یہاں پر ضروری ہیں:

(الف) پانی کے اوصاف اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ (ب) کیا فقہاء پانی کے اوصاف رنگ، بو اور مزہ کے بدلنے پر جس طرح اس کو ناپاک اور ناقابل استعمال قرار دیتے ہیں۔ دوبارہ اس میں ان اوصاف کے واپس ہونے سے اس کو پاک و قابل عمل ان کے یہاں سمجھا جاتا ہے؟ (ج) پانی کو کیمیاوی عمل سے صاف کرنے کا کیا طریقہ کار ہے اور اس سلسلہ میں ماہرین کی کیا آراء ہیں؟

اولاً ہم یہاں پانی کی حقیقت اور اس کے اوصاف سے بحث کریں گے۔ ”الماء جسم لطیف سیال بہ حیاة کل نام“ پانی درحقیقت ایک رقیق سیال مادہ ہے جو ہر ذی روح اور بڑھنے والے جسم کیلئے اس کو زندہ رکھنے اور بڑھوتری میں موثر ہے (دیکھئے حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار ص: ۲۰۲)۔ جہاں تک اوصاف کی بات ہے تو وہ رنگ، مزہ اور بو کا نام ہے۔ إن الماء لا ینجسہ شیء إلا ما غلبہ علی ریحہ وطعمہ ولونہ (ابن ماجہ ج ۱ ص: ۱۷۳)۔

ثانیاً: کیمیاوی طریقہ سے آلودہ و نجس پانی کو جو صاف و ستھرا کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں ہم مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کے دسویں اجلاس منعقدہ ۱۳/۱۹ تا ۱۹/۱۹ رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹/۲۶ فروری ۱۹۸۹ء کے پانچویں فیصلے کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں:

”کیمیاوی طریقہ سے آلودہ کی صفائی کے ماہرین سے رجوع کیا گیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ اس صفائی میں پانی سے نجاست کو چار مرحلوں میں دور کیا جاتا ہے، پہلا مرحلہ ”ترسیب“ یعنی پانی اس طرح جمع کرنا کہ اس کی کدورتیں نیچے بیٹھ جائیں، دوسرا مرحلہ اوپر کے پانی کو چھان کر الگ کر لینا، تیسرا مرحلہ بیکٹریا کو مار دینا، اور چوتھا مرحلہ کلورین کے

ذریعہ بیکٹریا زد دوبارہ پیدا ہونے سے روک دینا۔ ان مرحلوں کے بعد پانی کا مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے۔ یہ ماہرین مسلمان عادل اور صدق و امانت میں قابل اعتماد ہیں۔“

لہذا مجمع الفقہی طے کرتا ہے کہ جاری پانی کو اگر مذکورہ بالا یا اس جیسے عمل کے ذریعہ صاف کر دیا جائے اور اس کے مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جائے گا (دیکھئے: مجمع الفقہی الاسلامی کے فیصلے: ۲۲۹)۔

تاکلاً: اب یہ بات رہ گئی کہ کیا اس طرح سے صفائی جس میں رنگ و مزہ اور بو سبھی میں تبدیلی آجائے اور اس میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ کیا یہ شرعاً اس لائق واقعی ہوگی کہ اس کو پاک اور بعد ازالہ حدیث و نجس کے معتبر سمجھا جائے؟

اس سلسلہ میں احقر کے نزدیک وہ حدیث ہے جو ابو داؤد و ترمذی میں منقول ہے، ابو داؤد میں ہے:

”نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الجلالة أن یركب علیہا أو یشرب من ألبانہا“ (ابو داؤد شریف، ج ۲ ص ۵۳۱)۔

(آپ ﷺ نے نجاست خور جانوروں کے دودھ اور گوشت کے استعمال اور اس پر سواری کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

اور مشکوٰۃ مع مرقات میں ہے: ”نہی رسول اللہ عن أكل الجلالة وألبانہا“ (رواہ ترمذی)، اس کی شرح میں ما علی قاری نے اور ابو داؤد کے حاشیہ پر محشی نے جو رقم کیا ہے اس کو نقل کیا جاتا ہے:

فاختلفوا فی أكلہا فمنہب قوم إلی أنه لا یحل أكلہا إلا أن تحبس آیاما وتعلف من غیرہا حتی یطیب لحمہا، وهو قول الشافعی وأحمد وأبی حنیفة

وكان الحسن لا يرى بأساً بأكل لحرم الجلالة وهو قول مالك وقال اسحق
 لا بأس بأكلها بعد أن يغسل غسلاً جيداً (رواه ترمذی، مرتباً في المنهاج ج ۸-۸ ص ۱۳۰)۔
 (جالہ) نجاست خور جانوروں کے کھانے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کچھ حضرات تو
 یہ کہتے ہیں کہ جالہ کا کھانا جہی درست ہو سکتا ہے کہ اس کو چند روز تک روک کر کے چارہ وغیرہ
 کھلایا جائے تاکہ گوشت صاف ستھرا ہو جائے، اور یہی حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور
 حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ اور حضرت امام حسن تو مطلق اس بات کے قائل ہیں کہ اس کو
 کھانے میں کوئی حرج نہیں، یہی امام مالک کا مذہب ہے۔ تاہم امام اسحاق کا یہ کہنا ہے کہ بعد ذبح
 کے گوشت کو خوب اچھی طرح سے دھویا جائے تو کھانے میں کوئی حرج نہیں)۔

الحاصل مذکورہ تقریر سے اتنی بات تو صاف ہو جاتی ہے کہ جب جانور کو کچھ دنوں تک
 روک کر رکھا جائے اور اس کے گوشت سے بدبو ختم ہو جائے تو اس سے حدیث میں آنے والی
 ممانعت ختم ہو جاتی ہے۔

اس لئے احقر کی رائے یہی ہے کہ جب جمانے کے ساتھ چھاننے اور پھر چھان
 کر کے اس کے بیکٹر یا زکو مار دیا جائے پھر مزید کیمیکل اور کلورین کے ذریعہ آئندہ کسی بیکٹر یا کا
 سدباب کر دیا جائے تو اس کو پاک و صاف سمجھا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب ۵:

پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، کیا
 اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے؟ اس
 سلسلہ میں ایک فقہی ضابطہ ہے: ”تصرف الامام علی الرعاية منوط بالمصلحة“ (الاشاہ
 ص ۳۳۱۔ بیروت) کہ حکومت وقت اسی وقت مداخلت کر سکتی ہے عوامی کاموں میں جب کہ اس

سے عام لوگوں کو فائدہ ہو۔ اور غالباً یہ ضابطہ حدیث ”من سبق إلى ماء لم يسبقه إليه مسلم فهو له“ (ابوداؤد مع بزل الجہود ۳ ص ۱۶۸)۔ اور دوسری حدیث ”من أحیی ارضاً میتة فھی له“ (ابوداؤد مع بزل الجہود ۳ ص ۹۶۱) کی شرح سے مستنبط کیا گیا ہے، چنانچہ اس کی شرح صاحب بزل الجہود نے اس طرح کی ہے: ”أی صارت تلک الأرض مملوكة له لکن إذن الإمام شرط له عند أبی حنیفة..... قال القاری وفيه أن قوله صلى الله عليه وسلم ليس للمراء إلا ما طابت به نفس إمامه يدل على اشتراط الإذن“ (بزل الجہود ۳ ص ۱۶۹) یعنی پانی پر اگر کوئی مسلمان پہلے قبضہ کر لے تو اس کا ہے، اسی طرح اگر ویران زمین کوئی آباد کر لے تو اسی کی ہوگی، تاہم یہاں امام کی اجازت شرط ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور ملا علی قاری نے بھی لکھا ہے کہ لوگوں کے لئے وہی بہتر ہوتا ہے جو اس کا امام چاہے، یہ حدیث خود دلیل ہے اس بات کی کہ امام کی اجازت شرط ہوگی؛ کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں عام لوگوں کا فائدہ ہو مگر کوئی ایک چالاکی سے قبضہ کر لے اس لئے امام غور و فکر کر کے کسی کو دے گا، اس لئے یہاں بھی اگر پانی جیسے اہم ذریعہ حیات اور موجودہ دور کی نزاکت کو دیکھا جائے تو حکومت کو اس کی پابندی لگانے کی اجازت ہونی چاہئے اور شرعاً اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

یہ تمام تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ واقعی یہ صورتیں صرف حکومت وقت سے ہی عمل میں آسکتی ہوں اور ایسا کرنا ناگزیر ہوں، ورنہ عام حالات میں لوگوں کی ملکیت پر تصرف کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

جواب ۶:

انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ کس کی ملکیت ہے اس سلسلہ میں بورنگ کرانے پر حکومت پابندی لگاتی ہے۔ تو حکومت کی طرف سے پابندی لگانا اور شرعاً اس کے

مطابق عمل کرنا کیسا ہے؟ اس کے جواب میں بنیادی بات جو یہاں ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ آیا پانی انسان کی انفرادی ملکیت میں کب آتا ہے یا پھر عام لوگوں کے لئے کب رہتا ہے۔ اگر قرآن کریم کی آیت پر غور کیا جائے تو ”وہو الذی سخر البحر لتأکلوا منه لحما طریبا وتستخرجوا منه حلیة تلبسونہا“ (سورہ نحل آیت: ۱۴) سے ”عبارت المص“ میں جہاں دریاؤں کو انسان کے تابع کر کے اس مچھلی کو کھانے اور مونگے موتی کو نکال کر زیور کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت سمجھ میں آتی ہے وہیں ”اشارۃ المص“ کے طور پر اس کے پانی کا بھی ہر انسان کے تابع اور ملکیت میں آنا سمجھ میں آتا ہے۔

لیکن عام انسان کی ملکیت کب ہوگی اور حکومت وقت کی کب؟ اس کی تفصیل ہمیں احادیث میں ملے گی: چنانچہ ابو داؤد میں ہے: ”تین چیزیں ایسی ہیں کہ اس طرف کوئی مسلمان سبقت کر جائے یعنی بڑھ کر پہلے اپنے قبضہ میں لے لے تو اس کی ہے، ورنہ پھر وہ حکومت وقت کی طرف سے جس کو مل جائے اس کی ہوگی؛ کیونکہ قبضہ سے قبل عام انسانوں کا حق ہے جس میں حکومت کے حوالہ سے بھی لوگ فائدہ اٹھائیں گے یا کسی وجہ سے کسی ایک کو دیدے تو صحیح ہوگا۔ یا حکومت وقت عام مصلحت کے پیش نظر اگر چاہے تو اس کے استعمال پر پابندی لگا دے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: ”المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلاء والنار“ (ابوداؤد مع ابن ماجہ ۱۶۸، ۳)۔ علامہ طیبی نقل کرتے ہیں:

”والمراد بالماء المیاء التی لم تحدث باستنباط أحد وسعیہ کماء القنی والآبار ولم یحرز فی إناء أو برک أو جدول مأخوذ من النهر، وبالکلاء ما ینبت فی الموات“ (شرح الطیبی ج ۶ ص ۱۷۰)۔

(جن پانی میں تمام کو شریک ٹھہرایا گیا ہے وہ ہے جس میں کسی کے عمل اور کدو کاوش کا کوئی دخل نہ ہو، ساتھ ساتھ اس کو کسی طرح سے قبضہ میں نہ لیا گیا ہو، تو ظاہر ہے کہ اس میں سب

شریک ہوں گے، اب زیر زمین جو پانی ہے وہ نہ تو ابھی وجود میں سامنے ہے اور نہ ہی کسی نے عمل وغیرہ سے قبضہ میں لیا ہے۔

اس لئے احقر کے خیال میں اس میں سب کے لئے خیر مانتے ہوئے اگر قلت کے پیش نظر سرکار بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہے تو شرعاً یہ درست ہے؛ کیونکہ وہ پانی ابھی زیر زمین مملوک ہے، جو کسی کے قبضہ میں نہیں آ سکا ہے۔

جواب ۷:

بعض ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سلسلہ میں جو باتیں اہم اور ضرورت کے لائق ہیں، وہ یہ ہیں: (الف) پانی کے ذخائر کی حفاظت جو بہر صورت لازم اور ضروری ہے۔ (ب) اس کی ذمہ داری کو ذمہ دار شہریوں پر حکومت وقت کی طرف سے عائد کرنا، اس حکومت کا اس طرح حکم دینا کہ ہر شہری اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آپ کیلئے مخصوص کر دے۔ ان سب کی شرعی حیثیت پر غور کیا جائے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ پانی کے ذخائر کی حفاظت شرعاً لازم اور ضروری ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے جب اسراف فی الوضوء سے منع کیا تو کسی صحابی نے دریافت کیا: اگر دریا کے کنارے وضو کریں تب بھی اسراف ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس سلسلہ میں باضابطہ روایت موجود ہے (رواہ ابن ماجہ: ۱ ص: ۱۳۸)۔ اسی طرح آپ ﷺ نے تین تین بار سے زائد اعضاء کو دھونے پر تنبیہ فرماتے ہوئے کہا: ”فمن زاد علیٰ ہذا فقد أساء وتعدی و ظلم“ (ابن ماجہ: ۱ ص: ۳۲) کہ تین بار سے زائد دھونے والا گنہگار اور ظالم ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ پانی کی حفاظت، ضرورت کے مطابق استعمال کے بعد بچائے رکھنا یا اس کی تدبیر کرنا شرعاً اور اخلاقاً ضروری ہے۔

جہاں تک حکومت وقت کا شہریوں کو پانی کی حفاظت پر مامور کرنا اور اس کے لئے گھر کا ایک حصہ خاص کروانا جہاں ضروری ہو اور اس کا فائدہ عوام کو ہی لوٹ کر ملتا ہو تو احقر کے نزدیک شرعاً یہ پہلو بھی درست ہی نہیں بلکہ واجب کے درجہ میں ہے، یہی ”لا شہاہ“ کا قاعدہ ہے: ”تصرف الامام علی الرعیة منوط بمصلحة الرعیة“ (ص: ۱۲۳) کہ یقیناً ذاتی گھر، مکان حکومت کی ملکیت نہیں بلکہ رعایا کی ہوتی ہے مگر اس پر تصرف امام اس وقت تک کر سکتا ہے جب تک اس سے عام رعایا کے مفاد وابستہ ہوں۔ ہاں البتہ علامہ ابن نجیم مصری نے تنبیہ کا عنوان قائم کر کے اس کا ایک معیار مقرر کیا ہے۔ وہ رقم کرتے ہیں:

”إذا كان فعل الإمام مبيناً على المصلحة فيما يتعلق بالأمر العام لم ينفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه فإن خالفه لم ينفذ“ (لا شہاہ ص: ۱۲۳)۔

(امام کا حکم شرعاً امور عامہ میں جب ہی نافذ ہوگا جبکہ وہ واقعی مصلحت اور شریعت کے مطابق ہو)۔

چنانچہ یہاں شریعت و مصلحت کے عین موافق ہونے کی بنیاد پر ہم اس کو شرعاً بھی درست کہیں گے۔

جواب ۸:

بعض جگہ ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے آبادیوں کو وہاں منتقل کرنا پڑتا ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ تحقیق کرنا ہے کہ ڈیم کی تعمیر آبی ذخیرہ اندوزی کیلئے شرعاً درست ہے یا نہیں؟ تو قرآن کریم میں قوم سبا کی حالت بتلاتی ہے کہ ان کے یہاں شاندار ڈیم تھا، یہ احسان خداوندی ہی کے قبیل سے تھا۔ مگر اس قوم کے احکام خداوندی سے اعراض نے اس کو عذاب کی شکل میں بدل دیا۔ ”فأعرضوا فأرسلنا عليهم سيل

الغرم“ (سورہ سہا: ۱۶)۔ اور جہاں تک ڈیم کیلئے کسی کو منتقل کرنا پڑے اور یہ حکومت کے پیش نظر اتنا ہی ضروری اور عوامی مصلحت کے لئے لازم ہو تو گذشتہ قاعدہ ”تصرف الامام منوط بالمحصلة“ کے پیش نظر ایسا کرنا درست ہوگا۔ اور جہاں تک معاوضہ دینے کی بات ہے تو احادیث میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول ص ۵۵۳ پر باب ہجرۃ النبی کے تحت امام بخاری نے جو واقعہ نقل کیا ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور نماز کے لئے مسجد بنوانا چاہا تو آپ ﷺ نے سہل اور انیل نامی بچوں کی زمین خرید کر عمارت کھڑی کرنا چاہی تو بچوں نے سہل کی پیشکش کی، آپ ﷺ نے انکار فرمایا، باضا بطلہ اس کو خرید اور اس زمین کا معاوضہ دیا، اس کے الفاظ یہ ہیں: ”حتی ابتاعہ منہما ثم بناہ مسجداً“ (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۵۵)۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار کو معاوضہ دینا چاہئے تب ہی نقل مکانی کرا سکتی ہے۔ ہاں نقل مکانی میں زمین کا متبادل زمین ہی نہیں بلکہ مکان جو چھوڑنا پڑتا ہے اس کا معاوضہ بھی ضرور ادا کرے۔ جیسا کہ اصول ہے ”الغرم بالغنم اور الخراج بالضمنان“ (قواعد الفقہ: ۸۰-۹۳)۔ واللہ اعلم۔

جواب ۹:

سب سے پہلے تو بحیثیت مسلمان ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ تباہ کن سیلاب کا آنا یہ ایک عذاب خداوندی ہے، اس کے بعد غور کرنا یہ ہے کہ کیا اگر کوئی بہتی والے عذاب سے دوچار ہوں تو ان کو یہ عذاب دوسری بہتی تک پہنچانا درست ہوگا؟ اس سلسلہ میں احقر کی نظر اس روایت پر جا کر ٹھہرتی ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں طاعون وہ عذاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لوگوں پر مسلط کیا تھا، یا اس سے پہلے والوں پر؛ چنانچہ جب تم کسی علاقہ کے متعلق اس بیماری کے ہونے کے بارے میں سنو تو وہاں جانا مت اور ایسی

سرزمین جہاں تم رہو اور یہ وہاں پھوٹ پڑے تو تم وہاں سے راہ فرار اختیار کر کے ٹلنا مت۔ صاحب مشکوٰۃ نے اس کو نقل کر کے متفق علیہ قرار دیا ہے۔ اس کی شرح میں ملا علی قاری نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ درج ذیل ہے:

”وقال القاضي في الحديث: النهي عن ”استقبال البلاء“ فإنه تهود وعن ”الفرار“ فإنه فرار من القدر ولا ينفعه. قال الخطابي أحد الأمرين تأديب وتعليم والآخر تفويض وتسليم“ (مرآة المناجیح ج ۳-۴ ص ۲۶۰)۔

(قاضی بیضاوی نے اس حدیث کی شرح میں یہ کہا ہے کہ کہیں جا کر مصیبتوں کے سر لینے سے منع اس لئے کہا ہے کہ یہ ایک قسم کی سینہ زوری ہے اور کہیں بیماری ہو وہاں سے بھاگنے سے منع اس لئے کیا ہے کہ یہ تو مقدر ہے جس کو جھیلنا ہی ہے، بھاگنے سے کیا فائدہ، اور امام خطابی نے فرمایا کہ پہلے کا تعلق ادب سکھانے اور تعلیم دینے سے ہے اور دوسرے کا تعلق خود کو حالات کے حوالہ خدا کے بھروسے پر چھوڑ دینے سے ہے؛ چنانچہ اس کو توبہ و استغفار سے دور کرے، کسی کے لئے مصیبت نہ بنے اور نہ بنائے)۔

یہی احقر کی رائے ہے۔

اب سیلاب کو لیجئے، ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک عذاب خداوندی ہی ہے جس سے بھاگ تو نہیں رہے ہیں البتہ اس کو دوسری طرف دھکیل رہے ہیں جو تھینا مقدر کو ٹلانے کے ہی مترادف ہے اور یہ بے سود ہے۔ اس لئے اس حدیث کی روشنی میں پہلی بستی والوں کے لئے باندھ کاٹ دینا درست نہیں ہوگا۔ دوسری طرف جب اصول فقہ پر نگاہ کرتے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ ”الضرورات تبيح المحظورات“ (الامثابہ ص: ۱۳۰) کہ بوقت ضرورت ممنوع بھی مباح ہو جاتی ہیں۔ مگر گہری نگاہ رکھنے والے بزرگوں نے باضابطہ اس کو ایک قید کے ساتھ مقید کر کے اس پر مسئلہ بھی متفرع کر کے دکھایا ہے، اور اشباہ میں ہی ہے: ”وزاد الشافعية على

هذه القاعدة بشرط عدم نقصانها“ (الاشباہ ص: ۱۳۰)۔ یعنی اس قاعدہ میں یہ اضافہ شواہح حضرات نے کیا ہے کہ کسی نقصان کا سبب نہ بنے۔ اس کی شرح علامہ حموی نے یہ کیا ہے: ”أی الضرورات فی نظر الشارع عن ذلك المحذور الذي اقتضت إباحتها“ (جامیۃ الاشباہ ص: ۱۳۰)۔ چنانچہ فقہاء نے کیا لکھا ہے اس کی روشنی میں؟ صاحب اشباہ نقل کرتے ہیں کہ:

”قالوا لو أكره على قتل غيره بقتل لا يرخص له فإن قتله أثم لأن مفسدة قتل نفسه أخف من مفسدة قتل غيره“ (الاشباہ ص: ۱۳۰)۔

(فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو دوسرے کی جان لینے کے لئے یہ دھمکی دیکر مجبور کیا گیا کہ تم نے فلاں کو نہیں مارا تو تم کو مار دیں گے تو مکرہ کو دوسرے کی جان لینے کی اجازت اپنی جان بچانے کے لئے نہیں ملے گی؛ کیونکہ اس مکرہ کا مارا جانا یہ کم خرابی پر مشتمل ہے بمقابلہ اس دوسرے کے مارے جانے پر؛ کیونکہ دوسرے کو مارنا یہ مستقل گناہ ہے)۔

خلاصہ بند توڑنے میں دوسرے کو ہلاک کرنا ہے جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی

(الاشباہ ایضاً)۔

اس لئے احقر کی رائے میں بہتر یہی ہے کہ سیلاب جہاں آتا ہے وہاں کے لوگ برداشت کریں۔ توبہ و استغفار اور دیگر دنیاوی تدابیر ایسی کریں جس سے دوسرے کو نقصان نہ پہنچے، بالخصوص کسی کی جان پر نہ بنے، اگر وہیں رہتے ہوئے مر گئے تو ”العرق شہید“ (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۳۲) کا مژدہ جانفزا تو ہے ہی۔

جواب ۱۰:

دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے افراد و اشخاص کو کس حد تک استفادہ کی اجازت ہے؟ اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز مشترک طور پر سب کے لئے ہوتی

ہے وہ کسی کی نجی ملکیت میں اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ وہ اس کو اپنے قبضہ میں نہ کر لے۔ خواہ حاکم وقت کی اجازت سے ہو یا عرف میں بحکم نبیؐ وہ مباح الاصل ہو جس کی اجازت سب کو ہوتی ہے، کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی جیسا کہ احياء موات اور گھاس و پانی کے سلسلہ میں فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے (دیکھئے مبین الحکام فیما بعد «مبین المصمبین من الاحکام ص ۷۷)۔ صاحب الدر المختار نے نقل کیا ہے:

” (وبیع) (المراعی) ای الکلا (واجارتها) أما بطلان بیعها فلعدم المملک لحديث ”الناس شركاء فی ثلاث فی الماء والکلا والنار“۔
اس کی شرح میں علامہ ثامی رقم کرتے ہیں:

”أخرج الطبرانی بلفظ ”المسلمون شركاء فی ثلاث الخ وكذا أخرج ابن ماجه وفي آخره ”وثمنه حرام“ ای ثمن كل واحد منها، وأخرج أبو داؤد وأحمد ابن أبي شيبه وابن عدی، قال الحافظ بن حجر: ورجاله ثقات“
(ثامی ص ۷۷ ص ۲۷۵)۔

اور ارض موات کے سلسلہ میں علامہ ثامی تحریر کرتے ہیں:

”ومشرو عيته بقوله عليه السلام ”من أحيأ أرضا ميتة فهی له“ (ثامی ص ۱۰ ص ۵)۔

جہاں تک دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے افراد و اشخاص کے استفادہ کرنے کی بات ہے تو صاف واضح ہے کہ انسانی ضرورت خواہ انسان کے پینے، نہانے، وضو بنانے کی شکل میں ہو یا پھر کپڑوں یا دیگر اشیاء کی دھائی یا سینچائی یا تعمیراتی کام کی شکل میں ہو اس کو ان مصروفوں میں اسراف سے اور دیگر لوگوں کے حقوق کو غصب کرنے سے بچتے ہوئے استعمال کرنے کی اجازت ہوگی؛ کیونکہ فالتو خرچ کرنے والوں کو قرآن نے شیطان کے چیلے

قراردیا ہے: إن المبلوین كانوا إخوان الشیاطین (بنی اسرائیل آیت: ۲۷)۔ حتی کہ وضو جو عبادت مقصودہ کا اہم وسیلہ ہے اس میں بھی پانی کے فضول خرچی سے حضور نے منع فرمایا: حالانکہ استفسار کے طور پر جب صحابہ نے سوال کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ نے فرمایا: دریا کے کنارہ پر وضو کریں تب بھی اسراف ہوگا۔

روایت سند اگرچہ کمزور ہے تاہم اس مفہوم کی دوسری روایت بھی موجود ہے، البتہ جہاں تک استعمال کرنے کی اجازت اور اس کی دلیل کا سوال ہے تو یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ پانی خواہ جہاں بھی ہو کسی کے برتن یا ٹنکی میں مقبوض و مأخوذ نہ ہو اس کے استعمال کرنے میں سبھی لوگ برابر کے حصہ دار ہیں؛ حتی کہ فقہاء نے تو صاحب کنواں کو بھی جب تک کہ وہ برتن میں پانی نہ لے لے مطلق کنواں کے پانی کو کنواں کی ملکیت میں ہونے کی وجہ سے مملوک نہیں مانا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رقم کرتے ہیں:

”قال الرملى: ان صاحب البشر لا يملك الماء وهما مادام فى البشر أما إذا أخرجہ منها بالاحتیال كما فى السوانى فلاشك فى ملكه له لحيازته له فى الكيرات ثم صب فى البرك بعد حيازته“ (نہج ۸، ص: ۲۵۸)۔

جواب ۱۱:

اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضرورت کے لئے کس حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے؟ اس طرح کے سوالات کے جوابات میں وہ حدیث راہ نمائی کا کام کرتی ہے جس میں آپ ﷺ نے وضو کرنے والے کو صرف اتنا ہی پانی استعمال کرنے دیا جتنے کی ضرورت تھی، کم و بیش کی شکل میں ظالم قرار دیا (ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۸، نسائی، ج ۱، ص ۱۸)۔ جس کو فقہاء کرام مسنون یعنی

تین بار دھونے سے تعبیر کرتے ہیں اور اس سے زائد کو اسراف گردانتے ہیں؛ چنانچہ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے تمام لوگوں کو جو مشترکہ نہر سے کھیت وغیرہ سیراب کرتے ہیں اس بات کا مکلف بنایا جائے کہ وہ صرف اتنا ہی پانی استعمال کریں جو ان کے کھیت کے لئے ضروری ہے؛ تاکہ دوسروں کا حق متاثر نہ ہو اور ساتھ ساتھ اسراف جیسی برائی سے بچ سکے۔

جواب ۱۲:

کن صورتوں میں فراڈ کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟

مذکورہ سوال کا جواب فقہاء کرام نے بہت ہی واضح انداز میں دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کوئی انسان پانی کو اس کے مستقر مثلاً کنواں، ندی، یا دیگر ذرائع سے پانی کو نکال کر اپنے ظرف خواہ ڈول ہو، ٹنکی ہو، یا کوئی برتن وغیرہ میں نہ لے لے اس وقت تک اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ علامہ شامی رقم کرتے ہیں:

”أما إذا أخرج به بالاحتیال كما في السواني فلاشك في ملكه له لحيازته له في الكيرات ثم صبه في البرك بعد حيازته تأمل“ (رد المحتار علی الدر، ج ۷ ص ۲۵۸)۔

(جب کوئی شخص پانی کو کسی ذریعہ سے مثلاً پانی ڈھونے والے ڈول میں پانی کو لے لے تو وہ اس کو اپنے برتن میں لے لینے کی بنا پر مالک ہوگا خواہ پھر وہ اپنے قبضہ میں کر کے اس کو حوض میں رکھ لے)۔

در اصل اس سلسلہ میں بنیاد ابو داؤد کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے مفاد عامہ کی ضروری اشیاء کو قبضہ میں لینے کی کیفیت بتلائی ہے۔ چنانچہ عقیلہ بنت سمر بن مغرس اپنے والد سمر بن مغرس سے روایت کرتی ہیں:

”قال أتیت النبی ﷺ فبايعته فقال: من سبق إلى ماء لم يسبقه إليه مسلم فهو له قال فخرج الناس يتعادون يخاطون“ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۷)۔

(سمر بن مغرس روایت کرتے ہیں کہ جب میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت اسلام کی تو آپ ﷺ نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: جو شخص کسی پانی پر اپنے مسلمان بھائی کے قبضہ سے پہلے قبضہ کر لے تو وہ اسی کا ہے؛ چنانچہ اس فرمان کو سن کر لوگوں نے وہاں سے اٹھ کر جلدی جلدی جہاں جہاں پہلے پہنچے ان مقامات پر نشان لگانے لگے)۔

مذکورہ روایت سے صاف واضح ہے کہ جن کو جہاں جہاں چشمے یا تالاب نظر آئے ان کو اپنی ملکیت میں لینے کی جو شکل اس وقت ہو سکتی تھی اس کو اپنایا گیا۔

الحاصل: جب بھی کوئی شخص پانی کو خواہ سمندر سے یا کنواں سے یا عوامی ٹنکی سے اپنے برتن میں موڑ کے ذریعہ یا دیگر ذرائع سے حاصل کر لے وہ اس کی ملکیت متصور ہوگی؛ خواہ اس کی مقدار کچھ بھی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب ۱۳:

اولاً اصولی طور پر ہمیں تجارت بالفاظ دیگر بیع و شراء کی تعریف پر غور کرنا چاہئے، فقہاء نے اس کی تعریف کی ہے: ”مبادلة المال بالمال“ یا ”مقابلة شئ بشئ مالا أو لا“ (الدرعی الرد، ج ۷، ص ۱۰) کہ ایک مال کا دوسرے مال سے پھیر بدل کرنا یہ تجارت ہے، اور مال کی تعریف علامہ شامی نے ”ما یمیل إليه الطبع“ سے کی ہے (رد المحتار علی الدر، ج ۷، ص ۱۰) مال جو کہ طبعاً مرغوب ہو یا اس کی طرف طبیعت کا رجحان ہو۔ اب ظاہر ہے کہ پانی بھی انسانی طبع کے میلانات و مرغوبات میں سے ہی ہے۔ نیز اس کی اجازت تو قرآن کریم نے مطلقاً بھی دیا ہے۔

”یا ایہا الذین آمنوا لا تاكلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تكون

تجارة عن تراض منكم ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيمًا“ (سورۃ نساء آیت ۲۹)۔

(اے ایمان والو! تمہارے درمیان آپسی رضامندی سے جو تجارت ہوتی ہے اسی کو کمائی سمجھو اس کے علاوہ ناجائز طریقے سے آپس میں کسی کامال مت ہڑپو الخ)۔
الحاصل: جب انسان پانی کو اپنی ملکیت میں لے لے تو وہ اس کے دیگر اشیاء مملوکہ کی طرح ہوگا، نیز بتصریح فقہاء یہ جب آپسی رضامندی سے ہو اور آپس کی رغبت و رجحان بھی ہو تو بظاہر اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ لہذا میرے نزدیک اس کی تجارت درست ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب ۱۴:

اصولی طور پر قرآن کریم (سورہ روم آیت: ۴۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
”ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقہم بعض الذی عملوا لعلہم یرجعون“۔

(روئے زمین پر یا سمندر میں جو بھی خلل و بگاڑ آتا ہے وہ انسانی کرتوت کا ہی نتیجہ ہوتا ہے)۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے ایدی الناس کی دو تائویلیں کی ہیں، اولاً مجاز مانا ہے اور ثانی کو حقیقت، تاویل ثانی یہ ہے: انہ ظہرت المعاصی من قطع السبیل والظلم (قرطبی: ۱۲-۱۳ ص: ۲۸)۔ یعنی ظلم و ذکیت کی بناء پر جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ظاہر ہے ظلم و ذکیت یہ انسانی عمل ہی ہیں۔

جہاں تک تالاب کو کاٹ کاٹ کر پلاننگ کر کے پانی کے بحران جیسے مسائل پیدا کرنے کا سوال ہے وہ بھی میرے نزدیک اسی کے تحت آتے ہیں؛ کیونکہ چند لوگوں کا فائدہ ہوتا ہے

تاہم پوری آبادی پانی جیسے ضروری و بنیادی عنصر حیات سے محروم ہو جاتی ہے اور ایسے مسائل کے سلسلہ میں ضابطہ ہے: لیتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام (الشاہ ص ۸۷ مطبوعہ دارالکتب بیروت)۔ چنانچہ جہاں عام انسانوں کو پانی کے بحران جیسے سنگین مسائل کا سامنا ہے اس کے پیش نظر چند خاص بلڈروں یا سرمایہ داروں کے سرمایہ کاری پہ شرعاً قدغن لگانا ضروری ہے۔ نیز یہ دونوں صورتوں میں ضروری ہے خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو؛ بلکہ ممانعت کے بعد تو یہ اور سنگین جرم ہے جو غدر و بغاوت ہے۔ ”یا ایہا اللین آمنوا أطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم“ (سورہ نساء: ۵۸) سے ہم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

جواب ۱۵:

فقہاء نے حقوق مجرودہ کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں جن حقوق کا ذکر کیا ہے ان میں ایک حق ”شرب“ بھی ہے۔ ”شرب“ کے لغوی معنی پانی کے ایک حصہ کے ہیں جیسا کہ معجم الوسیط میں ہے: ”الشرب: الماء يشرب والنصیب منه“۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے ”لہا شرب ولکم شرب یوم معلوم“ (سورہ شعراء آیت: ۱۵۵)۔ اصطلاح فقہ میں شرب کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ”هو النصیب من الماء للأراضی و غیرھا“ (کتاب التعریفات ص: ۱۳۳)۔ پانی کی وہ مقدار جسے زمین کی سینچائی یا اس کے علاوہ مقصد کے لئے حاصل کیا جائے۔

حق شرب پر عوض لینے کا حکم: حق شرب کی بیع زمین کے تابع ہو کر بالاتفاق جائز ہے لیکن اگر وہ مجرد طور پر ہو تو اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ مشائخ بلخ اس کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ وہ فاسد ہے۔

”و کذا بیع الشرب ای فانه یجوز تبعاً للأرض بالاجماع، و وحده فی

روایۃ وهو اختیار مشائخ لأنه نصيب من الماء وظاهر الروایۃ فسادہ إلا تبعا وهو الصحيح كما فى الفتح“ (بخاری ج ۷، ص ۶۵۷)۔

فقہاء کی وہ جماعت جو اس کو ناجائز کہتی ہے ان کے پیش نظر اس عقید میں وہ جہالت ہے جو مفصی الی النزاع ہو سکتی ہے، حالانکہ یہ حضرات اس کو مال مانتے ہیں۔ وانما لم یجز بیع الشرب وحمہ فى ظاهر الروایۃ للجهالة لا باعتبار أنه ليس بمال“ (عنایلی الفتح ج ۶، ص ۳۹۳)۔

وہ حضرات جو اس کو جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک لوگوں کا تعامل ہے جس کی بنا پر قیاس کو ترک کیا جاسکتا ہے۔

”جوزہ مشائخ بلخ کابی بکر الاسکافی ومحمد بن سلمة لأن أهل بلخ تعاملوا ذلك لحاجتهم إليه والقياس يترك بالتعامل كما جوز السلم للضرورة“ (فتح القدير ج ۶، ص ۳۹۳)۔

فقہاء کی دونوں جماعتوں کی علتوں کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جو حضرات عدم جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کی جہالت نزاع کا باعث بن سکتی ہے، جیسا کہ سابقہ عبارت سے واضح ہے؛ اس لئے نہیں کہ وہ مال نہیں ہے۔

دوسری جماعت کے مطابق تعامل کی بنا پر قیاس کو ترک کر دیا جائے؛ اس لئے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت درپیش ہے۔

پانی انسانی زندگی کے لئے ایک ناگزیر شئی ہے۔ اس کے حصول کے مختلف زمانے میں مختلف طریقے رہے ہیں اور آج حکومت اس ذمہ داری کو اپناتی ہے؛ لہذا مشائخ بلخ کے فتویٰ کے مطابق حکومت کے لئے اس کا عوض لیما درست ہوگا اور رقم کی عدم ادائیگی کی صورت میں پانی کے روکنے کا حق حاصل ہوگا۔

کو یا کہ یہ حق شرب کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور عدم جواز کے قائلین کی علت (جہالت) تعامل کی بنا پر آج کے زمانے میں مفقود ہے۔

جواب ۱۶:

رہا یہ مسئلہ کہ آب رسائی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے، جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں ہر شہری کو مطالبہ کا حق ملے؟ تو اس کا جواب اثباتاً ہاں ہوگا؛ اس لئے کہ یہ چیز ”مصلحت مرسلہ“ کے تحت آتی ہے۔ فقہاء نے ”مصلحت مرسلہ“ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

”المصلحة المرسلۃ ای المطلقة فی اصطلاح الاصولیین: المصلحة التي لم یشرع الشارع حکماً لتحقیقها ولم یدل دلیل شرعی علی اعتبارها أو إلغائها ومثالها المصلحة التي شرع لأجلها الصحابة اتخاذ السجون أو ضرب النقود“ (علم اصول الفقہ للخزاف، ص: ۸۳)۔

☆☆☆

آبی وسائل سے متعلق شرعی احکام

مفتی تنظیم عالم قاسمی ☆

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے جس طرح ہوا کے بغیر انسان کا جینا مشکل ہے اسی طرح پانی کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ تمام جانور، پیڑ پودے اور وہ تمام چیزیں جن میں حیات کا عنصر پایا جاتا ہے ان کی بقا اور افزائش کا انحصار پانی پر ہے، پانی کے بغیر ان کی زندگی اور بقا کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، گویا تمام جاندار اشیاء میں جان اور روح کو باقی رکھنے کے لئے پانی اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے، آج زمین پر جو بھی ہریالی، خوش نمائی، آباد کاری، انسان اور مختلف جانوروں کا چلنا پھرنا ہے، سب اسی پانی کے دم سے قائم ہے، ارشاد باری ہے: ”وہو الذی أنزل من السماء ماء فأخرجنا به نبات كل شئی (الانعام: ۹۹) (اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائی)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”وجعلنا من الماء كل شئی حی“ (الانبیاء: ۳۰) (اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی)، ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور جانور ہی نہیں بلکہ ہرے بھرے کھیت، خوبصورت باغات، مختلف چیزوں کے درخت کا وجود اسی پانی سے وابستہ ہے، اگر پانی ختم ہو جائے تو زندگی ختم ہو جائے گی اور دنیا سے حیات کا نام مٹ جائے گا۔

انسان کے روزمرہ استعمال میں بھی پانی کی کثرت سے ضرورت پیش آتی ہے، کھانے، پینے، نہانے دھونے، بجلی کی توانائی پیدا کرنے اور صنعتوں کو متحرک رکھنے کے لئے پانی کی اہمیت

مسلم ہے، اگر پانی نہ رہے تو بڑی بڑی فیکٹریاں اور کارخانے بھی ٹھپ ہو جائیں گے اور انسانی نظام حیات معطل ہو جائے گا، اسی پانی کی کرمز مائی ہے کہ خشک اور بجز زمین تھوڑی محنت سے سبزہ زار ہو جاتی ہے اور سبزیوں، نلوں، بیجوں اور پھلوں وغیرہ سے انسان کی ضرورت پوری ہوتی ہے، اس حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے: ”وما أنزل اللہ من السماء من ماء فأحیا به الأرض بعد موتها“ (البقرہ: ۱۶۳) (اور نشانی ہے قدرت کی اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے)، پانی کے فوائد بیان کرتے ہوئے ایک جگہ قرآن کہتا ہے: ”هو الذی أنزل من السماء ماء لکم منه شراب و منه شجر فیہ تسیمون (نمل: ۱۰) (وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا، جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کے لئے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے)، غرض انسان اور جانور کے رزق اور زندگی کا انتظام اسی پانی کے ذریعے ہوتا ہے، پانی میں کمی آئے گی تو اسباب حیات بھی متاثر ہوں گے اور دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود لوگوں پر تنگ ہو جائے گی۔

پانی کے ذریعے جن ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے ان میں سے ایک اہم کام ناپاک چیزوں کا پاک کرنا ہے، حدیث اکبر ہو یا اصغر، اس کو دور کرنے کے لئے پانی کلیدی کردار ادا کرتا ہے، کپڑے یا کوئی جگہ اور برتن ناپاک ہو جائے تو اسے بھی پانی کے ذریعے پاک کیا جاتا ہے اور پاک صاف ہو کر قرب خداوندی کے حصول کی سعی کرتا ہے۔ اسلام کی تقریباً تمام عبادات کا مدار طہارت پر ہے، جس کے لئے پانی بنیادی جز ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ”وینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ و یذهب عنکم رجز الشیطان (الانفال: ۱۱) (اور وہ آسمان سے تمہارے اوپر پانی برساتا تھا تا کہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دور کرے)۔

۱- اس پس منظر میں یہ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے پانی کی عظیم نعمت سے بندوں کو سرفراز کیا اور ساتھ ہی اس کے استعمال سے متعلق مختلف احکام بھی

دینے ہیں جن پر اجتماعی عمل آوری سے دنیا پانی کی قلت اور مسائل سے محفوظ رہ سکتی ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

الف- پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے اجتناب :- اسراف اور فضول خرچی مطلقاً منع ہے، اس لئے کہ تمام نعمتیں اللہ کی دی ہوئی اور اسی کی ملکیت ہیں یہ انسانوں کو محض اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے دی گئی ہیں، اسراف ان نعمتوں کے بیجا استعمال کرنے کا نام ہے جس کا بندوں کو حق نہیں، قرآن نے کسی بھی چیز میں فضول خرچی کرنے والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے: ”إن المبذورین کانوا إخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفوراً“ (بنی اسرائیل: ۲۷) (فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا شکر اہے)۔

یہ قاعدہ بھی ہے: ”الضرورة تتقدر بقدر الضرورة“، ضرورت کی تکمیل کے لئے جو چیز دی جائے، اسے بقدر ضرورت ہی استعمال کا حق ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ضروریات زندگی جب فراہم کی ہے تو انہیں ضرورت کی تکمیل کی حد تک ہی استعمال کا حق ہوگا، ضروریات سے زیادہ جس پر فضول خرچی کا اطلاق ہو جائز نہیں ہے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے پانی میں فضول خرچی کرنے والے کو امت کا بدتر شخص قرار دیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”شوار امتی الذین یسرفون فی صب الماء“ (حاشیہ الطحاوی: ۸۰)۔

ب- پانی کے استعمال میں اعتدال :- کھانے اور پینے اور رزق کے استعمال کرنے میں اسلام نے بنیادی طور پر اعتدال کی تعلیم دی ہے، ارشاد باری ہے: ”کلوا واشربوا ولا تسرفوا إن اللہ لا یحب المسرفین“ (الاعراف: ۳۱) (تم کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)، اسی طرح ارشاد فرمایا گیا: ”ولا تجعل یدک مغلولۃ فی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا“ (الاسراء: ۲۹) (نہ تو تم اپنے ہاتھ کو گلے سے باندھ لو (کہ کچھ خرچ ہی نہ کرو) اور نہ اسے بالکل پھیلا دو اور پھر پشیمانی اور حسرت کرنے کے لئے بیٹھ جاؤ)۔ مذکورہ دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی

وسائل کا اعتدال سے استعمال کرنا چاہئے، بد احتیاطی اور بے اعتدالی سے مسائل پیدا ہوں گے اور مختلف پریشانیوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ موجودہ دور میں جن چیزوں میں بھی قحط اور قلت کا اندیشہ ہے ان میں اعتدال تدارک کا بڑا اور اہم ذریعہ ہے، اگر احتیاط اور اعتدال کا سہارا لیا جائے تو بڑی حد تک پانی کی کمی کے اندیشے دور ہو سکتے ہیں۔

ج۔ آلودہ کرنے والی چیزوں کی حفاظت:۔ پانی سے متعلق شریعت نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اسے ہر ممکن پاک و صاف رکھا جائے، پانی جن چیزوں سے آلودہ اور گندہ ہوتا ہے ان سے مکمل اجتناب کیا جائے جیسے پانی میں تھوکنے، ناک کی ریزش ڈالنے، پیشاب اور پاخانہ سے پرہیز تھوڑے پانی میں جنابت کا غسل نہ کرنا، کنویں یا تالاب سے اتنا قریب بیت الخلاء یا گندگی جمع ہونے کا گڑھ بنایا جائے کہ گندگی کے اثرات پانی تک پہنچ جائیں، اس فاصلے کی مقدار زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے: ”والحاصل انہ یختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها ومن قلمره اعتبر حال أرضه“ (ثاوی ۳۸۱/۱ زکریا بلڈ پو)۔

د۔ پانی میں فیاضی سے کام لینا: اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ہمدردی، وسعت ظرفی اور سخاوت کا مزاج پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے بالخصوص ایسی چیز جو باسانی حاصل ہو جاتی ہے اور اس میں قیمت زیادہ نہ لگتی ہو، اس میں دوسروں کو شریک کرنا اور طلب پر دے دینا نہایت اجر و ثواب کا باعث ہے، اور نہ دینے کی صورت میں وعید آئی ہے۔ ”ویمنعون الماعون (لما عون: ۷) (تباہی ہے ایسے لوگوں کے لئے جو معمولی ضرورت کی چیزیں لوگوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں)۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”الناس شركاء في ثلث: الماء، والكلاء والنار“ (ابوداؤد) (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، خور و گھاس، آگ)، ایک حدیث میں ہے: ”لا يمنع فضل الماء“ (ضرورت سے زیادہ پانی دوسروں کو لینے سے نہیں روکا جائے گا)۔ ان احادیث کی بنیاد پر اصحاب نظر و ارباب تحقیق نے پانی کو مباح قرار دیتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ اگر کسی کی خاص ملکیت میں پانی ہو تو بھی ضرورت مندوں کو اس سے منع نہیں کیا جاسکتا ہے:

”بل هو مباح فی نفسه ولصاحبه حق خاص فیہ سواء كان فی أرض مباحة أو مملوكة لأن الماء فی الأصل مباح لجميع الناس“ (فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۵۹۳) (پانی اپنی ذات سے مباح ہے، البتہ اس میں اس کے مالک کا خاص حق ہوگا خواہ یہ پانی ارض مباح یا مملوک میں ہو، اس لئے کہ پانی درحقیقت سارے لوگوں کے لئے مباح ہے)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو وضو کرنے، نہانے دھونے، اپنے یا چوپائے کی پیاس بجھانے یا کھیت و باغات سیراب کرنے کے لئے پانی طلب کیا جائے تو اس میں فیاضی اور ہمدردی کا ثبوت دینا چاہئے، پانی پر قبضہ جما کر بیٹھ جانا اور ضرورت مندوں کو پانی نہ دینا اخلاق و انسانیت کے خلاف ہے۔ ”اتفق العلماء علی أنه يستحب بذل الماء بغير ثمن“ (فقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۵۱۴)۔

۲۔ پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام میں سے ایک اسراف اور فضول خرچی سے بچنا ہے، اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وضو، غسل اور دیگر مواقع کے لئے پانی کی کوئی خاص مقدار شرعاً مقرر نہیں، بلکہ اسراف سے بچتے ہوئے جتنا پانی کافی ہو جائے اس کا استعمال جائز ہے اور یہ طباع کے اختلاف سے مختلف ہو سکتا ہے، اس پر تقریباً تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔

”واعلم أنه نقل غیر واحد الإجماع علی عدم التقدير فی ماء الوضوء والغسل بل هو بقدر الكفاية لاختلاف طباع الناس“ (حاشیہ الطحاوی علی المرآة ۸۱/ ۸۱)۔

اسراف ضرورت سے زیادہ استعمال کو کہا جاتا ہے، خواہ یہ ضرورت شرعی ہو یا ضرورت طبعی، ضرورت شرعی سے مراد یہ ہے کہ شریعت نے کسی فعل کے لئے جتنی مقدار متعین کیا ہے، بلا کسی وجہ اس سے زیادہ استعمال نہ کرنا، جیسے وضو میں ہر عضو کو تین بار دھونا سنت کامل ہے، پوری حیات رسول اکرم ﷺ کا اس پر عمل رہا ہے، اس عدد پر اعضاء کے غسل کی حاجت شرعیہ پوری ہوگئی، لہذا ایسا شخص جس کو شک وغیرہ کا مرض نہ ہو، اس کے لئے اس عدد سے زیادہ بار اعضاء کا

دھونا مکروہ تحریمی ہوگا، تالاب، نہر، سمندر یا کسی بڑے حوض پر وضو کر رہا ہو اس کا یہی حکم ہے، ”عن عبد اللہ بن عمرو العاص أن رسول اللہ ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال: ما هذا السرف؟ فقال: أفي الوضوء إسراف؟ فقال: نعم وإن كنت على نهر جار (ابن ماجہ)۔“

(حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت سعد کے پاس سے گذرے اور وہ وضو کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا فضول خرچی ہے؟ عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں خواہ جاری نہر پر ہی تم کیوں نہ ہو)۔

البتہ کسی کو وہم اور شک کا مرض ہو تو تین کی عدد کو مسنون سمجھتے ہوئے محض یقینی کیفیت پیدا کرنے کے لئے زیادہ با ربھی وضوء کے اعضاء کو دھوسکتا ہے، یہ اسراف میں داخل نہیں ہے۔ ضرورت طبعی یہ ہے کہ شریعت نے کوئی مقدار متعین نہ کیا ہو بلکہ جتنی مقدار میں طبیعت مطمئن ہو جائے جیسے پینے، نہانے دھونے اور زندگی کے دیگر مواقع پر برتنے کے لئے پانی کی مقدار متعین نہیں کی گئی، ان تمام جگہوں میں ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال کرنا اسراف کہلایگا، ضرورت کی تکمیل میں عرف کا اعتبار ہے یعنی عرف عام میں وہ کام پانی کی جتنی مقدار میں پورا کیا جاتا ہو، اس کا اعتبار ہوگا، اس سے زیادہ استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہوگا، ”الإسراف العمل فوق الحاجة الشرعية، فی فتاویٰ الحجة یکره صب الماء فی الوضوء زیادة علی العدد المسنون والقلمر المعهود“ (جامیۃ الخیلاوی علی الرائی، ۸۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال فضول خرچی ہے، اس ضرورت کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، حالات اور مواقع الگ الگ ہوتے ہیں، ان کے اعتبار سے پانی کی مقدار میں کمی زیادتی ہو سکتی ہے، البتہ وضوء کے لئے جو عدد متعین ہے اس سے زیادہ استعمال اسراف ہوگا، اس لئے کہ یہ حاجت شرعیہ سے زائد ہے اور اسی طرح

عرف میں نہانے دھونے کے لئے پانی کی جو مقدار عموماً استعمال کی جاتی ہے اس سے زیادہ استعمال اسراف ہوگا۔

پانی میں اسراف اور فضول خرچی اگر اپنی ملکیت یا مباح میں ہو تو مکروہ تحریمی ہے، اور اگر وقف کا پانی ہے جیسے مدارس کا پانی تو اس میں اسراف حرام ہے۔ ”ویکرہ الإسراف فیہ تحریماً لو بماء النهر أو المملوک له أما الموقوف علی من یتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام“ (حاشیہ الطحاوی علی الرائی ۸۰/۸۰)۔

۳- ورلڈ بینک کی ایک رپورٹ کے مطابق ۸۸ فیصد بیماریوں کی جڑ غیر محفوظ پانی کے استعمال میں چھپی ہے، اس لئے شریعت نے پانی کو آلودگی سے حفاظت کی تعلیم دی ہے اور ایسے تمام کاموں سے روکا ہے جن سے پانی آلودہ ہوتا ہو یا اس کی آلودگی میں اضافہ ہوتا ہو جیسے پانی میں پیشاب کرنا، اس سے منع کیا گیا ہے خاص طور پر جب کہ پانی ٹھہرا ہوا ہو، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا یبولن أحدکم فی الماء الراکد“ (صحیح بخاری ۳۷/۳۷) (تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے)۔ طبرانی کی ایک روایت میں بتتے ہوئے پانی میں بھی پیشاب کی ممانعت کی گئی ہے۔ اسی طرح پانی میں قضاے حاجت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”اتقوا الملاعن الثلاث: البراز فی الماء وفی الظل وفی طریق الناس“ (ابن ماجہ ۱۳۸/۱۳۸) (تامل نفرت ولعنات تین چیزوں سے بچو یعنی پانی میں، یا سایہ میں یا لوگوں کے چلنے کے راستہ میں قضاے حاجت سے بچو)۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں جنابت کے غسل سے بھی منع کیا گیا ہے: قال رسول اللہ ﷺ: لا یغتسل أحدکم فی الماء المائم وهو جنب“ (سنن ذہبی کتاب الغسل)۔

(تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں جنابت کا غسل نہ کرے)، اسی طرح بیت الخلاء یا گندگی جمع ہونے کا کنواں تالاب اور پانی کے کنویں سے دور بنانا کا حکم دیا گیا ہے تاکہ پانی کی اثرات پانی تک نہ پہنچ سکیں اور یہ فاصلہ زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے مختلف

ہوسکتا ہے اگرچہ حدیث میں دس گز کا تذکرہ ہے مگر یہ مدینہ منورہ کی زمین کے اعتبار سے ہے،
 ”قال رسول الله ﷺ من حفر بئرا فله حولها أربعون ذراعا فيكون لها حریمها
 من كل جانب عشرة“ (شرح وقایہ ۸۷/۱)۔

”وإن أراد أن يحفر بئر بالوعة يمنع أيضا لسراية النجاسة إلى البشر الاولى
 وتنجيس ما فيها ولا يمنع في وراء الحريم وهو عشر في عشر“ (شرح وقایہ ۸۸/۱)۔
 اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ کنویں اور بالوعہ کے درمیان کوئی فاصلہ متعین نہیں
 ہے، زمین کی نرمی اور سختی کے اعتبار سے یہ مختلف ہوسکتا ہے۔

”والحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها ومن قبله
 اعتبر حال أرضه“ (مشائی ۳۸۱/۱)۔

ان تمام مذکورہ چیزوں سے روکنے کی وجہ جہاں پانی کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہے
 وہیں اس کی آلودگی سے حفاظت بھی ہے ورنہ بھتے پانی میں پیشاب کرنے سے منع نہ ہوتا، اس
 لئے کہ اس کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اسی طرح ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب، پاخانہ
 کرنے یا جنابت کا غسل کرنے سے اس کا رنگ، مزہ، بو وغیرہ بدلنے کا بہت کم اندیشہ ہے جس
 سے پانی ناپاک ہوتا ہے۔ البتہ اس پانی کے آلودہ ہونے کا اندیشہ قوی ہے، بالخصوص ایک کودیکھ کر
 دوسرا اور دوسرے کودیکھ کر تیسرا پیشاب، پاخانہ کرنا شروع کر دے تو اس کے آلودہ ہونے کا امکان
 مزید بڑھ جائے گا، اس لئے سدا للباب ان کاموں سے روک دیا گیا ہے۔

ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرات فقہاء نے حیض و نفاس کی چیتھڑ
 یوں، مڑی مری چیزوں کو پانی میں ڈالنے سے منع کیا ہے، غرض ہر وہ چیز جس سے پانی آلودہ ہوسکتا
 ہے، خواہ وہ فی نفسہ پاک ہو پانی میں اس کو پھینکنے پر شریعت نے پابندی عائد کی ہے جیسے تھوک اور
 ناک کی ریزش وغیرہ۔ ”ومن منہیاتہ إلقاء النخامة والامتخاط في السماء“ (در مختار مع

پانی کو آلودہ کرنے والی چیزوں کو پانی میں ڈالنے یا پھینکنے سے ممانعت بعض جگہوں میں وجوبی اور بعض جگہوں میں اخلاقی نوعیت کا حامل ہے، پانی اگر ٹھہرا ہوا اور قلیل مقدار میں ہو اور ان چیزوں کے ڈالنے سے پانی کے آلودہ ہونے کا ظن غالب ہو تو ان چیزوں کی ممانعت وجوب کے درجے میں ہوگی خواہ وہ شیء پاک ہی کیوں نہ ہو جیسے تھوک یا ناک کی ریزش وغیرہ، ماء راکد میں پیشاب کی ممانعت کے بارے میں جو مشہور حدیث ہے: ”لا یبولن أحدکم فی السماء الراکد“، اس نہی سے نہی تحریمی مراد ہے، اس لئے کہ مطلق نہی جو دیگر قرآن سے خالی ہو، حرمت پر دلالت کرتی ہے، ہدایہ کے حاشیہ میں ہے: ”لأن النبی ﷺ نہی عن البول فی السماء الدائم ومطلق النهی یقتضی التحريم“ (ہدایہ ۱/۳۰۸ حاشیہ نمبر: ۱۶)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس عمل سے ضرر عام وابستہ ہے، اور قاعدہ ہے: ”الضرر یزال“ جس سے ضرر لاحق ہو اس کو وجوبی طور پر دور کیا جائے گا، اس لئے ٹھہرے ہوئے تھوڑے پانی میں آلودہ کرنے والی چیزوں کو پھینکنا مکروہ تحریمی ہوگا، اس سے اجتناب شرعا واجب ہے، اسی طرح ایسے پانی کے استعمال سے جسم کو نقصان ہوگا اور جسم کی حفاظت مقاصد شریعت میں سے ہے، ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: ”والحقیقة أن موقف الإسلام من الصحة والوقایة وسلامة الأبدان موقف لا نظیر له فی أى دین من الأديان فالنظافة فیہ عبادة وقربة بل فريضة فرائضه“ (تاویلی معاصرہ ۱/۶۷۹)، اور اگر پانی جاری ہو جیسے نہر، سمندر، دریا، ندی وغیرہ یا پانی کثیر مقدار میں ہو جیسے تالاب، بڑا حوض وغیرہ، جہاں ان چیزوں کے ڈالنے سے پانی کے آلودہ ہونے کا ظن غالب نہ ہو، البتہ اس طرح کے متعدد عمل سے پانی کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو تو ان چیزوں سے اجتناب بہتر اور مستحب ہے، یہ اخلاق و انسانیت سے عبارت ہوگا، گویا وجوب اور عدم وجوب کا مدار پانی آلودہ ہونے کے ظن غالب ہونے اور نہ ہونے پر ہے، جہاں پانی آلودہ ہونے کا ظن غالب ہو وہاں بچنا واجب ہوگا اور ظن غالب نہ ہونے کی صورت میں اجتناب اخلاقی عمل شمار ہوگا۔

۴- گندے اور آلودہ پانی کو اگر کیمیاوی اور سائنسی طریقے پر اس طرح صاف کر دیا جائے کہ اس کی بو، رنگ، مزہ تینوں ختم ہو جائے تو ایسا پانی رقم الحروف کے خیال میں پاک شمار کیا جائے گا، اس سے وضو، غسل وغیرہ جائز ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رنگ، مزہ، بو پانی کے تین اوصاف میں سے کسی ایک کے ختم ہونے اور اس کی جگہ ناپاکی کا کوئی وصف ظاہر ہونے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”الماء طهور لا ینجسہ شیء الا ما غیر لونہ أو طعمہ أو ریحہ“ (ابن ماجہ)..... پانی کے ناپاک ہونے کی علت ناپاک شیء کے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی ایک کا ظاہر ہونا ہے، اگر یہ علت ختم ہو جائے گی تو پانی کی نجاست بھی جاتی رہے گی، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی گڑھے کا پانی ناپاک ہو اس میں اتنا پانی ملا دیا جائے کہ ناپاکی کا اثر اور وصف ختم ہو جائے تو اس کا پانی پاک ہو جائے گا۔ ثم المختار طہارة المنتجس بمجرد جویانہ و کذا البشر و حوض الحمام (در مختار مع الشامی ۱/ ۳۲۵)۔

آج کل آلودہ پانی کے ذخیرے کو کیمیاوی طریقے پر اس طرح صاف کیا جاتا ہے کہ پانی بالکل صاف ہو جاتا ہے، نجاست کا کوئی وصف اس میں باقی نہیں رہتا، اس لئے پانی کو پاک قرار دیا جائے گا۔

رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت قائم اسلامی فقہ اکیڈمی کے گیارہویں اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ ۲۰ تا ۲۳ رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۶ تا ۲۹ فروری ۱۹۸۹ء میں اکیڈمی کے ذمہ داروں نے اہم علماء کرام کو اس مسئلہ پر غور کرنے کی دعوت دی، جس میں عرب کے ممتاز اصحاب افتاء نے شرکت کی اور بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ مالیوں میں بننے والے پانی کو فلٹزر کر کے اس سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے، فیصلہ کی عبارت یہ ہے:

”لہذا اکیڈمی فیصلہ کرتی ہے کہ جاری پانی کو اگر مذکورہ بالا یا اسی جیسے عمل کے ذریعے صاف کر دیا جائے اور اس کے مزہ، رنگ، بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جائے گا، اور اس پانی سے پاکی کا حصول اور نجاست کا ازالہ اس فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہو جائے گا

کہ اگر زیادہ پانی میں گری ہوئی نجاست کا ازالہ اس طرح ہو جائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جاتا ہے“ (مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے، ۳۱۷)۔

تاہم راقم الحروف کی رائے ہے کہ دنیا کی آبادی صرف ایک حصہ پر ہے اور ۳۳ حصے میں پانی ہی پانی ہے، گندے اور آلودہ پانی کونفلٹر کے ذریعے صاف کرنے کے بجائے سمندر، دریا اور دیگر جگہوں کے کھارے پانی کو بیٹھا بنا کر عام کیا جائے، اسی کے ساتھ لوگوں کو ضروری معلومات دے کر ان میں ایک بیداری پیدا کی جائے، کفایت شعاری اور دانشمندانہ طور پر پانی کے استعمال کی عادت پیدا کی جائے، اس سے قدرتی پانی کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوگا اور نہ گندے پانی کونفلٹر کی ضرورت پیش آئے گی۔

۵۔ حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے قوانین بنائیں جو مصالح عامہ کے مطابق ہوں، جن کے سہارے ملک اور ریاست سے ظلم و زیادتی، جت تلافی، برائی اور بے حیائی کا ماحول ختم ہو، عدل و انصاف، امن و اطمینان کی کیفیت پائی جائے، داخلی اور خارجی فتنوں سے ملک کی حفاظت ہو، رعایا اور عامۃ الناس کو نقصان پہنچانے والے تمام عناصر کا خاتمہ ہو سکے خواہ یہ چیزیں فی الوقت پائی جائیں یا ان کے اندیشے ہوں، ان سے نمٹنے کے اقدامات حکومت کے واجبات میں سے ہے۔

مشہور محقق ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: ”توسع دائرتها لكل التصرفات والاجراءات التي من شأنها أن ترفع الظلم وتقيم العدل بين الناس وتزيل عنهم الضرر والضرار وأسباب النزاع والصراع ليحل محلها التعاون والأخاء (تعاونی صحابہ، ۵۸۱)۔“

اس کے دلائل اور وجوہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ومن هنا نقول إن من واجبات الحكومة المسلمة أن تنظم علاقات الناس على أسس سليمة فتضع من الأنظمة والقوانين ما يحقق العدل ويرفع

الظلم ويشيع الطمأنينة والا استقرار بين الناس ويزيل أسباب النزاع والخصام
من بينهم (فتاویٰ حاکمہ ص ۱۵۳/۵۹۳)۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

”فكل ما يري ولي الأمر فعله أقرب إلى الصلاح للرعية وأبعد عن
الفساد فله أن يفعله بل قد يجب عليه وإن لم يجزى بذلك نص خاص“ (فتاویٰ
حاکمہ ص ۱۵۳/۵۸۳)۔

بعض عبارتوں میں اگرچہ حکومت کے ساتھ ”مسلم“ کا لفظ ہے لیکن یہ قید احترامی نہیں
بلکہ اتفاق ہے، اس لئے کہ حکومت عوام کے ساتھ خیر خواہی اور بہتر نظام چلانے کا نام ہے، اور
عوام کا ذمہ دار ادارہ ہونے کی حیثیت سے اس کا فریضہ ہے کہ وہ ایسا نظم و نسق چلائے جو عام رعایا
کے مفاد کے حق میں ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”كلکم راع وکلکم مسؤول
عن رعیتہ“ (تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور نگران ہونے کی حیثیت سے تم میں سے ہر ایک
سے اپنے رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا)۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر اپنے دور خلافت
میں فرمایا تھا: ”لو هلك جدی بشط الفرات لرأيتنی مسؤولاً عنه أمام الله يوم
القيامة“، یعنی میری غفلت کے سبب اگر فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی مر جائے تو میں
قیامت کے دن اپنے آپ کو جواب دہ محسوس کرتا ہوں)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب حکومت کو چوکنا اور بیدار مغز رہنا چاہئے، تاکہ ملک
کی رعایا پریشانی اور مختلف تکالیف سے دوچار نہ ہو، یہیں سے مصالح عامہ کا پہلو سامنے آتا ہے اور
فقہاء کرام نے مستعمل قواعد لکھا ہے: ”تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة
(الاشباہ والنظائر ص ۱۸۷)۔

اسی طرح ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

أن القوانين التي تسن لتحقيق مصالح الناس ولتحفظ بينهم الأمن

والاستقرار يجب طاعتها والعمل بمقتضاها (فتاویٰ معاصرہ ۱/ ۵۹۴)۔
اس طرح کے قوانین چوں کہ شریعت کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں اس لئے ان کی مخالفت کو یا دین و شریعت کی مخالفت ہے۔

إن المذنب يخالفون القانون المذی يحفظ الحقوق ويقر العدل ويقیم
میزانہ هؤلاء يعتبرون شرعا مخالفتين للمذنب نفسه لأن المذنب يأمر بطاعة مثل
هذه القوانين التنظيمية ما دامت بالمعروف وفي غير مصيبة (فتاویٰ معاصرہ ۱/ ۵۹۷)۔

اس تفصیل سے زیر بحث پانی کا مسئلہ بھی خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی پانی چوں کہ
انسان اور تمام جاندار کے لئے بنیادی ضرورت ہے اور مختلف انواع استعمال سے اس کی قلت کا
اندیشہ ہے بلکہ بعد میں پانی کے بارے میں تنگی اور مشکلات کا اندیشہ ہو تو بعد میں پیش آنے والے
ضرر عام سے بچنے کے لئے پانی کے بعض غیر ضروری استعمال پر پابندی لگا سکتی ہے، حکومت کو
چاہئے کہ پانی کی قلت کے اندیشے کو دور کرنے کے لئے کوئی بیج کا راستہ نکالے یعنی نہ تو ایسی
پابندی لگائے جس سے لوگ اپنی روزمرہ زندگی گزارنے میں تنگی میں پڑ جائیں جیسے کھانے
پینے، نہانے دھونے، کھیت و باغات کی سیرابی اور دیگر ضروریات زندگی میں ان پر پابندی نہیں
لگائی جاسکتی ہے، ورنہ مستقبل میں ضرر کے اندیشے سے فی الحال ضرر لاحق ہوگا، اور ضرر کے
ذریعے ضرر دور نہیں کیا جاسکتا، مشہور فقہی قاعدہ ہے: أن الضرر لا يزال بالضرر
علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں: وليس للإمام أن يخرج شيئا من يد أحد إلا بحق ثابت
معروف (الاشباه والنظائر ۱۸۹)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

وليس للحاكم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه إذ لم يضر الفعل
بالنهر أو بالغير أو بالجماعة كما هو الحكم المقرر بالانتفاع في الطريق أو
المرافق العامة (نظم الإسلام وأدلتها ۵/ ۵۹۷)۔

حضرت عمر فاروقؓ نے گوشت کی قلت کے اندیشے سے جس طرح مسلسل جانوروں کو ذبح کرنے سے منع کیا اور ایک دن کی غیبوبت سے ذبح کرنے کا حکم دیا اس میں ضرورت مندوں کی بھی رعایت ہوگئی اور اندیشے وغیرہ کا بھی تذکرہ ہو گیا، اسی طرح یہاں بھی بیچ کا راستہ نکالنا چاہئے تاکہ دونوں طرح کی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔

بہر حال پانی کی قلت کے پیش نظر اس طرح کی پابندی لگانا حکومت کا حق ہے اور ایسی پابندیاں جو ضروریات زندگی میں سے نہ ہوں پر عمل کرنا مسلمانوں پر شرعاً واجب ہوگا۔

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ انسان کی اپنی ملکیت ہے، اس لئے کہ زمین پر ملکیت اس کے تمام اجزاء کے ساتھ ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کے ذاتی گھریا مملوکہ زمین میں معدن پایا جائے تو معدن مالک کی ملکیت ہوتی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں خمس بھی واجب نہیں ہے، دلیل یہ دی گئی ہے کہ وہ اپنی زمین کا تمام اجزاء کے ساتھ مالک ہوتا ہے اور دیگر اجزاء پر مؤنت نہیں ہے لہذا اس پر بھی کوئی مؤنت نہ ہوگی۔

وله أن من أجزاء الأرض مركب فيها ولا مؤنة في سائر الأجزاء فكذا في هذنا الجزء..... (بدایہ ۱/ ۲۰۰)۔

پانی اجزاء ارض میں سے ہے لہذا یہ بھی انسان کی مملوکہ زمین میں اپنی ملکیت ہوگی، اس میں جیسا وہ چاہے تصرف کر سکتا ہے مگر اس سے دوسروں کو بھی استفادہ کا حق ہے، اس لئے کہ آپؐ نے پانی، گھاس اور آگ میں لوگوں کو شریک قرار دیا ہے یعنی بضرورت ہر ایک کو اس سے استفادہ کا حق حاصل ہے۔

حکومت کو حق ہے کہ مصالح عامہ کے پیش نظر بعض مباحات پر پابندی لگائے جیسے حضرت عمرؓ نے روزانہ ذبیحہ ذبح کرنے سے منع فرمایا: فولی الأمر من حقه أن یقید بعض المباحات إذا کان فی ذلک مصلحة راجحة.... (تاویلی صحابہ ۱/ ۵۹۳)۔

اگر پانی کی سطح کے نیچے چلی جانے کے خطرہ سے حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرنے

سے منع کرے تو اسلامی نقطہ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ تنظیمی امور اور مصالح عامہ میں سے ہے، اس کا مقصد ہے مستقبل میں پانی کی قلت کے اندیشے کو دور کرنا، پانی کی سطح نیچے چلی جائے تو اس سے ضرر عام ہوگا، ایک انسان سڑکوں پر چلتی ہوئی گاڑیوں کے تصادم سے فکر مند ہوتا ہے اور خوفناک ہوتی ہے کہ ایسا حادثہ پیش نہ آئے تاکہ چند جانوں کا نقصان نہ ہو، پانی کی قلت میں تو عام لوگوں کا نقصان ہے، اس باب میں انسان کو زیادہ فکر مند اور اس طرح کے قوانین پر عمل کرنے کے لئے حریص ہونا چاہئے۔

اس طرح کے احکام کی تعمیل شرعی ضروری ہوگی بشرطیکہ اس سے کوئی قابل ذکر نقصان نہ ہو، حکومت بورنگ کرانے سے منع کرے اور دوسرے طریقوں سے اس شخص کی ضرورت پوری کر دی جائے تو اس کے لئے اس حکم پر عمل کرنا ضروری ہوگا ورنہ پانچویں مسئلہ میں ذکر کردہ اصول *أن الضرر لا يزال بالضرر اور الاشباہ والنظائر اور الفقه الاسلامی کی عبارت کی وجہ سے ضروری نہ ہوگا؛ ہاں اہل مالک کو بورنگ نہ کرنے سے ضرر خفیف ہو تو ضرر عام سے بچنے کے لئے اس کو برداشت کیا جائے گا چوں کہ قاعدہ ہے: الضرر الاشد يزال بالضرر الاخف (فقہ الاسلامی وادلیہ ۵/۵۹۵)۔ اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے أن دفع الضرر العام واجب (فقہ الاسلامی وادلیہ ۳/۵۱۳)۔*

۷۔ ملک میں بہتر نظم و نسق، عدل و انصاف کا قیام، رعایا کی عمومی ضرورت کی تکمیل حکومت کی ذمہ داری ہے تاکہ عوام ضرر سے بچ سکیں، جس طرح اس پر ضروری ہے کہ عوام میں جنگلڑائی کی بنیاد کو ختم کر کے امن و سکون کا نظم قائم کرے یہ ذمہ داری دفع ضرر کے لئے ہے۔

أن من واجبات الحكومة المسلمة أن تنظیم علاقات الناس علی أسس سليمة فتضع من الأنظمة والقوانين ما يحقق العدل ويرفع الظلم ويشيع الطمأنينة والاستقرار بين الناس..... (فتاویٰ مسامرہ ۱۸/۵۹۳)۔

پانی کا تعلق بھی عام زندگی سے ہے، اس کی کمی سے عام زندگی کو ضرر لاحق ہوگا، اس

لئے اس کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے نہ کہ افراد کی، البتہ اس کے لئے عوام کا تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے، جیسے رسول اکرم ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کے تحفظ اور ان کی ضرورت کی تکمیل کے لئے مختلف صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا تھا جب کہ قیدیوں کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے پاس جو نوذبیرون ممالک سے آتے تھے ان کی مہمان نوازی کی ذمہ داریاں بھی تقسیم فرمادیتے حالانکہ وہ سرکاری مہمان ہوتے۔

پانی کے تحفظ سے عام لوگوں کا مفاد وابستہ ہے اس لئے یہ ایک صالح اور نیک کام ہے، اس میں مسلمانوں کو کھل کر تعاون کرنا چاہئے، البتہ اس حکم کی تعمیل مسلمانوں پر واجب نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ ان کے واجبات میں سے نہیں ہے،..... لہذا پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے متعلق کی جاسکتی ہے مگر اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنے اور اس طرح کے احکام کی تعمیل ضروری نہیں ہے۔

۸- پانی کی ذخیرہ اندوزی چوں کہ حکومت کی ذمہ داری ہے، اس کی تکمیل کے لئے ڈیم تعمیر کرنا اور ذخیرہ کے اسباب تلاش کرنا حکومت کے ذمے ہے اور اس سے مصالح عامہ بھی وابستہ ہیں اس لئے حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ آبادیاں منتقل کر کے اس حصے کو ڈیم بنائے اور اس کا عوض فراہم کر دے۔... وقتی طور پر اگرچہ انتقال مکانی سے لوگوں کو تکلیف اور ضرر ہوگا مگر عوض ملنے سے یہ ضرر بڑی حد تک ختم ہو جائے گا اور تھوڑی تکلیف یا ضرر کا اعتبار نہیں ہے کیوں کہ ڈیم کی تعمیر میں اجتماعی مصلحت اور مفاد ہے، ڈیم کی تعمیر نہ کرنے سے ضرر عام ہوگا اور قاعدہ ہے: الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف (فہمہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۵)، اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے: أن دفع الضرر العام واجب (فہمہ الاسلامی وادلتہ ۳/۵۱۳)۔

تاہم یہ اس وقت ہے جب کہ آبی ذخیرہ اور ڈیم کے لئے دوسری متبادل جگہ حکومت کو نہ ملے جہاں آبادیاں نہ ہوں، اگر دوسری جگہ دستیاب ہو تو خواہ مخواہ انتقال مکانی پر مجبور کرنا درست نہ ہوگا، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ زرعی یا گھر کی زمین جسے ڈیم میں شامل کی جاتی ہے اس

کا عوض معروف طریقے پر دیا جائے ورنہ درست نہ ہوگا، کیوں کہ خطر اریا ضرورت سے کسی کا حق ختم نہیں ہوگا۔ الا ضرار لا یبطل حق الغیر (فقہ اسلامی وادلتہ ۵/ ۵۹۳)۔

۹- سیلاب سے بچاؤ کے لئے تعمیر کردہ ڈیم کے بندھن یا باندھ کو اس طرح کاٹنا کہ نشیب کے علاقوں میں بے ہوئے لوگ ڈوب جائیں اور جان و مال کا نقصان زیادہ ہو، یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں تھوڑے نقصان کو دور کرنے کے لئے ضرر کثیر لاحق ہوگا، ایک تو پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہوگی، دوسرے حکومت کا نقصان ہوگا اور تیسرے نشیبی علاقے میں تباہی زیادہ ہوگی، اس لئے اس بندھن کو کاٹنے کے بجائے حکومت کو اس کا دوسرا نظم کرنا چاہئے، یا تو پانی کے اخراج کے لئے دوسرے راستے نکالے جائیں یا پھر اوپر کی آبادی کو دوسری جگہ منتقل کر دی جائے اور انتقال مکانی پر حکومت کی طرف سے متبادل زمین اور معاوضہ فراہم کر دیا جائے، اس میں بھی مذکورہ قاعدہ: ”الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف“ اور ”أن دفع الضرر العام واجب“ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب وغیرہ مباح عام ہے، اس سے سارے لوگوں کو استفادے کا حق ہے، اگر حکومت کی جانب سے پانی سے استفادہ کی کوئی تحدید نہ پائی جاتی ہو اور امر مقدر میں پانی موجود ہو یعنی استعمال سے دوسرے فرد کی حق تلفی نہ ہوتی ہو تو اس صورت میں عام نہروں، کنویں اور ندیوں سے فرد و اشخاص کے لئے ہر طرح کا استفادہ جائز ہے، اپنے گھر کے روزمرہ استعمال، چوپایوں اور جانوروں کی پیاس بجھانے اور اپنے کھیت و باغات سینچنے کے لئے جس قدر ضرورت ہو، پانی لیا جاسکتا ہے، نہر، تالاب، چشمے اور ندی وغیرہ سے اپنے کھیت اور باغات تک چھوٹی نہر یعنی پانی کی مالی کھودی جاسکتی ہے اور ضرورت پڑنے پر مشین وغیرہ کا نصب بھی درست ہے تاکہ باسانی حسب منشاء پانی لیا جاسکے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

و حکمہ أنه لا ملک لأحد فی هذه الأ نهار لا فی الماء ولا فی

المجرى بل هو حق للجماعة كلها فلکل واحد حق الانتفاع بها بالشفة (سقى نفسه ودوابه) والشرب (سقى زرعه وأشجاره) وشق الجداول منها ونصب الآلات عليها لجر الماء لأرضه ونحوها من وسائل الانتفاع بالماء (فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۶)۔

دریا، ندی، سمندر اور عام جگہوں میں پائے جانے والے پانی کو حرز کرنے کے بعد فرخت بھی کیا جاسکتا ہے، جس طرح ایک صحابی جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کے پاس دست سوال دراز کیا تو آپ ﷺ نے ان کو جنگل سے لکڑی کاٹنے اور اس کے فرخت کا حکم دیا تاکہ لوگوں سے بھیک مانگنے کی نوبت نہ آئے، جنگل ارض مباح ہے، وہاں کی لکڑی کا استعمال بھی تمام لوگوں کے لئے جائز ہے، جس طرح چاہے استعمال کرے اس لئے آپ ﷺ نے بیج وغیرہ کا حکم دیا، اشیاء مباح کے احراز کے بعد اگر ان کو بیچنا درست نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کا حکم نہ دیتے۔ بالقیاس علی جواز بیع الحطب إذا حرزہ الحاطب لحديث الرجل الذي أمره النبي ﷺ بالاحتطاب ليستغني به عن السؤال (فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۹۲)۔

اور اگر فرد یا اشخاص کے آزادانہ استعمال سے مستقبل میں پانی کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو یا دیگر فرد کی حق تلفی ہوتی ہو تو حکومت کو استعمال کی تحدید کر دینی چاہئے، جس کی پابندی فرد یا اشخاص پر ضروری ہوگی جیسے گھر کے روزمرہ استعمال اور جانوروں کی ضرورت کے علاوہ کھیت، باغات وغیرہ سینچنے پر پابندی لگا دے یا اس کے لئے باری اور وقت مقرر کر دے، اسی طرح پانی کی بیج وغیرہ پر مکمل پابندی لگا دی جائے، چونکہ مباح اشیاء میں ہر ایک کا حق ہے، ہر فرد کو استفادہ کا حق ہے مگر سلامتی کی شرط کے ساتھ اس لئے کہ ضرر عام کو دفع کرنا واجب ہے، عام رفائی ادارہ سے استفادہ کا یہی اصول متعین ہے۔

فإذا أضر فلکل واحد من المسلمین منعه أو الحد من تصرفه لإزالة الضرر لأنه حق لعامة المسلمین وإباحة التصرف فی حقهم مشروطة بانتفاء

الضرر كالانتفاع بالمرافق العامة إذ لا ضرر ولا ضرار (فقہ اسلامی وادلتہ ۵/ ۵۷۷)۔

۱۱- اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں سے گزرتی ہو تو ہر ایک کو اس سے بقدر ضرورت استفادہ کا حق حاصل ہے، نہر سے جس کا کھیت متصل ہے پہلے اس کو حق ہے کہ عرف عام کے مطابق اپنا کھیت پانی سے بھر لے پھر زائد پانی دوسروں کے لئے چھوڑ دے اور اگر نہر میں پانی بند ہونے کا اندیشہ ہو یا پانی کم آ رہا ہو تو نہر سے متصل کھیت اور باغ کے مالک کو چاہئے کہ بھرے بغیر محض سیراب کر کے پانی اپنے متصل کھیت کے لئے چھوڑ دے، یہ عمل ان کا فضل و احسان اور اخلاقیات میں شمار ہوگا ایسا کرنا ان کے لئے ضروری نہیں ہے، حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری صحابیؓ میں کھیت کو سینچنے کے بارے میں جب اختلاف ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو اپنا کھیت محض سیراب کر کے انصاری کے کھیت کے لئے پانی چھوڑنے کا حکم دیا لیکن جب انصاری صحابیؓ کو اس پر اعتراض ہوا تو آپ ﷺ نے اب عدل اور قانون اسلامی کے مطابق فیصلہ فرمایا اور حکم دیا: یا زبیر! اسق ارضک الی ان یبلغ الجذر (صحیح بخاری و مسلم) (زبیر! تم اپنا کھیت اس طرح سینچ لو کہ درخت کا جڑ ڈوب جائے)۔ کو یا یہ ہر کھیت والے کا حق ہے اور اس سے پہلے پانی کا چھوڑ دینا افضل ہے۔

اسی طرح حضرت عبادہؓ سے مروی یہ حدیث بھی قابل استدلال ہے:

أن النبی ﷺ قضی فی شرب النخل من السیل: أن الأعلى یشرب قبل الأسفل ویترک الماء الی الکعبین ثم یرسل الماء الی الأسفل الذی یلیہ وکذلک حتی تنقضی الحوائط أو یفنی الماء (ابن ماجہ، مستدرک)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

وینتفع الناس بماء الأمطار أو السیول أو النهر الصغیر الذی یزدحم الناس فیہ بأن یبدأ بالأعلى فیسقی أرضه حتی یصل الی الکعب (النهاية) ثم یرسله الی من یلیہ فیسقی ویحبس الماء حتی یصل الی کعبه ثم یرسله الی من

یلبہ فیفعل کذلک (الحدیث الاسلامی وادبیہ ۵/۵۹۹)۔

۱۲- پانی کی مختلف قسمیں ہو سکتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے، آسانی کے لئے پانی کو تین قسموں میں کر سکتے ہیں:

الف- وہ پانی جسے اپنے برتن، گھڑا، حوض یا کسی مخصوص جگہ جمع کر لیا جائے اسے ماء محرز کہا جاتا ہے، اس پر بالاتفاق محرز کی ملکیت ہوگی، دوسروں کو اس کی اجازت کے بغیر اس سے استفادہ کرنا درست نہ ہوگا۔

ب- پانی کی دوسری قسم سمندروں، دریاؤں، ندیوں، نہروں اور عام چشموں کا پانی ہے، وہ مباح عام ہے، اس میں نر اور اشخاص کو بالاتفاق ملکیت حاصل نہیں ہوتی ہے، البتہ اس میں سے جو پانی برتن وغیرہ میں احراز کر لیا جائے، احراز کے بعد اس پر ملکیت حاصل ہوگی۔

ج- تیسری صورت ہے کہ کسی شخص کا اپنا ذاتی کنواں ہے، اس ذاتی اور مملوک کنویں کے پانی پر کس کی ملکیت ہے، یہ مثل مختلف فیہ ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالک کی ملکیت حاصل نہ ہوگی بلکہ اسے مباح کہا جائے گا، ندی، نہر، تالاب اور عام چشموں کی طرح اس سے عام لوگوں کو استفادہ کا حق ہوگا البتہ صرف اپنی گھریلو ضروریات اور جانوروں کو سیراب کرنے کے لئے درست ہے، کھیت یا باغات وغیرہ بلا اجازت سیراب نہیں کیا جاسکتا، اس سے کنویں کے مالک کو ضرر ہوگا چوں کہ کنواں ان کا مملوک ہے اس لئے ان کو حق خاص ہوگا، اپنے درخت، کھیت وغیرہ سیراب کرنے کا ان کو حق حاصل ہے اگر دوسرے پانی کثیر مقدار میں نکال لیں تو مالک سر نقصان میں رہیں گے۔

ومن استقی منه شیئا فهو له قال (أبو یوسف) ولیس لصاحب العین والقناة والبر والنهر أن يمنع الماء من ابن السبیل لما جاء فی ذلك من الأحادیث والآثار وله أن يمنع سقی الزرع والنخل والشجر والکرم وهو یضر لصاحبه فأما حیوان والمواشی والإبل والدواب فلیس له أن يمنع من ذلك (اعلاء السنن ۱۳/۱۶۷)۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: الناس شركاء في ثلث: الماء والكلاء والنار
(ابوداؤد) (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں، پانی، گھاس اور آگ)۔

لفظ عام ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی، خود روگھاس اور آگ سے حاصل ہونے والی روشنی عام لوگوں کے لئے مباح ہے، اس دلیل سے احناف نے کنویں کے پانی کو خواہ وہ ذاتی زمین میں ہو یا ارض مباح میں، اس کو انفرادی کے لئے غیر مملوک قرار دیا ہے، سلامتی کی شرط کے ساتھ ہر ایک کو اس سے نفع حاصل کرنے کا حق حاصل ہے، تاہم نفع کے حصول کے لئے کنواں اگر گھر کے اندر ہو یا باؤنڈری میں تو دخول کی اجازت لینا ضروری ہوگا، ورنہ مالک کو ضرر لاحق ہوگا اور حدیث ہے: لا ضرر ولا ضرار۔

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ذاتی کنواں کے پانی پر ملکیت حاصل ہوگی، یعنی جس کنویں کو اپنی محنت سے کھودا ہے، خواہ وہ ارض مملوک میں ہو یا ارض مباح میں، کنواں نکالنے کے لئے محنت اور پیسے لگائے، لہذا انفرادی کنویں کے پانی پر ملک حاصل ہوگا، البتہ ان کے نزدیک بھی ضرورت مندوں کو پانی دینا ضروری ہوگا، استعمال سے زائد پانی کو روکنا درست نہیں ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا تمنعوا فضل الماء لئلا تمنعوا به الكلاء (صحیح بخاری) (لوگوں کو بچے ہوئے پانی سے منع نہ کرو تا کہ اس کے بہانے تم گھاس سے منع کرو)۔ بہر حال ذاتی کنویں کے سلسلے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، احناف کے نزدیک انفرادی کنواں پر ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور شوائب کے یہاں ذاتی کنویں کے پانی پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے، طرفین برحق ہیں، دونوں کے مقلدین کو اپنے اپنے امام کی رائے پر عمل کرنا چاہئے، کیوں کہ کوئی شدید ضرورت نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اپنے امام کے قول سے عدول کیا جائے۔

۱۳۔ جن صورتوں میں آدمی پانی کا مالک بن جاتا ہے، یعنی ماء محرز کو جمہور علماء کے نزدیک بیچنا جائز ہے اور آج اسی پر لوگوں کا عمل ہے بلکہ پانی کی بیع قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے؛ البتہ اس میں زیادتی بعد کے زمانے میں پیدا ہوئی ہے۔ پانی کی بیع درج ذیل دلائل سے

درست ہے:

الف- رسول اکرم ﷺ کی ترغیب پر حضرت عثمان غنیؓ نے بڑی عمدہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا (نیل الاوطار ۱۳۶/۵)۔

ب- المسلمون شرکاء فی ثلاث: الماء والکلاء والنار۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے گھاس میں بھی عام مسلمانوں کو شریک بتایا ہے، مگر احراز کے بعد گھاس کی بیج بلا اتفاق جائز ہے، اس لئے کہ ایک صحابی کو آپ ﷺ نے جنگل سے لکڑی وغیرہ کاٹ کر بیج کرنے اور گذر بسر کرنے کی ہدایت دی تھی، جب لکڑی اور گھاس وغیرہ کی بیج احراز کے بعد درست ہے تو پانی کی بیج بھی ملکیت کے بعد درست ہوگی۔

ج- أن رسول الله ﷺ نهی عن بیع الماء إلا ما حمل منه (اعلاء السنن ۱۶۶/۱۳)۔

حمل سے مراد احراز ہے، حدیث میں غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عام پانی کی بیج درست نہیں ہے؛ البتہ جب اس کو جمع کر لیا جائے تو درست ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ نے عن رسول الله ﷺ عن بیع الماء کے تحت فرماتے ہیں: ہلما عندنا أنه نهی عن بیعہ قبل أن یحوز و الإحراز لا یكون إلا فی الأوعية والآنية فأما الآبار والأحواض فلا (اعلاء السنن ۱۶۸/۱۳)۔

مولانا ظفر احمد عثمانی نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالے سے پانی کی بیج کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔

وعلى ذلك مضت العادة فى الأمصار ببيع الماء فى الروايا والحطب والکلاء من غیر نکیہ قلت وهذا مما یؤید ما رواه أبو بکر عن المشیخة فإن عمل الأمة من غیر نکیہ یتنزل منزلة الإجماع (اعلاء السنن ۱۶۶/۱۳)۔ در مختار (۳۱۱/۵)، بدائع الصنائع (۱۸۸/۶)، تبیین الحقائق (۳۹/۶)، المغنی (۵۳۶/۵)، فتح القدر (۱۳۸/۸) میں پانی کی بیج سے متعلق تفصیلی بحث کرتے ہوئے سب نے اس کی بیج کو جائز قرار دیا ہے۔

وہ پانی جو برتن اور خاص جگہ میں ہو اس کی بیخ تو بالاتفاق درست ہے، البتہ کنویں کے پانی کی بیخ احناف کے نزدیک احراز سے قبل درست نہیں، پہلے کسی برتن میں جمع کر لیا جائے، مقدار کے تعین کے بعد اس کی بیخ درست ہوگی جیسا کہ دیگر اشیاء مباح کی بیخ کا یہی حکم ہے، البتہ شوائع کے نزدیک چوں کہ کنویں پر ملکیت ہو جاتی ہے اس لئے اس کے پانی کی بیخ درست ہوگی۔

۱۴- شہروں میں نشیبی علاقوں کے حصے میں پلاننگ کر کے اس کی بیخ درست ہے، اس میں آبادیوں کا بسانا بھی درست ہوگا، چوں کہ رہائش بھی ایک ضرورت ہے، جب شہر پھیلے گا اور نشیبی علاقوں کے علاوہ کوئی جگہ نہ ہوگی تو زندگی بسر کرنے کے لئے مکانات کی تعمیر ان نشیبی علاقوں میں ناگزیر ہو جائے گی، پانی وغیرہ کا اسٹاک شہر سے باہر بھی کیا جاسکتا ہے بلکہ بیرون شہر ہی اس کے لئے مناسب ہے، اگر آبادی بسانے کی اجازت نہ دی جائے تو نقصان زیادہ ہوگا اور یہ بہ حیثیت مجموعی پانی کی سطح نیچے چلی جانے کا نقصان خفیف ہے، اس لئے الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف اور لا ضرر ولا ضرار کے قاعدے سے یہ درست ہے۔

لیکن واضح رہے کہ اگر حکومت مصالح عامہ کی وجہ سے منع کر دے اور نشیبی علاقوں میں آبادیاں بسانے پر پابندی لگا دے تو پھر پلاننگ کرنا اور آبادیاں بسانا درست نہ ہوگا، اس لئے کہ مصالح عامہ، عدل و انصاف، ضرر و ضرار سے تحفظ کے لئے جو قانون بنایا جائے شرعاً ایسے قانون کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ مشہور محقق ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

إن الذين يخالفون القانون الذي يحفظ الحقوق ويقر العدل ويقوم ميزانه هؤلاء يعتبرون شرعا مخالفتين للدين نفسه لأن الدين يأمر بطاعة مثل هذه القوانين التنظيمية ما دامت بالمعروف وفي غير معصية (تاویلی، ص ۱۵۹/۱۵۹)۔

البتہ نشیبی علاقے اگر کسی کی ملکیت ہو تو حکومت کو چاہئے کہ معروف طریقے پر اس کا معاوضہ فراہم کر دے، اس لئے کہ قاعدہ ہے: الاضرار لا يبطل حق الغير..... لا ضرر ولا ضرار۔

۱۵- حکومت پر واجب ہے کہ عوام کو درپیش ضرورتیں فراہم کرے جیسے سڑکیں، لائٹ، آمد و رفت کی سہولت اور پانی وغیرہ، ہر شہری کو حق حاصل ہے کہ وہ حکومت سے ان چیزوں کا مطالبہ کرے؛ البتہ حکومت کے لئے یہ درست ہے کہ وہ عوام سے مناسب مقدار میں اس کا عوض لے، جیسے بسوں اور ٹرینوں کا کرایہ، سڑکوں کا ٹیکس وغیرہ لیا جاتا ہے اسی طرح پانی فراہم کرنے کا عوض بھی لیما درست ہوگا، اور اجرت نہ دینے کی صورت میں حکومت کو پانی روک لینے کا حق ہے، کیوں کہ پانی اور سہولت کی چیزیں فراہم کرنے کا اگر عوض نہ دیا جائے تو یہ صرفہ کس طرح پورا ہوگا، بیت المال سے حکومت چلتی ہے اور بیت المال کا خزانہ تو عوام سے ہی لیا جائے گا جیسے خمس، عشر، خراج وغیرہ سب اسی کی صورتیں ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے خیبر کی زمین کو بعض عوض کے بدلے تقسیم کیا تھا۔

تاہم اگر کوئی غریب ہے، ذرائع آمدنی نہیں ہے تو ان کو پانی کے عوض نہ دینے کی صورت میں پانی روک دینا درست نہ ہوگا، کیوں کہ وہ مجبور ہے اور ضرطرار کی کیفیت سے گزر رہا ہے اور بیت المال میں تمام فراہمی کی ملکیت پائی جاتی ہے البتہ اس کا نظم و نسق حکومت کے قبضے میں ہے۔

۱۶- عوام کو جس طرح کا بھی ضرر ہو یا ضرر کا اندیشہ ہو اس سے بچانا حکومت کی ذمہ داری ہے، ڈرنیج کا نظام نہ بنانے کی صورت میں امراض پھیلیں گے، وبا پھیلے گی، اور عوام متاثر ہوں گے، اس لئے شہریوں کا حق ہے کہ وہ ڈرنیج بنانے کا مطالبہ کریں اور حکومت فوری طور پر اس کا نظام بنائے، اس لئے کہ ضرر عام کا دفع حکومت کے واجبات میں سے ہے: فکل ما یری ولی الأمر فعله أقرب إلى الصلاح للرعیة وأبعد عن الفساد فله أن یفعله بل قد یجب علیہ (فتاویٰ حاکمہ ۱/ ۵۸۳)۔

هذا ما عندی و اللہ اعلم بالصواب

آبی وسائل سے متعلق شرعی ہدایات

مفتی سید باقر ارشد بنگلوری قاسمی ✽

پانی اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام نعمتوں میں ایک ایسی اہم نعمت ہے جس کے حصول پر رب عظیم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس دنیا کے لئے اور بالخصوص حیاتِ انسانی کے لئے پانی بے حد ضروری ہے، اس کے بغیر انسانی زندگی اور اس کے متعلقات محال ہیں۔ ماحول اور انسانی حیات سے متعلق تمام وسائل پانی ہی پر منحصر ہیں۔ اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر دنیا والے ہر سال مارچ ۲۲ کو 'عالمی یوم آب' یا 'ورلڈ واٹر ڈے' مناتے ہوئے عوام کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ تیزی سے پانی کی مقدار میں آتی جارہی کمی پر قابو پایا جائے۔ دنیا اور دنیا والے پانی کی قلت اور اس کی دن بہ دن کم ہوتی ہوئی مقدار کے تدارک کا انتظام عملی طور پر کرنے سے قاصر ہیں یا اس سلسلہ میں سنجیدہ نہیں ہیں۔ یوم آب یا واٹر ڈے منالینا اس کا کوئی حل نہیں بلکہ عملی اقدام کی ضرورت ہے، یا کسی ایسے نظام یا دستور یا قانون یا پھر طرزِ حیات و طریقہ بود و باش کی ضرورت ہے جس میں پانی کو کم سے کم استعمال کیا جائے یا پانی کی حفاظت اور پانی کے ضیاع اور اس کی فضول خرچی پر روک لگ سکے۔

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

شرب کے لغوی معنی پانی کے حصہ کے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں شرب کہتے ہیں:

پانی سے فائدہ حاصل کرنا، زراعت کے لئے اور جانوروں کے پلانے کے لئے۔ ہو لغة نصیب الماء، وشرعاً نوبة الانتفاع بالماء سقياً للزراعة والمواہب..... (الدر المختار ۱۲/۱۰، مکتبہ زکریا)۔

شفقة کے معنی ہیں انسانوں اور جانوروں کے پینے اور استعمال کے حق کے..... الشفة: شرب بنی آدم والبہائم..... (الدر المختار ۱۲/۱۰، مکتبہ زکریا)۔ وفي الفقه الاسلامی واولیہ: ہو حق الانتفاع بالماء لشرب الإنسان والاستعمال المنزلی من طبخ وغسل ونحوہما، ولسقی البہائم بالشفاه لدفع العطش ونحوہ..... الخ (۶۰۲/۵)۔

پانی کے استعمال کے سلسلہ میں شریعت کے احکام یہ ہیں کہ غیر مملوکہ پانی کے استعمال کا ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ لیکن اس کا استعمال ایسے کرے کہ دوسرے کو یا عوام کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور نہ ہی اس پانی کے ذریعہ کو کسی قسم کا ضرر ہو۔ رسول اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: الناس شركاء في ثلاث: الماء والكلاء والنار (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی گھاس اور آگ)۔ مملوکہ پانی کے استعمال میں پانی کے مالک کی اجازت ضروری ہے۔ اگر پانی پر مشترکہ ملکیت ہو تو ایسی صورت میں اس کے استعمال کے لئے پہلا حق اس کا ہوگا جس کا نقصان زیادہ ہو رہا ہو۔ حدیث رسول اکرم ﷺ ”لا ضرر ولا ضرار“ کے تحت پانی کے استعمال میں عوام کا مفاد بھی پیش نظر رہے، پانی کا زیادہ استعمال یا پانی کو ایسا سینچنا کہ عوام کو نقصان ہو تو ایسی صورت میں اجتماعی ضرورت پیش نظر رہے اور انفرادی مفاد کو ترجیح نہ دی جائے۔

عوام کے لئے جائز ہے کہ وہ بارش کے پانی سے استفادہ کریں، اس کو اپنے استعمال کے لئے بہنے سے روکیں اور اس کو محفوظ کر کے بعد میں استعمال کریں۔ اسی طرح سے بہتے ہوئے پانی سے استفادہ کرنا عوام کے لئے جائز ہے۔

اگر پانی ایک آدمی کی ملکیت ہے تو وہ جیسے چاہے ویسے اس سے انتفاع کر سکتا ہے، لیکن اگر پانی کے ایک سے زیادہ مالک ہیں تو ان کے درمیان عدل قائم رکھنا ضروری ہے۔ اور ان میں جس کا زیادہ نقصان ہونے کا اندیشہ ہو اس کو پہلے انتفاع کا موقع ہوگا۔

ٹیوب ویل، کنواں یا نہر سے آب پاشی کے لئے بنائی گئی چھوٹی چھوٹی مالیوں کے پانی سے انسانوں و جانوروں کے پینے کے لئے مباح ہے۔ کسی حکومت کے لئے یہ مناسب نہیں کہ عوام کے پیسوں سے بنائی گئی نہروں اور ٹیوب ویل کے پانی کا کرایہ لے۔

پانی کی اقسام:

مطلق پانی کی قسمیں:

۱- آسمان کا پانی یعنی برسات کا پانی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ۔ وفي الموسوعة الفقهية: الأول: ماء السماء أي النازل منها یعنی المطر۔ ومنه الندى (الموسوعة الفقهية ۲۵۹/۳۹ باب المياه)۔

۲- سمندر کا پانی: وفي الموسوعة الفقهية: ما البحر، والأصل فيه ما رواه أبو هريرة: سأل رجل رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! إنا نركب البحر ونحمل معنا القليل من الماء فإن توضعنا به عطشنا أفنتوضأ من ماء البحر، فقال رسول الله ﷺ: هو الطهور ماؤه الحل ميتته (الموسوعة الفقهية ۲۵۹/۳۹ باب المياه)۔

۳- بڑی اور چھوٹی نہروں کا، مالوں کا پانی۔

۴- کنویں کا پانی: وفي الموسوعة الفقهية: والأصل فيه ما ورد عن أبي سعيد الخدري قال: قيل: يا رسول الله ﷺ! أنتوضأ من بئر بضاعة، وهي بئر يلتقى فيها الحيض ولحوم الكلاب والنتن؛ أي كانت تجرفها إليها السيول من الطرق والأفنية ولا تطرح فيها قصداً ولا عمداً فقال رسول الله ﷺ: إن الماء

طہور لا ینجسہ شئی (الموسمۃ القبریہ ۳۹/۳۵۹ باب المیاء)۔

۵۔ چشمے کا پانی، یعنی وہ پانی جو زیر زمین نکلتا ہے۔

۶۔ برف کا پانی: برف میں دو قسمیں ہیں: ایک وہ برف جو آسمان سے پانی کی شکل میں گرتی ہے اور پھر جامد ہو جاتی ہے یا پھر پانی ہی کو مصنوعی طریقوں سے برف بنایا جاتا ہے۔ ماء الثلج وهو ما نزل من السماء مانعاً ثم جمداً، أو ما يتم تجميده بالوسائل الصناعية الحديثة۔ دوسری قسم برف کی وہ ہے جو آسمان ہی سے جامد گرتی ہے اور زمین پر پانی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ماء البرد وهو ما نزل من السماء جامداً ثم ماع علی الأرض، ویسمى حب الغمام وحب المزن..... (الموسمۃ القبریہ ۳۹/۳۵۹ باب المیاء)۔

نجاست و طہارت کے اعتبار سے پانی کی قسمیں:

نجاست و طہارت کے لحاظ سے پانی کی تین قسمیں ہیں، طہور، طاہر اور غیر طہور منجس۔ طہور: پاک کرنے کی صلاحیت کا حامل پانی۔ یہ وہ پانی ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہو یا پھر زیر زمین موجود سوتوں سے نکلا ہو۔ اور اس پانی کی تین علامتوں (رنگ، بو و ذائقہ) میں سے کسی بھی علامت میں فرق نہ آیا ہو۔

طاہر: یہ وہ پانی ہے جو پاک کرنے والا تھا مگر اس کو اس طرح سے استعمال میں لایا گیا کہ اس کا رنگ یا ذائقہ یا بو کسی پاک شئی کے مل جانے سے متغیر ہو جائے، جیسے دودھ، گلاب کا عرق وغیرہ جس سے اس کے سیان و رقت میں فرق آ گیا ہو، ایسا پانی پاک تو رہے گا مگر اس کا وصف طہوریت باقی نہ رہے گا، لہذا اس سے وضو یا غسل جائز نہیں ہوگا بلکہ کھانے یا پینے میں اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

غیر طہور منجس: یہ نجاست آلود پانی ہے جو پاک نہیں ہے اور نہ ہی پاک کرنے والا، لیکن اگر نجاست کثیر پانی میں مل جائے اور اس سے اس کے رنگ یا ذائقہ و بو میں کوئی فرق نہ آئے

تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ کم مقدار کا پانی کسی نجس شئی کے مل جانے سے ناپاک ہو جائے گا خواہ رنگ، ذائقہ و بو بدلے یا نہ بدلے (کذا فی الکتب الصحیہ)۔

۲- پانی میں فضول خرچی کی صورتیں:

پانی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ لہذا پانی میں فضول خرچی نہ کی جائے، اس میں اسراف نہ کیا جائے، ارشاد باری ہے: ”کَلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ“ (اے بنی آدم کھاؤ اور پیو، لیکن اسراف مت کرو، اللہ تعالیٰ اسراف و فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ بتلادیا کہ وضو میں اعضاء کا ایک ایک مرتبہ دھونا فرض ہے، زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ دھونے کا جواز ہے، تین سے زیادہ مرتبہ دھونا اسراف میں داخل ہے اور یہ مکروہ ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے: قال أبو عبد الله: وبين النبي ﷺ أن فرض الوضوء مرة مرة وتوضأ أيضاً مرتين وثلاثاً ولم يزد على ثلاث وكره أهل العلم الإسراف فيه وأن يجاوزوا فعل النبي ﷺ..... (صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب ما جاء في الوضوء، ص ۱۵۱ انسا بکلیف بی آف حدیث)۔

رسول اکرم ﷺ پانی کے استعمال میں احتیاط فرمایا کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ وضو کے لئے ایک مد اور غسل کے لئے ایک صاع پانی کا استعمال کیا کرتے تھے، وزن کے اعتبار سے ایک مد پانی کی مقدار 2/3 لیٹر اور ایک صاع پانی کی مقدار 3 لیٹر اور 1/2 لیٹر ہوتی ہے۔ لہذا نووی شرح صحیح مسلم میں ہے: والمستحب ألا ينقص في الغسل عن صاع ولا في الوضوء عن مد..... والصاع خمسة أرتال وثلث بالبغدادی والمد رطل وثلث..... و ذکر جماعة من أصحابنا وجهاً لبعض أصحابنا؛ أن الصاع هنا ثمانية أرتال والمد رطلان..... وأجمع العلماء

على النهى عن الإسراف فى الماء ولو كان على شاطئ البحر، والأظهر أنه مكروه كراهة تنزيه، وقال بعض أصحابنا الإسراف حرام والله أعلم (صحیح مسلم بشرح النووي، القدر المستحب من الماء فى غسل الجنابة، ہی ڈی انسا ٹیکلریڈیا آف حدیث)۔

حدیث: ”أَنَّ الْوَجُوءَ شَيْطَانًا يُقَالُ لَهُ الْوَلْهَانُ فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ الْمَاءِ“ (رواه الترمذی) کے تحت تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے: والحديث يدل على كراهية الإسراف فى الماء للوضوء وقد أجمع العلماء على النهى عن الإسراف فى الماء ولو على شاطئ النهر..... (تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی، رقم حدیث: ۵۲)۔

صحیح مسلم اور سنن النسائی میں ہے: ”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ بِالْمَدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ.....“ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، رقم: ۴۹۰، سنن النسائی، کتاب الطہارۃ، رقم: ۷۲)۔

ان تمام عبارات و روایات سے واضح ہوتا ہے کہ پانی میں اسراف و فضول خرچی سے اجتناب کیا جائے، وضو میں اعضاء کو ایک ایک مرتبہ، یا دو مرتبہ یا تین تین مرتبہ دھویا جائے، اس سے زیادہ مرتبہ دھونا اسراف میں داخل ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر پانی کو فضول خرچ کرنے سے بچیں، مثلاً ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال، مگر یہ جات و دیہاتوں میں جہاں کھیتوں و باغات کو پانی سپلائی کیا جاتا ہے وہاں پانی ضرورت سے زیادہ پمپ ہاؤس سے خارج ہوتا ہے اور گندی نالیوں میں بہتا رہتا ہے، جب کہ شہروں میں پانی کی قلت کا رونا رویا جاتا ہے اور بہت ہی کم سپلائی شہروں کو ہوتی ہے۔

آج کل اسلام و مسلمین پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ روزانہ پنج وقتہ وضو سے پانی کا ضیاع ہو رہا ہے، اسراف ہو رہا ہے، جب کہ نبوی تعلیم یہ ہے کہ تین سے زیادہ مرتبہ اعضاء کا وضو میں دھونا اسراف اور وضو میں ایک مد سے زیادہ، غسل میں ایک صاع سے زیادہ کا استعمال اسراف میں شامل ہے۔ مگر دوسرے مذاہب میں اس طرح کی نہ تو تعلیم ملتی ہے اور نہ ہی اس

انداز میں پانی کے استعمال میں احتیاط کی جاتی ہے۔ منہ دھونے کے نام پر تلوں سے بے تحاشا پانی، غسل کے لئے شاہراہ اور بڑے سے ہاتھ ٹب کا استعمال کیا جاتا ہے، یہ سب فضول خرچی کو شامل ہے۔

۳- پانی کا آلودگی سے بچاؤ- شریعت کی نظر میں:

عن جابر عن رسول اللہ ﷺ أنه نهى أن يبال في الماء الراكد..... (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، رقم حدیث: ۴۲۳، وایضاً فی صحیح البخاری فی الوضوء رقم: ۲۳۲، التسانی فی الطہارۃ رقم: ۶۷ وغیرہ)۔
قال رسول اللہ ﷺ: لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم ولا یغتسل فیہ من الجنابة..... (سنن ابی داؤد طہارۃ: ۶۳)۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پانی کو آلودگی سے بچانے کے احکام و جوہ کے درجے میں ہیں اخلاقی نوعیت کے نہیں۔

جس طرح پانی کو آلودگی سے بچانے کے احکام شریعت میں وجوب کا درجہ رکھتے ہیں اسی طرح پانی کی صفائی اور اس کو پاک کرنے کے احکام بھی شریعت میں لازم و وجوب کا درجہ رکھتے ہیں۔

۴- کیمیاوی طریقہ سے پاک کیا گیا آلودہ و گندہ پانی:

پانی کی آلودگی کو دور کرنے کے روایتی دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ پانی میں سے کچھ متعین مقدار نکال دی جائے بقیہ پانی کے پاک ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس پانی میں کثیر مقدار میں (موجودہ آلودہ پانی کی مقدار سے زیادہ) پانی اس میں ملا دیا جائے تاکہ نجاست زائل ہو جائے۔

پانی کی آلودگی کو دور کرنے کا جدید طریقہ کے سلسلہ میں اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ نے

یہ تفصیل پیش کی ہے کہ پانی کی صفائی کے ماہرین نے وضاحت کی کہ پانی میں نجاست کو چار مرحلوں میں دور کیا جاتا ہے۔ پہلا مرحلہ ترسیب ہے یعنی پانی کو اس طرح جمع کرنا کہ اس کی کدورتیں نیچے بیٹھ جائیں۔ دوسرا مرحلہ اوپر کے پانی کو چھان کر الگ کر لینا ہے۔ تیسرا مرحلہ بیکٹر یا زکو مار دینا اور چوتھا مرحلہ کلورین کے ذریعہ بیکٹر یا زکو دوبارہ پیدا ہونے سے روک دینا ہے۔ ان مرحلوں کے بعد پانی کے مزہ، رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ ماہرین مسلمان، عادل اور صدق و امانت میں قابل اعتماد ہیں (اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے، ص ۳۱۷)۔

چنانچہ اس کی بنیاد پر اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ نے فیصلہ لیا ہے کہ جاری پانی کو اگر مذکورہ بالا یا اسی جیسے عمل کے ذریعہ صاف کر دیا جائے اور اس کے مزہ رنگ اور بو میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جائے گا۔ اور اس پانی سے پاکی کا حصول اور نجاست کا ازالہ اس فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہو جائے گا کہ اگر زیادہ پانی میں گری ہوئی نجاست کا ازالہ اس طرح ہو جائے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو پانی پاک ہو جاتا ہے (اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے، ص ۳۱۷-۳۱۸)۔

آلودہ پانی جو کیمیائی طریقہ سے پاک و صاف کیا گیا ہو، صفائی کے بعد اس میں سے وہ گندگیاں و آلودگیاں بھی دور ہو گئی ہوں اور صاف و پاک پانی کے اوصاف بھی پائے گئے ہوں تو میرے نزدیک ایسے پانی سے نجاست کا ازالہ، پاکی کا حصول اور کھیتوں و باغات کی سیرجائی اور اس کا پینے کے لئے استعمال جائز ہے۔

اسی طرح پانی پاک ہے مگر وہ استعمال کے قابل نہیں ہے، مثلاً سمندر کا پانی کھارا ہونے کی وجہ سے نہ پینے کے کام آتا ہے اور نہ ہی کپڑے وغیرہ دھونے کے۔ ایسے پانی کو کیمیائی طریقہ سے قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر آلودہ و گندہ پانی کو ایسا پاک کیا گیا کہ پانی کے پاک ہونے کی تین نصلتیں اس میں پائی گئیں (رنگ، مزہ، بو) تو ایسی صورت میں وہ پاک ہوگا۔

کیونکہ ماء کثیر ہو اور اس کا کوئی وصف متغیر ہو جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا (دیکھئے فتاویٰ ۲۲۲ رضانیہ ۹۲/۱، مکتبہ دارالایمان سہارنپور، مراۃ الفلاح، ۱۹۰۸)۔

۵- پانی کے استعمالات پر حکومتی پابندی جائز ہے یا ناجائز؟

تمام شہریوں کے لئے پانی پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لوگوں کے پینے، ان کے استعمال کے لئے، زمین کی سیچائی اور جانوروں کو پلانے کے لئے پانی کا پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہے اور شہریوں کا یہ بنیادی حق ہے۔ اب اس حق کو پہنچانے کے لئے حکومت اپنا اختیار استعمال کر سکتی ہے۔ لہذا پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے پانی کے بے جا استعمال پر حکومت پابندی لگا سکتی ہے اور اس طرح کی پابندی پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے۔ کیونکہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ پانی سب کو پہنچائے اور پانی کے ضیاع کو روکے۔ اگر کہیں کہیں پانی کا ضرورت سے زیادہ استعمال ہو رہا ہے اور یہ عام لوگوں کے لئے ضرر کا باعث ہے تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس طرح کی زیادتی کو روکے۔ کمافی اہندیہ: لو أراد الأمير أن يجعل شرباً لرجل من النهر الأعظم أو يزيد كوة إن كان يضر بالعامه لا يجوز وإن لم يضر بهم جاز..... (فتاویٰ اہندیہ ۳۸۰۵)۔

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں موجود پانی کی ملکیت کا مسئلہ:

آدمی کی مملوکہ زمین میں موجود پانی پر اسی آدمی کا حق ہے، اس پر حکومت اپنا حق نہیں جتا سکتی لہذا یہ کہ اس پانی و زمین کا مالک خود حکومت کو اس کا اختیار دے دے۔ اگر پانی کی سطح میں کمی کا خوف ہو تو ایسی صورت میں حکومت اس کو ضرورت سے زیادہ کے استعمال سے منع کر سکتی ہے، بقدر ضرورت استعمال سے منع کرنے کا پھر بھی اس کو کوئی حق نہیں۔ ہاں فرزند پانی کو مالک زمین یا پانی کا مالک روک نہیں سکتا، اس کو افادہ عام کے لئے جاری کر دینا چاہئے۔

اگر بہتا ہو پانی ہے، بڑی نہر یا بڑی ندی کی صورت میں تو اس صورت میں آدمی کی

زمین میں بننے والا پانی پر اس آدمی کا صرف پینے، استعمال کرنے اور جانوروں کو پلانے یا کھیت کو سیراب کرنے کا حق ہے، وہ اس کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اور حکومت اس کی حقدار ہے۔ مگر وہ آدمی کو پینے، استعمال کرنے، جانوروں کو پلانے، کھیت کو سیراب کرنے سے عام حالات میں روکنے کا حق نہیں رکھتی؛ البتہ پانی کی قلت کا قوی خوف ہو تو ایسی حالت میں حکومت اس کے استعمال سے روک سکتی ہے۔ ایسے حکم کا ماننا ضروری ہے (دیکھئے الموسوعۃ الفقہیہ ۱۳۹/۲۶، الفقہ الاسلامی وادلائہ ۶۰۳/۵، فتاویٰ ہندیہ ۳۸۰/۵)۔

۷۔ پانی کے ذخائر کی حفاظت کا حکم:

پانی کی قلت سے بچنے اور اس میں اضافہ کی کوشش کرنے کی حکومت اور عوام دونوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جہاں پانی کو محفوظ کیا جانے کا انتظام ہوتا ہے وہاں زیر زمین پانی میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ حکومت اگر شہریوں کو پابند کرتی ہے کہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو پانی کی حفاظت کے لئے مختص کریں تو اس کا ایسا کرنا صحیح ہے، کوئی قباحت نہیں۔ شرعاً اس کی تعمیل ضروری ہوگی۔

کمانی الفتاویٰ اہندیہ: واما الذی یکون کربہ وإصلاحہ علی اهل النہر
فان امتنعوا أجبرہم الإمام علی ذلک..... فإذا امتنعوا أجبرہم لأن فساد
ذلک یرجع إلى العامة وفيہ تقلیل الماء علی اهل الشفة..... الخ
(۳۷۳/۵)۔

اس عبارت میں جہاں امام المسلمین یا حکومت کو یہ اختیار ہے کہ مملوک نہروں کی اصلاح صاحب نہر کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو ان پر زبردستی کرے تاکہ وہ نہر کی اصلاح کریں، یہ زبردستی عوام کے مفاد کے لئے ہے، اسی طرح سے پانی کی قلت سے بچنے کے لئے حکومت عوام کو مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو پانی کی حفاظت کے لئے مختص کریں۔

۸- آبی ذخیرہ کے لئے آبادی کی منتقلی:

اجتماعی مصلحت کے پیش نظر ڈیم تعمیر کرنے یا بڑے پیمانے پر آبی ذخیرہ کے لئے آبادی کو دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے مگر اس آبادی میں موجود افراد کو ان کی اس جگہ کا بہتر معاوضہ ادا کیا جائے یا متبادل زمین دی جائے اور ان کی رضامندی سے زمین کو حاصل کیا جائے۔

۹- اپنی حفاظت کے لئے پانی کو دوسری بستی کی طرف چھوڑ دینا:

کسی آبادی میں سیلاب آجائے اور اس بستی والے اپنی حفاظت کی غرض سے ڈیم کو توڑ دیں اور پانی کو دوسری آبادی یا بستی کی طرف چھوڑ دیں اور ان کے اس اقدام سے دوسری بستی کے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں دینی و اخلاقی دونوں پہلوؤں سے جائز نہیں ہے۔ اپنی جان کی حفاظت کے لئے دوسرے کی جان لیوا جائز نہیں۔ خود کے نقصان سے بچنے کی خاطر دوسری بستی کو نقصان میں مبتلا کر دینا غیر انسانی حرکت ہے، اگر بستی والے سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے ڈیم کو توڑ کر پانی کو دوسری بستی کی جانب چھوڑ دیتے ہیں تو ان پر ضمان واجب ہوگا۔ ساری بستی والے اس بستی کے نقصان کی بھر پائی کریں گے۔

کمانی اہندیہ: رجل سقى أرضه فتعدى الماء إلى أرض جارہ أن أجرى الماء إجراء لا يستقر فی أرضه بل يستقر فی أرض جارہ یضمن..... وإن كانت أرضه فی صعلة وأرض جارہ فی هبطة ویعلم أنه لو سقى أرضه یتعدى إلى أرض جارہ یضمن..... (تاویلی اہندیہ ۵/ ۲۸۲-۲۸۳)۔

وعلىٰ هذا قالوا: إذا فتح رأس نهره فسال من النهر شئى إلى أرض جارہ فغرقت ينظر إن كان فتح من الماء مقدار ما يفتح من الماء فى مثل ذلك النهر فى العرف والعادة لا یضمن وإن فتح مقدار ما لا يفتح مثله فى ذلك النهر ضمن كذا فى محیط السرخسى..... (تاویلی اہندیہ ۵/ ۲۸۳)۔

۱۰- عام آبی ذخائر سے استفادہ کی حد:

دریا، ندی، عوامی کنویں اور چشموں کا پانی کسی کی ملکیت نہیں بلکہ یہ عام استعمال کے لئے ہے اور اس پر کوئی اپنا حق جتا بھی نہیں سکتا۔ سرکاری تالاب حکومت کی ملکیت ہوتا ہے اور حکومت کی اجازت سے اس کی ملکیت سے عوام کے لئے استفادہ کرنا جائز ہے۔ ان میں عامۃ الناس کے لئے حق شفعہ وحق سقی اراضی ہے۔ یعنی ان تمام ذرائع سے عام لوگ پینے کا پانی حاصل کر سکتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلا سکتے ہیں۔ کھیتوں کی سیرابی کے لئے بھی ان کا پانی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ ان ذرائع سے پانی بھی کھینچ سکتے ہیں اور پانی کو کاٹ کر اپنی زمین یا کھیت تک لیجا سکتے ہیں، اس کے لئے وہ مشین کا استعمال بھی کر سکتے ہیں بشرطیکہ عوام کو اس سے کوئی نقصان نہ ہو۔ اگر ضرر عامہ ہو تو ایسی صورت میں پانی کو کاٹ کر لے جانا جائز نہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: الناس شركاء فی ثلاث: الماء والكلأ والنار (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی گھاس اور آگ)۔
وفی رد المحتار: أن المياة أربعة أنواع. الأول: ماء البحار، و لكل أحد فیها حق الشفة و سقى الأراضی فلا یمنع من الانتفاع علی ائى وجه شاء..... و حاصله: أن لكل أحد فی الأولین حق الشفة و السقى لأرضه، و فی الثالث حق الشفة فقط، و لاحتی فی الرابع لأحد..... (رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱۰، ۱۲/۱، مکتبہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)۔

۱۱- بہتے ہوئے پانی سے کس حد تک استفادہ کا حق ہے؟

بہتے ہوئے پانی سے استفادہ کا عام لوگوں کو حق ہے، کیونکہ بہتے ہوئے پانی پر کسی کی ملکیت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی کھدائی میں کسی شخص نے محنت و جدوجہد

نہ کی ہو۔ لیکن کوئی ایسی نہر یا ندی جو مختلف علاقوں اور لوگوں کے کھیتوں پر سے گذرتی ہو تو اس پر ان سب لوگوں کا حق ہے جن جن کے کھیتوں پر سے وہ نہر یا ندی گذرتی ہے۔ ہر ایک کو اختیار ہے کہ اس نہر یا ندی کو نقصان پہنچائے بغیر نہر یا ندی سے کوئی مالہ کھود کر اپنی زمین یا کھیت تک لے جائے۔ ہاں اگر اس کے اس فعل سے نہر یا ندی کو نقصان پہنچتا ہے تو ایسی صورت میں یہ مفاد عامہ کے خلاف ہوگا، اس شخص کے لئے یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ مالہ کھودے، البتہ وہ کسی برتن سے پانی لے کر کھیت یا زمین تک پہنچا سکتا ہے یا عارضی طریقہ سے یا مشین وغیرہ سے سینچائی کر کے پانی کو حاصل کر سکتا ہے۔ و فی الفتاویٰ الہندیہ: ما یجری علی نہر خاص لقریۃ فلغیرہم فیہ شركة فی الشفة وهو الشرب وسقى الدواب (الفتاویٰ الہندیہ ۵/۷۵، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

خود کے پینے کے لئے یا اپنے جانور کو پانی پلانے کے لئے اور دوسری ضروریات کے لئے اس نہر کا پانی وہ شخص استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس کے لئے وہ کوئی سا طریقہ استعمال کر سکتا ہے بشرط یہ کہ اس کے اس اقدام سے نہر کو یا کسی دوسرے پڑوسی کو نقصان نہ پہنچے۔ ایسا شخص جس کے کھیت یا زمین پر سے وہ نہر یا ندی نہ گذر رہی ہو تو اس کے لئے اس نہر سے پانی پینے، اپنے جانوروں کو پانی پلانے کا اختیار ہوگا۔ مگر اس کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اس نہر سے اپنی کھیتی، زمین یا درخت کو پانی دے، نہ ہی وہ نہر کو کاٹ کر کھیت یا زمین تک پانی لیجا سکتا ہے اور نہ ہی وہ برتن میں بھر بھر کر پانی لیجا سکتا ہے۔ اہل نہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو اس ضمن میں روکیں (دیکھئے الفتاویٰ الہندیہ ۵/۷۵، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

حکومت اس بڑی نہر یا ندی میں سے اگر کسی کو استعمال کرنے کے لئے نہر کھودنے کی اجازت دے دے، ایسی صورت میں اگر اس سے دوسرے عام لوگوں کو ضرر پہنچتا ہو تو حکومت کا اجازت دینا جائز نہیں، اور اگر عام لوگوں کو ضرر نہ پہنچتا ہو تو اجازت دینا حکومت کے لئے جائز ہے۔ ضرر نہ پہنچتا ہو پھر بھی پڑوسیوں نے منع کیا یا اس کو روکنا چاہا تو ان کا روکنا جائز نہیں۔ کمافی

ابندیہ: لو أراد الأمير أن يجعل شرباً لرجل من النهر الأعظم أو يزيد كوة إن كان يضر بالعامه لا يجوز وإن لم يضر بهم جاز..... (الفتاویٰ الہندیہ ۲۸۰/۵)۔

۱۲- پانی پر ملکیت کی صورتیں

ملکیت کے اعتبار سے پانی کے چار ذرائع ہیں:

۱- سمندر

سمندر کا پانی، قدرتی نہریں و بڑے بڑے دریا کسی کی ملکیت نہیں بلکہ یہ عام استعمال کے لئے ہے اور اس پر کوئی اپنا حق جتا بھی نہیں سکتا۔ اس میں عامۃ الناس کے لئے حق شفعہ و حق سقی اراضی ہے۔ یعنی ان ذرائع سے عام لوگ پینے کا پانی حاصل کر سکتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلا سکتے ہیں۔ کھیتوں کی سیرابی کے لئے بھی ان کا پانی استعمال کر سکتے ہیں۔ کوئی کسی کو روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ سمندر کا پانی اور اس سے استفادہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ سورج و چاند کی روشنی اور ہوا سے استفادہ کرنا، جیسا ان کے استفادے میں کوئی کسی کو روکنے کا اختیار نہیں رکھتا ایسے ہی سمندر کے پانی سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ یہ قدرتی وسیلہ ہے اور پانی کا عظیم سرچشمہ۔ بڑی نہریں اور بڑے بڑے دریا بھی قدرت کا عظیم تحفہ ہیں اور عامۃ الناس کے استفادے کے لئے بنائے گئے ہیں (دیکھئے مدد المختار علی مدد المختار، ۱۲/۱۰، مکتبہ کراچی، بند، الفتاویٰ الہندیہ ۲۷۵/۵ کتاب اشرب)۔

۲- نہر خاص:

وہ جھیلیں یا تالاب، نہریں جن کو کسی شخص نے اپنی ذاتی محنت و مشقت اور صلاحیت سے اپنے سرمایے سے بنوایا ہو یا حکومت نے اپنے سرمایے سے بنوایا ہو۔ یہ دوسری قسم کا پانی جو کسی خاص آدمی کی ملکیت ہو، اس کا استعمال انسان و جانور اپنی ضرورت کے لئے کر سکتا ہے، مگر ملکیت کی سیرابی یا سینچائی بغیر اس کے مالک کی اجازت کے جائز نہیں۔ ہاں اس کے مالک کو یہ حق نہیں

کہ لوگوں کو پانی پینے اور جانوروں کو پانی پلانے سے روکے یا پانی پینے یا پلانے کا کوئی کرایہ وصول کرے یا اس پانی کو فروخت کرے، البتہ اس پانی کو کسی برتن میں محفوظ کر کے فروخت کر سکتا ہے (درالمختار علی الدر الخلد، ۱۴/۱۰، مکتبہ ذکر یاد باند)۔

۳- کنواں یا حوض:

وہ کنواں اور حوض جن کو کسی شخص نے اپنی ذاتی محنت و مشقت اور صلاحیت سے اپنے سرمایے سے بنوایا ہو یا حکومت نے اپنے سرمایے سے بنوایا ہو۔ اس قسم کے پانی کے مالک کو یہ حق نہیں لوگوں کو پانی پینے اور جانوروں کو پانی پلانے سے روکے یا پانی پلانے یا پینے کا کوئی کرایہ وصول کرے۔ مگر کھیت کی سیرابی یا سیچائی بغیر اس کے مالک کی اجازت کے جائز نہیں (درالمختار علی الدر الخلد، ۱۴/۱۰، مکتبہ ذکر یاد باند)۔

اگر اس کے مالک نے لوگوں کو پانی پینے سے روکا اور لوگوں کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ پانی پینے کا نہیں ہے تو ایسی صورت میں لوگ جبراً اس شخص کے کنویں یا حوض سے پانی لے سکتے ہیں۔ مگر جب کثرت استعمال سے تالاب یا حوض کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا پانی کے خراب ہونے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں پانی کے استعمال سے اس کا مالک روک سکتا ہے یا اس کا کرایہ لے کر استعمال کی اجازت دے سکتا ہے۔ ان ذرائع سے انسان و جانوروں کے پینے کے لئے پانی کا استعمال مباح ہے۔

۴- ذخیرہ کیا ہو پانی:

وہ پانی جس کو کوئی شخص ذخیرہ کر لیتا ہو، بارش کا پانی یا ٹینک یا گھڑے میں بھر کر اپنے استعمال کے لئے رکھتا ہو۔ یعنی برتن میں محفوظ کیا ہو پانی محفوظ کرنے والے کی ملکیت ہے، اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں۔ اس پانی کو اس کا مالک فروخت کر سکتا ہے۔ اگر کسی کی پیاس کی وجہ سے جان پر بن آئی ہے اور اس برتن کے پانی کے علاوہ کہیں دوسرا پانی بھی میسر نہیں تو ایسی صورت

میں جبراً اس پانی کے مالک سے پانی کو لیا اور پیا جا سکتا ہے (دیکھئے: درالمختار علی الدر المختار، ۱۲/۱۰، مکتبہ ذکریہ، دہلی، ۱۳۹۷ھ)۔

کھیت کو پانی پہنچانے کے لئے کنواں یا نہر کھودنا یا ندی یا تالاب سے پانی لینے کے لئے کوئی انتظام کرنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے۔

ندی یا تالاب میں پانی نکالنے یا لینے کی مشین لگا کر بھی پانی لینے کا حق ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس سے دوسرے کو نقصان نہ ہو۔ اور اگر پانی ختم ہو جائے یا دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہو تو مشین لگا کر پانی لینے سے روکا جائے گا۔

ایسی جگہ جہاں کھیت کو پانی پہنچانے کا یا آب رسانی کا ذریعہ نہ ہو یا ذریعہ ختم ہو گیا ہو تو ایسی جگہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے صرفہ سے اس کا انتظام کرے، اگر اس کے بجٹ میں گنجائش نہ نکلے تو اس کو چاہئے کہ عوام سے اپیل کرے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔

نہر سے دور وائی زمین کے مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زمین تک پانی کو بہا کر لے جائے یعنی سینچ کر لے جائے۔ اور پڑوس میں موجود زمین کے مالک کو یہ حق نہیں کہ وہ پانی کو سینچنے سے روکے۔

تاوان کے مسائل:

نیز کسی نے غیر ملکیت والے ذریعہ کا پانی کسی کے کھیت میں یا باغ میں جانے نہیں دیا جس سے اس کے کھیت کو نقصان ہو گیا..... ایسی صورت میں پانی کے روکنے والے پر تاوان واجب ہے۔

یا اسی طرح اپنے کھیت کا زیادہ پانی دوسرے کے کھیت میں کاٹ دیا جس سے اس کی کھیتی خراب ہو گئی یا ضائع ہو گئی تو ایسی صورت میں پانی زیادہ چھوڑنے والے سے تاوان لیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کسی نے راستے میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی گر کر مر گیا تو ایسی صورت میں اس کنواں کھودنے والے کو چاہئے کہ خون بہا دے۔ لیکن اگر اس نے راستے میں کنواں حکومت کے حکم سے کھودا تو ایسی صورت میں اس پر خون بہا نہیں ہے۔ اور اگر اس نے کنواں اپنی ذاتی ملکیت والی زمین میں کھودا اور کوئی گر کر مر گیا تو ایسی صورت میں اس پر خون بہا نہیں ہے۔

۱۳۔ مملوکہ پانی کی تجارت کا جواز:

دن بدن کم ہوتی زیر زمین پانی کی سطح کے نتیجے کے طور پر پانی کی قلت عام ہوتی جا رہی ہے۔ دنیا میں بعض حصے ایسے ہیں جہاں پانی کم یا بی و نایابی کے درجہ میں پہنچ چکا ہے۔ تقریباً ہر ملک میں آلودہ پانی و مستعمل پانی کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کا عمل شروع ہو گیا ہے، واٹر پوری فائر پلانٹ قائم کئے جا رہے ہیں، پانی کی حفاظت کی ہدایات دی جا رہی ہیں، ایسے میں پینے کی پانی کی قلت نے تاجر لوگوں اور حکومتوں کو پانی کی تجارت کا موقع فراہم کر دیا۔ بوجہ بند پینے کے پانی کی تجارت کا یہ طرز بہت ہی عام ہو گیا ہے۔ مختلف کمپنیاں باقاعدہ اس کاروبار میں شریک ہو گئی ہیں اور خوب خوب فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ دودھ کی قیمت بیس روپے ہے تو ایک لیٹر پانی کی قیمت بارہ سے پندرہ روپے ہے۔ بعض ممالک میں دودھ و مشروبات سے زیادہ قیمت پانی کی ہے۔

بہر کیف! زیر غور مسئلہ پانی کی تجارت ہی کا ہے کہ اسلامی شریعت اس سلسلہ میں ہمیں کیا حکم دیتی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: الناس شرکاء فی ثلاث: الماء والکلاء والنار (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی گھاس اور آگ)۔ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ پانی چونکہ اللہ کی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو لازمہ حیات بنایا ہے اور شریعت نے پانی کی فراہمی اور اس کے انتظام کرنے والے کے لئے اس عمل کو اس کے لئے

صدقہ جاریہ فرمایا: چنانچہ اس کے نتیجے میں پانی کی قلت اور اس کی فراہمی و دستیابی کے مشکل وقت میں آپ ﷺ کے داماد حضرت عثمانؓ نے روہنامی کنویں کو پینتیس ہزار درہم میں خرید کر اہل اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا، لہذا اس سلسلہ میں کوئی کسی کو نہ روکے اور نہ ہی پانی کی فراہمی و دستیابی کو مشکل بنائے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ اپنی ضرورت سے زیادہ موجود پانی کو دوسرے مسافروں سے روکنے والا قیامت کے روز اللہ کی نظر کرم کا مستحق نہ ہوگا۔ ثلاثۃ لا یکلمہم اللہ عزوجل ولا ینظر إلیہم ولا ینزکبہم ولہم عذاب الیم رجل علی فضل ماء بالفلاة یمنعہ من ابن السبیل..... الخ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ۵۱۵۱، ہی ڈی انسا بیکورپوریشن آف حدیث)۔ لیکن رسول اکرم ﷺ نے اس پانی کی تجارت کی اجازت دی ہے جس کو مالک نے محفوظ کر لیا ہو، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے: أنه نہی عن بیع الماء إلا ما حمل منہ..... (فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۳۳ بہ حوالہ الاسوال لابن سلام)۔ یعنی رسول اکرم ﷺ نے پانی بیچنے سے منع فرمایا سوائے اس مقدار کے جسے نکال کر محفوظ کر لیا گیا ہو۔

تاہم فقہاء کرام نے ایسے پانی کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے جس کو کسی برتن یا کسی کھائے میں بھر کر محفوظ کر لیا ہو۔ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ بننے والا پانی یا عوام کی ملکیت والے پانی کو کوئی فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی خرید سکتا ہے۔ مگر کسی نے اپنے ذاتی صرفہ سے اپنی زمین پر اپنی ملکیت میں کنواں کھود لیا پھر پانی کی ٹنکی یا کھائے رکھا اور اس میں پانی بھر کر محفوظ کر لیا تو ایسی صورت میں وہ اس پانی کا مالک ہے اور اپنی ذاتی کوشش سے اس کو حاصل کیا ہے، اب وہ اس کو فروخت کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص پیاسا ہے اور مضطر ہے اس کو پانی دستیاب نہیں ہو رہا ہے اور پانی خریدنے کی طاقت بھی نہیں ہے اور اس پانی کا مالک دے بھی نہیں رہا ہے تو ایسی صورت میں اس پانی کے مالک سے زبردستی پانی کو حاصل کیا جائے گا۔ لیکن پانی کے مالک کو ایسی حالت میں مضطر کے لئے

پانی کو روکنا جائز نہیں ہے۔

حق شرب کی خرید و فروخت جائز نہیں، لیکن کسی نے زمین فروخت کی اور شرب زمین کے ساتھ آگیا تو وہ زمین کے تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔ کسی شخص نے زمین اجرت پر لی اور اس میں شرب کا ذکر نہ کیا، شرب آجائے تو وہ جائز ہے (دیکھئے: الفتاویٰ الہندیہ ۵/ ۷۸، ۴، ۱۴۹، ۵۹۶، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۴۹/۲۶)۔

۱۴- پانی کے ذخائر کو ختم کر کے آبادی بسانا کیسا ہے؟

دنیا میں رفتہ رفتہ پانی کی قلت بڑھتی جا رہی ہے، زمین کی حدت میں اضافہ اور زیر زمین پانی کی سطح میں کمی کا ایک سبب پانی کے ذخائر کا سوکھ جانا بھی ہے، ایسے ماحول میں موجود آبی ذخائر کو ختم کر کے آبادی کو بسانے کا رجحان غلط بھی ہے اور نقصان دہ بھی۔ کیونکہ جنگلات، پہاڑ اور آبی ذخائر ماحولیات اور موسم میں ذخیل ہیں۔ ان کو ختم کرنا نقصان دہ ہے۔ عام حالات میں تالاب کو ختم کر کے آبادی کو بسانا جائز نہیں کیونکہ اس سے عوام الناس کا نقصان ہے اور عوام کا نقصان کرتے ہوئے پانی کے ذخیرہ کو ختم کرنے کی اجازت نہیں (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلائہ ۵/ ۶۰۳)۔

ہاں اگر کسی شہر یا گاؤں میں ایک سے زیادہ آبی ذخائر موجود ہیں اور ایک کے ختم ہو جانے کے باوجود دوسروں سے پانی کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے تو ایسی صورت میں پانی کے ذخیرہ کو ختم کر کے آبادی کو بسایا جا سکتا ہے۔

۱۵- آب رسانی کے انتظام کی ذمہ داری کا مسئلہ:

آب رسانی ہر ایک شخص کا حق ہے۔ اس کا انتظام ہر کوئی کر سکتا ہے۔ اس کے لئے وہ نہر، ندی یا تالاب سے پانی کاٹ کر انتظام کر سکتا ہے۔ لیکن جہاں پر آب رسانی کا معقول انتظام نہ ہو تو ایسی صورت میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔ اور عام شہریوں کو اس بات کا حق ہے کہ وہ آب رسانی کے لئے حکومت سے مطالبہ کریں؛ کیونکہ بنیادی ضرورتوں کی

فراہمی حکومت کی اولین ذمہ داری ہے؛ چنانچہ آبِ رسائی کا حکومت انتظام کر رہی ہے تو اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اس آبِ رسائی کا معاوضہ ان لوگوں سے طلب کرے جو اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے پانی کی تجارت سے منع فرمایا لیکن اس پانی کی تجارت کی اجازت دی ہے جس کو مالک نے محفوظ کر لیا ہو، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے: نہی عن بیع الماء إلا ما حمل منہ۔ یعنی رسول اکرم ﷺ نے پانی بیچنے سے منع فرمایا سوائے اس مقدار کے جسے نکال کر محفوظ کر لیا گیا ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اس پانی کی بیع، خرید و فروخت جائز نہیں ہے جو قبضہ میں نہیں ہے، ملکیت میں نہیں ہے اور اس پانی کی مقدار کی تجارت جائز ہے جس کو پانی کے مالک نے محفوظ کر لیا ہو۔ اور آبِ رسائی کے معاوضہ کی عدم وصولیابی پر حکومت کو اختیار ہے کہ وہ پانی کو روک لے۔

اگر حکومت آبِ رسائی کا انتظام کرنے سے قاصر ہے یا اس کے خزانے میں گنجائش نہیں ہے تو ایسی صورت میں عامۃ الناس سے رضا کارانہ طور پر آبِ رسائی کا انتظام کرنے کی اپیل کرے، لیکن ایسی صورت میں حکومت کو اس کا کرایہ وصول کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اور شہریوں کو پانی کی فراہمی کا حکومت سے مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

۱۶- استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا مسئلہ:

استعمال شدہ پانی کی نکاسی، ڈریج کا انتظام حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں شامل ہے، شرعاً حکومت پر واجب ہے کہ وہ اس سے متعلق انتظام و وسائل مہیا کرے، اور شہریوں کو اس کے مطالبہ کا حق حاصل رہے گا۔

استعمال شدہ پانی کی نکاسی کے لئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ڈریج کا انتظام کرے، پانی کو نالیوں یا پائپوں کے ذریعہ اس جگہ تک لے جائے جہاں اس کے جمع ہونے کا

انتظام کیا گیا ہے۔

حکومت کے لئے واجب ہے کہ اس سلسلہ میں اخراجات اپنے خزانہ سے پورے کرے۔ اگر حکومت کے خزانے میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس کے اخراجات پورے کر سکے تو وہ شہریوں سے ٹیکس وصول کر کے وہ اخراجات پورے کر سکتی ہے۔

شہریوں کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ پانی کی نکاسی، ڈریج کے انتظام اور خراب پانی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کی قبل از وقت احتیاط و متاثرک کے سلسلہ میں حکومت سے مطالبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

جدید فتنہ تحقیقات

تیسرا باب

مختصر مقالات

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی مسائل

مولانا عبدالخلیل قاسمی ✽

الحمد لمن هو أهله و الصلوة و السلام على من لا نبى بعده: أما بعد
۱- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پانی کو ان انعامات و عطیات میں شمار کیا ہے، جو
انسان کی زندگی، اس کی صفائی ستھرائی، طہارت و پاکی، جانوروں کی سیرابی، باغات و کھیتی کی
سینچائی کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔

ارشاد ہے: و أنزلنا من السماء ماءً طهوراً (الفرقان: ۴۸)۔ علامہ قرطبی لکھتے
ہیں: فبين أن الماء المنزل من السماء طاهر في نفسه مطهر لغيره (قرطبی: ۳۸/۷)۔
اللہ تعالیٰ نے پانی نازل کرنے کی غرض و غایت خود ہی بیان کی ہے تاکہ مردہ زمین کو
زندہ کریں اور جانوروں نیز انسانوں کو سیراب کریں۔

ارشاد ہے: وهو الذي خلق من الماء بشراً فجعله نسباً وصهراً
(الفرقان: ۵۳)۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: من الماء إشارة إلى أصل الخلقة في أن كل
حی مخلوق عن الماء (قرطبی: ۳۰/۷)۔ اس کی تائید قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جو
سورہ انبیاء میں ارشاد ہے: وجعلنا من الماء كل شيء حي أفلا يؤمنون (الانبیاء: ۳۰)۔
فتح الباری (۳۷/۵) میں ہے: عن أبي هريرة قلنت: يا رسول الله أخبرني
عن كل شيء - قال: كل شيء خلق من الماء۔

ان آیات و احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ تمام جانداروں اور نباتات کی پیدائش پانی سے ہے۔ اور ان کی زندگی و بقاء کا انحصار بھی پانی پر ہی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ پانی صرف انسان ہی کے لئے نہیں بلکہ جانوروں اور نباتات کی زندگی کے لئے بھی کس قدر انتہائی ضروری ہے، اور یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

۲۔ فضول خرچی کی تعریف: وأما السرف الذى نهى الله عنه فهو ما أنفق فى غير طاعة الله قليلاً كان أو كثيراً (الموسمہ الفقہیہ ۱۷۶۳) یعنی جس فضول خرچی سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے علاوہ میں خرچ کرنا ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ نیز موسوعہ میں علامہ شامی کی یہ تحقیق منقول ہے: الإسراف صرف الشئى فيما ينبغى زائداً على ما ينبغى (ایضاً ۱۷۷۳) یعنی مناسب مقدار سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔

اگر پانی مملوک یا مباح ہو تو اسراف مکروہ ہے، اگر پانی موقوف ہو تو حرام ہوگا (شامی)۔ پانی میں درج ذیل صورتوں پر فضول خرچی کا اطلاق ہوگا:

(۱) وضو میں دھوئے جانے والے اعضاء کو تین بار سے زائد دھونا، بشرطیکہ تین بار میں وضوء کامل ہو گیا ہو۔

(۲) غسل واجب میں بدن کو تین بار سے زائد دھونا (الموسمہ الفقہیہ ۱۸۱۳)۔

(۳) دور جدید میں پانی کی ٹنکی کے بھر جانے کے بعد بھی موٹر کو چالو رکھنا۔

(۴) نل کو کھلا ہوا چھوڑ کر وضو یا غسل کرنا۔ اس میں بھی ضرورت سے زائد پانی خرچ

ہوتا ہے جو اسراف ہے۔

(۵) بیت الخلاء کی صفائی کے لئے ایک بار فلش کو دبا دینا تو ضرورت ہے؛ البتہ اس

طرح دبا ہوا چھوڑ دینا کہ ضرورت پوری ہو جانے کے بعد بھی پانی گرتا رہے اسراف ہوگا۔

(۶) کھیت یا باغ میں سینچائی کرتے وقت ضرورت سے زائد پانی استعمال کرنا وغیرہ۔

الغرض جہاں بھی پانی کے استعمال کی ضرورت ہو وہاں پانی ضرورت کی مقدار سے

زیادہ استعمال کرنا فضول خرچی میں داخل ہو کر حرام یا مکروہ ہوگا۔

۳- شریعت میں پانی کو آلودگی سے بچانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: لا یبولن احدکم فی الماء الراکد (مسلم)۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی فرماتے ہیں: علماء کے نزدیک پانی کے قریب بھی پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ ہے اگرچہ پانی تک نہ پہنچے۔ اس لئے کہ ممانعت عام ہے۔ نیز اس لئے کہ پانی کے لئے جانے والوں کو تکلیف ہوگی۔ اور اس کا بھی اندیشہ ہے کہ نجاست پانی میں پہنچ جائے (مسلم ۱۳۸۱)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کو نجاست سے بچانا واجب ہے۔

۴- آج کل گندے اور آلودہ پانی کو کیمیائی طریقہ پر قابل استعمال بنایا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ چار مرحلوں میں یہ عمل مکمل کیا جاتا ہے: پہلے مرحلہ میں پانی کو جمع رکھا جاتا ہے تاکہ اس کی کدورتیں اور گندگیاں نیچے ته نشیں ہو جائیں۔ دوسرے مرحلہ میں اوپر کے پانی کو چھان کر الگ کر لیا جاتا ہے۔ تیسرے مرحلہ میں جریشیم کش دوا کے ذریعہ ان کو ماریا جاتا ہے۔ چوتھے مرحلہ میں ایسی دوائیں ڈال دی جاتی ہیں تاکہ پھر دوبارہ اس میں جریشیم پیدا نہ ہوں۔ اس کی یہ صورت بتانے والے یہ مہرین مسلمان عادل اور صدق و امانت میں قابل بھروسہ ہیں۔ ان کے بتانے کے مطابق ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد پانی میں نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے تو کیا اس طرح نجاست کا اثر ختم ہو جانے کے بعد اس پانی کے ظاہر ہونے کا حکم دیا جائے گا؟ اور کیا حدیث و نجاست کے دور کرنے میں اس کا استعمال کرنا صحیح ہوگا؟

اگر پانی جاری ہو یا ٹھہرا ہوا ہو لیکن کثیر ہو تو صرف نجاست کے واقع ہونے سے وہ ناپاک نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ناپاک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو، یعنی پانی کا کوئی وصف رنگ یا بو یا مزہ بدل جائے۔ اور اگر پانی قلیل ہو تو صرف نجاست کے واقع ہونے سے ہی پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

جس کثیر پانی کے اوصاف نجاست کے واقع ہونے کی وجہ سے بدل جائیں اس کی صفائی کا نظم ماضی قدیم میں نہیں تھا۔ یہ نظم جدید دور کی پیداوار ہے۔ جب ہم غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جاری پانی یا کثیر پانی میں صرف نجاست کے واقع ہو جانے سے فقہاء اس کو ناپاک قرار نہیں دیتے ہیں؛ بلکہ جب اس کے اوصاف میں تبدیلی ہو جائے تب اس کے ناپاک ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے ناپاک ہونے کی وجہ صرف وقوع نجاست نہیں ہے بلکہ نجاست کے واقع ہونے کے بعد پانی کے اوصاف کا بدل جانا شرط ہے۔ اس لئے جب کیمیاوی عمل کے ذریعہ اوصاف کی تبدیلی جو نجاست کی وجہ سے تھی دور ہو جائے تو نجاست کے باوجود شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے وہ پانی ناپاک باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے اس کو ناپاک قرار دیا جانا چاہئے۔

۵- حدیث میں ہے: من سبق إلى ماء لم يسبق إليه مسلم فهو له (ابوداؤد مع ابن ذر ۱۶۸/۴)، نیز حدیث ہے: من أحیی أرضاً میتة فهو له (ایضاً ۱۶۹/۴)، اس کی شرح میں صاحب بذل الجہود فرماتے ہیں: آی صارت تلک الأرض مملوكة له لکن إذن الإمام شرط له عند أبي حنيفة... قال القاری: وفيه أن قوله صلی اللہ علیہ وسلم ليس للمراء إلا ما طابت به نفس إمامه يدل على اشتراط الإذن (بذل الجہود ۱۶۹/۴)، یعنی اگر کوئی پانی پر پہلے قبضہ کر لے وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی غیر آبا د زمین کو آباد کر لے تو وہ اس کی ملکیت ہوگی تاہم امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس میں امام کی اجازت شرط ہے۔ ملا علی قاری نے امام کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے۔ فقہی ضابطہ ہے: تصرف الإمام منوط بالمصلحة والرعاية (الاشباه والنظائر ۱۳۳)، اس لئے اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو حکومت کو حق ہوگا کہ بعض استعمالات پر پابندی لگائے؛ تاکہ عام لوگوں کو ضرر سے بچایا جاسکے۔ ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا شرعاً واجب ہونا چاہیے۔

۶- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: المسلمون شركاء في ثلاث: في

الماء والکلاء والنار (ابوداؤد مع البذل ۱۶۸/۳)، یعنی تین چیزوں میں تمام مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ اوپر جو حدیث گزری اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان پانی کو اپنے قبضہ میں کر لے تو وہ مالک ہو جائے گا، اس حدیث کے بارے میں علامہ طیبی رقمطراز ہیں: المراد بالماء المیاء النبی لم تحدث باستنباط أحد وسعیہ کماء القنی والآبار ولم تحرز فی إناء أو بركة أو جملول مأخوذ من النهر (شرح اللہین ۱۸۰/۶)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی زیر زمین ہے وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے اس لئے ہر شخص کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہوگا؛ البتہ اگر حکومت بعض مصالح کی وجہ سے اس کے استعمال پر پابندی عائد کرے تو اس کو اس کا حق ہوگا اور اس کی پابندی ضروری ہوگی۔

۷۔ پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ اپنی اس ذمہ داری کو نبھانے میں عوام کے تعاون کی ضرورت محسوس کرے اور ان کی مدد کے بغیر اس پر قابو پانا حکومت کے لئے دشوار ہو تو وہ عوام سے تعاون لے سکتی ہے۔ ایسی صورت میں حکومت کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہوگا۔ اوپر جو فقہی قاعدہ مذکور ہوا کہ امام کا تصرف مصلحت پر مبنی ہوا کرتا ہے، اس میں یہ شرط ہے کہ تمام امور میں مصلحت کے مطابق امام کا تصرف اسی وقت قابل نفاذ ہوگا جبکہ وہ تصرف شریعت و مصلحت کے مطابق ہو۔

۸۔ اگر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے ڈیم تعمیر کرنا ضروری ہو۔ اور اس میں عام لوگوں کی مصلحت ہو تو تصرف الإمام منوط بالمصلحة کے پیش نظر ڈیم کی تعمیر جائز ہوگی۔ اس میں حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے کہ ڈیم کی تعمیر کے لئے زرعی علاقوں کا انتخاب کیا جائے۔ ایسی صورت میں جو ارضی ڈیم کی تعمیر کے لئے لی جائیں ان کا مناسب معاوضہ ادا کیا جائے۔ اگر کوئی جگہ ایسی ہو کہ وہاں ڈیم کی تعمیر ضروری ہو لیکن زرعی علاقہ میں اس کی تعمیر مفید نہ ہو بلکہ آباد حصہ میں تعمیر ناگزیر ہو تو ایسی صورت میں عام لوگوں کی مصالح کے پیش نظر اس آبادی کو منتقل کرنا جائز ہونا چاہئے۔ اسی کے ساتھ ان کو زمین و مکان کا معاوضہ اتنا دینا چاہئے کہ وہ دوسری جگہ زمین

حاصل کر کے اس طرح کا مکان بنا سکیں جیسا ان کا مکان تھا۔ اور اس میں اس بات کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح یعنی عام مصالح کی وجہ سے ایسا کیا جائے۔ صرف آبادی کو ضرر پہنچانے کے لئے اس طرح کا منصوبہ نہ بنایا جائے۔

۹- اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو دھمکی دی جائے کہ اگر تم فلاں کو قتل نہیں کرو گے تو تم کو قتل کر دیا جائے گا تو اس کے لئے فلاں کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا (الاشباہ والنظائر ۱۴۰)۔

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے دو شخص کو یکساں استفادہ کا حق ہے، لیکن اس میں شرط ہے کہ دوسرے کو ضرر نہ ہو، اس لئے کہ خود اپنی ملکیت میں کوئی ایسا تصرف کرنا جائز نہیں ہے جس سے دوسرے کو ضرر ہو۔ اس کی مثالیں فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں معروف ہیں۔ تو عام مباح اشیاء میں تو بدرجہ اولیٰ دوسرے کو ضرر نہ پہنچانے کی قید ہوگی۔

۱۱- نہر کے پانی کو روک کے بغیر اپنے کھیت میں اتنا پانی روکنے کا حق ہوگا جتنا کھیتی کے لئے ضروری ہو۔

۱۲- جب کوئی شخص پانی اپنے برتن یا اپنی ٹنگی وغیرہ میں محفوظ کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ کوئی حیلہ کر کے پانی زمین سے نکالے گا تو اس کا مالک ہوگا جیسے تل یا پمپ کے ذریعہ پانی نکالے تو وہ اس پانی کا مالک ہو جائے گا۔

۱۳- ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص پانی کا مالک ہو جائے گا۔ تو اس میں اس کو ہر قسم کے جائز تصرف کی اجازت ہوگی؛ چنانچہ وہ جس طرح اس پانی کو اپنی ضرورت میں استعمال کر سکتا ہے اسی طرح اس کو فروخت بھی کر سکتا ہے۔

۱۴- نشیبی علاقے اگر کسی کی ملکیت ہوں تو ان کو اس میں تصرف کرنے سے نہیں روکا جا سکتا الا یہ کہ دوسروں کو اس سے ضرر ہو۔ ان علاقوں میں مکانات بنانے کی صورت میں یہ سمجھنا کہ وہاں جو پانی جمع رہتا تھا وہ آبادی میں داخل ہو جاتا ہے صحیح نہیں ہے؛ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب تک

وہ اراضی نشیبی تھی آبادی کا پانی وہاں پہنچ کر رک جاتا تھا۔ اب جب وہاں مکانات بن گئے تو اب پانی وہاں جمع نہیں رہتا ہے بلکہ بہہ کرندی وغیرہ میں چلا جاتا ہے اور ندی کی راہ سمندر میں چلا جاتا ہے۔ اس لئے ایسی نشیبی اراضی میں مکانات بنانے کو منع نہیں کیا جانا چاہئے۔

۱۵۔ تمام باشندگان ملک کی راحت رسانی اور ان کو نقصان سے بچانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مثلاً روشنی کا نظم کرنا، پانی کی سپلائی کا انتظام کرنا، مریضوں کے علاج کا نظم کرنا، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر کرنا۔ اس سلسلہ میں جو اخراجات ہوں گے ان کو پورا کرنے کے لئے حکومت کو حق ہوگا کہ عوام سے ٹیکس وصول کرے۔ نیز اخراجات کی بھر پائی کو ان سہولتوں سے مربوط کر دینا بھی جائز ہوگا۔ مثلاً سڑک اور پلوں پر گزرنے والی گاڑیوں سے کرایہ وصول کرنا۔ اسی طرح آب رسانی کے اخراجات کو پانی کی قیمت سے مربوط کر دینا بھی صحیح ہوگا۔ اور قیمت ادا نہ کرنے والوں سے پانی کو روک لیا صحیح ہوگا۔

۱۶۔ استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا نظم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہوگی، تاکہ عام لوگوں کی صحت و مفادات کی حفاظت ہو سکے۔

آبی وسائل سے متعلق شرعی احکام

مفتی عبداللہ کاوی والا رحمۃ اللہ علیہ

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

حامداً ومصلياً ومسلماً۔

آیت: ”وأنزلنا من السماء ماء طهوراً، وينزل عليكم من السماء ماء

ليطهركم به“۔

حدیث: الماء طهور لا ينجسه شيء۔

پانی اللہ کی نعمت ہے، اور یہ نعمت تمام نعمتوں سے جداگانہ ہے، ہم اس سے پاکی حاصل کرتے ہیں، اس کو کھانے پینے میں استعمال کیا جاتا ہے، اور پانی کی ضرورت ایسی ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو دنیا کی کوئی جاندار شیء باقی نہ رہے۔

لہذا پانی کو بقدر ضرورت استعمال کیا جائے، بے جا اسراف کرنے والے کو قرآن نے شیطان کا بھائی قرار دیا ہے، ”إن المبذرین كانوا إخوان الشیاطین“۔ بہر حال شریعت کے عمومی احکام اس طور پر ہیں، پانی کا استعمال جو ناپاک چیزوں میں ہوا کرتا ہے، اس کو پاک کرنا، جیسے ناپاک کپڑے ہیں، یا ناپاک برتن ہیں، یا ناپاک جگہ کو پاک کرنا، یا انسان بذات خود اپنی طہارت کے لئے استعمال کرے، وغیرہ اور بھی چیزیں ہیں۔

اسی طریقہ سے کھیتوں میں اور باغوں میں بھی پانی کا استعمال کیا جاتا ہے، جس سے اناج حاصل ہوتا ہے، اور باغوں سے پھل پھول حاصل ہوتے ہیں، ان کی بقا پانی سے ہے، اور پانی کا استعمال کھانے میں بھی ہوتا ہے، گھر بنانے میں ہوتا ہے، ہر طرح کی تعمیری کام میں ہوتا ہے، حاصل یہ کہ معلوم ہوا کہ انسان کو سب سے زیادہ اور ضرورت والی چیز پانی ہے، اور اس کے علاوہ بھی بہت سے عمومی احکام ہیں۔

۲- پانی میں اسراف کی صورتیں:

پانی میں فضول خرچی کا اطلاق ان صورتوں پر ہوگا: جہاں جہاں پانی کو زیادہ صرف کیا جاتا ہے، اور صرف کرنا بھی بے محل ہو، اس پر فضول خرچی کا اطلاق ہوگا جیسے پاکی حاصل کرنے میں، وضو کرنے میں، غسل کرنے میں، استنجا کرنے میں، ناپاک کپڑے کو پاک کرنے میں، اور کھانے پینے میں، ناپاک جگہوں کو صاف کرنے میں، اور اس کے علاوہ دیگر وہ کام جہاں پانی کا استعمال کیا جاتا ہے، اور اس میں فضول خرچی ہو، جیسے پانی سے نبی اکرم ﷺ نے وضو اور غسل فرمایا، اور آپ ﷺ کے غسل میں پانی کی مقدار آج کے وزن کے اعتبار سے ۱۵۰، ۳۰۰ تا ۳۵۰ کیلو ایک سو پچاس گرام ہے، اور وضو میں ۷۹۰ گرام پانی کا استعمال کیا کرتے تھے (بجوالہ تھہ الامعی ۱/۲۸۷)۔ اس سے زیادہ اگر غسل اور وضو میں پانی استعمال کرے تو یہ اسراف ہوگا، اسی طریقہ سے اگر نل اس طرح لگایا گیا ہو، اس میں سے مسلسل جاری ہتا ہو اور اس کو برہر بند نہ کیا ہو، تو وہ بھی فضول خرچی ہے، اور کپڑا اور برتن دھونے میں پانی حد سے زیادہ بہانا، اور اسی طریقہ سے باغات اور کھیتوں کو سیراب کرنا اور اس میں پانی حد سے زیادہ استعمال کرنا، یہ اسراف ہے، اور اسی طریقہ سے گھر وغیرہ کی صاف صفائی میں، اور اسی طریقہ سے نہر یا تالاب میں وضو کرنا اور اعضاء کو بار بار دھونا، جدید دور کے اعتبار سے انگریزی باتھ روم میں ٹب وغیرہ ہوتے ہیں، اور اس میں پانی بھر کر غسل کیا جاتا ہے، اس طرح کرنا یہ بھی فضول خرچی ہے، اور جانوروں کو پانی پلانے میں یا

نہلانے میں زیادہ استعمال کرنا، الفرض ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا فضول خرچی ہے۔
فضول خرچی کا شرعی حکم یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔ (حوالہ
مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۸، حاشیہ ۸)۔

اور قرآن کریم نے فرمایا: ”إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ“ اور دوسری
جگہ ارشاد فرمایا ”وَلَا تَسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ“۔
اسراف اور تبذیر میں فرق ہے۔ اسراف کہتے ہیں: موقع صحیح ہو، لیکن وہاں زیادہ
صرف کرنا، اور تبذیر کہتے ہیں: معصیت میں اور بے موقع اور بے محل خرچ کرنا۔
ایک مرتبہ حضرت سعدؓ وضو کر رہے تھے، اور حضور ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا، آپ
نے دیکھا کہ حضرت سعدؓ اسراف کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: یہ اسراف ہے، حضرت سعد
نے عرض کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم بہتی نہر پر ہی کیوں نہ ہو، اسی طریقہ
سے دوسری حدیث میں ہے: ”فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدَى وَظَلَمَ“ تحقیق اس نے بہت برا اور
زیادتی کی۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت کا حکم:

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے پانی کو زیادہ صرف نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس کو اتنا ہی
استعمال کرنا چاہئے، جتنی اس کی ضرورت ہو، اور پانی کو کھلی جگہ پر رکھنا اس طور پر کہ دھول وغیرہ اڑ
کر اس میں جائے اس لئے پانی کو ڈھک کر رکھنا چاہئے، اسی طرح سے وہ پانی جو جمع کیا گیا ہو،
لیکن وہ درودہ سے کم ہو، اس میں ناپاکی ڈالنا یا اس میں غسل کرنا جنابت کا یا اس میں استنجاء کرنا
وغیرہ ان سب چیزوں سے بچنا اور اسی طریقہ سے کنویں وغیرہ میں ناپاکی یا گندگی کا ڈالنا اس سے
احتیاط کرنا، کسی بھی چیز کے پاکی اور صفائی کرتے وقت اس طریقہ سے صفائی کرنا کہ اس کے
گندے قطرے پاک پانی میں مل جائے، اس سے بھی احتیاط کرنا، اور برتن وغیرہ کو اس طور پر کھانا

رکھنا کہ ورنہ اس میں منہ ڈال دے اس سے بھی بچنا۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت نے جو حکم دیا ہے، وہ وجوب کے درجہ میں ہے۔

حدیث: لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم، ولا یغتسل فیہ الجنابة (ابوداؤد)۔

حدیث: لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم، لم يتوضأ منه (ترمذی)۔

۴- گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنانا:

آج کل گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنایا جاتا ہے، کیمیاوی طریقہ پر اس کی بدبو اور آلودگی دور ہو جائے اور پانی کے اندر کوئی وصف باقی نہ رہے تین وصفوں میں سے تو ایسا پانی پاک سمجھا جائے گا۔

کسی بھی چیز کی ماہیت اور حقیقت کے بدل جانے سے اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، اور کسی بھی شے کے بنیادی عناصر تین ہیں: رنگ، بو، مزہ۔ تینوں وصف اگر کسی شے میں سے ختم ہو جائے یا بدل جائے تو وہ شے بھی بدل جاتی ہے، اور اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، جیسے کہ شراب اگر اس کو سرکہ بنا دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے، اور اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، اسی طریقہ سے گدھا اگر نمک کے کان میں گر جائے اور نمک بن جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے، اور حکم بھی بدل جاتا ہے، اسی طریقہ سے اگر گندے پانی اور آلودہ پانی کو بھی کیمیاوی طریقہ پر اس طرح کر دیا جائے کہ اس کا مزہ، رنگ اور بو ختم ہو جائے اور صاف پانی کی طرح ہو جائے تو اس پانی کو پاک سمجھا جائے گا، اور وہ قابل استعمال ہوگا۔

”قول محمد أن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها

خرجت عن كونها نجاسة، لأنها اسم لذات موصوفة فتنعم بانعدام الوصف

وصارت كالضمد اذا تخللت“ (بدائع الصنائع ۱/ ۲۳۳)۔

اس میں ایک اور بات ہے کہ عین نجاست کو کسی بھی طریقہ سے پاک کیا جائے وہ پاک نہیں ہو سکتا، جیسے پیٹاب، دم مسفوح، پاخانہ، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں نجاست پوری پوری ہوا کرتی ہے، اور ان کو جدید طریقہ سے جس طرح بھی کارآمد بنایا جائے، لیکن وہ پاک نہیں ہو سکتیں۔

۵۔ حکومتوں کا پانی کے بعض استعمال پر پابندی لگانا:

پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمال پر پابندی لگاتی ہیں، اس بات کا حکومت کو حق ہے، اس لئے کہ اگر حکومت اس کے بارے میں توجہ نہ دے تو رعایا کے لئے ایک مصیبت پیدا ہو سکتی ہے۔

اور بعض استعمال میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ پانی کو زیادہ خرچ کرنا، بغیر ضرورت کے، چاہے وہ کسی بھی شکل اور صورت پر ہو۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بارش کے موسم میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے ندی نالے اور تالاب وغیرہ خشک ہو گئی ہو، اور پانی کی قلت نظر آتی ہو، ایسی صورت میں تمام رعایا کو پانی پہنچانا ضروری ہوتا ہے، یہ صورت حال کو دیکھ کر حکومت پانی کے بعض استعمال پر پابندی لگائے تو شرعاً ضرورت کے درجہ میں ہوگا، اور کبھی واجب اور فرض کے درجہ میں ہوتا ہے، اور کبھی مستحب اور افضل کے درجہ میں ہوتا ہے، اور کبھی ظلم کے درجہ میں بھی ہوتا ہے۔

۶۔ انسان کی مملوکہ زمین میں موجود پانی کی ملکیت کا مسئلہ:

انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ اسی کی ملکیت ہوگی، اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرے تاکہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اپنی مملوکہ زمین میں بورنگ کرنے سے پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہو اور اس میں ضرر

عام ہو تو ایسی صورت میں حکومت کو حکم دینے کی گنجائش ہے اور اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہے، اور اگر بورنگ کرانے سے پانی کی سطح نیچے جاتی ہے اور اس سے ضرر عام نہ ہوتا ہو تو اس وقت بورنگ کرانا جائز ہے اور حکومت کے حکم کی تعمیل شرعاً ضروری نہ ہوگی۔

فقہ کا قاعدہ ہے: الضرر یزال، لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام، اس قاعدہ کے تحت اگر ضرر عام ہوتا ہو اور حکومت منع کرے تو اس کی بات ماننا ضروری ہے اگر نہ مانے گا تو گنہگار ہوگا، اور اگر ضرر نہ ہو اور حکومت منع کرے تو اس پر عمل نہ کرنے سے آدمی گنہگار نہ ہوگا۔

۷۔ پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری کس کی ہے:

بعض ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سے جہاں ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے وہیں زیر زمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، اس طور پر کہ بارش کے موسم کا پانی جمع کر لیا جاتا ہے اور اس کو سال بھر تک استعمال کیا جاتا ہے، ایسا کرنے کی صورت میں زیر زمین پانی کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، ایسی صورت میں پانی کی سطح اوپر رہتی ہے، اگر حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کر دیں تو حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق نہیں ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب بھی نہیں؛ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں حرج لازم آتا ہے اور وہ یہ کہ پانی کی حفاظت کے لئے مکان کے ایک حصہ کو مخصوص کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، کیونکہ جو مالدار ہوں گے ان کے لئے تو کوئی حرج نہیں اور جو غریب طبقہ کے لوگ ہوں گے وہ ایسا نہیں کر سکتے، اس حرج کی بنا پر حکومت کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہے۔

رعی بات پانی کی ذخیرہ اندوزی کی کہ وہ حکومت کی ذمہ داری ہے یا انرا کو بھی اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے، اس زمانہ میں پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے، کیونکہ اس دور میں حکومت ہر چیز کا ٹیکس وصول کرتی ہے اور اس میں بانی بھی شامل ہے تو ظاہر بات ہے کہ

اس کی ذمہ داری بھی حکومت پر ہونی چاہئے، اور اگر فرد پانی کی ذخیرہ اندوزی کریں تو یہ ان کے لئے فائدہ مند ہوگا اور پانی کی قلت کے زمانہ میں ان کے لئے باعث راحت ہوگا۔

۸- ڈیم بنانے کی صورت میں آبادیوں کو منتقل کرنے کا مسئلہ:

بعض جگہ ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے وہاں سے آبادیوں کو منتقل کرنا پڑتا ہے، ان آبادیوں میں زرعی علاقے بھی ہوتے ہیں اور ایسی آبادیاں بھی ہوتی ہیں جہاں پر لوگوں نے اپنی قیام گاہ بنائی ہوتی ہے لیکن ڈیم بنانے کی صورت میں اور آبی ذخیرہ کو محفوظ بنانے کے لئے ان تمام بستیوں کو منتقل کرنا پڑتا ہے، لہذا شرعی نقطہ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو منتقل کرنا اور ان کو دوسری جگہ پر اس کے متبادل جگہ فراہم کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے، بشرطیکہ جو جگہ فراہم کی جارہی ہے وہ ان کی پہلی جگہ کے قائم مقام ہو یا اس کی قیمت کے قائم مقام ہو، لیکن اگر ان کی پہلی زمین کے مقابلہ میں کم ہو اس کے برابر کی نہ ہو تو ایسی صورت میں منتقل کرنا درست نہ ہوگا، اور یہ حکومت کی طرف سے ایک طرح کا ظلم ہوگا۔

۹- سیلاب کے زمانے میں بستی کو بچانے کے لئے باندھ کو کاٹ دینے کا حکم:

فقہ کا ایک قاعدہ ہے: ”إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر“ اس قاعدہ کے تحت پہلی بستی والوں کو باندھ کو کاٹ دینے اور پانی کو آگے بڑھادینا جائز نہ ہوگا، اگر انھوں نے باندھ کو کاٹ دیا اور بعد والی بستی کو نقصان ہوا تو ضمان پہلی بستی والوں پر آئے گا۔ (الاشباہ والنظائر)۔

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے استفادہ کی حد:

دریا کے بارے میں شامی میں ہے: ماء البحار ولكل أحد فيها حق الشفة

وسقى الأرض فلا يمنع من الانتفاع على أى وجه شاء (۱۳، ۱۰)۔ دریا سے ہر شخص کو استفادہ کی اجازت ہے چاہے اپنے پینے کے لئے ہو یا جانوروں کو پلانے کے لئے یا کھیتی وغیرہ کو سیراب کرنے کے لئے۔ ندی کے بارے میں ہے: ”ولكل سقى أرضه من بحر أو نهر عظیم كمدجلة و الفرات و نحوهما“ (۱۳، ۱۰) ہر شخص کو ندی کے پانی سے اپنے پینے اور کھیتی کو سیراب کرنے اور جانوروں کو پلانے کی اجازت ہے، اسی طریقہ سے اس سے نہر نکالنا اپنی کھیتی کو سیراب کرنے کے لئے جائز ہے بشرطیکہ ضرر عام نہ ہو۔

عوامی کنویں اور چشمے سے اپنے پینے کے لئے اور اپنے چوپایوں کو پانی پلانے کی اجازت ہے، ”العین أو الحوض الذى دخل فيه الماء بغير إحراز واحتیال فهو بمنزلة النهر الخاص“ (۱۵، ۱۰) ہر کاری تالاب سے بھی اپنے لئے اور چوپایوں کے لئے اجازت ہے، اور اگر اجازت ہو تو اپنی کھیتی کے لئے استعمال کر سکتے ہیں بشرطیکہ ضرر عام نہ ہو۔

۱۱- گزرنے والی نہر سے استفادہ کی حد:

اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضروریات کے لئے اسی حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے جس سے لوگوں کو ضرر نہ ہوتا ہو۔

۱۲- پانی پر ملکیت کی صورتیں:

پانی اگر برتن میں جمع کر لیا یا منگے اور گھڑے میں پانی جمع کر لیا تو ان صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے۔

۱- الماء المحرز فى الأوانى كالحباب والذنان والجوار ونحوها
مملوكاً له بالاحراز (البنایہ ۱۲ / ۳۱۷)۔

۲- فلو أحرزه في جرة أو حب أو حوض مسجد من نحاس أو صفر أو
جص وانقطع جريان الماء فإنه يملكه (رد المحتار ۱۰/۱۳)۔

۳- ما أحرز في حب ونحوه فليس لأحد أن يأخذ منه شيئاً بدون إذن
صاحبه وله بيعه لأنه ملكه بالإحراز (تاوی ماگیری ۵/۳۹۱)۔

۱۳- مملوکہ پانی کی خرید و فروخت:

جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہو جاتا ہے ان میں اس کے اپنے مملوکہ پانی
کی تجارت کرنا جائز ہے۔

قولہ: لملكه یا حرازه، فله بیعه (رد المحتار ۱۵/۱۰) کما إذا استولى على الحطب
والحشيش والصيد فيجوز بيعه كما يجوز بيع هذه الأشياء (برائع المنافع ۵/۲۷۳)۔

۱۴- نشیبی علاقوں میں پلانٹنگ کر کے آبادیاں بسانا:

فقہ کا قاعدہ ہے: يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام، اس قاعدہ
کی رو سے تالاب میں آبادیاں بسانا درست نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے چند لوگوں کی زندگی وابستہ
ہے اور چند لوگوں کو نفع ہے لیکن اس کی وجہ سے ضرر عام لاحق ہوگا وہ اس طور پر کہ اس سے لوگوں کا
پانی پینے اور استعمال کا حق وابستہ ہے اور چوپایوں کا حق بھی وابستہ ہے اور کھیتی بھی اسی سے پلتی
بڑھتی ہے، لہذا ضرر عام کے پیش نظر ضرر خاص کو برداشت کر لیا جائے گا، چاہے حکومت کی طرف
سے ممانعت ہو یا ممانعت نہ ہو، دونوں صورتوں میں تالاب میں آبادیاں بسانا درست نہیں ہے۔
(الاشاہ والنظار)۔

۱۵- کیا آب رسانی کا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے؟:

اس دور میں آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے جیسے اس دور میں

سرٹکیں بنوانا اور دیگر فاعلی کام حکومت کے ذمہ ہے، اسی طریقہ سے آب رسانی کا انتظام بھی حکومت کے ذمہ ہے، اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے، اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ہو تو حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا درست ہوگا، کیونکہ اس میں حکومت کا بہت بڑا سرمایہ خرچ ہوتا ہے جیسے پائپ لائن ڈالنا اور پانی کو صاف و شفاف رکھنے کے لئے کیمیکل وغیرہ ڈالنا اور اسی طریقہ سے فلٹر مشین لگانا، اور ڈیم وغیرہ تعمیر کرنا اور ایک بہت بڑا عملہ اس میں کام کرتا ہے جس کا خرچ حکومت اٹھاتی ہے وغیرہ وغیرہ، لہذا ان ساری وجوہات کی بنا پر اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی روک لینے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۶- کیا استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے؟:

بالکل حکومت کی ذمہ داری ہے، اور شہریوں کا حق سمجھا جائے گا، ”ألا کلکم راع“ (الحديث) کے پیش نظر حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ استعمال شدہ پانی کا نکاس اس طرح کریں کہ امراض، وبائیں اور جراثیم کش دوائیں استعمال کریں اور زمین میں بند راستہ سے استعمال شدہ پانی نکالا جائے، اس کا صرفہ شہریوں پر عائد کیا جائے گا (رد المحتار)، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

آبی وسائل اور شرعی نقطہ نظر

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی ✽

پانی کی اہمیت شریعت کی نظر میں: ہر ذی روح کے وجود کا اصلی اور حقیقی سبب پانی ہے جس سے ہر چیز کو روئیدگی اور حیات نو نصیب ہوتی ہے، انواع و اقسام کے خوش ذائقہ پھل اور نلے پیدا ہوتے ہیں اور زمین اس کی وجہ سے تر و تازہ ہو کر لہلہاتی ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (النبا: ۳۰) (اور ہر چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا، کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت پانی ہے، خالق کائنات نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی پانی کی وافر مقدار قیامت تک کے لئے زیر زمین محفوظ بھی کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهَ لِقَادِرُونَ فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهٌ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ (المؤمنون: ۱۸-۱۹) (ہم ایک صحیح انداز سے آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر ہم اسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں، اسی پانی کے ذریعہ سے ہم تمہارے لئے کچھوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کرتے ہیں کہ تمہارے لئے ان میں بہت سے میوے ہوتے ہیں انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو)۔

مذکورہ آیت کی روشنی میں پانی کی حفاظت اس طرح کی گئی ہے کہ چشموں، نہروں

دریاؤں، تالابوں اور کنوؤں کی شکل میں اسے محفوظ بھی کیا؛ کیوں کہ ان سب کی اصل بھی آسمانی بارش ہی ہے تاکہ ان ایام میں جب بارشیں نہ ہوں یا ایسے علاقے میں جہاں بارش کم ہوتی ہے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہے ان سے پانی حاصل کر لیا جائے۔

شریعت مطہرہ نے لوگوں کو اور ہر ذی روح کو سیراب کرنے والے عمل کو افضل صدقہ قرار دیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث رسول ﷺ سے واضح ہے جو مسلمان کسی مسلمان کی پیاس بجھائے گا اللہ تعالیٰ اسے رحیق مختوم سے سیراب کرے گا (ابوداؤد ۱۶۸۳)۔
ذیل میں پانی سے متعلق چند سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

ارشاد باری ہے: ”وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا“ (الفرقان: ۴۸) (اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا)۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ”وَيَنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيَطْهَرَكُمْ بِهِ“ (الأنفال: ۶۱) (اور وہ تم پر آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کرے)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يَنْجَسُهُ شَيْءٌ“ (صحیح ابی داؤد: ۶۰ / ترمذی: ۶۶۷ / شرح معانی الآثار: ۱/۱۱) (پانی پاک ہے اُسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی)۔ سمندر کے پانی کے تعلق سے ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ“ (صحیح ابی داؤد: ۶۷، کتاب الطہارۃ باب الوضوء بماء البحر) (اس کا پانی پاک ہے اور اس کے مردار حلال ہیں)۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں مطلق پانی سب کے نزدیک طاہر اور مطہر ہے خواہ وہ زمین سے نکلے یا آسمان سے برے۔ سادہ پانی کے طاہر و مطہر ہونے پر اجماع ہے (فقہ اسلامی وأدلہ: ۲۶۵)۔

سادہ پانی طاہر اور مطہر ہے مگر صرف ایسی نجاست جو اس کی بو یا اس کا رنگ یا اس کا

ذائقہ تبدیل کرے اس کا حکم ماء نجس کا ہے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ سے بر بضاء کے پانی سے وضو کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ (بر بضاء ایک قدیم کنواں تھا جس میں حیض آلود کپڑے، کتے کے گوشت کے ٹکڑے اور بدبودار اشیاء ڈالی جاتی تھیں) آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: ”إن الماء طهور لا ینجسه شیء“ پانی پاک ہے اُسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی (صحیح ابوداؤد: ۶۰)، اور حضرت ابو امامہ باہلی کی روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”إن الماء لا ینجسه شیء إلا ما غلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ“ (ضعیف ابن ماجہ: ۱۱، دارقطنی: ۲۰۸، طبرانی کبیر: ۱۳۶) (یقیناً پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی الا یہ کہ پانی پر اس ناپاک چیز کی بو، ذائقہ اور رنگ غالب ہو جائے)۔

راجح: اگرچہ استثناء والی روایات ضعیف ہیں لیکن ان کے معنی و مفہوم کے صحیح و قابل عمل ہونے پر اجماع ہے جیسا کہ امام ابن منذر و امام نووی، امام ابن قدامہ اور امام ابن ملقن رحمہم اللہ نے اس مسئلے میں اجماع نقل کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری، سعید بن المسیب، امام نخعی و امام جابر بن زید و امام مالک وغیرہم کا یہی موقف رہا (الاجماع لابن المنذر: ۱۰۰، المجموع للسیوطی: ۱۱۰، المغنی لابن قدامہ: ۵۳، البدیع لابن اسحاق: ۸۳، نیل الاوطار: ۶۹)۔

جس پانی کو بطور طہارت استعمال کرنے کا شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے وہ ماء مطلق ہے جسے قرآن کریم میں ماء طہور کہا گیا ہے اور حدیث میں: ”إن الماء طهور“ (صحیح ابوداؤد: ۶۰)، امام ابن حزم کا خیال یہ ہے کہ جب تک پانی پر لفظ ماء (پانی) بولا جاسکتا ہے اس وقت تک وہ طہر و مطہر ہے (کلیلاً بالآثار: ۵۳)۔

امام ابن رشد نے فرمایا ہے کہ ”أجمع العلماء علی أنه جمیع أنواع المیاء طاهرة فی نفسہا ومطهرة لغيرها إلا ماء البحر فإن فیہ خلافا فی الصدر الأول شاذاً وهم محجوجون بتناول اسم الماء المطلق له وبالأثر الذی خرجه مالک وهو

قولہ ﷺ: ”هو الطهور ماؤه الحل ميتته“، وهو إن كان حليثا مختلفا في صحته فظاهر الشرع يعضله..... (بدرية الجهاد ۲۳/۱)، وقال واتفقوا على أن الماء الكثير المستبحر لا تضره النجاسة التي لم تغير أحد أوصافه وأنه طاهر (بدرية الجهاد ۲۳/۱)۔

۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق اور اس کا شرعی حکم:

نبی کریم ﷺ کا معمول یہی تھا کہ آپ ایک صاع (تقریباً دو کلو پانچ سو گرام) پانی سے غسل کر لیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث انس بن مالک سے مروی ہے: ”كان النبي يغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد ويتوضأ بالمد“ (بخاری ۲۰۱۵، مسلم ۳۲۵) (نبی کریم ﷺ ایک صاع، یعنی چار مد پانی سے لے کر پانچ مد پانی تک سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو کر لیا کرتے تھے)۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں جہاں تک ہو سکے اتنا ہی پانی استعمال کرنا چاہیے جو مقدار محدود ہے، اور اسراف سے اجتناب ضروری ہے تاہم کبھی زائد پانی استعمال کر لیا جائے تو بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ حدیث پانی کی تعیین و تحدید کے لیے نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کا فعل احتیاب پر دلالت کرتا ہے البتہ ضرورت سے زیادہ پانی کا خرچ کسی بھی صورت میں مکروہ ہے، جیسا کہ محدثین کرام رحمہم اللہ کی مندرجہ ذیل تبویب سے ظاہر ہے: باب (۲۰۵) استحباب أن لا ينقص في الوضوء من مد ولا في الغسل من صاع (سنن البيهقي ۱/۱۹۵) باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة (مسلم ۷۵۲) باب الوضوء بالمد (بخاری ۱۹۸) باب الغسل بالصاع ونحوه (بخاری ۲۲۸) باب القدر الذي يكتفي به الإنسان من الماء للوضوء والغسل (سنن النسائي ۷۳)۔

”كان النبي يغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد ويتوضأ بالمد“ (بخاری ۲۰۱، مسلم ۳۲۵)، حدیث مذکور کے بارے میں ترمذی میں ہے: ”قال الشافعي وأحمد وإسحاق ليس معنى هذا الحديث على التوقيت أنه لا يجوز أكثر منه ولا أقل“

منہ وهو قدر ما يكفي“ (ترمذی: ۵۶۱، ص: ۲۳)، اس لیے کہ آپ ﷺ سے ایک فرق (یعنی ایک بڑے برتن کہ جس میں تقریباً ۹ سیر پانی سما جاتا ہے) پانی سے بھی غسل کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے (بخاری: ۲۵۰/۵، مسلم: ۳۱۹/۵، ابوداؤد: ۲۳۸/۵، نسائی: ۵/۱۲۷، ابن ماجہ: ۳۷۶)۔

اور یہ قاعدہ مد نظر رکھا جائے گا ”الضرورة تقدر بقدرها“ ضرورت سے زائد پانی کا استعمال شرعاً درست نہیں ہے بلکہ اسراف کرنے والا شرعاً گنہگار ہوگا قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات اور احادیث کی روشنی میں:

۱- ”إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين وكان الشيطان لربه كفوراً“ (اسراف: ۲۷) (بے شک فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے)۔

۲- ”ولا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين“ (الانعام: ۱۳۱) (اور فضول خرچی نہ کرو بے شک وہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے)۔

۳- ”عن أبي بن كعب قال قال رسول الله ﷺ إنه للوضوء شيطاناً يقال له ولهان فاتقوا وسواس الماء“۔

(حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ وضو میں وسوسہ ڈالنے والا ایک شیطان ہے جسے ولہان کہا جاتا ہے، پس تم وضو کے وسوسے سے بچو (ابن ماجہ: ۳۲۱، باب ماجاء فی کرہیۃ الاسراف فی الماء ترمذی: ۵۷۵ ضعیف الاستاد)۔

۴- وعن ابن عمر قال: رأى رسول الله ﷺ رجلاً يتوضأ فقال: لا تسرف لا تسرف (ابن ماجہ: ۳۲۳ قال ابوالہادی: موضوع، المعجم: ۷۸۲، ضعیف الجامع: ۶۲۲۸) (آپ ﷺ نے ایک صحابی کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: فضول خرچی نہ کرو وضول خرچی نہ کرو)۔

۵- وعن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال ما هذا السرف؟ فقال أفي الوضوء إسراف؟ قال: نعم وإن كنت على نهر

جار“ (ابن ماجہ: ۳۲۵ قال ابان بن شیبہ: الضعیف: ۷۸۲) (آپ ﷺ کا گزر حضرت سعد سے ہوا جب کہ وہ وضو کر رہے تھے تو فرمایا: کیا یہ فضول خرچی کیا ہے؟ تو سعد نے سوال کیا کہ کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اگرچہ کہ تم بہتی نہر کے پاس ہی کیوں نہ ہو۔
نوٹ: مذکورہ بالا احادیث اگرچہ ضعیف ہیں مگر ان کی تائید قرآن کریم کی مذکورہ آیات سے ہوتی ہے۔

وضوء کے سلسلہ میں ہر عضو کو سبار سے زائد دھونے پر ممانعت وارد ہے، جیسا کہ حدیث عمر و بن شعیب اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: فرمایا: ”جاء أعرابی إلى النبي ﷺ فسأله عن الوضوء فأراه ثلاثا ثلاثا ثم قال: هذا الوضوء فمن زاد علي هذا فقد أساء أو تعدى أو ظلم“ (ابن ماجہ: ۳۲۲) (ایک دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر وضو کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے تین تین بار وضو کے اعضاء دھونے کا طریقہ سمجھایا، پھر آپ نے فرمایا: یہی وضو کا طریقہ ہے، جس نے اس میں زیادتی کی تو یقیناً اس نے تجاوز کیا یا ظلم کیا)۔

قال الترمذی فی (۳۴) باب ماجاء فی الوضوء ثلاثا ثلاثا

العمل علی ہذا عند عامة أهل العلم أن الوضوء یجزئ مرة مرة ومرتين افضل وأفضله ثلاث وليس بعده شئی وقال ابن المبارک: لا آمن إذا زاد فی الوضوء علی الثلاث أن یأثم وقال أحمد وإسحاق لا یزید علی الثلاث إلا رجل مبتلی (صحیح ابی داؤد: ۱۰۰۱ ہرندی ص: ۲۲)۔

یعنی امام ترمذی نے فرمایا ہے: اہل علم کا عمل اس پر رہا ہے کہ وضو میں ایک مرتبہ دھونے سے کافی ہو جاتا ہے، دو دو بار دھونا افضل ہے، اور افضل ترین عمل تو تین تین بار وضو کے اعضاء کا دھونا ہے۔ ابن مبارک نے فرمایا ہے: تین بار سے زیادہ دھونے والا گنہگار ہوگا۔ امام احمد و اسحاق نے فرمایا ہے: ایک مرفوع القلم شخص ہی تین بار سے زائد دھوسکتا ہے۔

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے شریعت کا حکم:

شریعت مطہرہ نے پاکی صفائی کو نصف ایمان کا درجہ دیا ہے۔ ”الطهور شطر الايمان“ (مسلم: ۵۵۶)، گویا پاکی صفائی کا اہتمام ایمان کا لازمی حصہ ہے، خاص کر پانی کو آلودگی سے بچانے کی خاطر رسول اکرم ﷺ نے مندرجہ ذیل احادیث شریفہ میں یہ تعلیمات دی ہیں:

۱- عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ”إذا استيقظ أحدكم من نومته فليغسل يده قبل أن يدخلها الإناء فإن أحدكم لا يدري أين باتت يده“ وفي بعض رواياته: ”فليغسلها ثلاثاً“ (بخاری، مسلم) (حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ دھولیا کرے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔ دوسری روایت میں فرمایا: تین بار دھولیا کرے)۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں فقہاء کرام نے اختلاف کیا ہے کہ کیا وضو کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل دھونا ضروری ہے؟

بعض نے سنن الوضوء میں شمار کیا ہے اور بعض نے استحباب کے درجہ میں رکھا ہے، لیکن امام داؤد ظاہری نے وجوب کا حکم دیا ہے (بدیۃ الجہد: ۱۶۹)۔ امام ابن رشد نے کہا کہ اس حدیث کا تعلق پانی سے ہے وضو سے نہیں ہے، نیند کی حالت میں ہو سکتا ہے ہاتھ گندنا ہو گیا ہو اس سے پانی کو محفوظ کرنے کے لئے ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲- عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: ”لا يبولن أحدكم في الماء الدائم ثم يتوضأ منه“ (ابن ماجہ: ۳۳۳، ترمذی: ۶۸۵، صحیح) (تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اسی سے وضو بھی کرے)۔

امام ترمذی نے باب باندھا ہے: ”باب ما جاء في كراهية البول في الماء

الراكد“۔

۳- عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: "إذا شرب أحدكم فلا يتنفس في الإناء" (ترمذی ۸۸۹/۱ باب ما جاء في كرهية التنفس في الإناء / صحیح، صحیح ابی داؤد ۷۳۵، بخاری ۵۶۳۰) (تم میں سے کوئی برتن میں پیتے ہوئے سانس نہ چھوڑے)۔

۴- عن جابر أن رسول الله ﷺ قال: "أطفئوا المصابيح إذا رقدتم وغلقتوا الأبواب وأوكوا الأسقية وخمروا الطعام والشراب..... وأحسبه قال: ولو يعود تعرضه عليه" (بخاری ۵۶۲۳) (حضرت جابر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سونے سے قبل چراغ بجھا دیا کرو اور دروازہ بند کر لیا کرو، مشکیزوں اور کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانک کر رکھا کرو۔ راوی فرماتے ہیں میرا گمان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز نہ ملے تو کسی تھکے لکڑی وغیرہ کے ذریعہ ڈھانک لیا کرو)۔

وفی رواية: "خمروا آئنتکم" (بخاری ۵۶۲۳، باب تعطية الماء، کتاب الاثریة) دوسری روایت میں وارد ہے کہ برتنوں کو اچھی طرح بند کر کے رکھو۔ مذکورہ نصوص کی روشنی میں پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے جو احکامات وارد ہیں جن کا حکم شرعی تنزیہی ہے۔

۴- گندے آلودہ پانی کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنانا:

پانی کی حقیقت اور اصلیت بدل جائے تو حکم شرعی بھی بدل جاتا ہے۔ البتہ جب پانی کا رنگ، بو اور مزہ بد لے تو پانی ظاہری رہتا ہے، امور قہر یہ کے لئے ایسے صاف شدہ پانی استعمال کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ پینے میں صحت کے لئے نقصان نہ ہو تو ماہرین سے مشورے کے بعد استعمال کیا جاسکتا ہے جیسا کہ مؤقر اہل علم کے فتاویٰ سے ظاہر ہے:

إذا كان الماء المتنجس كثيرا وزالت أوصاف النجاسة عنه لونا وطعما وريحا صار طهورا فلا ينجس ما أصابه من ثوب أو مكان أو بدن وإن لم

تزل منه أو صاف النجاسة بل بقى بعضها تنجس ما يصيبه من ثوب أو بدن أو مكان (فتاویٰ اللجنة الدائمة عبد اللہ بن باز عبد اللہ بن قعود عبد اللہ بن غدیان عبد الرزاق عقیفی) (فتویٰ رقم ۳۰۲۲) (۳۱۵۹)، البتہ امام ابن رشد کی رائے منفرد ہے: وحده الكراهية عندي هو ما تعافه النفس وترى أنه ماء خبيث وذلك أن ما يعافه الإنسان شرهه يجب أن يجتنب استعماله في القربة إلى الله تعالى وأن ما يعاف وروده على ظاهر بدنه كما يعاف وروده على داخله“ (بدیہ الحجہ ۲۵۸)، واللہ اعلم۔

۵- حکومتوں کا پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگانا:

شرعی نقطہ نظر سے اولولاً امر کی اطاعت بھی واجب ہے جب کہ ان کے احکام شریعت کے دائرہ میں ہوں، وہ معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہوں یا امت کے اجتماعی مصالح کا انتظام کرنے کی خاطر اسراف سے بچنے کا تاکیدی حکم صادر کرتے ہوں؛ اس لیے کہ معصیت میں اطاعت نہیں ہو سکتی جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق“ (قال الألبانی: صحیح)، ”إنما الطاعة في المعروف“ (صحیح بخاری: باب السمع والطاعة لآمرام لم تکن معصية)۔

لہذا ضرورت سے زائد پانی کے استعمال پر پابندی لگانا شرعاً درست ہے اور لوگوں پر نظم کی پابندی کرنا ضروری ہے اور ان احکامات کی پاسداری کرتے ہوئے ان پر عمل کرنا بھی شرعاً واجب ہے۔ مزید برآں کہ اس طرح کی پابندیوں کا تعلق سد الذرائع پر مشتمل ہے یعنی ان کاموں سے روکنا جن کے ذریعہ ایسی ممنوع چیز تک پہنچا جاسکتا ہو جو فساد و خرابی پر مشتمل ہو۔ اور یہ احکامات، پابندیاں، جلب مصلحت اور دفع مضرت کی خاطر عائد ہوتی ہیں اس لیے اولولاً امر کی اطاعت ان صورتوں میں ضروری ہے۔

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں پایا جانے والا پانی اس کی ملکیت ہے یا حکومت کی؟ صورت مسئلہ میں مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے شرعاً وہی اس پانی کا بھی مالک ہے؛ البتہ مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے ممانعت، جلب مصلحت اور دفع مضرت کی خاطر ہے، لہذا حکومت کو ضرورت اور حالات کے پیش نظر مصلحت عامہ اور افادہ عامہ کی خاطر بورنگ کرانے پر یا بورنگ میں حد بندی کی اجازت ہوگی، ایسے حالات میں اس حکم پر عمل کرنا عوام پر ضروری ہوگا؛ اس لیے کہ یہ مصالح معتبرہ ہیں جو لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کی خاطر حکومت کی طرف سے مانڈ کئے جاتے ہیں۔

نوٹ: بورنگ کے متعلق تجربات اور مشاہدات سے یہ بات ثابت ہے کہ بڑے بو رنگ (8 قدم) لگانے کے لیے کم از کم 300 قدم کا فاصلہ ضروری ہے تاکہ پانی کے سوتوں میں کمی نہ آئے۔ چھوٹے چھوٹے بورنگ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ قریب میں لگایا جاسکتا ہے، اور شرعی قاعدہ مد نظر رہے کہ ”لا ضرر ولا ضرار“ (صحیح سنن ابن ماجہ ۲۳۳۱) یعنی خود بھی نقصان نہ اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ۔

۷- مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لئے مخصوص کرنا:

مذکورہ صورت میں تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی خاطر مذکورہ احکامات مانڈ کیا جانا بھی مصلحت عامہ کی خاطر ہی ہے۔ عوام حکومت کے کل پرزے ہیں جن کا تعاون ہر نیک کام میں ضروری ہے۔ حکومت افراد کے انتخاب سے بنتی ہے لہذا عوام اناس کو حکومت کے ساتھ نیک کاموں میں تعاون کا رویہ اپنانا ضروری ہے۔ اور حکومت بھی عوام کی ضرورتوں کے پیش نظر پانی کے ذخائر کا انتظام کرے لہذا پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی بھی ذمہ داری ہے اور افراد کی بھی۔

دور نبوت میں لوگ تا پیر نخل کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے شروع میں منع فرمایا، اس

ممانعت کی وجہ سے پیداوار میں کمی آئی تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس کی وجہ تاہیر نخل نہ کرنا ہے تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”انتم أعلم بأمور دنیاکم“ (مسلم: ۲۳۲۸) یعنی تم لوگ اپنے دنیوی امور کا زیادہ علم رکھتے ہو۔

اس طرح جو معاملات تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں طے پاتے ہوں اور جس کے اچھے نتائج سامنے آرہے ہوں تو ایسے کارآمد اور مفید تجربات کو قبول کرنے اور تعاون کرنے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے۔

۸- اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو منتقل کرنا:

مذکورہ مسئلہ بھی مصالحِ مرسلہ میں سے ہے؛ چونکہ پانی کی ضرورت مسلم ہے اور ذخیرہ اندوزی کے فوائد بھی معتبر ہیں۔ ایسی صورت میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ آبی ذخیرہ اندوزی کرے اور لوگوں کو ضرورت کی چیزیں فراہم کرے اور شرعی نقطہ نظر سے نقل مکانی پر لوگوں کو مجبور کرنا اور متبادل زمین فراہم کرنا جائز ہوگا جیسا کہ اراضی موقوفہ میں حالات اور ضرورت کے وقت تصرف اور تبدیلی کی علماء کرام نے اجازت دی ہے۔

قاعدہ فقہیہ ہے: ”درء المفسدة أولى من جلب المصلحة“ (لکھنؤ ائمہ الفقہیہ

۵۲/۱، شرح اللکھب لمیر ۳/۱۵۳)۔

۹- سیلاب کے موقع پر بند کو کاٹ کر پانی آگے بڑھا دینا:

اولاً: حکومت وقت کو چاہیے کہ خطرات کے موقع پر لوگوں کو پیشگی اطلاع دے۔ خود بھی حفاظتی تدابیر اختیار کرے اور لوگوں کو بھی محفوظ رہنے اور اپنا بچاؤ کرنے کی تجویز پیش کرے تاکہ حفاظتی تدبیریں عمل میں آسکیں: ”الوقایة خیر من العلاج“۔

ثانیاً: اپنی جان بچانے کے لیے دوسروں کو نقصان پہنچانا شرعاً ناجائز ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے: ”لا ضرر ولا ضرار“ (صحیح سنن ابن ماجہ) نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه“ (اسلسلہ الصحیحہ ۷۳/۲) یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

ایسے تباہ کن حالات سے قبل پیشگی اطلاع دینا اور نشیبی علاقہ کے لوگوں کے لیے تحفظ فراہم کرنا شرعاً و اخلاقاً واجب ہے۔ آگے کی آبادی والے کے پوری طرح محفوظ ہونے کے بعد بند کو کاٹ کر پانی کو آگے کیا جاسکتا ہے تاکہ انسانی نفوس اور مویشی کا ضیاع نہ ہو۔ افادہ عام کی خاطر ایسے ناگزیر حالات میں حکومت کو اختیار ہوگا کہ ایسے حفاظتی تدابیر اختیار کرے اور عوام اناس کو ضرر سے روکے۔ قاعدہ فقہیہ ہے: ارتکاب أخف الضررین وأهون الشرین (فتاویٰ لا زمہ ۲/۳۱۸)، درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح (الفتاویٰ من فتاویٰ الفوزان ۱۶/۶، لکھنؤ القواعد الفقہیہ ۵۲/۱) واللہ اعلم۔

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے استفادہ:

مذکورہ آبی وسائل و ذرائع حکومت کی ملکیت میں شامل ہیں اور ان وسائل سے استفادہ کی اجازت سب کو ہے۔ ایسی صورت میں نظم کی پابندی ضروری ہے، خلاف قانون کوئی بھی کارروائی جائز نہیں ہوگی۔ البتہ وہ آبی وسائل و ذرائع جسے حکومت نے کسی کو TENDER دے دیا ہو۔ (مچھلی پالنے وغیرہ کے لیے) تو وہ وسائل و ذرائع مخصوص ہوں گے، ان سے عام استفادہ کی گنجائش نہ ہوگی۔

۱۱- مختلف علاقوں اور کھیتوں سے گزرنے والی نہر سے استفادہ کی حد:

پانی اللہ کی نعمت ہے جس کے ذریعہ ہر چیز کا وجود متحقق و ملتزم ہے۔ استفادہ کے اعتبار سے سارے لوگوں کے لیے مساویانہ حقوق ہیں۔ ایسی صورت میں کسی فرد کا نہر یا تالاب وغیرہ سے اپنی ضرورت کی حد تک قانون کے دائرہ میں رہ کر استفادہ کا حق حاصل ہوگا، البتہ نہر یا

تالاب یا کسی آبی وسائل پر قبضہ جمانا یا اپنی ملکیت میں داخل کرنا کسی صورت میں جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”المسلمون شركاء في ثلاث: في الماء والكلاء والنار“ (صحیح سنن ابن ماجہ ۶۳/۲۲) یعنی مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہوں گے: پانی، آگ، گھاس۔

اس لیے کہ مذکورہ اشیاء عام استفادہ کے لیے قدرت نے بنائی ہیں؛ البتہ وہ لوگ جو کسی نہریا تالاب سے قریب ہوں تو اس پانی کے اولین حقدار ہوں گے۔ الاقرب فالاقرب کے تحت اپنے لیے ضرورت کا پانی استعمال کرنے کے بعد آگے کے لوگوں کے لیے راہ فرما کر ضروری ہوگا، جیسا کہ حضرت زبیرؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم سیراب کر لو اپنے کھیت کو پھر اپنے ساتھی کے لیے پانی چھوڑ دو (ترمذی ۵/۱۳۶۳ صحیح)۔

۱۲- کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟

مملوکہ زمین سے حاصل شدہ پانی کا وہی شرعاً مالک ہوگا جس نے اپنی محنت و مشقت اور صرف خاص سے پانی حاصل کیا ہو، اسی طرح حکومت کی اجازت کے ساتھ تالاب و نہریا کنویں وغیرہ سے استفادہ کی عام اجازت ہوگی، البتہ جہاں حکومت دفع مضرت کے لیے بورنگ لگانے یا کنویں کھودنے سے منع کرے تو ایسی صورت میں نظم کی پابندی ضروری ہوگی۔

۱۳- مملوکہ پانی کی تجارت کرنے کا مسئلہ:

مملوکہ زمین میں مملوکہ پانی کی تجارت میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے؛ کیونکہ پانی کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت اور FILTER کا خرچ وغیرہ بھی شامل ہے لہذا پانی کی تجارت جائز ہے؛ البتہ جس حدیث میں یہ فرمان ہے کہ مسلمان ۳ چیزوں میں برابر کے شریک ہیں: پانی، آگ، گھاس (ابوداؤد)۔ یہ عام پانی ہے جو ندی، بارش، تالاب وغیرہ میں عام لوگ شریک ہیں جس میں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: لا تبیعوا

فضل الماء (بخاری ۱۵۸۳۲) یعنی زائد پانی جس کا کوئی مالک ہی نہ ہو اس کی تجارت نہ کرو، یعنی ضرورت سے زائد پانی کو روکنا یا اسے فروخت کرنا یا اس پر قبضہ جمایا وغیرہ شرعا درست نہیں ہے۔

۱۴- تالاب میں آبادیاں بسانا:

تالاب میں آبادیاں بسانا درحقیقت نقصان سے خالی نہیں ہے بلکہ عوام کو استفادہ سے محروم کرنے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، ارشادِ ربانی ہے: وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: ۱۹۵) یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اس لیے کہ تجربات شاہد ہیں جہاں بھی تالابوں اور ندیوں کے کنارے لوگوں نے گھر بسائے نقصان اٹھائے ہیں، اس لیے خواہ حکومت اجازت دیتی ہو یا نہ دیتی ہو، آبادیاں بسانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ شرع کا اصول یہ ہے: "لا ضرر ولا ضرار" نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان میں ڈالو (سنن ابن ماجہ: ۲۳۳۰، اسلسلۃ الصحیحہ: ۲۵۰)، اور تجربات سے سبق حاصل کرنے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ آبادی بسانے سے مجموعی طور پر پانی کی سطح نیچے چلی جائے تو اکثریت کا خسارہ ہے، اس لیے مذکورہ نص کی روشنی میں تالاب میں بستیاں بسانا شرعا درست نہیں ہے (خیبر الناس أنفعہم)۔

۱۵- کیا آبِ رسائی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے؟

بلاشبہ آبِ رسائی، بجلی کی فراوانی، سڑک بنانا وغیرہ حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے بلکہ واجبات میں سے ہے۔ ہر شہری کو اس کے مطالبہ کا حق بدرجہ اتم حاصل ہے، اور حقوقِ طلبی خاص کر حکومتوں سے عوام کا بنیادی اور واجبی حق ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ آبِ رسائی کے انتظام و انصرام میں کافی اخراجات درکار ہوتے ہیں، اس صورت میں حکومت کا عوام سے مناسب اجرت لیا، عوض لیا درست ہوگا اور اجرت مقررہ ادا نہ کرنے کی صورت میں نظم کی خلاف ورزی کی وجہ سے پانی کو

روک لینے کا بھی حق حاصل ہوگا، ہاں وہ غریب عوام جو پانی کا بل نہیں ادا کر سکتے انہیں بغیر اُجرت کے پانی پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

۱۶- استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کا مسئلہ:

صورت مسئولہ میں استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا مسئلہ بھی حکومت کی ذمہ داری ہے جو آبادی کی صحت کی حفاظت پر مبنی ہے۔ اگر حکومتیں، کارپوریشن یا بلدیہ عملاً اس ذمہ داری کو ہر شہر، ہر دیہات میں اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتے ہیں تو رعایا حکومت کی ہر اچھے اسکیم کا استقبال کرے گی اور خوش دلی سے تعاون کرے گی۔ رعایا کے تعاون سے ہی حکومت اپنا فرض پورا کر سکے گی۔

”تعاونوا علی البر والتقویٰ“ (المائدہ) ہٰنما ما تبین لی واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

آبی وسائل سے متعلق شرعی مسائل

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

الحمد لولہ والصلوٰۃ علی نبیہ ورسولہ والسلام علی آلہ المتأدبین

بآدابہ وبعدا!

جواب ۱: پانی سے متعلق شریعت کے عمومی احکام:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "إنا أنزلنا من السماء ماء طهوراً" ہم نے آسمان سے بہت پاک کرنے والا پانی نازل کیا ہے، اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین بار دھو لے؛ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات میں اس کے جسم کے کن اعضاء تک اس کا ہاتھ پہنچا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ پانی کے مسئلہ میں اقوال و دلائل کے مجموعہ سے جو بات مجھ کو حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک پانی پیدا کیا گیا ہے طاہر و مطہر بالطبع، کوئی شیء اس کو نجس نہیں کرتی، اور پانی کی ذات نجاست کی ملاقات سے خبیث نہیں ہوتی، ہاں نجاستوں کے استعمال سے بچنا واجب

ہے؛ کیونکہ نجاستیں ان خبیث چیزوں میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے: وَيَحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحْرَمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ، اللہ تعالیٰ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان پر خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے، اور آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ کبھی پانی بھی متروک الاستعمال ہوتا ہے اس کے نجس ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا نجاست کے قریب ہونے کی وجہ سے کہ اس پانی کے استعمال سے نجاست کے بعض اجزاء کا استعمال لازم آتا ہے، اور اسی لئے بیدار ہونے والے کو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے؛ کیونکہ اس کو یہ نہیں معلوم کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ جسم کے کن کن حصوں تک پہنچا ہے، اور ماء قلیل میں پیشاب کرنے اور غسل جنابت کرنے سے منع کیا گیا اور کتے کے منہ ڈالے ہوئے پانی کو بہا دینے کا حکم وارد ہوا ہے مرفوعاً، موقوفاً دونوں طریق سے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس برتن میں کتا منہ ڈال دے جب اس کو سات مرتبہ دھویا جائے تو اس کو پاک کر دے گا، اور یہ کل احادیث دلالت کرتی ہیں کہ پانی اگرچہ بذات خود مطہر ہے مگر وہ متروک ہوگا جب اس سے نجاست مل جائے، اور مسند اہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ بر بضاعہ میں نجاستیں رہتی تھیں؟ کیسے یہ گمان ہو سکتا ہے جب کہ بنی آدم کی عادت جاری ہے پانی کو نجاستوں سے بچانے کی بلکہ بر بضاعہ میں ہوا کی وجہ سے نجاستیں گر جاتی تھیں، ایسا نہیں تھا کہ قصداً لوگ نجاستوں کو ڈالتے تھے پھر وہ نجاستیں نکالی جاتی تھیں پھر جب اسلام آیا تو لوگوں نے طہارت شرعیہ کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانی مطہر ہے کوئی چیز اس کو نجس نہیں بناتی، واللہ اعلم (فتح البہم ۳۳۲/۱-۳۳۳)۔

پس پانی اپنی فطرت کے اعتبار سے مطہر ہے لیکن عارضی نجاست کی وجہ سے نجس

ہو جاتا ہے، لہذا پانی کو نجاستوں اور گندگیوں سے بچانا واجب ہے اور عمداً گندہ بنانا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

جواب ۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا اور اس فضول خرچی کا شرعی حکم:

پانی اللہ تعالیٰ کی جانب سے حیوانات، جمادات اور نباتات کے حق میں نعمت عظمیٰ ہے؛ کیونکہ پانی قدرت کا وہ عطیہ ہے کہ قدرت نے اسی پر ہر ایک کی زندگی رکھی ہے۔ بدون پانی کوئی بھی شے زندہ نہیں رہ سکتی؛ لہذا پانی اس مقدار میں خرچ کرنا چاہئے جتنی ضرورت ہے اور ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں اسی ضرورت مختلفہ کے اعتبار سے پانی خرچ کرنا چاہئے اس سے زیادہ خرچ کرنا فضول خرچی شمار ہوگا۔

پانی میں فضول خرچی کا اطلاق مندرجہ ذیل صورتوں پر شرعاً ہوتا ہے:

۱- دریا پر وضو کرنے میں؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر گزرے اس حال میں کہ وہ وضو کر رہے تھے اور وہ وضو میں پانی زیادہ گرا رہے تھے فعلاً یعنی اعضاء مغسولہ تین تین بار سے زیادہ دھورہ تھے، یا باعتبار مقدار یعنی ضرورت سے زیادہ مقدار میں پانی گرا رہے تھے تو اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: اے سعد! یہ پانی میں فضول خرچی کیا ہے؟ تو اس تشبیہ پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا وضو میں فضول خرچی ہوتی ہے؟ ان کا خیال تھا کہ طاعت و عبادت میں فضول خرچی نہیں ہوتی، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اس میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے اگرچہ تم بتتے ہوئے دریا پر ہو؛ کیونکہ اس میں وقت کا زیادہ لگانا ہے اور عمر کو ضائع کرنا ہے، یا شرعی حد سے تجاوز کرنا ہے، رواہ احمد وابن ماجہ (مشکوٰۃ علی المرتدہ ۱/۳۲۱)۔

۲- دریا میں غسل کرنے میں بھی پانی میں فضول خرچی ہوتی ہے کہ جو غسل مثلاً پانچ منٹ میں ہوتا ہے آدمی گھنٹہ دو گھنٹہ میں اپنا غسل مکمل کرتا ہے تو اس میں بھی وقت زیادہ لگانا ہے اور عمر کو ضائع کرنا ہے۔

۳- مساجد کے وضو خانوں میں ٹنگی سے وضو کرنا، اس میں بھی فضول خرچی اس طرح ہوتی ہے کہ وضو کرنے میں ٹنگی کھول دیتا ہے، پانی گرنا رہتا ہے، لوٹے میں پانی لیکر وضو کرنے میں جو وضو ایک لوٹا پانی سے ہو جاتا ہے ٹنگی سے وضو کرنے میں ٹنگی کھول دینے سے کئی لوٹے پانی گر جاتے ہیں اس میں مقدار شرعی سے تجاوز ہے۔

۴- غسل خانوں میں ٹنگی کے پانی سے غسل کرنے والا بہت پانی گرا دیتا ہے، اس طرح کہ غسل کرنے والا ٹنگی کھول کر اس کے نیچے بیٹھ جاتا ہے جبکہ ایک بڑی سی بالٹی جس میں دس پندرہ لوٹے پانی آسکتا ہے اس سے بسہولت غسل مکمل ہو سکتا ہے، لیکن اس پر دھیان نہیں ہونا جس سے گناہ لازم ہوتا ہے۔

۵- عام ضرورتوں میں مقدار ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا، اس پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

اس فضول خرچی کا شرعی حکم ناجائز ہونا اور لزوم گناہ ہے، اس سے اپنے کو بچانا لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

جواب ۳: پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ وہ جو ب کے درجہ میں ہیں، واللہ اعلم۔

جواب ۴: اس طریقہ مذکورہ فی سوال پر صاف کیا گیا پانی شرعاً پاک مانا جائے گا۔
واللہ اعلم

جواب ۵: صورت مذکورہ فی سوال میں اس طرح پابندی لگانے کا ریاست کو حق

ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے۔ واللہ اعلم

جواب ۶: انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ اسی کی ملکیت ہے، اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرے تاکہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے، تو حکومت کو اسلامی نقطہ نظر سے یہ حکم دینے کی گنجائش ہے اور اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہے؛ کیونکہ شریعت نے انسانی ضرورتوں کا بہت ہی خیال رکھا ہے۔ واللہ اعلم

جواب ۷: جن ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے متعلق بھی کی جاتی ہے اس طرح ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے اور زیر زمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم مقرر کر سکتی ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو پانی کی حفاظت کیلئے کر دیں تو حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی، اور پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری تو ہے ہی اور کو بھی اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

جواب ۸: صورت مسئلہ میں شرعی نقطہ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر وہاں کی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا جائز ہے اور متبادل زمین کا فراہم کرنا جائز ہوگا۔ واللہ اعلم

جواب ۹: صورت مذکورہ فی السوال میں پہلی بستی والوں کے لئے باندھ کو کاٹ دینا اور پانی کو آگے بڑھا دینا جائز نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس میں انسانیت کو ہلاک کرنا ہے جس کی شرعاً قطعاً اجازت نہیں ہوگی، واللہ اعلم

جواب ۱۰: صورت مذکورہ فی السوال میں افراد و اشخاص کو ضرورت کی حد تک استفادہ کی شرعاً اجازت ہے، واللہ اعلم۔

جواب ۱۱: مذکورہ صورت میں مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی دیگر ضروریات کے لئے ضرورت کی حد تک شرعاً استفادہ کرنا جائز ہے اور کسی دور والے کور و کنا اور استفادہ نہ کرنا جائز نہیں ہے، واللہ اعلم۔

جواب ۱۲: چند صورتوں میں فراڈ کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے: (۱) اپنی مملوک زمین میں پانی کیلئے بورنگ کرانے سے (۲) سرکاری پانی کی سہولیات کیوجہ سے اپنے گھریا مملوک زمین میں سرکار سے پانی کا کنکشن لینے سے (۳) اپنی مملوک زمین میں کنواں کھدوانے یا گڈھا کھود کر تالاب بنانے سے (۴) اپنے برتن میں کہیں سے پانی جمع کرنے سے (۵) اپنے لئے پانی خریدنے سے، واللہ اعلم۔

جواب ۱۳: جن صورتوں میں جو شخص پانی کا مالک ہو جاتا ہے اس کے لئے اپنے مملوک پانی کی تجارت کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

جواب ۱۴: جب نشیبی علاقوں میں سستے داموں میں زمین مل جاتی ہے جس میں غریب آدمیوں کو زمین خریدنا پھر مکان تعمیر کرنا ممکن ہوتا ہے اور اس سے اس کی رہائش کا مسئلہ سہل ہو جاتا ہے تو تالاب جیسے نشیبی علاقوں میں آبادیاں بسانا درست ہے اگر حکومت کی طرف سے ممانعت نہ ہو۔ اور اگر ممانعت ہو تو درست نہیں، اس لئے کہ بارش کے موسم میں ان آبادیوں اور تعمیرات کے ہلاک ہونے اور برباد ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے، ایسی صورت میں حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ نشیبی علاقوں میں مٹی ڈلو کر اونچی کرادے اور آبادیاں بسانے کے لائق بنادے۔ واللہ اعلم

جواب ۱۵: صورت مسئلہ میں آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے جس کا وہ مطالبہ کر سکتا ہے اور حکومت اس کی اجرت متعین کر کے پانی کا

عوض لے سکتی ہے؛ کیونکہ وہ اس آب رسانی کے انتظام کو قائم و باقی رکھنے کے لئے ملازمین رکھتی ہے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور ضرورت کے مطابق عی پانی کو جاری کرتے ہیں، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کو پانی کے روک لینے کا حق اس لئے حاصل ہوگا کہ اس کا نظم قائم رہ سکے، واللہ اعلم۔

جواب ۱۶: پانی وغیرہ کی نکاسی کے لئے حکومت نے جو ڈریج کا نظام بنایا ہے جس سے پوری آبادی کی صحت کی حفاظت ہوتی ہے تو شرعی نقطہ نظر سے یہ حکومت کی ذمہ داری ہے؛ کیونکہ یہ شہریوں کا حق ہے کہ ان کی صحت کی حفاظت کا خیال رکھا جائے۔ واللہ اعلم

☆☆☆

آبی مسائل سے متعلق مختلف مسائل

مولانا شیر علی کجراتی ☆

(۱): اللہ تعالیٰ کی قدرت عجیب و غریب ہے کہ حیوانات کو جس چیز کی جتنی زیادہ ضرورت ہے وہ اتنی مفت کر دی لہذا حیوانات کی سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہوا ہے تو قدرت نے ہوا کو مفت کر دیا، اسی طرح دوسرے نمبر کی زیادہ ضروری چیز حیوانات کے لئے پانی ہے تو قدرت نے پانی کو بھی مفت کر دیا اور کسی کو اس پر ملکیت نہیں دی اور نہ ہی کوئی دوسرے کو پانی لینے سے روک سکتا ہے، قولہ علیہ السلام: ”الناس شرکاء فی ثلث: الماء والکلاء والنار“ (خرجہ ابوداؤد) اسی بناء پر شریعت نے پانی میں انراط و تفریط سے منع فرمایا اور اعتدال کے ساتھ پانی کے استعمال کا حکم فرمایا خصوصاً اس وقت جبکہ پانی کی قلت ہو اور احتیاج الناس کی کثرت ہو۔

(۲): ہر قسم کے خرچہ میں اعتدال ہونا چاہئے، ضرورت سے زائد خرچ کرنا جائز نہیں ہے خاص کر پانی جیسی اہم ضروری چیز میں، اس میں تو حاجت سے زائد خرچ کرنا ناجائز ہے، آپ ﷺ حضرت سعدؓ کے پاس سے گزرے وہ وضو کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیسا اسراف ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں

اگرچہ تم نہر جاری پر کیوں نہ ہو۔ ”إن رسول الله ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال: ما ههنا السرف؟ فقال: أفي الوضوء إسراف؟ قال: نعم وإن كنت على نهر جار“ (ابن ماجہ ۱/۳۴)، لہذا کھانے کا اسراف یہ ہے کہ پیٹ بھرا ہے پھر بھی کھا رہا ہے، مکان اور تعمیر کا اسراف یہ ہے کہ ضرورت کے موافق مکان ہے پھر بھی بلا ضرورت کمرہ پر کمرہ بنا رہا ہے، اسی طرح پانی کا اسراف یہ ہے کہ ضرورت سے زائد پانی بہاتا جا رہا ہے چنانچہ لوگ نل سے وضو کرتے ہیں اور عموماً پانی بہتا چھوڑ دیتے ہیں، وضو کرتے ہوئے یہ بھی اسراف ہے جو ممنوع ہے، لہذا اگر کوئی اپنے مملوک پانی میں اسراف کرتا ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر وہ پانی وقف کا ہے مسجد کے لئے وقف ہو یا عام لوگوں کی ضرورت کے لئے ہو تو اس میں اسراف کرنا حرام ہے۔ علامہ عبدالحی فرنگی مٹلی نے ”الغایہ“ میں وضو میں اسراف کو حرام قرار دیا ہے (۱-۱۸۳ ص ۱۸۳)۔

(۳): پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت نے مختلف النوع احکام دئے ہیں، کہیں حکم دیا کہ پانی میں گندگی مت ڈالو، نیز پانی کو پیشاب وغیرہ سے بچاؤ، بخاری شریف کی روایت ہے: ”لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم“ (بخاری ۱/۳۷) اور کہیں کہا کہ نیند سے بیدار ہو کر پانی میں سیدھے ہاتھ مت ڈال دو جب تک کہ ہاتھ نہ دھولو: ”إذا استیقظ أحدکم من نومہ فلا یدخل یدہ فی الإناء حتی یغسلها“ (ابن ماجہ ۱/۳۲) اور کبھی فرمایا کہ رات کے وقت اپنے برتنوں کا منہ ڈھانک کر رکھو: ”أمر النبی ﷺ أن نوکی أسقیتنا و نغطی آیتنا“ (ابن ماجہ ۱/۳۰) اور یہ سب احکام وجوبی ہیں نہ کہ استحبابی اور اخلاقی جیسا کہ نصوص مذکورہ سے یہ بات بالکل واضح طور پر مترشح ہو رہی ہے۔

(۴): اجزاء کی مادی سے جو پانی کو پاک کرتے ہیں تو پہلے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا وہ خود پاک ہیں؟ اگر وہ خود نا پاک ہیں تو وہ دوسرے کو پاک کیسے کریں گے، اور اگر وہ پاک ہیں جس کی تحقیق ماہرین سے کی جاسکتی ہے تو پھر یہ دیکھنا پڑے گا کہ پاک کرنے کی کیا شکل ہوتی ہے،

تھوڑے تھوڑے پانی کو اس طرح پاک کیا جاتا ہے یا پورے پانی میں وہ اجزاء کیماوی ملا کر پاک کیا جاتا ہے، اگر تھوڑے پانی کو اس طرح پاک کیا جاتا ہے تب تو وہ پاک نہیں ہوگا اور اگر ماء کثیر ہے تو وہ نجاست بہہ جائے گی لہذا پانی پاک ہوگا، بہر حال سیلان پایا جانا چاہئے، ”حوض صغير تنجس ما نه فدخل الماء الطاهر فيه من جانب وسال ماء الحوض من جانب آخر كان الفقيه أبو جعفر يقول كما سال ماء الحوض من الجانب الآخر يحكم بطهارة الحوض“ (الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۷۱) نیز غدیر عظیم میں اگر نجاست گر جائے تو شیخ قدوری تو فرماتے ہیں کہ اگر ایک طرف کے پانی کو حرکت دینے سے دوسری طرف کا پانی حرکت نہ کرے تو دوسری طرف سے وضو کر سکتا ہے اور دوسرے حضرات تو فرماتے ہیں کہ اس طرف سے بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہاں نجاست کا اثر باقی نہ رہے۔ ”والغدیر العظیم الذی لا یتحرک أحد طرفیه بتحریک الطرف الآخر إذا وقعت فی أحد جانبیه نجاسة جاز والوضوء من الجانب الآخر لأن الظاهر أن النجاسة لاتصل إلیه“ (مختصر القدوری: ۵) ویسے مطہرات تو بہت ہیں، علامہ حسکفی نے تیس سے بھی اوپر ذکر فرمائے ہیں لیکن پانی کے بارے میں تو یہی ہے کہ یا تو ماء کثیر ہو کہ نجاست بہہ جائے یا پانی میں نجاست کی تحلیل ہو جائے، البتہ ماء قلیل کے بارے میں مجھے اس طرح کا کافی جزئیہ نہیں ملا۔

(۵): جی ہاں! پانی کی قلت کے پیش نظر حکومت پانی کے بعض استعمال پر پابندی لگانے کی مجاز ہے؛ کیونکہ حکومت مفاد عامہ کو ملحوظ رکھ کر یہ فیصلہ نافذ کرتی ہے اور یہاں صرف شخصی مفاد ہے لہذا مفاد عامہ مفاد شخصیہ پر مقدم ہوگا، ”إذا اجتمعت البلیتان فاختر أهونہما“ کے ضابطہ کے مطابق۔

(۶): انسان کی اپنی مملوک زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ اس کی اپنی ملکیت ہے وہ دوسرے کو وہاں سے پانی لینے سے روک بھی سکتا ہے، ”ولو كان البشر أو العین والحوض

أو النهر في ملك رجل له أن يمنع من يريد الشفة من الدخول في ملكه إذا كان يجد ماء آخر بقرب من هذا الماء“۔ اور اگر دوسرا پانی دستیاب نہیں ہو سکتا تو صاحب ماء سے کہا جائے گا کہ وہ اس شخص کو اپنی زمین سے پانی لینے دے، ”وإن كان لا يجد يقال لصاحب النهر إما أن تعطيه الشفة أو تتركه يأخذ بنفسه“ (ہدایہ ۳۸۶، ۳)، لیکن اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے سے منع کرے عام لوگوں کو نقصان سے بچانے کے لئے تو شرعاً حکومت کو اس کا اختیار حاصل ہوگا، ”ماء الأودية العظام للناس فيه حق الشفة على الإطلاق وحق سقى الأراضى بأن أحیی واحد أرضاً ميتة وكرى منه نهراً ليسقيها إن كان لا يضر بالعامه وإن كان يضر بالعامه فليس له ذلك لأن دفع الضرر عنهم واجب“ (ہدایہ ۳۸۳، ۳)۔ اب اگر کوئی شخص اپنی زمین میں بورنگ کر رہا ہے تو چوں کہ اس کی حریم ۶۴ ذراع تک ہوتی ہے لہذا چالیس ذراع کے اندر حکومت اس کو منع نہیں کر سکتی ہے، حکومت کو اس کا حق نہیں ہے، اصل مسئلہ تو یہی ہے لیکن چونکہ بورنگ کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں لائٹ کے ذریعہ پانی بہت دور سے لایا جاتا ہے تو اس میں چالیس ذراع کے آگے بھی نقصان ہو سکتا ہے اس لئے یہاں حریم والا مسئلہ نہیں رہے گا لہذا حکومت اس کے آگے سے بھی روک سکتی ہے۔

(۷): موجودہ دور میں پینے کا پانی ہی مشکل سے ملتا ہے اور آپ گھر میں حوض بنانے کو

کہہ رہے ہو۔

(۸): حکومت کو حتی الامکان کچھ اور ان کا انتظام کرنا چاہئے، اب حکومت نہیں کرتی تو

کیا کریں، اب یہاں تو ضرورت پیش آگئی لہذا وہاں سے ان کو ہٹانا ہے، اور حکومت ایسا مفاد عامہ کے لئے کرتی ہے اور آج کل ایسے ہی حالات ہیں۔

(۹): ایسی صورت میں حکومت پانی دیوار کے ذریعہ یا پانی کسی اور طریقہ سے نیچے لے

جا کر دونوں بستیوں کو بچالے، اور اگر حکومت نہیں کر سکتی تو ان کو دوسری جگہ منتقل کرنا پڑے گا، بہر حال یہ بستی والے باندھ توڑ سکتے ہیں؛ کیونکہ ان کے لئے اپنی بستی کو بچانا لازمی ہے اور دوسری بستی والے جو قشیب میں ہیں یا تو وہ خود دوسری جگہ منتقل ہو جائیں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو حکومت ہی ان کو دوسری جگہ منتقل کر دے، جگہ کا بھی تو مسئلہ ہے۔

(۱۰): وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے لہذا اس میں سے پانی پینے اور اپنے جانوروں کو پلانے کی توہر شخص کو اجازت ہے لیکن ضائع کرنا جائز نہیں ہے، نیز اس میں زمین آباد کرنا یا اس میں سے کوئی نہر نکالنے کے سلسلہ میں حکومت سے اجازت لینا پڑے گی۔

(۱۱): جو پہلے نمبر پر ہے وہ اپنی ضروریات کو اس سے پوری کر سکتا ہے، الحق للمتقدم، اس کو بیکار نہ کرے کہ بعد والوں کے لئے قابل استعمال نہ رہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک انصاری شخص کا حضرت زبیرؓ سے مقام حرہ کی پانی کی مالی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا جس سے لوگ اپنے درختوں کو سیراب کرتے تھے، انصاری نے کہا: پانی چھوڑ دو، تو حضرت زبیرؓ نے منع کیا اور پانی نہیں چھوڑا، پھر یہ خاصمہ حضور ﷺ تک پہنچا، آپ ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا کہ پہلے تم اپنی زمین سیراب کر لو پھر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دو، تو وہ انصاری مراض ہو گیا اور کہا کہ وہ آپ کے چچا زاد بھائی ہیں اس لئے ان کے حق میں فیصلہ فرمایا تو آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا: اے زبیر! اپنی زمین کو پانی پلاؤ پھر پانی کو روک لو یہاں تک کہ پانی جڑ تک پہنچ جائے (بخاری ۱/ ۷۱۳)۔

(۱۲): جمع کر کے رکھ لے اپنے کسی برتن میں یا ٹنکی میں بھر کر رکھ لے تو اس کو اس پانی پر ملکیت حاصل ہو جائے گی۔

(۱۳): اپنی ملکیت میں پانی کو جمع کر لیا تو وہ اس کا مالک بن گیا لہذا اس کو بیچ بھی سکتا ہے جیسے موجودہ دور میں لوگ کرتے ہیں، یہ تو عرف عام بن گیا اور ”المعروف

کالمنصوص“ لہذا جائز ہے۔

(۱۴) : حکومت کو منع کرنا چاہئے، تالاب وغیرہ نشیبی علاقوں میں آبادی بسانا درست

نہیں ہے۔

(۱۵) : جائز ہے، حکومت بھی تو اس کو قابل استعمال بنانے کے لئے کوشش کرتی ہے

لہذا حکومت اس پانی پر کوئی ٹیکس لگائے یا معاوضہ لے تو حکومت کو اس کی اجازت ہے۔

(۱۶) : جب لوگ اس سے متاثر ہو رہے ہیں تو حکومت منع کرے گی؛ کیوں کہ لوگوں کو

نقصان سے بچانا حکومت کا فریضہ اور ذمہ داری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

آبی وسائل - فقہی تناظر میں

مفتی ظہیر احمد کانپوری ✽

۱- پانی اصلاً مباح الاستعمال ہے۔ حدیث پاک میں ہے: ”الناس شرکاء فی ثلاث الماء والکلاء والنار“ (نصب الریة ۳/ ۲۹۳، فرجہ ایوڈیو ۵/ ۷۵-۷۶/ ۳۳۳)۔

اسی وجہ سے سمندر، دریا، نہر اور کنوؤں اور چشموں کا پانی بھی لوگ استعمال کر سکتے ہیں اور اپنے چوپایوں کو بھی پلا سکتے ہیں۔ اپنی کھیتی کو بھی سیراب کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس سے نہر کو یا کنوؤں و چشمے وغیرہ کو نقصان نہ پہنچتا ہو ورنہ مملوک نہر خواہ حکومت کی ہو یا کسی مخصوص فرد کی ہو نقصان پہنچنے کی صورت میں ”حق اشرب“ حاصل نہ ہوگا۔

حق اشرب مملوک زمین میں کنویں یا چشمے ہونے پر بھی حاصل ہونا چاہئے، اس میں حق اشرب حاصل نہیں ہوتا ہے۔

بہر حال پانی مباح لاًصل ہے، زمین، کنواں یا چشمے کے مالک ہونے کے باوجود انسان پانی کے استعمال کرنے سے نہیں روک سکتا بطور حق اشرب کے۔

بالجملہ فقہاء نے پانی کی چار قسمیں کی ہیں: (۱) سمندر کا پانی، (۲) بڑی نہر اور دریا کا پانی، (۳) کنوؤں اور چشموں کا پانی، (۴) برتنوں وغیرہ کا پانی (نہی ۵/ ۳۱۱)۔

(۱) اس پانی کا استعمال عوام کو مطلقاً جائز ہے خواہ وہ اپنی ضرورت میں استعمال کرے یا

اپنے مویشیوں، جانوروں کے پلانے کے لئے یا اپنی کھیتی کے لئے جتنا چاہے اس میں حق شفعہ کے ساتھ ساتھ حق اشرب بھی حاصل ہے۔

(۲) اس پانی کا استعمال اپنے لئے اور چوپایوں کے لئے مطلقاً درست ہے بطور حق الشفعہ کے، البتہ حق اشرب کے طور پر یعنی اپنی کھیتی کو بھی سیراب کرنا علی الاطلاق جائز نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ کہ مصلحت عامہ کو ضرر رساں نہ ہو تو اس حد تک اپنی کھیتی کو بھی سیراب کر سکتے ہیں؛ لہذا اتنی مقدار میں کھیتی کا استعمال کرنا درست ہے جس میں دوسروں کو بھی پانی کم نہ پڑے یا اس دریا یا نہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ فقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

”ماء الأودية العظام مثل أنهار دجلة والفرات والنیل وبردی والعاصی وسیحون وجیحون ونحوها من الأنهار العامة وللناس فیها حق الشفعة مطلقاً وحق سقی الأراضی إن لم یضر السقی لمصلحة الجماعة فإن أضر بهم فلا یجوز السقی لأن دفع الضرر العام واجب“ (فقہ الاسلامی وادلتہ ۳۳۳۶، نیز دیکھئے: ۳۶۶۵-۳۶۶۶، تمیز الحقائق ۳۹۶)۔

(۳) کنوؤں، چشموں، چھوٹی نہروں اور حوضوں کے پانی کا حکم یہ ہے کہ اس میں بھی بطور حق الشفعہ اپنے لئے اور اپنے جانوروں کے لئے اس کا استعمال درست ہے۔ کنوؤں، چھوٹی نہروں کے مالک ان کے پانی کے مالک نہیں ہوتے بلکہ پانی علی اصلہ مباح الاستعمال ہوتا ہے۔ ”لقول النبی ﷺ: الناس شرکاء فی ثلاث: الماء والکلا والنار“ اسی وجہ سے لوگ اس سے اپنے استعمال اور اپنے جانوروں کے استعمال کے لئے زبردستی پای لے سکتے ہیں بشرطیکہ اس مخصوص کنویں یا نہر کے علاوہ قریب میں کسی دوسری جگہ پانی موجود نہ ہو۔

کما جاء فی الفقہ الإسلامی وادلتہ:

وعلیہ فانہ یشب فیہ حق الشفعة دون حق الشرب فالأول لا یختص

بشخص دون آخر فهو لمستحقه ولغيره من الناس يأخذون منه حاجاتهم لشربهم وشرب دوابعهم واستعمالهم المنزلي فان ابي صاحبه كان للمحتاج اخذنه جبراً ولو بالقوة وله أن يقاتل بسلاح لأن الماء في الماء مباح غير مملوك ولكن يشترط أن لا يجد المحتاج ماء آخر قريباً منه (فقه الاسلامي وادلتہ ۶/۶۳-۳۶۶۳)۔

لیکن مالک کے لئے ایک خصوصی حق حاصل ہے، اسی وجہ سے بطور حق اشرب اپنی کھیتی وغیرہ میں پانی دینا اس کے مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا، بغیر اس کی اجازت کے اپنے باغ میں یا کھیتی میں پانی دینا درست نہ ہوگا۔

حيث جاء في الفقه الإسلامي وأدلته:

وليس له أن يسقي منه زرعه وشجره إلا بإذن صاحبه فلصاحبه أن يمنع الغير من سقي الزرع والأشجار (حق الشرب) لأن له في مانه حقاً خاصاً (فقه الاسلامي وادلتہ ۶/۶۶۳، وكذا البدائع ۶/۱۸۹، تبين الحقائق ۹)۔

(۴) وہ پانی جس کو اس نے اپنے برتن میں جمع کر لیا ہو تو وہ پانی صاحب برتن کی ملک ہو جائے گا اور وہ اس پانی کو شرعاً غنہ وخت بھی کر سکتا ہے، اور دوسروں کے لئے اس کا استعمال بغیر اس کی اجازت کے درست نہ ہوگا الا یہ کہ کوئی مضطر ہو تو پھر وہ مضطر اس پانی کو زبردستی بالعوض یا بطور ضمان لے سکتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: فقه الاسلامي وادلتہ ۶/۶۶۱-۳۸، ۳۳۳-۳۳۳، وكذا في بدائع الصنائع ۶/۱۸۸، تبين الحقائق ۵/۱۵-۲۱۱)۔

۲- ہر صورت میں پانی کا استعمال اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے ہے زیادہ سے زیادہ تحسینی ورتہ یعنی درجہ تک پانی کا استعمال درست ہے اس کے بعد پھر اسراف کا درجہ ہے۔ اسراف کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔

تحسینی اوررتہ یعنی درجہ سے اوپر فضول خرچی میں آجائے گا، اسی وجہ سے وضو اور غسل

میں تین مرتبہ سے زائد فضول خرچی اور اسراف میں آجائے گا، الا یہ کہ سخت گرمی کے موسم میں کچھ زائد پانی جسمانی تراوٹ حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنا ہے تو اس کی گنجائش ہوگی۔
آپ ﷺ نے پانی کے زائد استعمال سے منع فرمایا ہے کہ چاہے تم دریا کے کنارے پر ہی کیوں نہ ہو۔

۳- پانی اللہ رب اعزت کی جانب سے عطا کردہ نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہے۔ خصوصاً اس دور میں پانی کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے چونکہ آج کل پانی کی سطح (Water Level) کافی نیچے جا چکا ہے اور پانی کی شدید قلت پیدا ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہو گیا۔ اور مستقبل میں پانی پر جنگیں تک ہو جانے کے خدشات ظاہر کئے جا رہے ہیں۔ ہندوستان میں مختلف ریاستوں کے درمیان دریاؤں کے پانی کے بارے میں نزاعات منظر عام پر آ چکے ہیں، معاملات عدالت عالیہ تک پہنچ چکے ہیں۔

اس لئے اس نعمت کی حفاظت ہم انسانوں پر لازم اور واجب ہے؛ لہذا اس کو عمداً آلودہ رکھنا حرام ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا یبولن احدکم فی الماء الدائم و فی رواۃ فی الماء الراکد“ کہ جمع شدہ اور رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے؛ کیونکہ اس سے پانی آلودہ اور خراب ہو جائے گا۔

پانی کو آلودہ ہونے سے بچانے کے احکام مختلف اوقات میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ کبھی فرض کفایہ تو کبھی فرض عین بھی ہو سکتا ہے۔

اپنے ضروری استعمال کے لئے پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا فرض عین کے درجہ میں ہے جیسے کھانا پکانے کے لئے، اسی طرح وضو غسل اور کپڑوں کے پاک کرنے اور دھونے کے لئے اپنی ضرورت سے زائد پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا فرض کفایہ ہے۔

پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا حفظ نفس (جیسے پینے اور کھانے پکانے کے لئے وغیرہ)

اور حفظ دین (جیسے وضو غسل اور کپڑوں کو پاک کرنا وغیرہ) سے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے اس کا عمداً فاسد کرنا حرام ہوگا، لقولہ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لا يبولهن أحدكم في الماء المائم أو الراكد أو كما قال عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

۴- اسی طرح کیمیاوی طریقہ پر صاف کیا ہوا پانی پاک تصور کیا جائے گا کہ حقائق کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ اس موضوع پر باضابطہ سمینار بھی منعقد ہو چکا ہے یعنی حقیقتوں کی تبدیلی سے ان اشیاء کا حکم بھی بدل جائے گا۔

۵- ضرورت سے زائد استعمال اسراف اور فضول خرچی ہے، اس پر حکومت پابندی بھی لگا سکتی ہے، بغیر پابندی کے بھی شرعاً اسراف حرام ہے اور پانی کی قلت کی صورت میں بھی حکومت بعض صورتوں کو ممنوع قرار دے سکتی ہے۔

حيث جاء في الفقه الاسلامي:

وليس للحاكم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه إذا لم يضر الفعل بالنهر وبالغير أي بالجماعة كما هو الحكم المقرر بالانتفاع في الطرق أو المرافق العامة.

فإذا أضر فللكل واحد من المسلمين منعه أو الحد من تصرفه لإزالة الضرر لأنه حق لعامة المسلمين وإباحة التصرف في حقه مشروطة بانتفاء الضرر كالانتفاع بالمرافق العامة إذ لا ضرر ولا ضرار“ (الفقه الإسلامي ۶/۲۶۶۵)۔

۶- سوال نمبر ۱ کے جواب کے تحت گزر چکا ہے کہ انسان کی مملوک زمین میں جو پانی ہوتا ہے انسان اس پانی کا مالک نہیں ہوتا یعنی زمین کے مالک ہونے سے پانی کا مالک نہیں ہو جائے گا؛ بلکہ پانی علی حالہ اپنی اصل کے مطابق مباح الاستعمال رہے گا اور اس میں تمام لوگوں کا حق ہوگا، لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: الناس شركاء في ثلاث: الماء والكلاء

والنار (نصب الریۃ ۳/ ۲۹۳)۔ اور اس صورت میں حکومت بورنگ کرانے کو منع بھی کر سکتی ہے، اور شرعاً اس کی تعمیل بھی واجب ہوگی۔ لقول اللہ عزوجل: یا ایہا الذین آمنوا أطيعوا اللہ واطيعوا الرسول وأولی الأمر منکم الخ۔

و كما جاء فی الفقہ الاسلامی وأدلته:

فإذا أضر فكل واحد من المسلمین منعه أو الحد من تصرفه لإزالة الضرر لأنه حق لعامة المسلمین وإباحة التصرف فی حقه مشروطة بانتفاء الضرر كالانتفاع بالمرافق العامة إذ لا ضرر ولا ضرار (لفقہ الاسلامی وأدلته ۶/ ۲۶۵)۔

۷۔ اگر پانی کی تنگی اور پریشانی ہو یا اس کے مزید کم ہو جانے کا غالب گمان اور قوی امکان ہو تو پھر ایسی صورتوں میں پیشگی تدبیر کے طور پر ایسی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہیں جن سے ان احوال پر کنٹرول حاصل کیا جاسکے۔

ایسی صورت میں حکومت اس طرح احکامات دے سکتی ہے اور ان کی تعمیل بھی شرعاً لازم اور ضروری ہوگی؛ تاکہ لوگ تنگی اور پریشانی میں نہ پڑ جائیں۔

پانی کی ذخیرہ اندوزی اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے مگر فرد ہی سے حکومت بنا کرتی ہے؛ اس لئے ایسی صورتوں میں حکومت کے احکامات کی تعمیل کر کے حکومت کا تعاون کرنا چاہئے۔

۸۔ مفاد عامہ کے تحت ایسا کرنا شرعاً درست ہوگا جبکہ پانی کی اس علاقہ میں اس حد تک ضرورت ہو اور اصحاب زمین کو مناسب معاوضہ دلایا جائے؛ لیکن اگر اصحاب زمین اور کھیتی کے مالکان کو مناسب معاوضہ نہیں دیا جاتا تو پھر ان کی آبادی کو اور زمین کو منتقل کرنا شرعاً درست نہ ہوگا کہ غریبوں کو اجازت کر ہیروں کے مفاد کو تحفظ فراہم کیا جائے جیسا کہ آئے دن دیکھنے کو مل رہا ہے۔ اس صورت میں اس کی شرعاً ہرگز اجازت نہ ہوگی۔

۹۔ خود کو بچانے کے لئے دوسروں کو غرق کر دینے کی شرعاً اجازت نہیں۔ جب اگلی

نشیبی بستی میں زیادہ نقصان کا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اس کے غرق ہو جانے کا قوی امکان ہے تو پھر ایسی صورت میں باندھ Dam (ڈیم) کو کاٹنے کی شرعاً قطعاً اجازت نہ ہوگی، بلکہ پہلی بستی والوں کو ہی منتقل کر دیا جانا چاہئے۔ الضرر العام یزال بالضرر الأخصف البتہ اگر باندھ اور تیم کے کاٹنے سے نشیبی علاقہ کی بستی کو کوئی نقصان لاحق نہ ہو تو پھر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۱۰- سمندر اور بڑے دریاؤں سے عوام کو ہر طرح سے فائدہ اٹھانا درست ہے۔ وہ پانی کا استعمال اپنے لئے، اپنے چوپایوں کے لئے، اسی طرح اپنی کھیتی کے لئے جتنا چاہیں کریں اس میں کوئی مانع نہیں، وہ اس سے چھوٹی نہر بھی نکال کر لے جاسکتے ہیں؛ البتہ اگر ان کے دریا سے سیراب کرنے میں نہر وغیرہ کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہو تو پھر اس سے روکا جائے گا ورنہ نہیں، ان کو حق الثمنہ اور حق اشرب دونوں حاصل ہوں گے۔ کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب وغیرہ میں حق الثمنہ کے طور پر اپنے اور اپنے جانوروں کو پلانے وغیرہ کے لئے درست ہے مگر حق اشرب کا استعمال یعنی کھیتی وغیرہ کو پانی دینے کے لئے مالک سے اجازت لینا ہوگی۔ اگر وہ اجازت دے دیتا ہے تو درست ہوگا ورنہ نہیں؛ چونکہ حق ملکیت کی وجہ سے اس کو ایک خصوصی حق حاصل ہے۔ لیکن برتنوں وغیرہ کے پانی میں حق الثمنہ بلا حاصل نہیں بلکہ اس میں بھی اجازت مالک سے لینا ہوگی، اگر وہ اس کی اجازت دے دیتا ہے تو درست ہوگا ورنہ نہیں۔ (الفقہ الاسلامی وادلہ ۳۸-۳۷-۳۶، البدائع ۱۸۹/۶)۔

۱۱- بقدر ضرورت اپنے کھیت اور اپنی دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس نہر سے استفادہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ آپ کی اپنی کھیتی کو سیراب کرنے سے پانی میں زیادہ قلت نہ ہو جائے یا اس نہر کو نقصان نہ پہنچے۔

حیث مر فی الفقہ الاسلامی وأدلته:

لیس للحاکم منع أحد من الانتفاع بكل الوجوه إذا لم یضر الفعل

بالنهر أو بالغير أي بالجماعة كما هو الحكم المقرر بالانتفاع في الطرق أو المرافق العامة“ (فتاویٰ اسلامی وادلتہ ۶/۲۶۵)۔

۱۲ - اگر اس نے پانی پر کنٹرول حاصل کر لیا ہو، اپنے قبضہ میں لے کر جسے اپنے برتنوں میں بھر لیا ہو تو پھر اس کو پانی پر ملکیت حاصل ہو جائے گی۔

شیخ وہبہ الزحیلی کی رائے میں تو کمپنیوں کو بھی پانی پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے جو علاقہ میں اپنا پلانٹ نصب کرتی ہیں، اس طرح ان کو حکومت کی جانب سے اس پانی پر استیلاء حاصل ہو جاتا ہے اور پھر وہ اس پانی کو اپنی بوتلوں میں پیک کر کے پانی کو سپلائی کرتی ہیں، وہ فرماتے ہیں: ”ومنه مياه الشركات في المدن المتخصصة لتأمين ماء الدور وهذا الماء ملك خاص لمن أحرزه بالاستيلاء عليه ككل مباح يمتلك ياحرازه فليس لأحد حق الانتفاع به إلا بإذن صاحبه (فتاویٰ اسلامی وادلتہ ۶/۲۶۱)۔“

لیکن حکومتوں کا کمپنیوں کو اس طرح مالک بنا دینے میں اگر عام لوگوں کو ضرر لاحق ہو یا پانی کے کم ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر اس طرح کمپنیوں کو مالک بنا دینا شرعاً درست نہ ہوگا۔

۱۳ - ہمارے یہاں بلکہ جمہور علماء کے یہاں جن صورتوں میں اس کو ملکیت حاصل ہو جاتی ہے ان صورتوں میں پانی کی تجارت کرنا بھی جائز ہے، سوائے ظہر یہ کے کہ ان کے یہاں درست نہیں۔

جیٹ جاہلی الفقه الاسلامی وادلتہ:

قال جمهور العلماء يجوز بيع غير المباح للناس جميعاً كماء البشر والعين والمحرز في الأواني ونحوها لصاحبه أن ينتفع به لنفسه ويمنع غيره من الانتفاع فله أن يمنع صاحب الحق في الشفة من الدخول في ملكه إذا كان يجد ماء بقربه فإن لم يجد يقال لصاحب البشر ونحوه إما أن تخرج الماء إليه أو

تترکہ لیاخذ الماء (فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۳۳۸، انظر أيضاً: البدائع ۵/۱۳۶۵، رد المحتار علی الدر المختار ۵/۱۳-۳۱۱)۔

لیکن اگر پانی کو بڑے پیمانے پر فروخت کرنے سے کسی جگہ پانی میں قلت پیدا ہو جانے کا قوی امکان، غالب گمان ہو یا لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں یہ تجارت دشواری پیدا کرنے کا سبب بنے تو پھر حکومت کو اس پر پابندی کا بھی حق ہوگا۔ (انظر: فقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۲۶۶۵)۔

خصوصاً اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ پانی حقیقتاً مباح لااصل ہے، اس پر ملکیت احراز کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے ورنہ وہ تمام لوگوں کی استعمال کے لئے ہے، اسی وجہ سے بعض دوسری روایات میں پانی کے بیچنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

حيث قال النبي ﷺ: لا يباع لفضل الماء ليبيع به الكلاء (مثل الاوطار ۵/۳۰۳، انظر عن فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۳۳۰)۔

ونہی رسول اللہ ﷺ عن بيع فضل الماء (مثل الاوطار ۵/۱۳۵)۔

وهو الفاضل عن كفاية صاحبه سواء أكان في أرض مباحة أم في أرض مملوكة وسواء أكان للشرب أم لغيره (فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۳۳۰)۔

اسی وجہ سے پانی کی ضرورت ہونے پر اس کو قائل کر کے بھی لیا جائز قرار دیا گیا ہے۔

كما جاء في الفقه الاسلامي وأدلته:

يجوز للمضطر أن يقاتل بالسلاح مالك الماء في الحوض أو البئر أو النهر الذي في ملكه لأنه قصد إتلافه بمنع حقه وهو الشفة والماء في البئر مباح غير مملوك (فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۳۳۸، نیز دیکھئے ۶/۲۶۶۳)۔

کیونکہ یہ کمپنیاں عموماً اپنا پلانٹ کسی نہر، دریا وغیرہ پر ہی لگاتی ہیں، وہیں پر ان کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے، تو ان کے احراز کرنے سے پہلے پہلے وہ پانی مباح الاستعمال ہے۔ اسی

وجہ سے محتاج شخص کو اجازت ہے کہ وہ اس کو قبال بالاسلاح کے ساتھ بھی حاصل کر سکتا ہے۔
جب محتاج کو اجازت ہے تو مضطر کو بدرجہ اولیٰ یہ اجازت ہوگی۔

اور ایسی صورت میں حکومت کو ایسی کمپنیوں پر پابندی عائد کرنے کا پورا حق حاصل ہوگا، اور ان کا لائسنس روک دینے کا حق ہوگا جیسا کہ اسکوالات کرنے کی اجازت دینے کا حق تھا؛ کیونکہ ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ مملوکہ زمین میں پانی کے پائے جانی جیسی ہوگی اور مملوکہ زمین کے پانی کی ملکیت حاصل نہیں ہو سکتی ہے بلکہ مالک زمین کو ایک خصوصی حق حاصل ہوتا ہے، پانی پر ملکیت حاصل نہیں ہوتی؛ البتہ پانی کو پیک کرنے کے بعد اس پر ملکیت حاصل ہو جائے گی۔

لہذا لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں اگر کمپنیوں کے پلانٹ ضرر رساں ہوں تو حکومت کو ان کے پرمٹ کو منسوخ کر دینا لازم ہوگا۔

حيث جاء: فاذا أضر فللكل واحد من المسلمين منعه أو الحد من تصرفه لإزالة الضرر لأنه حق لعامة المسلمين وإباحة التصرف في حقهم مشروطة بانتفاء الضرر كالانتفاع بالمرافق العامة إذ لا ضرر ولا ضرار (۲/۶۶۵، الفقه الإسلامي وأدلته)۔

۱۴ - اگر تالابوں میں آبادیاں بسانا پانی کی قلت کا سبب بن جائے اور اس جگہ کی ضرورت بھی ہو تو پھر ایسا کرنا شرعاً درست نہ ہوگا۔ تالابوں کو تو پانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ لہذا ان کو ختم کر کے آبادی بسانا غیر دانشمندانہ قدم ہوگا۔ پھر مزید یہ کہ یہ قلت پانی کا سبب بن جائے تو اس کی شرعاً قطعی طور پر اجازت نہ ہوگی، البتہ اگر کسی جگہ پر رہنے کی تنگی ہے اور پانی کافی مقدار میں موجود ہے، تالابوں میں بستیاں بسانے سے کوئی قلت پیدا نہیں ہوگی تو اس جگہ اجازت دی جاسکتی ہے۔

اگر حکومت نے قلت پانی کی وجہ سے منع کیا ہے اور رہنے سہنے کی دوسری جگہ موجود ہے، تالابوں کے پانی کی ضرورت بھی ہے تو اس صورت میں حکومت کے احکام شرع کے حکم کے مطابق ہوں گے اور حکومت کے احکامات پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

البتہ اگر اس جگہ پانی سے زیادہ رہائش کی وقت ہے اور پانی وافر مقدار میں موجود ہے تو ایسی صورت میں حکومتی حکم نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

۱۵- یقیناً آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق بھی ہے، اب حکومت کو اس کے انتظامات میں اخراجات کی ضرورت ہوگی۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے حکومت اس پر کچھ ٹیکس کی شکل میں اجرت متعین کر سکتی ہے۔ اس میں شرعاً کچھ حرج نہیں اور حکومت کو اس کا عوض لینا شرعاً درست ہوگا، یہ حفظ نفس سے متعلق ہے۔

۱۶- پانی کی نکاسی کا نظم بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ یہ حفظانِ صحت اور حفظِ نفس سے متعلق ہے اور کبھی یہ حفظ دین سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ اور حکومت کو حفظانِ صحت کا نظم کرنا بھی لازم اور ضروری ہے؛ کیونکہ یہ اس کے فرائض میں سے ہے۔ اور ہر شہری کا حق بھی ہے تاہم اس کے نظم میں اخراجات کے لئے حکومت اگر کچھ اجرت وغیرہ لیتی ہے ٹیکس کی شکل میں یا بل کی شکل میں تو اس کی بھی شرعاً اجازت ہوگی (انظر: الفقہ الاسلامی وادلائہ ۶/۶۷۷-۶۷۸) واللہ تعالیٰ اعلم۔

جدید فتنہ تحقیقات

چوتھا باب

مناقشہ

مناقشہ:

آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام

مولانا عبید اللہ سلیم (امریکہ):

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم أما بعد۔

مجھے کوئی رائے دینا تو مقصد نہیں ہے، میں صرف کچھ وضاحتی چیزیں کہنا چاہ رہا تھا۔ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے عرض کے بعد ان مسلوں پر ایک عمومی نظر ڈالی ہے اور اس پر توجہ دلائی کہ ان مسائل پر اس حیثیت سے بھی غور کیا جائے، صرف علاقائی جو احوال ہیں ان کی روشنی ہی میں صرف ان مسائل کو حل نہ کیا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ یہ مسائل اور کہاں کہاں کن کن ملکوں میں پیش آتے ہیں۔ کچھ ممالک ایسے ہیں جہاں پر حکومتوں پر اعتماد بہت کم ہوتا ہے، کچھ ممالک ایسے ہیں جہاں پر حکومتوں پر اعتماد بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک حقوق عامہ اور ایک ایسے حقوق جو افراد کے ساتھ خاص ہیں، تو ایسے حقوق جو خالی انفرادی نوعیت کے ہیں، اس میں اگر اکیڈمی یا اس میں جو شرکاء ہیں وہ حضرات اپنی رائے اس طرح دیں کہ یہ افراد کے حدود ہیں اور اس میں وہ اس طرح کے حقوق کی حفاظت کر سکتے ہیں یا اگر وہ حقوق ان کو نہ مل رہے ہوں تو حکومت سے وہ مطالبہ کر سکتے ہیں، لیکن جو حقوق عامہ ہیں ان میں اگر یہ طرز اختیار کیا جائے کہ حکومت ذمہ داران حقوق کی تحدید کریں اور پھر ان حقوق کو پورا کرنے کی ذمہ داری حکومت کی ہے، اس طرح مسائل واضح ہو کر سامنے آسکتے ہیں، مثلاً پانی سے متعلق اٹھارہ سوالات کچھ ایسے ہیں جن میں واضح طور

پر ہم دیکھ رہے ہیں کہ انفرادی حقوق سے متعلق بات ہو رہی ہے، کچھ ایسے ہیں جن میں اجتماعی حقوق سے متعلق بات ہو رہی ہے مثلاً ڈیم، تو ڈیم میں محسوس یہی ہوتا ہے کہ اس میں عوامی حقوق کا عنصر غالب ہے تو اس میں حکومت ہی کی ذمہ داری قرار دی جائے کہ اس میں وہ کیا موقف اختیار کرے، اور مختلف احوال میں احکام بھی بدل سکتے ہیں، کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ڈیم تعمیر نہ کیا جائے اور کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ کیا جائے، تو مطلب واضح نہیں ہوتا، اس خطراتی پوزیشن میں کاٹنے کا مقصد آگے کی بہتی کو نقصان پہنچانا نہیں ہوتا۔ ہمارے علاقے میں پانچ سات سال پہلے سیلاب آیا، کورکھپور کے علاقے میں ایک باندھ کاٹا گیا اس کی وجہ سے کورکھپور پورا شہر بچ گیا اور قریب، پاس کی آبادیوں میں پانی پھیل گیا، جانی نقصان بالکل نہیں ہوا یا بہت معمولی ہوا، لیکن تین سال پہلے نیپال بارڈر پر جو باندھ کاٹا گیا اس کی وجہ سے قریب، پاس کے علاقے تو بچ گئے مگر نشیبی علاقوں میں پانی دوڑتا پھیل گیا اور نقصانات اس کے ہوئے تو یہ خطراتی پوزیشن ہوتی ہے، اس لیے پہلے سے اس سلسلہ میں مستقبل کے نقصان کا اور آئندہ کے نقصان کا کچھ کلیئر حکم نہیں بیان کیا جاسکتا، اس لیے اس خطراتی پوزیشن میں نقصان سے بچانے کے لیے کاٹنے کی اجازت ہونی چاہئے۔

سوال نمبر ۶ میں یہ عرض کرنا ہے کہ مملوک زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے اگرچہ وہ زمین آدمی کی مملوک ہے مگر پانی کی سطح اندر پوری ملی ہوئی ہے، اس لیے ایک آدمی اپنی زمین میں جو پانی پارہا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ اندر کے سارے پانی کا مالک ہو، سوال میں یہ ہے کہ انسان کی مملوک زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے وہ اس کی ملکیت ہے یا حکومت کی؟ مثلاً حکومت اگر مملوک زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے تاکہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے تو کیا حکومت کو اسلامی نقطہ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش ہے اور کیا اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی۔ تو اپنی زمین کا جو پانی ہے۔ یقیناً زمین آدمی کی ملکیت ہے لیکن پانی کی سطح اندر ملی ہوئی ہے اس لیے اندر کے پانی کا وہ

زمین والا مکمل مالک نہیں ہے۔

مولانا فاروق بارڈولی:

ایک مظنہ تھا وہ دفع ہو گیا۔ اصل یہ تھا کہ تالاب کے سلسلہ میں تفصیل نہیں آئی تھی کہ مملوک تالاب ہے یا غیر مملوک؟ لیکن پھر بعد میں ہمارا یہ سوال رفع ہو گیا۔

مولانا شوکت شناقاسمی:

میرے دو سوال ہیں، ایک سوال تو یہ ہے کہ ناپاک اور گندے پانی کو فلٹر کرنے کا طریقہ کار کیا ہو؟ کیا اس کی وجہ سے پانی کی حقیقت و ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے، جیسا کہ شراب سرکہ بن جاتا ہے یا صرف اس کی وجہ سے پانی کے جراثیم اور بدبو کو دور کر دیا جاتا ہے اور پانی کی حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر صرف گندے اور ناپاک پانی سے رنگ، بو، مزہ کے زائل ہونے پر اس کو اگر پاک قرار دیا جائے تو پھر اگر ایک بکٹ میں چند پیٹاب کے قطرے ڈال دیئے جائیں تو اس میں نہ رنگ ظاہر ہے نہ بو نہ مزہ، تو کیا پھر اس کو بھی خاص حالات میں جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

یہ جو مسئلہ ہے پانی کے فلٹر کرنے کا، ناپاک پانی کو فلٹر کیا گیا اور کیمیاوی طریقے سے اس کو قابل استعمال بنایا جا رہا ہے تو سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس موضوع پر کچھ ماہرین کی رائے چاہیے تھی کہ یہ عمل کیسے ہوتا ہے۔ میں یہ اظہار کرتا ہوں کہ اس موضوع پر کم از کم کچھ ماہرین یہاں ہوتے جو ہمیں سمجھاتے کہ یہ عمل ہوتا کیا ہے؟ کن مرحلوں سے گزرتا ہے؟ اور میں سمجھتا ہوں کہ ماہرین کی رائے کے بغیر ہم کچھ فیصلہ کریں گے تو شاید صحیح نہ ہو۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ

اگرچہ آپ حضرات محسوس کرتے ہیں کہ اس میں ہمیں مزید کچھ تفصیلات درکار ہیں اس لیے اس جز کو ملٹوی کر کے اگلے کسی سمینار میں لائیں، اس لیے کہ یہ عمل کیسے ہوتا ہے؟ کیا اس کا طریقہ کار ہوتا ہے؟ کیا تبدیلیاں اس میں پیدا ہوتی ہیں؟ یہ چیزیں ایسی ہیں جو ابھی ہماری واقفیت میں نہیں ہیں اس لیے اگر کسی کی واقفیت میں کچھ ہو تو بیان کر دیں لیکن جب تک کہ ماہرین کی رائے ہمارے سامنے نہ ہو اس وقت تک ہم کسی فیصلہ کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

مولانا عبدالمتمین ندوی:

ملکیت کی بات چل رہی تھی کہ ملکیت کتنے میں متعین ہوگی..... اگر کسی کی ملکیت ہے تو حکومت کو اجازت نہیں کہ اس میں تصرف کر سکے تو کیا ملکیت کی کوئی تعین ہے کہ کوئی برتن ہو یا مطلق، جیسا کہ ہم نے کہا کہ کوئی کنواں کھودتا ہے اپنی زمین میں تو کیا اس پانی کو روک کر کے بیچ سکتا ہے؟ مطلق بات کہی جا رہی ہے، اگر ملکیت ہے تو ملکیت میں اس کو تصرف کا حق ہے اور وہ پانی بیچ سکتا ہے، تو کیا برتن کی کوئی قید ہے یا زمین میں کنواں کھود کر کے اگر اس کو بیچتا ہے تو وہ بھی اس میں شامل ہے؟

مولانا زاہد علی خاں (علی گڑھ):

سوال نمبر ۸ سے متعلق مجھے عرض کرنا ہے کہ جو ڈیم بنانے کی بات کہی گئی اس میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ہندوستان میں بڑے ڈیم بنائے جا رہے ہیں، جب کہ سائنسدانوں نے بڑے ڈیم بنانے کو زلزلہ وغیرہ کا سبب بنانا ہے اور ساری دنیا میں لگ بھگ بڑے ڈیم بنانا بند ہو چکے ہیں یہاں چوں کہ طبقاتی نظام قائم ہے اور محروموں اور کمزوروں کے علاقے میں یہ ڈیم بنائے جاتے ہیں چنانچہ 55 فیصد قبائلی آبادی کو جبراً اپنے علاقوں سے نکال کر انہیں باہر کر دیا گیا اور معاوضہ کے نام پر انہیں صرف چند ہزار روپے دیئے گئے، اتنی کم رقم دی گئی کہ جس سے وہ ایک کمرہ کا

مکان بھی نہیں بنا سکتے۔ بہر حال اس کے علاوہ وہ روزگار سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیئے گئے، دنیا میں اجاڑنے کا اور مالداروں کو بہت بڑا فائدہ پہنچانے کا جو نظام قائم ہے اس میں ہمارا ملک بھی شامل ہے، لہذا بھرپور معاوضہ اور روزگار کی گارنٹی ہونی چاہیے، اور اجاڑنے اور ڈیم بنانے سے صرف مالداروں کو اور ان مخصوص خاندانوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے جن کا باضابطہ سپریم کورٹ پر قبضہ ہے، ہائی کورٹ پر بھی قبضہ ہے، فوج میں بھی قبضہ ہے اور تمام سیاسی پارٹیاں بھی ان ہی کی ہیں اور جو تمام وسائل ہیں وہ ان ہی کے قبضہ میں ہیں، لہذا اس پہلو کو نظر انداز کر دینا سخت خطرے کا سبب ہے، یہ ڈیم ہمارے ملک میں اور پڑوسی ملک میں بھی اسی طرح سے بنائے جا رہے ہیں کہ محروموں کو بالکل محروم کر دیا جائے اور مالداروں کو اور غاصبوں اور قاتلوں اور جوان کے خون چوسنے والے ہیں ان کو کھلی چھوٹ دیدی جائے، اس کا عوامی مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے باضابطہ پوری دنیا میں یہ طے ہو چکا ہے کہ چھوٹے ڈیم بنائے جائیں پانی روکنے کے لیے، بڑے ڈیم ہرگز نہ بنائے جائیں، اس کی خلاف ورزی مسلسل ہو رہی ہے اور اس کو ملکی مفاد کا نام دیا جاتا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں غور کرتے وقت اس پہلو کو ضرور پیش نظر رکھا جائے۔ شکر یہ۔

مولانا اختر امام عادل قاسمی:

مجھے سوال نمبر ۹ کے بارے میں عرض کرنا ہے، ابھی حضرت مولانا خورشید انور صاحب ارشاد فرما رہے تھے اور عرض مسئلہ میں بھی یہ بات آئی ہے کہ اگر کسی علاقے میں تباہ کن سیلاب آیا ہوا ہو تو اس علاقے کے لوگ اپنے تحفظ کے لیے باندھ کو کاٹ سکتے ہیں یا نہیں، ابھی مولانا نے جو ارشاد فرمایا کہ اس سے جو آگے کے نقصانات ہیں وہ موہوم ہیں یا ابھی اس کا اندازہ نہیں ہے۔ تو فقہاء نے اس سلسلہ میں جو وضاحتیں کی ہیں جس میں نہر کے منہ کھولنے کا مسئلہ زیر بحث آیا ہے جو

سیلاب کے علاوہ کی صورت حال ہے، اس ذیل میں فقہاء نے یہ بات لکھی ہے، فتاویٰ ہند یہ وغیرہ میں وضاحت ہے اور تلخیص میں بھی وہ عبارت موجود ہے اور عرض میں بھی شاید آئی تھی کہ اگر اتنا حصہ کھولا جائے کہ جس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے تو اس کی گنجائش ہے، اگر اتنا حصہ کھول دے جو عرف میں اور عادت میں نقصان پہنچتا ہو تو اس پر ضمان کی بھی بات آئی ہے یہ تو وضاحت ہے۔ سیلاب کے زمانے میں ظاہر ہے کہ بہت بڑے حصہ کو، ذخیرہ آب کو کھول دینے سے جو نقصانات ہوتے ہیں وہ بہار میں یا جو سیلابی علاقے ہیں وہاں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے؛ اس لیے اس سلسلہ میں فتاویٰ ہند یہ میں جو عبارت ہے اس سے استفادہ کرتے ہوئے لوگوں کو اپنے تحفظ کے لیے باندھ کاٹنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ جو عبارتیں ان حضرات نے پیش کی ہیں اس میں ہے کہ انسان اپنے تحفظ کے لیے کوئی ظلم ہو رہا ہو تو اپنے بچاؤ کے لیے کوشش کرے، دوسرے پر کیا ہوگا اس کو نہ دیکھے۔ وہ ایسے مسائل ہیں جن میں دوسرے کے نقصان کا اندازہ نہ ہو، موہوم ہو کہ اس پر کیا ہوگا جیسے سانپ ہم پر گرا، ہم پھینک دیں، وہ سانپ کس پر جا کر گرے گا وہ ہم کو معلوم نہیں ہے۔ جو موہوم ہے اس کے بارے میں فقہاء نے صاف طور پر لکھا ہے کہ اس میں اپنے بچاؤ کی فکر کرے، لیکن جب معلوم ہے کہ جب یہ باندھ کاٹا جائے گا تو اس کے اتنے نقصانات ہوں گے، اتنی بستیاں غرقاب ہو جائیں گی، تو وہاں پر ہمیں مشاہدہ ہے کہ اس کا بڑا نقصان ہونے والا ہے، اس لیے عبارتوں میں تضاد نہیں، فقہاء کے یہاں عبارتیں دونوں طرح کی موجود ہیں اور اس کو سامنے رکھ کر کے ہمیں کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔

مولانا توقیر بدر قاسمی:

مجھے بھی سوال نمبر ۹ سے ہی متعلق عرض کرنا ہے، سوال میں یہ ہے کہ بعض علاقوں میں تباہ کن سیلاب آتا ہے، سب سے پہلے ہمیں بحیثیت مسلمان یہ ماننا پڑے گا کہ تباہ کن سیلاب یہ

عذاب خداوندی ہے اور عذاب خداوندی کے پیش نظر دیکھا یہ جائے کہ حدیثوں میں ان صورتوں میں کیا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ طاعون کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ایک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ نے کہا کہ بنی اسرائیل میں اس کو مسلط کیا گیا ہے، اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو جہاں تک یہ وبا پھیلے تم اس حلقے سے ہٹا مت، اور اگر کہیں پر ایسی وبا ہو تو وہاں پر جانا مت۔ ان تمام کے پیش نظر اگر دیکھا جائے تو تباہ کن سیلاب کا آنا یہ بھی ایک عذاب خداوندی ہی ہے۔ اور اس صورت میں ہم یہ سوچیں کہ سامنے والے کا کیا ہوگا، نہیں ہوگا؟ فی الحال ہمیں خود بچنا چاہیے، تو اپنے بچنے کے سلسلہ میں بھی ایک دوسری حدیث ہے جہاں پر یہ آیا ہے کہ فلاں شہید، فلاں شہید، فلاں شہید، وہیں پر مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ پر یہ بھی ہے کہ ”الغریق شہید“، مان لیا کہ ہم نہ بچ سکیں، ڈوب جائیں تو ہمیں شہادت کا درجہ ملے گا تو بجائے اس کے کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچائیں جیسا کہ مولانا نے بتایا کہ بیمار کے اندر یہ مشاہدہ ہے اور اس کو ہر ایک محسوس کر سکتا ہے تو وہاں پر بجائے دوسروں کو ڈوبانے کے خود شہادت کا درجہ لے لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس حدیث سے صاف واضح ہے۔

مفتی ارشد فاروقی:

مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ خاص طور پر جو گفتگو باندھ کو کاٹنے اور توڑنے اور پانی کو بہانے کے سلسلہ میں ہو رہی ہے، بہر حال پانی ایک قیمتی چیز ہے اس کی قدر کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ یہ جو خاص مسئلہ ہے عام طور سے اس کا تعلق عوام سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق حکومتوں سے ہے، حکومتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر سیلاب کہیں آتا ہے تو ایسے وقت میں کون سے باندھ کو توڑا جائے اور کون سے باندھ کو نہ توڑا جائے، پھر اگلی آبادیوں کو توڑنے سے پہلے اطلاع دی جائے، ان کو وہاں سے ہٹایا جائے، جہاں سیلاب آچکا ہے اور وہاں مرنا یا ڈوبنا یقینی ہو چکا ہے تو ان

لوگوں کو بچا کر اگلی آبادیوں کو اطلاع دینا، ان سے آبادی کو خالی کر لینا، یہ وہ ذرائع ہیں جن سے کہ دونوں طرف تحفظ ہو سکتا ہے تو ایسے وقت عوام کا یا ذاتی طور پر کوئی اقدام نہ کارگر ہوگا نہ مفید ہوگا، اس میں حکومتی سطح سے جو انتظامات ہوں انہیں طلب کیا جائے اور ایسے اقدامات کیے جائیں کہ دونوں طرف تحفظ ہو سکے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

یہ آبی وسائل کے جو مسائل ہیں آپ کے سامنے، میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بیشتر اجزاء وہ تھے جو اتفاق ہیں، متفق علیہ ہیں، بہت کم مسائل میں آپ کا اختلاف ہوا ہے، ایک جو بہت اہم مسئلہ تھا پانی کی صفائی کا جو آج کے دور میں فلٹر کیا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کہ کیا وہ پانی پاک ہو جائے گا اس عمل کے بعد یا وہ پانی ناپاک ہی رہے گا، اس میں دو رائیں ہمارے سامنے آئی ہیں، اور بھی جامع فہمیہ نے اس پر گفتگو کی ہے اور میری بھی رائے یہ ہے اور مولانا خالد صاحب کی بھی رائے یہ ہے کہ ابھی چوں کہ ماہرین کی رائے ہم نے نہیں پرہی ہے ان سے استفادہ نہیں کیا ہے کہ یہ عمل کیسے ہوتا ہے۔ اس لیے اس جز کو انشاء اللہ آئندہ کے لیے ملٹوی کیا جاتا ہے۔

باقی اور جو مسائل ہیں ان میں زیادہ بڑے اختلافات نہیں ہیں۔ اب یہ باندھ کاٹنے کی بات ہے نہ کاٹنے کی بات ہے، ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں بھی اختلاف کوئی اتنا بنیادی نہیں ہے، اور اصل تو حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے ایسے حالات میں کہ وہ آبادی کے تحفظ کے لیے کہاں کہاں اقدام کرتی ہے، اپنے طور سے اگر ہر گاؤں کے لوگ، ہر علاقے کے لوگ یہ کام کرنے لگیں گے تو بڑی تباہی پھیلے گی، اس کے لیے ظاہر بات ہے کہ نظام حکومت کا ہے اور کوتاہیاں بھی حکومت سے ہوتی ہیں، یہ ایک پہلو ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر حکومتیں ذمہ دار ہوں واقعی، مفاد عامہ کا خیال کرنے والی ہوں جیسے بہت سے ملکوں میں ہیں، تو گویا پھر یہ مباحث آتے

عی نہیں۔ ان سوالات کو اٹھانے کا موقع ہی نہیں آتا، لیکن پھر بھی مجموعی لحاظ سے اگر ہر آبادی کو ہر گاؤں والے کو اس کی اجازت دیدی جائے کہ جہاں اس کو خطرہ محسوس ہو، اس کو کاٹ دے تو اس سے بڑی تباہی پھیلے گی اور اس سے بڑے خطرات پیدا ہوں گے۔ بہر حال اس میں بھی انشاء اللہ جب آپ تجویز مرتب کریں گے تو کوئی ایسی متبادل تجویز ہوگی جو سب کے لیے قابل قبول ہوگی۔

جہاں تک پانی پرنیکس وغیرہ عائد کرنے کی بات ہے، ہم اس دنیا میں رہتے ہیں، اس ملک میں رہتے ہیں، پانی کا پورا ایک نظام ہے، شہروں میں خاص طور سے، دیہاتوں میں تو اب بھی وہ قوانین نافذ نہیں ہیں اور عمل بھی اس پر نہیں ہوتا، لیکن شہروں میں تو پورا سسٹم ہے پورا نظام ہے۔ اب حکومت جو نیکس عائد کرتی ہے، ہاؤس نیکس ہے یا پانی کا نیکس بھی عائد کرتی ہے، سالانہ ادا کرنا ہوتا ہے، ظاہر بات ہے کہ اس نظام کے لیے اس کو لمبا عملہ رکھنا پڑتا ہے، تمام انتظامات کرنے پڑتے ہیں اور وہ نیکس عائد کرتی ہے، ظاہر بات ہے کہ اس مسئلہ کو زیادہ زیر بحث لا کر کے ہم کوئی ایسی تجویز لائیں جس سے کوئی یہ پیغام لوگوں کو دینے کا موقع ملے ہمارے مخالفین کو، کوئی کہ ہم اس طرح کے جو نیکس ہیں جس کو پارلیمنٹ طے کر رہی ہے جس کو حکومت طے کر رہی ہے کوئی اس کے خلاف ہم فیصلہ کر رہے ہیں یہ تاثر بھی ہم کو دینا نہیں ہے، ایک نظام چل رہا ہے اور مفاد عامہ کے تحت ہے، تو ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی جزئیات میں ہم جا کر کے میڈیا کو یہ موقع نہیں فراہم کرنا چاہتے ہیں کہ اس طرح کی چیزوں کو زیادہ ہوا دے کر کے ایسی کوئی چیز سامنے لائیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ان سارے موضوعات کو سمیٹ کر آپ کی جو کمیٹی بیٹھے گی جس میں مختلف نقطہ ہائے نظر کے لوگ ہوں گے انشاء اللہ، تو اس موضوع پر ایسی کوئی تجویزیں مرتب ہو جائیں گی جو سب کے لیے قابل قبول ہوں گی۔

الحمد للہ جس ماحول میں آپ حضرات نے اس موضوع کو لیا ہے اور جس طرح سے گفتگو کی ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ اور لوگ بھی تبادلہ خیال کریں۔ بہت سے پہلو ہیں پانی کے

مسئلے کے، پانی کا مسئلہ ایک عالمی مسئلہ ہے، بعض پہلوؤں کو ہم نے چھیڑا ہی نہیں ہے، بات یہ ہے کہ پانی کی وجہ سے عالمی جنگیں ہونے کا خطرہ ہے، یہ سارے امکانات ہیں، یہ بڑے بڑے مسئلے ہیں جن کو ان میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ کچھ بات یہ بھی ہوتی ہے کہ ہمارے جو سائنسدان ہیں، تجزیہ نگار ہیں، آئندہ کی پیشین گوئی کرنے والے ہیں بعض دفعہ بھیا نک شکل پیش کر دیتے ہیں، ایسے اوہامات، ایسے امکانات پیش کرتے ہیں کہ لوگ پریشان ہو جائیں۔ انسانوں کی آبادی کے تعلق سے بھی کہ بھائی آبادی اتنی بڑھ رہی ہے اور یہ مسئلہ پیدا ہونے والے ہیں، فیملی پلاننگ کا جو مسئلہ تھا وہ اسی بنیاد پر تھا، تو آبی وسائل کے تعلق سے بھی کچھ تو مسائل ہیں، پانی کے ٹلویت و ٹلوٹ کے مسائل، اس میں احتیاط جو چاہیے وہ نہیں کی جا رہی ہے، لیکن اس کو کچھ زیادہ بڑھا کر کے اس طرح پیش کیا جاتا ہے، جیسا کہ بہت بڑا کو یا خطرہ پوری انسانیت کے لیے پیدا ہو گیا ہے۔ بہر حال میں سمجھتا ہوں کہ وقت آپ کے پاس ہے اور اس موضوع کے علاوہ کسی اور مسئلہ پر بھی گفتگو آپ فرمانا چاہیں تو اظہار خیال فرمائیں۔

جناب عبدالقدیر خاں:

میں صرف یہ دریافت کرنا چاہوں گا، پہلے پانی سے متعلق میرا سوال ہے کہ پانی کی پاکی اور ناپاکی سے متعلق یہ حوض کا پانی یہ کس حکم میں آتا ہے، یہ پاک ہے یا ناپاک ہے؟ اس لیے کہ ٹھہرے ہوئے پانی پر پابندی عائد کی گئی ہے کہ اس سے وضو نہیں کیا جاسکتا، اس کے بارے میں بتلائیں، حوض کا پانی اور تالاب کا پانی یہ کس حکم میں آتا ہے؟

مفتی عبید اللہ الاسعدی:

پانی کی پاکی یا ناپاکی وغیرہ کی نسبت سے تو کتابوں میں یہ بات معروف ہے، باقی مسائل تو تجاویز میں آنے والے ہیں۔ ہمارے یہاں جو تعبیر معروف ہے پانی کی قلت

وکثرت کے اعتبار سے، جب پانی بہت تھوڑی مقدار میں ہو، بہت چھوٹا سا حوض ہو، ایسی صورت میں ظاہر ہے کوئی نجاست اس میں گرتی ہے جیسے چھوٹے گڑھے وغیرہ ہوتے ہیں تو پانی ناپاک شمار ہوتا ہے کثرت کا معیار مثلاً فقہ حنفی کے معروف مسئلہ کے مطابق یہ ہے کہ وہ درودہ (پندرہ مربع فٹ) یعنی کل رقبہ ساٹھ فٹ کا اگر ہو چوکور تو یہ درودہ کا مصداق ہوتا ہے، اس پانی کو زیادہ سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ بھی اس صورت میں زائد ہوگا جب کہ گرنے والی نجاست بہت معمولی مقدار میں ہو، ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک حوض بڑا ہو، معلوم ہوا کہ محلہ بھر کی یا گھر کی ساری گندگی اسی میں پڑ رہی ہے، آج کل یہ سب جو بن رہے ہیں طرح طرح کے ٹینک وہ مراد نہیں ہیں۔ عام پانی کا صاف ستھرا معروف سی چیز باقی باتیں آجائیں گی وقت پر۔

جناب جاوید کوثر (پٹنہ):

مجھے جو خلیجان ذہن میں تھا وہ حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی دامت برکاتہم کی تقریر کے بعد دور ہو گیا، اس لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔

مفتی اشرف عباس سعادتی:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جو باتیں آئی ہیں شروع میں بھی آئیں اور ابھی حضرت مولانا نے بھی فرمایا کہ باندھ کو کاٹنا چاہیے یا نہیں، اس سلسلہ میں حکومت کے مشوروں کا لحاظ رکھنا چاہیے اور اپنے طور سے لوگ اس طرح شروع کر دیتے ہیں تو اس سے بہت سے مناسد پیدا ہو سکتے ہیں۔ یقیناً عام حالات میں یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن عملاً جو صورت حال واقعاتی دنیا میں پیش آرہی ہے وہ بہت سی مرتبہ اس سے مختلف ہوتی ہے، چھوٹے چھوٹے گاؤں ہوتے ہیں، چھوٹے چھوٹے دیہات، اور وہ سیلاب کی زد میں آتے ہیں، شام سے پانی بھرنا شروع ہوتا ہے اور گاؤں والوں کو بعض اوقات اسی وقت اپنی صوابدید پر فیصلہ لینا ہوتا ہے، حکومت کے افراد جو ضلع میں ہیں

یا بلاک میں ہیں یا تحصیل میں ہیں وہ عموماً ایسے مواقع پر دستیاب نہیں ہوتے ہیں، تو اس لیے یہ تو صحیح ہے کہ عام حالات میں اس کا انحصار حکومت پر ہونا چاہیے؛ لیکن بہت سی مرتبہ یعنی دیانت کے اعتبار سے اور اخلاقی اعتبار سے اضطراری احوال جب پیش آئیں تو اس سلسلہ میں کچھ گنجائش نکلتی ہے یا نہیں اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، صرف اس کو یہ سمجھ کر کے یہ حکومتوں سے متعلق مسئلہ ہے میرا خیال ہے کہ اسی پر نہ چھوڑا جائے۔

مولانا خالد حسین نیوی:

سوال نمبر ۴ کے حوالہ سے مخدوم مکرم مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے فرمایا کہ ماہرین کی رائے سے استفادہ کرنے کے بعد اس سلسلہ میں فیصلہ کیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ ماہرین کیسے کیا ہے اور یہ تجزیاتی عمل کیسے ہوتا ہے، دوسری چیز جو ہمارے غور کرنے کی ہے کہ پہلے ہم خود بحث کر کے مطمئن ہو جائیں، پھر ہم ان فنی پہلوؤں کو جاننے کے لیے ان کی آراء کو جانیں، ان کی آراء سے ہم استفادہ کریں۔ اس سلسلہ میں ایک بات قابل ذکر ہے کہ یہ کہا گیا ہے کہ کیماوی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو، اس کی آلودگی دور ہو جاتی ہے، کیا اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک سمجھا جائے گا، پاک ہونا اور چیز ہے اور طیب ہونا یہ دوسری چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: ”أحل لكم الطيبات و حرم عليكم الخبائث“ پانی پاک ہو جائے کیماوی عمل سے گزارنے کے بعد، کشید یا فلٹر کرنے کا جو عمل ہوتا ہے یہ ممکن ہے لیکن وہ پانی طیب بھی ہو جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے درست قرار دیا ہے، میں سمجھتا ہوں ایسا نہیں ہے، پاک ہونے کے بعد اس کا بیرونی ہم استعمال کر سکتے ہیں، مثلاً کپڑا صاف کرنا، گندگیوں کو دور کرنا یا اور جو دوسرے استعمالات ہیں جس کو خارجی استعمال کہتے ہیں، ظاہری استعمال اس کا کیا جاسکتا ہے، لیکن جہاں تک باطنی استعمال کی بات ہے کہ پینے کے لیے اس کا

استعمال کرنا تو بہر حال اس کی جو خباثت ہیں جیسے پیشاب کے اندر جو خباثتیں ہیں، شراب کے اندر، خون کے اندر جو خباثتیں ہیں وہ ختم ہو جائیں گی ایسا نہیں ہے، وہ خباثت برقرار رہیں گی اور انسانی جسم میں وہ پانی پہنچنے کے بعد وہ اپنے نبض کا مظاہرہ کرے گا اور نبض کے اثرات بھی جسم میں پھیلیں گے، اس لیے میرے خیال سے اس حوالہ سے بھی اس پر نظر ڈالیں اور اس پر غور کیا جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

یہ مولانا خالد نیوی صاحب نے اس وقت فرمایا کہ اس کے فنی پہلو پر ماہرین کے مشورہ سے اس پر غور کیا جائے اور اس کے فنی پہلو پر اگر اس وقت غور کر لیا جائے تو بہتر ہے، میں نے ایسا سمجھا ہے، اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ ملیح آباد میں جو سمینار ہوا تھا جس میں الکل اور جائین کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا اور اس وقت ماہرین بھی وہاں آئے تھے، تو تحویل حقیقت کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا، اس پر اصولی بحث اس وقت ہم لوگ کر چکے ہیں، لیکن اس مسئلہ پر اس کی تطبیق درست ہوگی یا نہیں ہوگی، یہ جب تک ماہرین سے، ان کی گفتگو سے آپ فائدہ نہیں اٹھائیں، صحیح طور پر آپ اس کے بارے میں رائے قائم نہیں کر سکیں گے۔ رہ گیا دوسرا مسئلہ جو آپ نے حلال اور طیب کے بارے میں فرمایا ہے، ایک تو بہت سی جگہ مفسرین نے طیب کا ترجمہ ہی حلال سے کیا ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر آپ کے نزدیک تحویل حقیقت کے بعد اب وہ ماء خالص ہو گیا ہے تو ماء خالص سے حکم طہارت کا بھی متعلق ہے اور حلت کا بھی متعلق ہے۔ تو طبعی طور پر کسی چیز کا پسند نہ کرنا الگ بات ہے، لیکن حکم شرعی میں دونوں میں کیسے فرق کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال ہماری بھی رائے وہی ہے جو مولانا عتیق صاحب نے فرمائی کہ اس مسئلہ پر شریعت کے مسائل بڑے نازک اور اہم ہیں اور جب تک اس کی تمام جہتیں ہمارے سامنے نہ آجائیں، کوئی آخری فیصلہ ہمیں نہیں کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ اگلی نشست میں یہ ضروری نہیں ہے کہ پھر سے

سوالنامہ جاری ہو، پھر سے مقالات لکھے جائیں لیکن ماہرین کی گفتگو کر کے اور اس وقت مقالات میں جو باتیں آئی ہیں اس کو سامنے رکھ کر اس وقت انشاء اللہ بحث ہوگی اور پھر اس پر تجویز مرتب کی جائے گی۔

مولانا قمر عالم قاسمی:

میرا سوال جو ہے سوال نمبر ۷ سے متعلق ہے کہ لوگوں اور عام شہریوں کو حکومت اس بات کا مکلف بنا سکتی ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لیے مخصوص کریں، اس عمل میں غیر مسلم توفرخ دل ہیں مگر مسلمانوں کے پاس جو عموماً غریب ہوتے ہیں اور ان کے پاس مکان یا دکان کے لیے زمینیں کم ہوتی ہیں وہ اس زمین کے ایک ایک انچ کو اپنی دوکان یا مکان بنانے میں استعمال کر لیتے ہیں۔ اس لیے ہمارے خیال میں مسلمانوں کو بھی مکلف بنایا جائے، خاص طور پر جو لوگ شہروں میں یا ایسے علاقوں میں بستے ہیں، جہاں پانی کی سطح کافی نیچے جا چکی ہے کہ وہ مکان کے ایک حصہ کو حفاظت آب کے لیے مخصوص کریں جیسا کہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے عرض کیا، اور خود میں جہاں رہتا ہوں رانچی کے علاقے میں پانی کی سطح کافی نیچے ہے تقریباً چار سو ساڑھے چار سو فٹ نیچے پانی کی سطح جا چکی ہے اور پانی کی شدید قلت ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ پر کم از کم سارے علماء کرام، چوں کہ یہ پیغام ہمارا ساری دنیا میں جائے گا اور سب لوگ اس مسئلہ پر اتفاق کر لیں کم از کم مسلمان چاہے جتنی زمین ہو ان کے پاس، اسی میں سے دو فٹ تین فٹ چار فٹ جگہ چھوڑ کر کے اپنا مکان بنائیں تاکہ بارش کا پانی وہاں محفوظ ہو سکے اور پانی کی سطح اوپر آسکے۔

مفتی زاہد علی خان (علی گڑھ):

اس کا پہلو ایک یہ ہے کہ جہاں پانی زیادہ دستیاب نہیں ہوتا وہاں ایک طریقہ یہ نکالا

ہے جیسے دہلی کورنمنٹ کا قانون ہے کہ وہ جو بارش کا پانی چھت پر برستا ہے اس کے لیے پائپ تعمیر میں زمین کے اندر ڈال دیا جاتا ہے اور وہاں ایسا انتظام کیا جاتا ہے روڑے اور بہت سی چیزیں ڈال کر دس یا بارہ فٹ یا پندرہ فٹ نیچے لے جاتے ہیں، وہ لازمی ہو گیا ہے، نقشہ کے پاس کرانے کے لیے، تو زمین کے چھوڑنے کے بجائے جو اصل مسئلہ ہے وہ برقرار رہتا ہے، زمین چھوڑنا ضروری نہیں صرف ایک پائپ کی جگہ زمین کے اندر لے جانی جاتی ہے اور وہ مسئلہ اپنے آپ حل ہو جاتا ہے اور سارا بارش کا پانی اسی جگہ زمین کے اندر چلا جاتا ہے، یہ اس کا ایک الگ سا پہلو ہے، آپ کے لیے انشاء اللہ مفید ہوگا۔

☆☆☆